مولانا زین العابدین اعظمیؒ نمبر

مرتبہ

(مولانا) انصار احمد قاسمی معروفی

استاد مدرسہ چشمۂ فیض ادری مئو

ناشر

المعارف دار المطالعہ، پورہ معروف ضلع مئو، یوپی
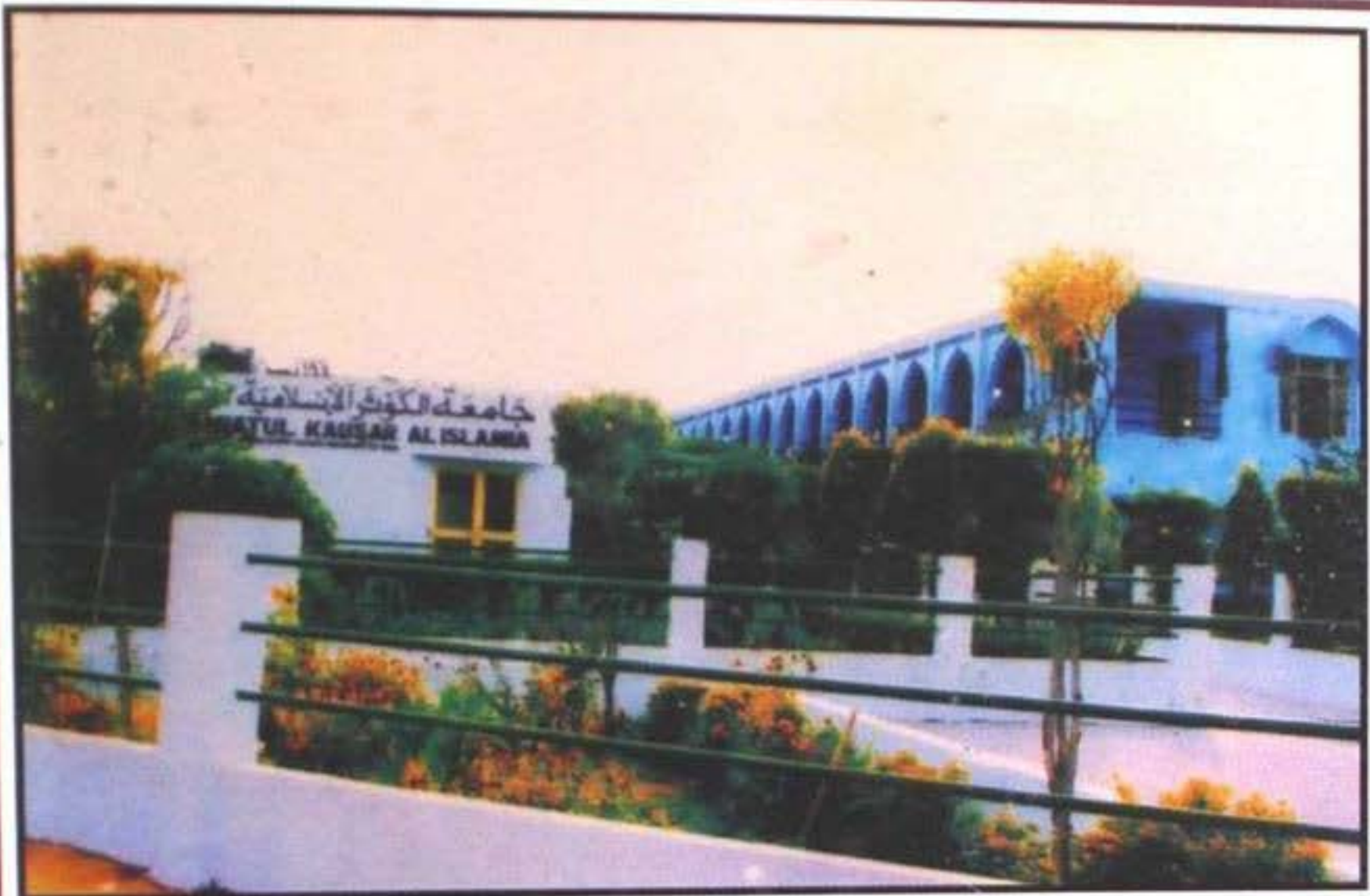
جامعۃ الکوثر ایک نظر میں

شعبہ جات: دفتر اہتمام • شعبہ تحفیظ القرآن الکریم • شعبہ تجوید وقرات • شعبہ عربی وفارسی • شعبہ ناظرہ واردو دینیات • شعبہ پرائمری • شعبہ تصنیف وتالیف • شعبہ دعوت وتبلیغ • شعبہ مطبخ • شعبہ کمپیوٹر • شعبہ برقیات • شعبہ دارالافتاء • شعبہ تنظیم المکاتب • شعبہ تعلیم وترقی • تعداد مدرسین وملازمین 25 • تعداد بیرونی طلبہ (جن کی جامعہ مکمل کفالت کرتا ہے) 500

نوٹ: جامعہ کا سالانہ خرچ پچیس لاکھ (۲۵۰۰۰۰۰) جو تعمیرات کے علاوہ ہے صاحب خیر حضرات سے گذارش ہے کہ جامعہ کا تعاون فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

خط وکتابت کا پتہ
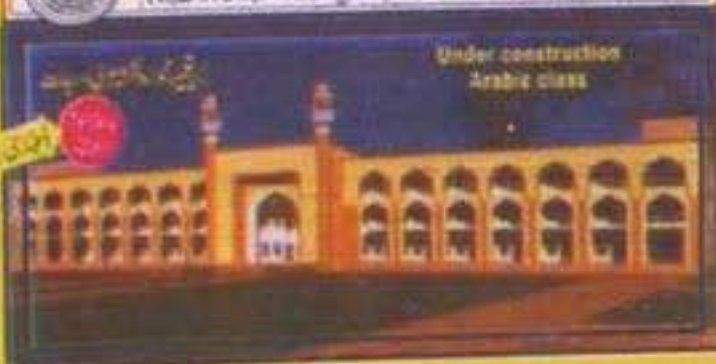
(جناب حضرت قاری) محمد خالد معروفی (صاحب)

مہتمم جامعۃ الکوثر الاسلامیہ جندل نگر ۲۰۱۰۱۵ غازی آباد یوپی الہند

چیک وڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں
Please write on cheque or Draft only

STATE BANK OF PATIALA
A / C NAME : JAMIATUL KAUSAR -AL- ISLAMIA
A / C.NO. 65029245695
I F S C CODE STBP : 0000241
SWIFTBIC CODE : STBPINBB001

بیادگار: عارف باللہ حضرت مولانا محمد یسین صاحبؒ (سابق صدر المدرسین مدرسہ معروفیہ ودار العلوم قدسیہ سینیر اکڑا مدرسہ ۲۴ پرگنہ بنگال) خلیفہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتح پوریؒ

سرپرست: مولانا محمد ارشد صاحب الاعظمی، استاذ حدیث جامعہ مظہر العلوم بنارس

جنوری
فروری
مارچ ۲۰۱۴ء
صفر المظفر
ربیع الاول
ربیع الثانی
۱۴۳۵ھ

جلد نمبر
۱۵
شمارہ نمبر
۸/۷/۶
سیریل نمبر
۱۷۵/۱۷۶/۱۷۷

حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمیؒ نمبر

ان کا جو فرض ہے وہ اہل سیاست جانیں ۔ میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

مرتب
مولانا انصار احمد معروفی
استاذ مدرسہ چشمۂ فیض
ادری (مئو)

ناشر
المعارف دار المطالعہ
پورہ معروف، کرتھی
جعفر پور (مئو)
پن کوڈ: 275305

مجلس ادارت
مولانا مطیع اللہ مسعود قاسمی
مولانا محمد حمران قاسمی
مولانا نوشاد رمضان قاسمی
مولانا محمد شاکر عمیر معروفی
مولانا ابو ہریرہ یوسفی

تفصیلات

نام کتاب	ماہنامہ پیغام پورہ معروف مئو
	حضرت مولانا زین العابدین صاحبؒ اعظمی نمبر
تحریر	مختلف قلم کار
مرتب	انصار احمد معروفی قاسمی
صفحات	۴۶۴
تعداد	ایک ہزار (۱۰۰۰)
ناشر	المعارف دار المطالعہ، پورہ معروف، کرتھی جعفر پور (مئو)
کمپوزنگ	یوسفی کمپیوٹر Mb:9198568565
طبع اول	۱۴۳۵ھ مطابق ۲۰۱۴ء
قیمت	

ملنے کے پتے:

المعارف دار المطالعہ، پورہ معروف، کرتھی جعفر پور، ضلع مئو، یوپی۔

دفتر ماہنامہ ''خوشبو'' پنچایت بھون روڈ، پورہ معروف کرتھی جعفر پور (مئو)

مکتبۃ الفہیم، ریحان مارکیٹ دھوبیا املی روڈ، مئو ناتھ بھنجن۔

ماہنامہ پیغام

مولانا زین العابدین اعظمیؒ نمبر

خاکی و نوری نہاد، بندۂ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی، اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دل فریب، اس کی نگہ دل نواز
نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو
رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاک باز

(علامہ اقبالؔ بالِ جبریل بعنوان مسجد قرطبہ)

فہرست

اور یہ تعلق اب بھی برقرار تھا، جس کا مشاہدہ راقم نے اس مختصر سی ملاقات میں کیا، اس ملاقات میں شاہ بانو کے مقدمہ کے ضمن میں لفظ ''متاع'' کی شرعی تشریح کا مسئلہ زیر بحث آگیا، قاضی صاحب مرحوم نے پوچھا کہ مولانا! کیا قرآن پاک یا حدیث میں کوئی ایسی صراحت مل سکتی ہے، جس سے یہ متعین ہوجائے کہ مطلقہ کو ملنے والے ''متاع'' کا مصداق زندگی بھر کا نفقہ نہیں؛ بلکہ ایک جوڑا کپڑا ہے؟

حضرت مولانا زین العابدین صاحبؒ نے برجستہ فرمایا کہ بخاری شرف میں امرأۃ الجون کے نکاح کی جو روایت ہے، اس میں رسول اللہ ﷺ نے بطور متاع ایک جوڑا کپڑا دینے کا صراحتاً حکم فرمایا ہے، یہ سن کر قاضی صاحب مرحوم اچھل پڑے، فون کر کے بخاری شریف منگوائی گئی اور مولانا نے وہ مقام نکال کر دکھلایا، قاضی صاحب نے پوری بحث نقل فرمالی۔

حضرت مولانا زین العابدین صاحب کو علم ظاہری کے ساتھ احسان وسلوک سے بھی وافر حصہ ملا تھا اور جہاں ان کے تلامذہ کی ایک بڑی تعداد نے ان سے علمی اکتساب فیض کیا، وہیں مسترشدین کی بڑی تعداد نے روحانی فیوض وبرکات حاصل کئے اور تادم واپسیں دونوں سلسلہ جاری رہا۔

حضرت مولانا نے بیماری کے آخری ایام میں جس رضا وتسلیم اور صبر واستقامت کا مظاہرہ فرمایا وہ بے مثال ہے، یقیناً وہ ''طِبْتَ حَیًّا وَمَیِّتًا'' کے بہترین مصداق تھے، اب وہ ہمارے درمیان نہیں رہے؛ مگر ان کی یادیں ان کے علمی نقوش اور ان کے نقش پا، پس ماندگان کے لئے دلیلِ راہ اور توشۂ عمل کے طور پر باقی ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور جوارِ رحمت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆
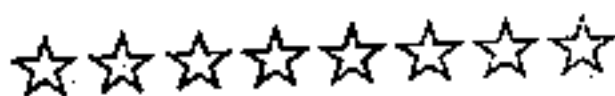
کلماتِ تائید

حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی دامت فیوضہم
صدر شعبۂ تخصص فی الحدیث دارالعلوم دیوبند

''ماہنامہ پیغام''پورہ معروف مئو کی جانب سے شائع ہونے والے خصوصی شمارہ: حضرت مولانا زین العابدین اعظمیؒ نمبر کے سلسلہ میں یہ دعا ہے کہ اس میں مذکور مولاناؒ کی حیات وخدمات پر مشتمل مضامین سودمند ثابت ہوں، اسے پڑھ کر لوگوں کے دلوں میں کچھ کرنے اور آگے بڑھنے کا جذبہ پیدا ہو، کم ہمت وکم حوصلہ انسانوں کو حوصلہ ملے۔

حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمیؒ اور میں ہم دونوں ایک ہی گاؤں کے رہنے والے تھے، وہ مبارکپور احیاء العلوم سے پڑھ کر اور میں گاؤں ہی میں پڑھ کر دونوں ایک ہی ساتھ دار العلوم دیوبند پہنچے، طالب علمی کا زمانہ عموماً تعلیمی مشغولیت کا گزرا اور کافی محنت اور دلچسپی کے ساتھ تعلیم حاصل کی، یہاں تک کہ دورۂ حدیث شریف کے اندر انہوں نے اول نمبر حاصل کیا جب کہ اس وقت بڑے اچھے اچھے، ذہین، ذی استعداد طلبہ موجود تھے، فراغت کے بعد مختلف مدارس کے نصاب تعلیم کی کتابوں کی تدریس میں بھی نمایاں رہے، مدرسۃ الاصلاح جہاں عربی دانی کا غلغلہ، بلاغت، معانی، بدیع اور صنائع کا سکہ چلتا تھا وہاں پر بھی موصوف سکۂ رائج الوقت ثابت ہوئے، احیاء العلوم مبارکپور میں مدتوں درس دیا، گجرات چھاپی میں بھی تدریسی خدمات انجام دیں اور علم قراءت وتجوید کو رواج دیا، جامعہ مظہر العلوم میں بنارس میں کئی برس شیخ الحدیث رہے، یہاں سے ریٹائر ہوکر مولانا رضوان القاسمی کی تحریک پر ان کے مدرسہ دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد میں پہنچ گئے، پھر جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں شعبۂ تخصص فی الحدیث کی سربراہی اور صدارت کی ذمہ داری سونپی گئی اور ایک طویل عرصہ تک اس ذمہ داری کو نبھایا اور ہر جگہ تشنگانِ علوم ومعرفت ان سے فیضیاب ہوتے رہے، ساتھ ہی ساتھ وہ احسان وسلوک کے بھی راہ رو تھے، پورہ معروف میں ذکر واذکار کی مجلسیں منعقد کیں جس کے برکات وثمرات نمایاں اور ظاہر ہوئے، اللہ مولانا کی مغفرت فرمائے اور اس خصوصی نمبر کو مفید بنائے، آمین۔

دعائیہ کلمات

حضرت مولانا سید محمد سلمان حسنی سہارنپوری مدظلہ العالی
ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور یوپی

نحمده ونصلي على رسوله الكريم، أما بعد!

احادیث شریفہ میں دنیا سے رخصت ہونے والے حضرات کے بارے میں ہدایت دی گئی ہے کہ "اذكروا محاسن موتاكم" آج بھی جانے والے حضرات کو خراج عقیدت پیش کرنا، تعزیتی جلسے جلوس، دور حاضر کا عام معمول ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ حدیث شریف کا اصل موقع و محل امت کے وہ عباد صالحین اور مؤمنین کاملین خصوصاً وہ اکابر و مشائخ، بزرگان دین، علماء راسخین ہیں، جن کے دنیا سے رخصت ہونے کو "موت العالم موت العالم" جیسے جامع ترین جملہ سے تعبیر کیا گیا ہے، ان حضرات کی پوری زندگی علم و عمل، جہد مسلسل، مجاہدہ و قربانی، اصلاح خلق اور خدمت عوام سے عبارت ہوتی ہے اور پوری زندگی دوسروں کے لیے عبرت و موعظت و نصیحت کا سامان اپنے اندر رکھتی ہے، اس لیے ایسے حضرات کا ذکر و تذکرہ، ان کے واقعاتِ زندگی، ان کے معمولات اور ملفوظات کو بار بار یاد کرتے رہنا ہر ایک کے لیے مفید اور نافع ہے۔

ہمارے مدرسہ کے شعبہ تخصص فی الحدیث کے ذمہ دار اعلیٰ، مشہور محدث، عالم ربانی حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمی قدس سرہ بھی انہیں مشائخ و اکابر میں سے تھے جن کی پوری زندگی اہل علم کے لیے نمونۂ عمل تھی، آپ کی وفات حسرت آیات پر مختلف علما نے، مختلف مدارس اور اداروں نے مفید مضامین شائع کئے اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

مجھے یہ معلوم ہوکر خوشی اور مسرت ہوئی کہ مولانا مرحوم کے وطن پورہ معروف سے شائع ہونے والے ماہنامہ "پیغام" نے حضرت موصوف کی یاد میں خاص شمارہ شائع کرنے کا ارادہ کیا ہے، دل سے دعا ہے کہ حق تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور قارئین کے لیے نافع بنائے۔ فقط والسلام

محمد سلمان

۱۴؍ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ

عرضِ مرتب

انصار احمد قاسمی معروفی

اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر واحسان ہے کہ اس نے ماہ نامہ پیغام، پورہ معروف، کے اِس خصوصی نمبر بیاد حضرت مولانا زین العابدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اشاعت کی توفیق بخشی، حضرت مولانا کی ذات والا صفات، مجموعۂ کمالات تھی، اللہ تعالیٰ نے ان میں بہت ساری امتیازی خوبیاں جمع فرمادی تھیں، اگر یہ خصوصی نمبر نہ نکلتا اور ملک کے بہت سے مشہور، وغیر معروف اہل علم وقلم حضرات اور شیخ مرحوم کے متعلقین سے مضامین قلم بند کرنے کی گزارش اور کوشش نہ کی جاتی، تو شاید مولانا کی حیات وخدمات کے بہت سے اہم گوشے پردہ خفا میں رہ جاتے اور تاریخ کا ایک اہم باب جو قابلِ نمونہ ہے، وہ ضائع ہوجاتا۔

اگر چہ حضرت مرحوم نے اپنی آپ بیتی ''اپنی باتیں'' نام سے لکھ دی ہیں اور وہ آپ بیتی شائع بھی ہوگئی ہے؛ مگر حضرتؒ کے تقویٰ وطہارت، علم وعمل کی گہرائی وگیرائی، اندازِ تربیت، کمالِ شفقت، مردم سازی، وافراد سازی کی خوبیاں، سفر وحضر میں آپ کے معمولات کی پابندی، طریقۂ تدریس، طلبہ سے کام لینے اور ان کی رہبری کے ذریعے تعاون، تصنیفات وتالیفات وترجمہ کے ذریعہ دینِ اسلام کی خدمت، تقریر اور تبلیغ کے ذریعے اصلاحِ امت، خانقاہی نظام قائم کر کے تزکیہ واصلاحِ باطن کا روحانی کام، اور ان کے اندر زہد وتقویٰ وغیرہ کی صفت سے متعلق ایسے کتنے عنوانات ہیں جو آپ کی حیاتِ مستعار کا ایک روشن باب ہیں، جن کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے ایک نائبِ رسول کی حیثیت سے زندگی گزار کر لوگوں کے سامنے ایک قابلِ تقلید نمونہ چھوڑا ہے، اور جن کی تقلید سے آدمی منزلِ مقصود تک پہنچ سکتا ہے، ان تمام کی معلومات اس رسالہ کے مطالعے سے ہی حاصل ہوسکتی ہے۔

اسی مقصد کے تحت اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں نبیوں کے قصے اور ان کی دعوت سے متعلق آیتیں نازل فرمائیں اور اس میں اللہ تعالیٰ نے نبیوں اور رسولوں کے علاوہ گذشتہ امتوں کے صلحاء اور پاک باطن افراد کے قصوں کو بھی بیان فرمایا، تاکہ پڑھنے اور سننے والے اس سے سبق حاصل کریں، اسی کے پہلو بہ پہلو احادیثِ مبارکہ میں حضور ﷺ نے امت کی اصلاح وفلاح کے لیے

بہت سی امتوں کے نیک، متقی اور پاک باز حضرات کے سبق آموز واقعات کا مفصل تذکرہ کیا ہے، تاکہ اس کی روشنی میں آدمی صحیح سمت میں بآسانی چل سکے، اور کج روی سے محفوظ رہے۔

اسی مقصد کے تحت یہ خصوصی نمبر بھی شائع کرنے کا فیصلہ کیا گیا، تاکہ حضرت مولانا زین العابدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ، جو اسم بامسمیٰ تھے، ان کی حیات وخدمات کے داخلی وخارجی پہلو بھی ہمارے سامنے آجائیں اور یہ "خصوصی نمبر" روشنی کا مینار ثابت ہو سکے۔

یہ قلمی ماہ نامہ پیغام پورہ معروف، آج سے سترہ سال قبل ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ، مطابق اگست ۱۹۹۶ء سے نکلنا شروع ہوا، جس کے سرپرست مؤرخ اسلام حضرت مولانا محمد عثمان صاحبؒ تھے، مدیر راقم الحروف اور نائب مدیر مولانا مطیع اللہ مسعود صاحب تھے، یہ آٹھ صفحے پر مشتمل دیواری رسالہ ہوتا تھا، جسے شیشے کے فریم میں لگا کر بازار کی چہل پہل والی جگہ پر آویزاں کیا جاتا تھا، اور لوگ اسے شوق سے پڑھتے تھے، محرم ۱۴۱۸ھ، مطابق مئی ۱۹۹۷ء میں مولانا شبیر احمد مشتاق صاحب، راقم الحروف اور مولانا مطیع اللہ مسعود قاسمی صاحب نے ایک انجمن "النادی الاسلامی" کے نام سے پورہ معروف میں قائم کی، انجمن کے قائم ہونے کے بعد اس رسالہ کو اس کا ترجمان بنا دیا گیا، جس کے مالی تعاون سے یہ رسالہ برابر نکلتا رہا، اس دوران انجمن کے اراکین نے مشورہ سے یکم رمضان ۱۴۲۱ھ، مطابق نومبر ۲۰۰۰ء سے اسے پندرہ روزہ کردیا، جو ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ، جولائی ۲۰۰۱ء تک ہر پندرہ دن پر شائع ہوتا رہا، پھر حسب سابق ماہ نامہ ہوگیا۔

النادی الاسلامی کے کمزور ہوجانے اور دستِ تعاون کھینچ لینے کی وجہ سے یہ رسالہ پھر ابتدا کی طرح نکلنے لگا اور اکتوبر ۲۰۰۳ء مطابق شعبان ۱۴۲۴ھ تک پابندی سے جاری رہا، پھر معاون ساتھیوں کے مختلف جگہوں پر تدریسی کام میں مشغولیت کی وجہ سے اس کی اشاعت تقریباً ۴ر سال تک موقوف رہی، اور پھر اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی توفیق سے نشاۃِ ثانیہ کے طور پر یہ رسالہ شوال ۱۴۲۸ھ، مطابق اکتوبر ۲۰۰۷ء سے نکلنا شروع ہوا، جو الحمدللہ اب تک پابندی سے شائع ہو رہا ہے۔

یہ رسالہ جو اب تک صرف ۸ر صفحہ پر مشتمل ہوتا تھا اور اسے آویزاں کیا جاتا تھا، جنوری ۲۰۱۰ء، محرم ۱۴۳۱ھ سے ۱۶ر صفحے میں اسے شائع کیا جانے لگا، کبھی کبھی ۲۰ر صفحہ، اور اس سے زیادہ پر مشتمل ہوجاتا، حافظ عبداللطیف صاحب متوفی ۴محرم ۱۴۳۳ھ، مطابق ۳۰ نومبر ۲۰۱۱ء کی وفات پر ماہِ دسمبر کا شمارہ ان

کی یاد میں مختصر نمبر کی شکل میں ۳۲؍صفحہ کا نکالا گیا، اور پیغام کے مستقل قلم کار حضرت مولانا محمد عزیر صاحب قاسمی متوفی ۷؍ نومبر ۲۰۱۲ء کی وفات پر بطور خصوصی نمبر ۵۶؍صفحہ میں شائع کیا گیا۔

اس کے اب تک اس شمارہ کے ساتھ ۱۸۰؍شمارے منظر عام پر آچکے ہیں، لیکن ان میں سے کئی شمارے غائب ہو چکے ہیں، اس رسالہ میں دینی وادبی مضامین کے علاوہ پورہ معروف وقرب وجوار میں ہونے والی علمی، دینی، ادبی، وفلاحی تقریبات، اور تہنیتی وتعزیتی پروگراموں کی روداد یں بڑے اہتمام سے شائع کی جاتی رہی ہیں، جو دیگر رسالوں میں نہیں مل پائیں گی، چنانچہ ان ہی گذشتہ شماروں میں شائع شدہ حضرت مولانا زین العابدین اعظمیؒ کے بہت سے ملفوظات وتقریریں آج ہم اس رسالہ کی زینت بنا رہے ہیں، جو شاید ہی اور کہیں مل پائیں۔

اس رسالہ سے حضرت مولانا کا بھی تعلق تھا، وہ اس کو پسند کرتے اور پڑھتے تھے، انھوں نے اس ماہ نامہ کا تذکرہ اپنے ایک سوانحی مضمون میں کیا ہے جو انھوں نے راقم الحروف کے جدامجد حضرت مولانا محمد یاسین صاحبؒ متوفی ۱۳۷۱ھ (سابق صدرالمدرسین مدرسہ معروفیہ ودارالعلوم قدسیہ، اکڑا اسٹیٹ مدرسہ ۲۴ پرگنہ، بنگال وخلیفۂ حضرت شاہ وصی اللہ صاحب فتح پوریؒ) کی حیات وخدمات کے سلسلے میں سہ ماہی دعوت انسانیت، احمد نگر، مہاراشٹر میں تحریر فرمایا ہے، اور دعا سے نوازا ہے، بعض دفعہ حضرت مولانا مرحوم نے کسی پروگرام میں تقریر سے قبل میری موجودگی کے بارے میں بھی سوال کیا ہے کہ وہ ہیں کہ نہیں؟ مقصد یہ تھا کہ اس پروگرام کی تفصیل محفوظ ہو جائے۔

اس خصوصی شمارہ کے لیے مضامین کی حصول یابی کی خاطر بہت سے احباب نے رہنمائی اور مدد فرمائی، مجلسِ ادارت کے اراکین نے اپنے اپنے مضامین عنایت کرنے کے ساتھ دیگر قلم کاروں کے مقالات کی اپنے اپنے کمپیوٹر پر اس کی کمپوزنگ بھی کی اور اس کو کام یاب بنانے کے لیے بہت سہارا بنے، جی تو چاہتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا فرداً فرداً نام لے کر شکریہ ادا کروں اور ان تمام لوگوں کا بھی جنھوں نے قدم قدم پہ رہنمائی اور تعاون فرمایا، مگر صفحات کی طوالت کی وجہ سے سب کا نام لینا مشکل ہے؛ اس لئے صرف بعض مخصوصین کے اسماء پر اکتفا کرتا ہوں جن میں بالخصوص نوجوان عالم وفاضل برادر عم زاد مولانا محمد شاکر عمیر معروفی رفیق شعبہ تحقیق وتصنیف جامعہ قاسمیہ دارالعلوم زکریا، مرادآباد کا شکر گزار ہوں، جنہوں نے مضامین کی سیٹنگ، پروف ریڈنگ اور اس کی اصلاح

وتزئین کاری میں اہم کردار ادا کیا، اس کے علاوہ رفیق محترم ماہر علم وفن مولانا ارشاد خلیل صاحب معروفی، صدر المعارف دار المطالعہ وشیخ الحدیث ہاجرہ گرلس اسکول کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں، جنہوں نے اکثر مضامین ومنظوم حصوں کی اصلاح میں اپنے فطری ذوق کی مناسبت سے خصوصی دلچسپی لے کر ہر طرح کی رہنمائی کی، نیز مولانا ابو ہریرہ یوسفی ایڈیٹر ''بچوں کا ماہنامہ خوشبو'' پورہ معروف مئو کا بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے اس کی کمپوزنگ وغیرہ میں بہت حصہ لیا اور ان کے علاوہ مولانا مطیع اللہ مسعود قاسمی، مولانا نوشاد رمضان قاسمی اور مولانا عبد الباسط قاسمی بھی لائق شکر گزار ہیں، ساتھ ہی ان تمام حضرات کے ہم بے حد شکر گزار ہیں، جنھوں نے اس اشاعت کو باوقار، یادگار اور وقیع بنانے کے لیے کسی بھی طرح سے مدد فرمائی، جنہیں اللہ تعالیٰ بہتر طور پر جانتا ہے، اللہ ان سب لوگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کو دنیا اور آخرت میں کامیابی سے سرفراز فرمائے۔

ابتداءً اس خصوصی اشاعت کی تاریخ کے بارے میں اعلان کیا گیا تھا کہ ان شاء اللہ جولائی ۲۰۱۳ء میں یہ نمبر شائع کیا جائے گا، مگر رمضان اور عید بقر عید کی تعطیل اور لوگوں کی دیگر اہم مصروفیات کی وجہ سے، نیز بعض ضروری مضامین کے نہ ملنے کے سبب خلاف اندازہ تاخیر ہوگئی، اس کے لیے ہم معذرت خواہ ہیں، اہم نمبر کی تیاری کے ساتھ اب تک ہر ماہ پیغام الحمد للہ شائع بھی ہوتا رہا۔

ضروری وضاحت:

ہم نے تمام قلم کاروں کے ان مضامین کو جو ہمیں موصول ہوئے، اس خصوصی شمارے میں شائع کیا ہے؛ البتہ بعض مضامین کے غیر معمولی طویل ہونے، نیز مضامین کے تکرار کی وجہ سے حذف واضافہ وتلخیص سے بھی کام لیا گیا ہے، اس سلسلہ میں ہم معذرت خواہ ہیں، والعذر عند کرام الناس مقبول۔

یہ شمارہ آپ کو کیسا لگا؟ قارئین مطالعہ کرنے کے بعد فون یا خطوط کے ذریعے اپنی بے باک رائے کا اظہار کریں، ہم نے ہر طرح سے اپنی بساط کے مطابق اس کو معیاری اور مفید بنانے کی کوشش کی ہے، اگر اس میں کوئی خوبی نظر آجائے، تو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کہیں نقص نظر ملے تو وہ بندہ کی طرف سے ہے۔

مولانا زین العابدین صاحبؒ کا سوانحی خاکہ ایک نظر میں

(مرتب کے قلم سے)

سلسلۂ نسب: زین العابدین بن محمد بشیر بن محمد نذیر بن غلام محمد بن حافظ عبدالقادر بن عبدالرحمن۔

جائے پیدائش: پورہ معروف، محلہ پرانا پورہ، ضلع مئو، یوپی۔

تاریخ پیدائش: یکم رجب ۱۳۵۱ھ، مطابق اکتوبر ۱۹۳۲ء۔

ابتدائی تعلیم: ۱۳۵۷ھ میں مدرسہ معروفیہ، پورہ معروف میں داخل ہوئے اور شرح جامی تک یہیں تعلیم حاصل کی، یہاں کے اہم اساتذہ میں مولانا شبلی صاحب شیدا خیرآبادیؒ اور مولانا عبدالستار صاحب معروفیؒ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

مزید تعلیم: جامعہ احیاء العلوم مبارک پور، اعظم گڈھ، یہاں کے اہم اساتذہ میں مفتی یٰسین صاحب مبارک پوریؒ اور مولانا عبدالجبار صاحب اعظمی معروفیؒ۔

اعلیٰ تعلیم وفراغت: ۱۳۶۸ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ، یہاں کے اہم اساتذہ میں حضرت شیخ الاسلام، حضرت شیخ الادب والفقہ اور حضرت علامہ بلیاوی رحمہم اللہ وغیرہم ہیں، چارسال آپ دیوبند میں رہے اور ۱۳۷۲ھ میں فراغت حاصل کی، تمام مدارس میں اعلیٰ وامتیازی نمبرات سے کامیابی ملی۔

تدریسی خدمات: فراغت کے بعد فوراً بعد امین پور شاشن، کلکتہ کے قریب ایک مدرسہ سے تدریس کا آغاز، پھر خالص پور، اعظم گڈھ میں تدریسی خدمت انجام دی، پھر مئی ۱۹۵۴ء میں مدرسہ مدینۃ العلوم، اکلہ خان پور، میرٹھ میں تدریس، ۱۹۵۵ء سے ۱۹۵۸ء تک گوہا، پھول باڑی، آسام میں تدریس، اگست ۱۹۵۸ء ۱۳۷۸ھ سے ۱۳۹۰ھ تک بارہ برس جامعہ احیاء العلوم، مبارک پور اعظم گڈھ میں، درجات عالیہ میں تدریسی سلسلہ، اسی زمانہ میں آپ نے حضرت قاری ظہیر الدین صاحب معروفیؒ استاذ جامعہ بالا سے سبعہ قرأت پڑھی، وہاں سے سبک دوشی کے بعد ایک سال آپ نے تبلیغی

جماعت میں وقت (۷۱-۱۹۷۰ء میں) لگایا، ۱۳۹۱ھ سے ۸؍سال تک آپ نے مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڈھ، میں پڑھایا، بعدہ ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۹۸۱ء میں دارالعلوم چھاپی، گجرات، میں بلائے گئے اور پانچ سال خدمت انجام دیں، اس کے بعد جامعہ مظہر العلوم بنارس، میں ۹؍سال شیخ الحدیث رہے اور ۱۹۹۳ء میں ریٹائرڈ ہوکر دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد، میں دوسال شیخ الحدیث رہے اور آخر میں ۱۴۱۵ھ، مطابق ۱۹۹۵ء میں آپ مظاہر علوم، سہارن پور میں، شعبۂ تخصص فی الحدیث کو قائم کرنے اور اس کی صدارت کے لیے بلائے گئے، یہیں آپ تاحیات ۱۸؍سال کی طویل مدت تک حدیث کی خدمات انجام دیں۔

تصنیفات: چھوٹی بڑی پندرہ اہم کتابیں اردو وعربی میں تصنیف کیں، جن میں ترجمہ، تالیف، تحقیق اور تصنیف شامل ہیں۔

بیعت وخلافت: ۱۹۵۳ء میں اول حضرت شیخ الاسلامؒ سے بیعت، پھر حضرت شیخ الحدیثؒ کی طرف رجوع کیا اور ۱۴۰۶ھ، ۱۹۸۶ء میں حضرت مولانا عبدالجبار صاحب اعظمی معروفیؒ سے تعلق قائم کیا اور چند ہی دن میں آپ کی طرف سے خلافت سے سرفراز فرمائے گئے۔

وفات حسرت آیات: ۸۳؍سال کی عمر میں تقریباً چھ ماہ کینسر کے مرض میں مبتلا رہ کر ۲۸؍اپریل ۲۰۱۳ء، مطابق ۱۶؍جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ بروز اتوار دوپہر سوا دو بجے انتقال فرما گئے۔

پسماندگان: آپ کی باقیات صالحات میں ایک بیوہ اور دو صاحب زادے: ایک مولانا ابوعبیدہ اعظمی صاحب اور دوسرے مولانا عبدالباسط صاحب قاسمی ہیں اور سات صاحب زادیاں ہیں۔

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمیؒ

حضرت مولانا رفیق احمد اعظمی معروفی صاحب
شیخ الحدیث دارالعلوم چھاپی گجرات

محدث جلیل، جامع المنقول والمعقول، شیخ طریقت، عارف باللہ حضرت مولانا زین العابدین صاحب الاعظمی رحمۃ اللہ علیہ پورہ معروف، محلہ نیا پورہ، ضلع اعظم گڈھ میں ۱۳۱۵ھ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم پورہ معروف ہی کے ایک مدرسہ میں حاصل کی، جو ابھی تک مدرسہ معروفیہ کے نام سے مشہور ہے، یہاں پر "شرح وقایہ" تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور، ضلع اعظم گڈھ میں داخل ہوئے، یہاں پر ایک سال رہ کر "ھدایہ" وغیرہ پڑھی، پھر شوال ۱۳۶۸ھ میں تکمیل تعلیم کے لئے ازہر ہند دارالعلوم دیوبند پہنچے اور یہاں پر ھدایہ اخیرین سے دورۂ حدیث تک پڑھ کر فراغت حاصل کی، اسی جگہ فراغت سے پہلے فنون کی تکمیل کی اور فنون کی اکثر کتابیں حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی علیہ الرحمہ صدر المدرسین سے پڑھیں، بخاری شریف اور ترمذی شریف شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی، جو شیخ الحدیث کے منصب پر فائز تھے، قدرت نے آپ کو اعلیٰ درجہ کی ذکاوت وذہانت سے نوازا تھا، ۱۳۷۲ھ میں دورۂ حدیث کے تمام طلبہ میں اول نمبر سے کامیابی حاصل کی اور مدرسہ کی جانب سے اس اول نمبر کی کامیابی پر بخاری شریف مکمل انعام میں پائی، جو ابھی تک حضرت کے پاس موجود ہے، علی درجہ کی ذکاوت وذہانت ہی کا یہ فیض تھا کہ حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی درسی تقریر کو جو کہ اردو زبان میں ہوتی تھی، عربی زبان میں قلم بند فرماتے رہے، اس کاپی کو احقر نے بھی دیکھا ہے، آپ کے ایک قریبی رشتہ دار مولانا عبدالودود صاحب مرحوم جب آسام میں پڑھانے گئے اور بخاری شریف پڑھانے کا موقع آیا، تو اس نوشتہ سے کافی فائدہ اٹھایا، امید ہے کہ تقریر کی وہ کاپی اب بھی آپ کے ترکہ میں موجود ہوگی، فراغت کے بعد میرٹھ اور آسام میں کچھ دنوں تک تدریس کا سلسلہ جاری رہا، پھر ۱۳۷۸ھ میں جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور میں درجات عربی کے مدرس کی حیثیت سے بلائے گئے اور شعبان ۱۳۸۹ھ تک تقریباً گیارہ سال آپ نے انتہائی کامیابی کے ساتھ مقبول درس دیا، درس کی مقبولیت کو دیکھ کر کچھ

حاسدین نے شرح عقائد والی جماعت کو اپنا آلۂ کار بناتے ہوئے اہتمام میں شکایت کرادی؛ لیکن اس کی وجہ سے آپ پر کوئی اثر نہیں پڑا، پوری دل جمعی کے ساتھ کام کرتے رہے، اس وقت حضرت مولانا محمد عمر صاحب مبارک پوریؒ مدرسہ میں حسبۃً للہ تدریسی کام انجام دے رہے تھے، اراکین مدرسہ نے ان کو بار ہا اچانک درس کا جائزہ لینے کے لئے دوران درس آپ کے پاس بھیجا؛ لیکن بحمد اللہ وہ پورے مطمئن ہوکر گئے اور صاف کہہ دیا کہ ان کی شکایت غلط ہے، کتاب وہیں ہوتی رہے گی، چنانچہ ان حالات میں آپ انتہائی صبر وسکون کے ساتھ کام کرتے رہے اور آپ کے پائے استقلال میں ذرہ برابر جنبش نہیں آئی۔

احقر نے مدرسہ اشاعت العلوم پورہ معروف میں قدوری وغیرہ پڑھنے کے بعد ۱۳۸۰ھ میں جامعہ عربیہ احیاء العلوم، مبارک پور میں داخلہ لیا، اس وقت آپ ابھی احیاء العلوم ہی میں تھے، میرے ساتھ مولانا مطلوب احمد صاحب اسلام پوری بھی تھے، وہاں پر داخلہ کے لئے ان کے والد مرحوم مولانا محمد محمود صاحب ہم لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر گئے تھے، داخلہ کے بعد ہم دونوں کو آپ کی سرپرستی میں حوالہ کردیا؛ اس لئے ہماری اقامت آپ ہی کے کمرہ میں رہی، جو آپ کی درسگاہ بھی تھی، سال بھر تک اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، مطالعہ بلا تکلف اسی درس گاہ ہی میں ہوتا رہا، آپ کی بے پناہ شفقت ومحبت کے باعث ہم لوگوں کو یہ احساس بھی نہیں ہوا کہ ہم گھر سے باہر ہیں، آپ کا کھانا تو مولانا جمیل احمد صاحب مبارک پوری، پورہ دولہن کے یہاں سے آتا تھا، کھانا لانے کی خدمت ہمارے ہی حوالے تھی، گھر سے جو کھانا آتا تھا، وہ تو نوع بنوع کا ہوتا تھا اور ہم لوگوں کا کھانا مطبخ سے ملتا تھا؛ لیکن عموماً دونوں وقت ہم سب ساتھ ہی بیٹھ کر کھاتے تھے، آپ کو اس میں ذرا بھی تکلف نہیں تھا؛ کیوں کہ آپ انتہائی سادہ مزاج تھے، لباس وغیرہ میں بھی وہی سادگی تھی، چوں کہ چوبیس گھنٹہ اسی کمرہ میں رہنا ہوتا تھا؛ اس لئے ہمارے ساتھ بے تکلف ہوکر بات چیت کرتے تھے، جس میں علمی مسائل بھی ہوتے تھے؛ لیکن ہم لوگ ادب و احترام کے دائرہ میں رہ کر ہی گفتگو کرتے تھے، جب طبیعت میں کچھ کھانے پینے کا تقاضا ہوتا، تو ہم کو ارجنٹی پر بھیج کر پوریاں منگاتے اور سب ساتھ میں مل بیٹھ کر کھاتے، عجیب باغ وبہار کا زمانہ تھا، جمعرات کو گھر جاتے وقت اکثر وبیشتر ایک ہی ساتھ جاتے تھے، چوں کہ ہماری مقامات حریری آپ کے پاس ہوتی تھی، جس میں پہلے تو ہر ہر لفظ کی لغوی اور صرفی ترکیب لکھواتے، پھر اسی کی مدد سے ہم سے ترجمہ

کراتے تھے، ساتھ ہی ساتھ تحریر عربی لکھواتے تھے اور لفظاً لفظاً تحریر کو دیکھ کر اصلاح فرماتے تھے؛ اس لئے جب ساتھ میں گھر کا سفر ہوتا، تو اکثر یوں فرماتے کہ تم لوگ ادب پڑھ ہی رہے ہو؛ اس لئے ہماری گفتگو پورے راستے میں عربی میں ہونا چاہئے، تاکہ عربی سمجھنے اور بولنے کی بھی مشق ہوجائے، کچھ تھوڑی دور تک تو بہ تکلف عربی بولنے کی کوشش کرتے؛ مگر پھر اپنی وہی مادری زبان شروع ہوجاتی، امتحان کے زمانے میں ہمیشہ ترغیب دیتے رہتے تھے کہ جہاں تک ہوسکے جس کتاب کا امتحان دینا ہے، اس کو رات ہی میں از ابتدا تا انتہا دیکھنے کی کوشش کرو، چاہے پوری رات جاگنا پڑے، یہ غایت تعلق کی بات تھی کہ آپ چاہتے تھے کہ میرے کمرے میں رہنے والے اور مجھ سے تعلق رکھنے والے نمبرات میں کسی سے پیچھے نہ رہیں، الحمد للہ ہم کو اس سے کافی فائدہ بھی ہوا، جامعہ عربیہ احیاء العلوم میں ایک ہی سال رہنا ہوا، پھر تکمیل تعلیم کے لئے ہم نے باہر کا رخ کیا، تین سال کے بعد جب ۱۳۸۴ھ میں مدرسہ شاہی مرادآباد سے فراغت ہوئی، تو ابھی تک آپ جامعہ عربیہ احیاء العلوم ہی میں تھے، تعلق پہلے سے تھا ہی؛ اس لئے آپ اس فکر میں تھے کہ کسی مناسب جگہ پر اس کو لگادیا جائے، چنانچہ ایک مرتبہ رسولی بارہ بنکی سے مولانا محمد سلیمان صاحب شمسی خیرآبادی نے آپ کے پاس خبر بھیجی کہ ہمارے مدرسہ میں ھدایہ پڑھانے کے لئے ایک استاذ کی ضرورت ہے، آپ نے فوراً میرے پاس اطلاع بھیجی کہ بارہ بنکی میں ھدایہ پڑھانے کے لئے ایک استاذ کی ضرورت ہے، یہ جگہ تمہارے لئے بہت مناسب رہے گی؛ اس لئے تم چلے جاؤ؛ مگر چوں کہ میں گھر آنے کے بعد حفظ شروع کرچکا تھا، اس لئے جانے سے معذرت کردی، پھر دو سال کے بعد مدرسہ بیت العلوم سرائے میر، اعظم گڈھ سے آپ کے ایک مخلص ساتھی نے اطلاع بھیجی کہ ہمارے یہاں ایک ایسے استاذ کی ضرورت ہے، جو ابتدائی عربی اور فارسی کی کتابیں پڑھا سکے، آپ کی نظر انتخاب پھر اس ناکارہ پر پڑی کہ تم فلاں دن احیاء العلوم مبارک پور آجاؤ، سرائے میر چلنا ہے، وہاں پر ایک مدرس کی ضرورت ہے، چوں کہ اب حفظ مکمل ہوچکا تھا؛ اس لئے تعمیل حکم کرتے ہوئے احیاء العلوم پہنچ گیا، آپ نے غایت تعلق ومحبت کی بنا پر شفقت فرماتے ہوئے یہ احسان فرمایا کہ بنفس نفیس ساتھ میں لے کر سرائے میر تشریف لے گئے اور وہاں پر صدر مدرس مولانا محمد سجاد صاحب جون پوری سے مکمل گفتگو کرکے تقرر کرادیا، صدر صاحب نے آپ سے پوچھا کہ یہ کہاں تک کی کتابیں پڑھا سکتے ہیں؟ آپ کو چوں کہ اس ناکارہ کی صلاحیت پر پورا اعتماد تھا؛ اس لئے کہہ دیا کہ ھدایہ تک بلا تکلف پڑھا سکتے

ہیں، مگر صدر صاحب نے کہا کہ ابھی سر دست ہم فارسی کی اور ابتدائی عربی کی کچھ کتابیں حوالہ کریں گے، پھر جیسی ان کی محنت ہوگی، آگے ترقی دیں گے، یہ آپ کا اس ناکارہ پر سب سے بڑا احسان تھا کہ آپ کی شفقت ومحبت سے درس وتدریس کا موقع مل گیا اور بحمد اللہ تا ایں دم یہ سلسلہ جاری ہے، ابھی میں بیت العلوم ہی میں تدریسی خدمت انجام دے رہا تھا کہ آپ کا تقرر بہ حیثیت شیخ الحدیث مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں ہوگیا، اب تو تقریبا روزانہ ہی ملاقات کا موقع ملنے لگا اور چوں کہ آپ مع اہل وعیال کے سرائے میر قصبہ میں ایک مینارہ والی مسجد کے سامنے ایک مکان میں رہتے تھے اور ہماری تفریح یہ تھی کہ عصر کے بعد قصبہ میں چلے جاتے اور مغرب کی نماز کے بعد بیت العلوم واپس آتے، بالخصوص جمعہ کے دن تو ناشتہ کر کے قصبہ میں چلے جاتے اور آپ کے پاس دو تین گھنٹہ گزار کر چائے پانی کر کے جمعہ کے وقت واپس آجاتے، گویا گھر جیسا معاملہ ہوگیا تھا، جب ہم لوگ پہنچتے تو کچھ گھریلو کام انجام دیتے، کبھی کتابوں میں کوئی اشکال ہوتا، یا مشکل عبارت حل طلب ہوتی، تو تحقیق کرتے اور آپ انتہائی شفقت و محبت کے ساتھ حل فرمادیتے، مدرسۃ الاصلاح میں آپ شیخ الحدیث کی حیثیت سے لائے گئے تھے؛ لیکن وہاں کے نصاب میں چوں کہ بخاری شریف اور مسلم شریف کے منتخبات ہی پڑھانا ہوتا تھا؛ اس لئے مدرسہ کے اوقات میں تو آپ منتخبات ہی پڑھاتے؛ لیکن ان دورۂ حدیث کے طلبا کو گھر پر بلا کر خارج اوقات میں کسی طرح بخاری شریف وغیرہ کو مکمل پڑھانے کا اہتمام فرماتے تھے، اس پر جب اہتمام کی جانب سے پابندی لگانے کی کوشش کی گئی، تو کچھ سالوں کے بعد دل برداشتہ ہوکر آپ مدرسۃ الاصلاح سے علیحدہ ہوگئے، پھر جب میں بیت العلوم سرائے میر سے علیحدہ ہوکر ۱۳۹۵ھ میں مدرسہ امداد العلوم، وڈالی، ضلع سابر کانٹھا، گجرات آیا تو پھر کچھ دنوں کے بعد قدرت نے حضرت سے استفادہ کا موقع عنایت فرمایا کہ آپ کا تقرر مدرسہ دار العلوم چھاپی، ضلع بناس کانٹھا، گجرات میں ہوگیا اور چوں کہ دونوں مدرسوں کے درمیان صرف نوے کلومیٹر کا فاصلہ ہے، اس لئے یہاں پر بھی وقتاً فوقتاً آنا جانا ہوتا رہا اور استفادہ کا موقع ملتا رہا، کبھی آپ وڈالی آجاتے تو کبھی یہ بندہ چھاپی پہنچ جاتا، یہاں پر بھی آپ کی شفقت ومحبت ہمیشہ سایہ فگن رہی، ضرورت کے مطابق ہدایت ونصیحت سے سرفراز فرماتے رہتے تھے۔

شمالی گجرات میں قراءت سبعہ کی اشاعت: آپ جس وقت مدرسہ دار العلوم چھاپی، گجرات تشریف لائے، تو ابھی اس وقت تک شمالی گجرات کے مدارس میں صرف

قراءت حفص ہی تک تعلیم ہوتی تھی، آپ چوں کہ قراءت سبعہ کے بھی ماہر قاری تھے اور ابھی تک تقریباً روزانہ دوچار آیتیں قراءت سبعہ میں تلاوت کرنے کا معمول تھا، جس کی بناپر اس فن میں عبور حاصل ہو چکا تھا، اس فن سے آپ کو بہت شغف تھا، آپ کی خواہش ہوئی کہ قراءت سبعہ کی تعلیم ہونی چاہئے، اس کے لئے آپ نے قاری عبدالستار صاحب اسلام پوری کو، جو کہ اس مدرسہ میں قراءت کے بھی استاذ تھے، اس کے لئے آمادہ کیا، اور اہتمام کی طرف سے بھی اس کی اجازت مل گئی، بلکہ باقاعدہ اس کے لئے گھنٹہ مقرر کیا گیا، پھر آپ نے انتہائی محنت کے ساتھ ان کو قراءت سبعہ پڑھایا، اور کچھ دنوں کے بعد قراءت عشرہ کی تکمیل کے لئے قاری محمد اسماعیل مدظلہ کے پاس گورینی ضلع جون پور کے مدرسہ میں بھیج دیا، گورینی سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد جب مدرسہ چھاپی میں واپس آئے، تو قراءت سبعہ وعشرہ دونوں کا سلسلہ شروع کردیا، اس وقت سے لے کر آج تک یہ سلسلہ جاری و ساری ہے اور اس کی روح رواں آپ ہی کی ذات اقدس ہے، ادھر مدرسہ امدادالعلوم، وڈالی کے اساتذہ میں سے قاری محمد یوسف صاحب ایلولی اور قاری محمد یحیی صاحب اسلام پوری کے دل میں خواہش اور جذبہ پیدا ہوا کہ ہم کو قراءت سبعہ پڑھنا ہے، تاکہ اس سلسلہ کو یہاں وڈالی میں بھی جاری کیا جاسکے، لیکن مدرسہ وڈالی میں اس فن کا کوئی قاری نہیں تھا، اور ان حضرات کو معلوم تھا کہ اس ناکارہ کے پاس یہ فن مستند طور پر موجود ہے، اس لئے ان لوگوں نے اصرار کیا کہ ہم کو پڑھادیجئے، چوں کہ میرے پاس حدیث وتفسیر کے اسباق تھے اور کوئی گھنٹہ خالی نہیں تھا؛ اس لئے اولاً تو عدیم الفرصتی کا عذر کرتے ہوئے انکار کردیا، لیکن جب ان لوگوں کا اصرار بڑھتا رہا، تو ان کے غایت اشتیاق کو دیکھتے ہوئے میں نے کہا کہ بعد العشاء جب جلالین شریف کے سبق سے میں فارغ ہوجاؤں، اس وقت آپ لوگ آیا کریں، تو کام ہوسکتا ہے، چنانچہ یہ لوگ آمادہ ہوگئے اور باوجودے کہ اپنی یہ لائن نہیں تھی اور پڑھنے کے بعد کبھی قراءت سبعہ پڑھانے کا اتفاق بھی نہیں ہوا تھا؛ مگر پھر بھی ان کے شدت اشتیاق کو دیکھتے ہوئے اللہ کا نام لے کر یہ کام شروع کردیا اور دوسال کے عرصہ میں اس کی تکمیل کرادی، فللہ الحمد والشکر۔

اس کے بعد سے قاری محمد یوسف صاحب نے باقاعدہ اس سلسلہ کو شروع کردیا اور میرے وڈالی کی موجودگی کے زمانہ ہی میں دوچار جماعتوں کو قراءت سبعہ پڑھا بھی دیا، اس کے بعد قاری محمد

یوسف صاحب نے بھی گورینی جا کر کچھ دنوں قیام کر کے قاری محمد اسماعیل صاحب مدظلہ سے عشرہ وغیرہ کی تکمیل کی اور پھر وڈالی میں بھی سبعہ عشرہ کا سلسلہ شروع کر دیا اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے، اللہ تعالیٰ دونوں جگہوں پر اس سلسلہ کو قائم ودائم رکھے۔

جب قراءت سبعہ شروع کرانا ہوا، تو اس وقت آپ سے صلاح ومشورہ کیا، آپ اس سے بہت خوش ہوئے اور بہت ساری دعاؤں سے نوازا، اسی لئے ان کی تعلیم کا جائزہ لینے کے لئے اور پھر امتحان کے موقع پر آپ ہی کو دعوت دی گئی، تو آپ نے بخوشی قبول فرما کر مدرسہ وڈالی تشریف لائے اور ان کی تعلیم سے مطمئن ہو کر ان کی ہمت افزائی فرمائی، بہر کیف شمالی گجرات میں قراءت سبعہ کا آغاز آپ ہی کا مرہون منت ہے اور آپ کے لئے یہ مستقل صدقہ جاریہ بن گیا ہے، کچھ گھریلو اعذار کی بنا پر جب مدرسہ چھاپی سے الگ ہو گئے، تو اس وقت بظاہر استفادہ کا سلسلہ منقطع ہو گیا؛ لیکن رمضان المبارک میں جب وطن آتے، تو ملاقات ہوتی رہتی تھی، اس درمیان میں کبھی ذکر واذکار کے بارے میں، تو کبھی کسی کتاب کے مشکلات کو حل کرنے کا برابر موقع ملتا رہا اور جو مسئلہ بھی درپیش ہوتا؛ بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ ایک شفیق باپ کی طرح اپنے پاس بٹھا کر حل فرما دیتے۔

تصنیف و تالیف: آپ کو تصنیف وتالیف کا ذوق بھی من جانب اللہ عنایت فرمایا گیا تھا، چنانچہ آپ کی گیارہ تصانیف مختلف فن میں منصۂ شہود پر آچکی ہیں، فن حدیث میں اپنے شیخ حضرت مولانا عبدالجبار صاحب الاعظمی نوراللہ مرقدہ کی تصنیف لطیف ''امداد الباری شرح صحیح البخاری'' ادھوری رہ گئی تھی، اس کی تکمیل کی طرف آپ نے توجہ فرمائی؛ لیکن چند ہی جلد تحریر کر سکے تھے کہ اس سلسلہ کو آپ ادھورا ہی چھوڑ کر راہی ملک بقا ہو گئے، **لعل الله يحدث بعد ذلك أمرًا**۔

فن اسماء الرجال میں کتاب ''المغنی'' آپ کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ شائع ہوئی، سب سے اخیر میں ایک کتاب جو تین مضامین پر مشتمل تھی: وفیات من یعتمد قولہ فی الجرح والتعدیل، اعلام المحدثین، نخب من اسماء رجال الصحاح، منصۂ شہود پر آئی۔ جب بھی کوئی کتاب وجود میں آتی اور طبع ہو جاتی، تو ملاقات کے موقع پر ایک نسخہ بطور ھدیہ کے ضرور عنایت فرماتے، چنانچہ حضرت علی میاں صاحب ندوی رحمہ اللہ کی کتاب ''المرتضیٰ'' کے اوپر جب علمی احتساب کے نام سے کتاب تصنیف کی، تو ملاقات پر ایک نسخہ عنایت فرمایا، اسی طرح ''المغنی'' پر تحقیق وتعلیق اور ''نخب من اسماء رجال الصحاح'' کا بھی ایک

ایک نسخہ عنایت فرمایا، جزاہم اللہ خیر الجزاء۔

ان کے علاوہ دیگر تصانیف بھی ہیں، اللہ تعالی ان ساری کتابوں کو آپ کے لئے صدقہ جاریہ بنادے، آپ کو لکھنے پڑھنے کا ذوق شروع ہی سے تھا، جب میں احیاء العلوم مبارک پور میں زیر تعلیم تھا اور قیام آپ ہی کے کمرہ میں تھا، تو بسا اوقات میں نے دیکھا کہ مسلم شریف کی شرح ''نووی'' سے آپ اسماء رجال کی تحقیق نوٹ کررہے ہیں، اپنی طالب علمی کا زمانہ تھا؛ اس لئے میں تو اس کو ایک لایعنی کام سمجھتا تھا؛ لیکن بعد میں یہ راز کھلا کہ فن اسماء رجال سے آپ کو گہری دل چسپی تھی، جس کی وجہ سے اس فن میں آپ کو کافی مہارت حاصل ہوگئی تھی اور اکثر و بیشتر ملاقات کے موقع پر کسی نہ کسی راوی کا تذکرہ مع مالہ و ماعلیہ کے چھیڑ دیتے اور پورے شرح صدر کے ساتھ بیان فرماتے رہتے، آپ کے اسی ذوق محنت نے اخیر عمر میں مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور جیسی مرکزی جگہ میں تخصص فی الحدیث کی سرپرستی تک پہنچادیا اور آپ تقریبا سولہ سال تک یہ خدمت انجام دیتے رہے، آپ کے ذریعہ سیکڑوں علما نے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے کو خدمت حدیث کے لئے تیار کرلیا۔ تقریبا ہر سال کسی نہ کسی موقع پر چھاپی اور اس کے قرب و جوار میں حاضری ہوتی تھی، اس موقع سے کافی لوگ آپ سے مستفید ہوتے تھے اور سیکڑوں حلقۂ ارادت میں داخل ہوتے تھے، شعبان ۱۴۳۳ھ میں جب گجرات کا سفر ہوا، تو چوں کہ تعلیمی سال کے آخری ایام چل رہے تھے اور ایک مدرسہ میں ختم بخاری کے لئے تشریف لائے تھے، تو اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بہت سارے ارباب مدارس نے آپ کو ختم بخاری کے لئے دعوت دی تھی اور آپ نے اس کو قبول فرما کر مختلف مدارس کا دورہ فرمایا، چنانچہ مدرسہ دار العلوم چھاپی، امداد العلوم وڈالی، مدرسہ امین القرآن پالن پور، مدرسہ جامع القرآن گڈھا، فیضان القرآن احمد آباد وغیرہ میں ختم بخاری کرایا اور چوں کہ اسمائے رجال سے آپ کو بہت گہری مناسبت تھی؛ اس لئے صرف حدیث کے مالہ و ماعلیہ ہی کو نہیں بیان فرماتے؛ بلکہ ہر جگہ رواتِ حدیث کے اسمائے گرامی کے ساتھ اگر ان کی کنیت ہوتی، تو کنیت کا تذکرہ فرماتے اور اس عنوان سے طلبہ میں احادیث اور اسمائے رجال کے بارے میں تحقیق کرنے کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش فرماتے۔

بیعت و خلافت: سب سے پہلے آپ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے، جو آپ کے بخاری شریف کے شیخ

بھی تھے، حضرت شیخ الاسلام کے دنیا سے چلے جانے کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا قدس سرہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور شیخ الحدیث کے قیام انڈیا کے زمانے میں ہر سال رمضان المبارک میں اعتکاف کرنے کے لئے سہارن پور تشریف لے جاتے، کئی مرتبہ اس ناکارہ نے بھی آپ کے ساتھ سہارن پور میں آخری عشرہ گزارا، اس ناکارہ سے غایت تعلق کی بنا پر کئی بار یہ فرمایا کہ تم رات میں قرآن سناؤ، تو میں تمہارے ساتھ رہوں گا اور جب حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ بھی جوارِ رحمت میں چلے گئے، ہمارے پیر و مرشد استاذ محترم حضرت مولانا عبدالجبار صاحب اعظمی قدس سرہ شیخ الحدیث مدرسہ شاہی مرادآباد کے ہاتھ پر بیعت ہوئے، یہاں پر بھی حضرت کے ساتھ رمضان المبارک کا اعتکاف کرنے کے لئے مرادآباد اور گجرات تشریف لے جاتے، یہاں تک کہ انہی سے آپ خلافت و بیعت کی اجازت سے مشرف ہوئے، حضرت شیخ ہر سال رمضان المبارک میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے، کئی سال تو مرادآباد ہی میں اعتکاف فرمایا، پھر اخیر میں مدرسہ دارالعلوم کنتھاریہ ضلع بھڑوچ گجرات والوں کے اصرار پر کنتھاریہ میں اعتکاف فرمایا، کنتھاریہ میں آپ ہی نے اعتکاف اور خانقاہی نظام کی ابتدا فرمائی اور آج تک وہ سلسلہ جاری ہے، ہر جگہ معتقدین و مسترشدین کافی مقدار میں جمع ہوجاتے تھے اور حضرت کے روحانی فیوض سے مستفید ہوتے تھے، جب حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالجبار صاحب قدس سرہ ۳؍رجب ۱۴۰۹ھ کو دنیا سے تشریف لے گئے، تو آپ کو اس سلسلہ کے جاری رکھنے کی فکر ہوئی، تاکہ حضرت شیخ کا یہ نظام باقی رہے؛ اس لئے آپ نے اپنے محلّہ ہی کی ربانی مسجد میں اس سلسلہ کو شروع فرمادیا، اس سے پہلے پورہ معروف میں کوئی خانقاہی سلسلہ نہیں تھا اور پورہ معروف کے عموماً اس خانقاہی نظام سے ناواقف تھے، سب سے پہلے آپ ہی نے اس نظام سے لوگوں کو واقف کرایا اور دھیرے دھیرے لوگ اس نظام سے جڑنے لگے، اخیر رمضان میں تو کافی لوگ اس سے وابستہ ہوگئے تھے، کبھی کبھی یہ ناکارہ بھی اس نظام میں شرکت کے لئے بعد العصر ذکر کی مجلس میں حاضر ہوجایا کرتا تھا، اگر چہ آپ کی خواہش یہ ہوتی تھی کہ مستقل اعتکاف کرکے ہر پروگرام میں شریک ہوتا رہوں؛ مگر اپنے کچھ اعذار کی بنا پر کبھی اعتکاف کی نوبت نہیں آئی، البتہ عشرہ اخیرہ میں جب میں گھر پر رہتا، تو اکثر و بیشتر جزوی پروگراموں میں شرکت ہوجایا کرتی تھی۔

مرض الموت اور وفات: یوں تو آپ کی صحت بحمد اللہ بہت اچھی تھی، بدن دبلا پتلا چھریرا تھا، بڑھاپے میں بھی کبھی اٹھنے بیٹھنے میں کوئی خاص تکلیف نہیں ہوتی تھی، کچھ سال پہلے گھٹنے

میں پھوڑا نکل آیا تھا، جس کا آپریشن کرانا پڑا تھا، جس کی وجہ سے گھٹنے میں کچھ تکلیف رہا کرتی تھی، مگر۔ پھر بھی بے تکلف چلتے پھرتے رہتے تھے، کسی بھی ہیئت بیٹھ لیا کرتے تھے، اس درمیان میں جب ایک مرتبہ میں آپ سے ملاقات کے لئے درِ دولت پر حاضر ہوا، تو چوں کہ آپ کے حجرہ میں جانے کے لئے باہر سے چار پانچ زینے بنے ہوئے ہیں، اس پر ٹیک لگائے ہوئے بہ مشقت جب آپ کے پاس پہنچا، تو فرمانے لگے کہ مولوی رفیق تم مجھ سے بھی زیادہ کمزور ہو گئے ہو، میں تو اس سیڑھی پر بے تکلف چڑھ لیتا ہوں، ایسی صحت کی وجہ سے امید تھی کہ آپ سے طویل مدت تک استفادہ کا موقع ملتا رہے گا؛ مگر مشیت الٰہی کو کون ٹال سکتا ہے، اخیر وقت میں آپ کو شدید قسم کا مرض لاحق ہو گیا تھا، آنتوں میں سوجن پیدا ہو گئی تھی، جس کی وجہ سے کھانا پانی نیچے اترتا ہی نہیں تھا، جو کچھ کھاتے پیتے تھوڑی ہی دیر میں قے کی شکل میں باہر نکل آتا، علاج معالجہ سے کبھی کبھی کچھ افاقہ محسوس ہوتا کہ پتلی غذا اتر جاتی، لیکن چند دنوں کے بعد پھر وہی کیفیت پیدا ہو جاتی، سہارن پور، لکھنؤ وغیرہ میں کافی علاج کرایا گیا، یہاں تک کہ علاج ہی کے سلسلہ میں بمبئی تک کا سفر کیا؛ مگر کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوا، بمبئی کے ڈاکٹر نے تشخیص کیا کہ کھانے کو پیٹ میں پہنچانے کی ایک شکل ہے کہ آپریشن کر کے نلکی لگا دی جائے اور اس کے ذریعہ سے کھانا پہنچایا جائے؛ مگر آپ کے کامل توکل کی بات تھی کہ آپ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ طبعی اور فطری طور پر کھلانا نہیں چاہتے، تو میں مصنوعی طور پر کھانا پسند نہیں کرتا، اور وہاں سے واپس چلے آئے، اس درمیان میں ہمارے چھاپی مدرسہ کے ایک استاذ نے جب مزاج پرسی کے لئے فون کیا، تو آپ نے خیریت بتلاتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بہت ساری نعمتیں اور اچھے سے اچھا کھانا کھلایا پلایا ہے، جس کا جتنا شکریہ ادا کیا جائے کم ہے، لیکن اب کھانا پینا بند کر دیا ہے، تو میں اس پر صبر کروں گا، واقعی غایت درجہ کا توکل تھا، جو اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں ہی کو نصیب فرماتا ہے، بمبئی سے سیدھے سہارن پور تشریف لے گئے، پھر سہارن پور سے اپنے وطن پورہ معروف تشریف لے گئے اور وطن ہی میں ۷ ار جمادی الثانی ۱۴۴۲ھ کو داعی اجل کو لبیک کہا اور ذکر کرتے ہوئے ہمیشہ کے لئے اس دنیائے دنیہ سے رخصت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ طاب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ۔

آپ کی باقیات صالحات میں ایک بیوہ اور دو صاحب زادے ہیں، جو ماشاء اللہ دونوں عالم ہیں اور ان کی اولاد بھی عالم ہیں، ایک مولانا ابوعبیدہ ہیں، جو پورہ معروف ہی میں جامعہ ام حبیبہ کے نام سے

ایک ادارہ چلا رہے ہیں، جس میں لڑکیوں کی تعلیم ہوتی ہے اور دورۂ حدیث تک انتظام ہے اور دوسرے صاحب زادے مولانا عبدالباسط صاحب قاسمی ہیں، جو جامعہ مظاہر علم سہارن پور میں کام کرر ہے ہیں اور سات صاحب زادیاں ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب کو صبر جمیل کی دولت سے مالا مال فرمائے، آمین۔
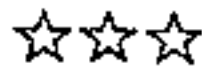
☆☆☆

تذکرۂ زین العابدین

نتیجۂ فکر: مولانا ولی اللہ ولی قاسمی بستوی

جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا، نندوربار، مہاراشٹر

داغِ فرقت دے گئے ہیں آہ زین العابدیں ‎ ‎ جن کی فرقت پر ہوئے ہیں اہلِ دل اندوہگیں

ہے مئو کا پورۂ معروف قصبہ پُر بہار ‎ ‎ جس میں کہ پیدا ہوئے تھے شیخ عابد نامدار

بادہ خوار دینِ رحمت ، پیکرِ علم و عمل ‎ ‎ بحرِ حکمت کے رہے ہیں وہ تو اک زریں کنول

تھا تبحّر علم و فن میں ، ماہرِ تدریس تھے ‎ ‎ تھے محدث وہ یگانہ، حاملِ تقدیس تھے

ان کے دم سے تھا مزیّن خوب معروفی چمن ‎ ‎ ان کے سینے میں رہا ہے عشقِ مولیٰ موجزن

عالم و فاضل مقرر ، نکتہ رس ، شیخ الحدیث ‎ ‎ بھاگتا تھا نام سن کے ان کا شیطانِ خبیث

آ گیا افسوس کہ ان کی جدائی کا پیام ‎ ‎ حکمِ مولیٰ پاکے جنت میں کیا جاکر قیام

بن گیا ماتم کدہ پھر گلشنِ معروف آہ ‎ ‎ ہر کوئی ہے گریہ زاری میں وہاں مصروف آہ

مظہرِ تصویرِ غم ہیں عبدباسط قاسمی ‎ ‎ زیرِ ہر رنج والم ہیں عبدباسط قاسمی

غمزدہ افسوس سب اہلِ مظاہر ہو گئے ‎ ‎ رنج و غم کے ہر طرف آثار ظاہر ہو گئے

غم سے بے قابو ہوئے ہیں سارے اہلِ خانداں ‎ ‎ پورۂ معروف کا سونا ہوا ہے گلستاں

تھے مصنف معتبر ، وہ غازیِ کردار تھے ‎ ‎ خوش ملن تھے، خوش چلن تھے اور خوش اطوار تھے

صفحۂ قرطاس پر موتی لٹاتا تھا قلم ‎ ‎ در حقیقت ان کا سینہ ہی رہا کنزِ حِکَم

نرم دل تھے ، بردبار و منکسر، سادہ مزاج ‎ ‎ پیش کرتے ہیں دعاؤں کا انہیں ہم سب خراج

ہے ولیؔ کی یہ دعائے دل اے رب العالمیں ‎ ‎ جنت الفردوس میں گھر پائیں زین العابدیں

نمونۂ سلف محدث کبیر

حضرت مولانا زین العابدین صاحبؒ

حضرت مولانا قاری عبدالستار صاحب اسلام پوری گجرات

خلیفۂ حضرت مولانا زین العابدین صاحبؒ

حضرت مولانا زین العابدین اعظمیؒ کی ۸۰/۱۹۷۹ء میں گجرات آمد اور قراءت سبعہ کے سلسلہ کا آغاز ۱۳۹۹ھ کے اواخر میں مادرِ علمی دارالعلوم چھاپی میں بندہ کا جب تدریسی خدمات کے لیے تقرر ہوا، اس کے ہفتہ قبل حضرت مولانا زین العابدینؒ بحیثیت مدرس دارالعلوم چھاپی تشریف لا چکے تھے، مسلم شریف آپ کے زیر درس تھی، بندہ کا تقرر عربی کی ابتدائی کتب اور شعبۂ تجوید کے لیے ہوا تھا۔ مرشدی حضرت مولانا سے غائبانہ بھی تعارف نہ تھا، بلکہ اکثر مدرسین حضرات، حضرت مولانا کی شخصیت سے واقف نہ تھے، پہلی بار جب زیارت کا شرف حاصل ہوا، تو دیکھا لباس سادہ ہے، سر پر عمامہ ہے، اس وقت ہی مجھے لگا کہ حضرت مولانا میں بڑی سادگی ہے، میرے استاذ وقارالعلماء حضرت مولانا حبیب اللہ صاحبؒ (جو اس زمانہ میں مہتمم تھے) سے جب ملاقات ہوئی تو مجھ سے فرمایا کہ مولانا اعظمی (حضرت مولانا کے بارے میں فرمارہے تھے) علم قراءت کے ماہر ہیں، استفادہ کرتے رہنا، حضرت مولانا کی من جانب اللہ شہرت ہونے لگی کہ صوبہ یوپی سے ایک مولانا آئے ہیں، جو علمِ حدیث کے ماہر ہیں، زیارت کے بعد ملاقات ہوئی، پھر معلوم ہوا کہ محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ کے مشورہ کے بعد گجرات میں علم حدیث پڑھانے کے لیے آئے تھے، حضرت مولانا حبیب اللہ جو اہلِ علم کے قدر دان تھے، آپ کو بخاری شریف کی ایک جلد کی تدریس کے لیے فرمایا، لیکن حضرت مولانا نے معذرت کی، کہ میں تو مسلم شریف ہی پڑھاؤں گا، جب کہ حضرت مولانا اس مقام پر تھے کہ بخاری شریف پڑھائیں، اور اس کا حق بھی ادا کریں، جب کہ بہت سے مدارس میں لوگ متمنی رہتے ہیں کہ ہم کو بخاری شریف کی تدریس کا موقعہ ملے۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا حبیب اللہؒ کے اصرار پر سال کے اخیر میں بخاری شریف کا آخری درس

دیا تھا، جو مجھے یاد ہے، ابھی ہمارے تقرر کے کچھ ایام گذرے تھے کہ اتفاق ایسا ہوا کہ دار العلوم چھاپی کے کتب خانہ میں حضرت مولانا بھی موجود تھے، اور میں بھی تھا غیر درسی کتب کا معائنہ ہو رہا تھا، لیکن علم قراءت کی ایک کتاب جو سبعہ کے ایک پارہ پر مشتمل تھی، میں نے حضرت مولانا کو دکھائی کہ یہ کون سی کتاب ہے؟ چونکہ شمالی گجرات میں قراءت سبعہ وعشرہ کو کوئی جانتا نہ تھا، میں نے بھی اب تک روایت حفص کو حاصل کیا تھا، قراءت سبعہ سے بالکل واقفیت نہ تھی، حضرت مولانا نے دیکھ کر فرمایا کہ کتاب تو قراءت سبعہ میں ہے، اور فوراً فرمایا کہ آپ قراءت سبعہ پڑھ لیں، حضرت مولانا کا پرخلوص جملہ قبولیت کی گھڑی تھی، بندہ پر اللہ تعالی کی نوازش، کہ فوراً ہی میں نے اثبات میں جواب دیا کہ میں اس کے لیے تیار ہوں، فرمایا کہ کل سے سبق شروع کردیا جائے گا، میری مسرت کی انتہا نہ تھی کہ گھر بیٹھے علم قراءت کی دولت مل رہی ہے۔

شمالی گجرات پر اللہ تعالی کا بڑا فضل ہوا کہ اللہ تعالی نے حضرت مولانا کو چھاپی بھیج دیا تاکہ اس علاقہ میں ایک مظلوم فن زندہ ہو، اس کے لیے حضرت مولانا نے بڑی محنت اور توجہ سے قراءت سبعہ کو پڑھانا شروع کیا، مجھے برابر یاد ہے کہ جب آغاز کرنا تھا تو قرآن مجید خریدنے کے لیے حضرت مولانا بذاتِ خود چھاپی کے اصلاحی کتب خانہ میں میرے ساتھ چلے، اور اس وقت سعودی عرب میں قرآن مجید کی طباعت ہوتی تھی، اس کا ایک نسخہ جس میں اختلافات قراءت لکھنے کے لیے سہولت تھی خریدا، خالی گھنٹی جس میں حضرت مولانا مطالعہ فرماتے، اس میں قراءت سبعہ کا آغاز کردیا، دار العلوم کے مخلص مہتمم حضرت مولانا حبیب اللہ کو جب اس کا علم ہوا تو مسرت کا اظہار کیا، اور سہولت کے لیے دونوں ایک ساتھ گھنٹی خالی کردی، تقریبا ڈھائی سال میں قراءت سبعہ کی تکمیل ہوئی، اور ختمِ سبعہ پر ایک مجلس کا انعقاد ہوا، جس میں دار العلوم کے بعض علیا کے اساتذہ کرام کے علاوہ بعض ارکان نے شرکت کی، اور سالانہ جلسہ میں شمالی گجرات میں قراءت سبعہ کی تعلیم کا آغاز کرنے پر حضرت مولانا کی شخصیت کا تعارف کرایا، اور اہلِ جامعہ نے کلماتِ تشکر کے ساتھ حضرت مولانا کو انعام سے نوازا۔

شعبۂ افتاء میں ترقی: حضرت مولانا کا قیام جب تک چھاپی رہا، صرف طلبہ نے نہیں بلکہ بہت سے اساتذہ کرام مستفید ہوتے رہے، فن تجوید وقراءت کے ساتھ دار الافتاء پر بھی

مکمل توجہ تھی اس وقت کے دارالعلوم چھاپی کے صدر جناب مفتی مولانا عبدالرحمٰن صاحب کالیڑوی تھے جو دارالعلوم دیوبند سے افتا کر کے چھاپی آئے تھے، آپ نے حضرت مولانا سے خوب استفادہ کیا، بلکہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت مولانا کی آمد کے بعد ہی شعبۂ افتا میں ترقی ہوئی، حضرت مولانا کا دعوت وتبلیغ میں بھی اشتغال رہا، قرب وجوار میں طلبہ کی جماعت کے ساتھ جانا مجھے خوب یاد ہے چوں کہ حضرت مولانا نے فراغت کے بعد اپنے آپ کو حضرت جی مولانا انعام الحسنؒ صاحب کی امارت کے وقت سات چلہ اس کام کے لیے فارغ کردیا تھا، اس وقت گجرات میں بھی آپ کا اس نسبت پر آنا ہوا تھا، مکمل اصول دعوت کے ساتھ حضرت مولانا نے جماعت میں وقت لگایا تھا۔ ایک بار ہمارے علاقہ پالن پور میں بھاگل مقام میں تبلیغی اجتماع تھا، دارالعلوم چھاپی سے طلبہ واساتذۂ کرام نے شرکت کی تھی، میں نے دیکھا کہ حضرت مولانا اپنا بستر لے کر اجتماع میں شرکت کے لیے جارہے ہیں، جب کہ اجتماع میں علماء کبار کے لیے اکرام وانتظام بھی ہوتا ہے، اور الگ قیام وطعام کا بھی نظم ہوتا ہے، لیکن حضرت مولانا مجمع عام میں عمومی پنڈال میں قیام کیا، اور فرمانے لگے کہ دعوت کا یہی اصول ہے۔

اصلاحی تعلق: اولاً حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بیعت ہوئے، حضرت مدنی سے آپ نے ترمذی شریف اور بخاری شریف پڑھی ہے، انہیں اپنے استاذ محترم سے بہت ہی قلبی لگاؤ تھا، میں نے بارہا دیکھا حضرت مدنی کا جب تذکرہ فرماتے تو آنکھیں اشک بار ہوجاتیں، بڑے ادب واحترام کے ساتھ اپنے شیخ کا تذکرہ فرماتے، حضرت مدنی کی وفات کے بعد حضرت شیخ الحدیث سے بیعت ہوئے، حضرت شیخ کی وفات کے بعد جس سال اواخر شعبان ورمضان میرا قیام بسلسلۂ اعتکاف حضرت شیخ عبدالجبار صاحبؒ اعظمی کے یہاں تھا، آخری عشرہ میں حضرت مولانا، حضرت شیخ عبدالجبارؒ صاحب کی خدمت میں اعتکاف کے لیے پہنچے، اور حضرت شیخ سے بیعت ہوئے، حضرت شیخ عبدالجبار صاحبؒ نے مشورۃً فرمایا کہ حضرت شیخ زکریاؒ کے دیگر خلفاء موجود ہیں، ان سے سلوک طے کیجیے، لیکن حضرت مولانا نے فرمایا کہ میں تو بس آپ کے در پر آیا ہوں۔ حضرت مولانا اسی ارادہ سے تشریف لائے تھے، کہ حضرت شیخ زکریاؒ کی وفات کے بعد اپنے استاذ محترم سے جو حضرت شیخ الحدیث کے اجل خلفاء میں سے ہیں، بیعت سلوک کیا جائے، حضرت مولانا ایک مدت سے سابق شیوخ کی رہبری میں معمولات پر کاربند تھے، نیز

علمِ حدیث کی اہم خدمات انجام دے رہے تھے، اور بہت سے اوصاف جوایک عالم ربانی میں ہوتے ہیں، حضرت مولانا میں موجود تھے، جس کو حضرت شیخ عبدالجبارؒ سمجھ رہے تھے، اسی بناء پر چندایام کے بعد حضرت مولانا کو خلافت سے سرفراز فرمایا، اس سال میں مرادآباد سے عید کے کچھ روز پہلے وطن آ گیا تھا، اس لیے اس مجلس میں حاضر نہیں تھا، لیکن حضرت شیخ عبدالجبارؒ صاحب نے اہتمام سے اپنے ایک خادم کے ذریعہ مجھ تک خبر بھجوائی کہ قاری صاحب کو کہہ دینا کہ مولانا زین العابدین صاحبؒ کو خلافت سے سرفراز کیا گیا ہے، اگلے سال صوبہ گجرات کنتھاریہ میں حضرت شیخ عبدالجبار صاحبؒ کے ہم راہ حضرت مولانا بھی اعتکاف کے لیے پہنچے تھے، مجھے بھی اعتکاف کی سعادت حاصل ہوئی تھی، حضرت مولانا، شیخ صاحب کے جوار ہی میں اعتکاف کئے ہوئے تھے، ایک روز میں نے دیکھا کہ حضرت مولانا، حضرت شیخ عبدالجبارؒ صاحب کے معتکف میں کسی کام سے تشریف لے گئے، اور بہت جلد واپس آ گئے، میرے استفسار پر بتایا کہ حضرت شیخؒ کو بتلانے گیا تھا کہ آپ کی طرف سے مجھے مجاز جو بنایا گیا ہے، اس پر نظرِ ثانی کرلیں، میں اپنے اندر اس کی صلاحیت نہیں پاتا۔

یہ واقعہ مجھے برابر یاد ہے، حضرت مولانا کی تواضع وانکساری، اپنی ذات کو بے حیثیت سمجھنے کا پتہ دیتا ہے، اللہ حضرت مولانا کے درجات کو بلند فرمائے، حضرت شیخ عبدالجبار صاحبؒ کی وفات کے بعد ذکر کے اس مبارک سلسلہ کو انھوں نے چلایا، ابتداءً اپنے وطن پورہ معروف میں متوسلین کی ایک چھوٹی سی جماعت کے ساتھ اعتکاف کے عنوان پر ذکر اللہ جو قلب کی روحانی غذا ہے، سلسلہ شروع کیا، آپ کے ابتدائی متوسلین میں پورہ معروف کی مؤثر شخصیت ہردل عزیز جناب مرحوم حافظ عبداللطیف صاحبؒ رہے ہیں، جنھوں نے حضرت مولانا سے خوب کسبِ فیض کیا، بعد میں مولانا نے آپ کو خلافت بھی دی، نور اللہ مرقدہ۔

گاؤں کی اصلاح کی فکر: حضرت مولانا اپنے وطن سے دور تدریسی خدمات انجام دیتے تھے، اس لیے خانقاہی نظام رمضان المبارک میں رہتا تھا، اور متوسلین آپ کی قائم کردہ مسجد ربانی میں اعتکاف کرتے، حضرت مولانا اعتکاف کرنے والوں کی روحانی تربیت فرماتے، اہلِ گجرات کی نگاہ حضرت مولانا پر تھی۔

حضرت شیخ عبدالجبار صاحبؒ کے وصال کے بعد خانقاہ کنتھاریہ میں شیخ طریقت کے لیے حضرت مولانا زین العابدین صاحبؒ کو دعوت دی گئی، کنتھاریہ میں متوسلین زیادہ تھے۔

جامعہ کی وسیع مسجد ذاکرین سے آباد رہتی تھی، حضرت مولانا، حضرت شیخ عبدالجبار صاحبؒ کے اجلہ خلفاء میں سے تھے، اس لیے آپ کا انتخاب ہوا، لیکن حضرت مولانا نے فرمایا کہ حضرتؒ کے صاحب زادہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب سے جب تک مشورہ نہ کرلوں، میں نہیں آسکتا، اسی درمیان حضرت مولانا قمر الزماں صاحب گجرات تشریف لائے تھے، آپ کو اس کے لیے آمادہ کیا گیا، حضرت مولانا مدظلہ نے اس کو قبول فرمایا، اللہ آپ کے سایہ کو تادیر قائم فرمائے اور آپ کے فیض کو عام وتام فرمائے، شمالی گجرات ضلع سابرکانٹھا میں الحمدللہ مکاتب ومدارس عربیہ میں دعوت وتبلیغ کی محنت بھی ہورہی ہے، لیکن خانقاہ کے نظام کی کمی تھی، ضلع سابرکانٹھا میں ایلول قدیم بستی ہے، جس میں علماء کی تعداد بھی زیادہ ہے، نیز بعض حضرات مولانا سے اصلاحی تعلق قائم کیے ہوئے تھے، نیز علاقہ میں حضرت مولانا کی آمد رہتی تھی، ساتھ ساتھ میرے علاوہ اور بھی تلامذہ تھے مشورہ ہوا کہ حضرت مولانا کم از کم ایک عشرہ کے لیے ایلول تشریف لائیں، اور متعلقین ومتوسلین کی روحانی تربیت کریں، چونکہ آخری عشرہ میں حضرت مولانا متوسلین کے ساتھ اپنے وطن پورہ معروف میں اعتکاف کرتے تھے، اور یہ سلسلہ ایک عرصہ سے جاری وساری تھا، اس لیے اپنے کبرسنی، نیز بعد مسافت کے باوجود اول عشرہ میں آنے کے لیے دعوت کو قبول کیا، تین سال تک حضرت تشریف لائے، اور ایک بار ''بسنگر'' بھی روحانی تربیت کے لیے آپ پہنچے، عوام کے علاوہ بڑی تعداد میں علاقہ کے علماء عظام میں اپنا اصلاحی تعلق حضرت مولانا سے قائم فرمایا۔

حضرت شیخ عبدالجبار صاحبؒ کے بعد احقر نے بھی حضرت مولانا سے ہی اپنا اصلاحی تعلق قائم کیا، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، روحانی نفع کے ساتھ زیادہ علمی نفع مجھے جن اساتذہ کرام سے پہنچا ان میں حضرت مولانا کی ذات گرامی ہے جنھوں نے شفقتوں کے ساتھ میری تربیت فرمائی، اور تاموت حضرت نے میرے ساتھ اپنی اولاد جیسا معاملہ کیا، اس کو کیسے بھلایا جاسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ حضرتؒ کے درجات کو بلند فرمائے، اور آپ کی جملہ خدمات کو قبول فرمائے۔

اوصاف وکمالات: حضرت مولانا کو اللہ نے اوصاف جمیلہ سے نوازا تھا، علمی اشتغال کا حال

آپ کے جاننے والوں کو خوب معلوم ہے، دار العلوم چھاپی میں حضرت کے ساتھ بعد العصر کھیتوں کی طرف تفریح کے لیے جاتا تھا، اس موقعہ پر بھی علمی بات ہی ہوتی تھی، خارج از درس حضرت کو دیکھا تو حضرت کے سامنے کتاب ہوتی، مطالعہ فرماتے یا تو تصنیف اور تالیف میں مشغول رہتے، دار العلوم چھاپی میں جمعرات کی شام کو دعوت وتبلیغ کی نسبت پر طلبۂ عظام کی جماعت اطراف وجوانب میں جاتی ہے، یہ سلسلہ گجرات کے تقریباً تمام مدارس عربیہ میں ہے، جو بہت اچھی ترتیب ہے، ساتھ میں جامعہ کے استاذ بھی رہتے ہیں، ایک بار قریب کے دیہات میں طلبہ کے ساتھ حضرت مولانا بھی تشریف لے گئے، اور بروز جمعہ اشراق کے بعد واپس تشریف لائے مجھے بتایا کہ رات میں ایک کتاب (سوانح نذیری) تالیف مولانا عبد القیوم صاحب، مسجد میں رکھی ہوئی تھی، جو ضخیم ہے، میں نے صبح تک اس کا مکمل مطالعہ کرلیا، کس کس واقعہ کا ذکر کیا جائے؟ اور کس کس کو چھوڑا جائے؟ حضرت کی اہلیہ محترمہ ”مولوی عبد الباسط کی والدہ دماغی مرض میں مبتلا تھیں، اس لیے گھر کے بہت سارے کام حضرت مولانا خود کرتے تھے، اس کے باوجود نہ تو درس وتدریس میں کوئی خلل، نہ مطالعہ اور تصنیف وتالیف میں کوئی رکاوٹ۔

حضرت مولانا کو اللہ کی طرف سے بہت بڑی نعمت ملی تھی، ان کے اوپر مظاہر علوم سہارن پور میں شعبہ تخصص فی الحدیث کی صدارت کی اہم ذمہ داری تھی، درسیات کے ساتھ تصنیف کا کام بھی کرتے تھے، حضرت مولانا چوں کہ ”جامع العلوم والفنون“ تھے، بہت سے اہل علم اپنی تالیف کردہ کتابیں لے کر آتے، درخواست کرتے کہ اس پر نظر فرما کر مقدمہ، تقریظ، یا دعائیہ کلمات تحریر فرمادیں، مجھے یاد نہیں کہ حضرت مولانا نے کسی کو مایوس کیا ہو، یا عذر پیش کیا ہو؟ بلکہ درخواست قبول فرماتے اور اکثر مکمل کتاب کا از اول تا اخیر مطالعہ کرتے، تصحیح وترمیم کی ضرورت ہوتی تو اس کو بھی کرتے، اور پھر اپنی قیمتی رائے تحریر فرماتے، سرسری کتاب کو دیکھ کر تقریظ کرنے کے حضرت قائل نہ تھے، ایسا بھی ہوتا کہ کوئی جدید تالیف کردہ کتاب حضرت کے پاس آتی، اس کا اول تا اخیر مطالعہ فرماتے، مطالعہ کے دوران اغلاط کی نشان دہی فرما کر مؤلف کو بھیجتے، تا کہ آئندہ طباعت میں اس کی اصلاح کی جائے، مقصد یہی ہوتا کہ صحیح بات سامنے آئے۔

آپ کی تصنیفات میں سے کئی کتابیں شائع ہوچکی ہیں جو مختلف فنون پر مشتمل ہیں خاص طور پر علم

حدیث میں آپ نے تحقیقی کام کیا ہے جس سے طالبان علم حدیث اور اساتذہ حدیث برابر استفادہ کر رہے ہیں اللہ قبول فرمائیں، معیاری کتاب پر تحقیقی کام کرنے میں بعض مرتبہ کتاب تالیف کرنے کے برابر محنت کرنی ہوتی ہے۔ کتاب **المغنی فی ضبط الاسماء لرواۃ الانباء** تالیف علامہ شیخ محمد ابن طاہر پٹنی پر تحقیقی کام کے لیے کس قدر عرق ریزی کی ہے، اس کو وہی بیان کرسکتا ہے جس نے اس کا مشاہدہ کیا ہے۔

علم تجوید وقراءت میں آپ کی کوئی مستقل تالیف تو نہیں؛ لیکن شمالی گجرات میں آپ کے ذریعہ قراءت سبعہ کی تعلیم کا سلسلہ جاری ہوا جو تالیف کی خدمت سے بڑھ کر ہے، حضرت قاری ظہیر الدین صاحب معروفیؒ (جو حضرت مولانا کے سبعہ کے استاذ ہیں) کی تالیف کردہ کتاب احیاء المعانی مکمل اور اصول ورش عن نافع اور اجراء سبعہ متواترہ کی دوبارہ طباعت کروا کر شائقین فن کی ضرورت کو پوری فرمایا، مزید اصول ورش عن نافع پر حاشیہ کے عنوان سے اضافہ فرمایا۔

آج سے پچیس سال قبل شمالی گجرات میں فن قراءت سے اہل علم بھی نا آشنا تھے، اس لیے قرأت سبعہ کی تعلیم کے سلسلے میں حضرت مولانا کے سامنے یہ بات آئی کہ بعض حضرات یہ سمجھ رہے ہیں کہ اس کی کیا ضرورت ہے؟ فقط روایت حفص کافی ہے، اس پر حضرت مولانا نے قراءت سبعہ کی ضرورت کے عنوان سے ایک اچھا مضمون تحریر فرمایا تھا، جس میں قراءت کی اہمیت اور ضرورت کو دلائل سے واضح کیا تھا، لیکن افسوس کہ وہ مضمون بعد میں ضرورت پڑنے پر دستیاب نہ ہوسکا۔

سادگی: حضرت مولانا کی زندگی میں تکلف نہیں تھا، سادگی میں آپ کی مثال دی جاتی تھی ٹھاٹھ باٹھ اور مصنوعی وضع سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا عیش نام کی کوئی چیز نہ تھی، سادگی کی یہ حالت تھی کہ ناواقف آپ کی طرف التفات بھی نہ کرتا، اس کو معلوم نہیں جس شخص کو میں نے سرسری سمجھا ہے وہ ہندوستان کا ایک محدث جلیل، اسماء الرجال کا ماہر عالم ربانی ہے، لیکن مقام جاننے والے، پروانہ وار گرتے، تواضع کا بھی یہی حال تھا، حضرت شیخ عبدالجبار صاحبؒ کی وفات کے بعد امداد الباری کی تکمیل کی بات آئی تو آپ نے جو رائے پیش کی، اس میں اپنے ہم عصر، ہم درس کو فوقیت دینا اور کھل کر فوقیت کا اظہار کرنا تھا جو ایک متواضع عالم ربانی ہی کرسکتا ہے، آپ نے فرمایا کہ مولانا محمد عثمان صاحب معروفی اور بحر العلم حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب، جن کا شمار جید علماء میں سے ہے، کام کے

لیے ان کو کہا جائے، یہ حضرت مولانا کے الفاظ نقل کر رہا ہوں۔

رفیق محترم مولانا عطاء اللہ مدرس ماہی گجرات حضرتؒ کے شاگرد تو نہیں، لیکن تلمیذ کے درجہ میں ہیں، آپ نے ایک عمدہ کتاب تالیف فرمائی ہے، "میرے مدنی آقا ﷺ کی نماز" جس میں حضرت مولانا کی تقریظ بھی ہے، خانقاہ میں اس کی تعلیم کرواتے تھے، جب کہ خانقاہ میں علماء کبار کی کتب کی تعلیم ہوتی ہے، حضرت کا اخلاص تھا کہ کتاب کو مفید پایا تو نظام خانقاہ میں اس کو شامل کیا، حضرت مولانا کا بڑا وصف تھا چھوٹوں کو آگے بڑھانا، ان سے علمی کام لینا، ان کے کام کی حوصلہ افزائی کرنا، مجھے بھی اپنے مرض الوفات میں نصیحت فرمائی کہ دیکھو! چھوٹوں کو آگے بڑھانا۔

۱۴۰۳ھ میں حضرت کے مشورہ سے گوریني، جون پور، قراءت عشرہ پڑھنے کے لیے میرا سفر ہوا، رمضان کے آخری عشرہ میں میں تنہا حضرت کے یہاں پہنچا، یہ پہلی بار حضرت کے وطن جانا ہوا تھا، ایک طویل سفر سے آرہا تھا، حضرت نے بڑی شفقتوں کا معاملہ کیا، تقریباً دس روز قیام رہا، عید کے بعد مجھے وہاں سے جون پور، گوریني، جانا تھا، حضرت کے تواضع کی انتہاء کہ مغرب کے پہلے میں پہنچا مجھ سے فرمایا کہ غسل کرلو! کپڑے بدل لو! میں تھکا ہوا تھا، میں نے سوچا اتارے ہوئے کپڑے بعد میں دھولوں گا، پہنے ہوئے کپڑے اتار کر رکھ دیے، اور میں آرام کے لیے چلا گیا، صبح دیکھا کہ کسی نے کپڑے دھو کر دھوپ میں سکھانے کے لیے چھوڑ دیے ہیں، اللہ تعالیٰ حضرت والا کی جملہ خدمات کو قبول فرمائے، اور جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائے۔

(آمین)

☆☆☆

علم وعمل کے آفتاب وماہتاب

مولانا محمد ارشد اعظمی، معروفی، مدنی، سرپرست ماہنامہ پیغام پورہ معروف
واستاذ حدیث جامعہ مظہر العلوم بنارس

قصبۂ پورہ معروف کی نم ناک وزرخیز زمین سے اٹھنے والے ذرے جو آفتاب وماہتاب بن کر چمکے، اور جن کی ضوفشانیوں سے ایک عالم مستنیر ہوا، اور جن پر اس بستی کو بجا طور پر فخر کا حق حاصل ہے، ان میں ایک اہم اور ممتاز نام حضرت مولانا زین العابدین معروفی قدس سرہٗ کا ہے۔

احقر نے جب سے شعور کی آنکھیں کھولیں، حضرت مولانا مرحوم کا نام ایک بڑے عالم کی حیثیت سے سنتا رہا، بچپن میں ایک آدھ بار مولانا کا خطاب سننا بھی یاد ہے، کبھی کبھی ملاقات ومصافحہ کا شرف بھی حاصل ہوا، لیکن کسی خصوصی ربط وتعلق کی نوبت نہیں آئی، ۱۹۸۸ء میں سعودی عرب سے واپسی کے بعد جب جامعہ مظہر العلوم بنارس میں احقر کا دوبارہ تقرر ہوا، حضرت مولانا مرحوم اس وقت وہاں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز تھے اور ان کا علمی فیضان جاری وساری تھا، اس وقت مولانا کو قریب سے دیکھنے اور جاننے کا موقعہ ملا، ان کی تواضع وسادگی، جفاکشی، حفظِ اوقات، پابندیٔ معمولات، تبحر علمی، ژرف نگاہی، استحضار معلومات، اور مختلف علوم وفنون میں مہارت کے ساتھ علم حدیث پر ان کی گہری اور وسیع نگاہ کا اعتقاد دن بدن پختہ ہوتا گیا۔

حضرت مولانا مرحوم نے پوری زندگی تعلیم وتدریس، اور اصلاح وتربیت کے میدان میں صرف کردی، ملک کے مختلف مدارس میں مختلف علوم وفنون کی چھوٹی بڑی تقریباً تمام ہی کتابیں پڑھائیں، دعوت وتبلیغ کے میدان میں بھی سرگرم رہے، ان کے تحریری کارنامے بھی وقتاً فوقتاً منظر عام پر آئے اور ملک کے اکابر علما اور ان کے اہل علم معاصرین ان کے علم وفضل اور ان کی بلند وبالا شخصیت کے ہمیشہ معترف ومداح رہے؛ لیکن مولانا مرحوم کا علمی جوہر کھل کر اس وقت سامنے آیا اور ان کی واقعی قدر وقیمت کا صحیح معنوں میں احساس واعتراف اس وقت کیا گیا جب مظاہر علوم سہارن پور کے ارباب حل وعقد نے ملک میں پہلی بار ''شعبۂ تخصص فی الحدیث'' قائم کیا، اور اس کی سربراہی وتکمیل ذمہ داری حضرت مولانا مرحوم کو سونپ دی، دیکھتے ہی دیکھتے یہ چھوٹا سا پودا، ایک تناور درخت بن گیا، اس کی

شاخیں خوش رنگ پھولوں اور خوش ذائقہ پھلوں سے لد گئیں، متخصصین فی الحدیث کی ایک قابل قدر جماعت تیار ہوگئی، اور خود مولانا کے قلم سے نیز ان کی اور ان کے رفقاء کی نگرانی میں طلبہ کے قلم سے متعدد قابل قدر کارنامے ظہور پذیر ہوگئے، ایک قلیل اور مختصر سی مدت میں ایک نومولود شعبہ کا عروج وترقی کی بلندیوں کو چھو لینا فضل خداوندی کے بعد ارباب جامعہ اور مولانا مرحوم کے اخلاص فراواں اور جہد مسلسل کا بین ثبوت ہے اور ظاہری اسباب کے دائرہ میں اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ارباب جامعہ نے مولانا مرحوم کی کما حقہ قدر شناسی کی، ان پر مکمل اعتماد کیا، اپنی صواب دید سے کام کرنے کی آزادی بخشی اور شعبہ کے لیے درکار ضروری اسباب ووسائل کی فراہمی میں مکمل فراخ دلی اور وسیع النظری کا ثبوت دیا، جو عام طور پر دینی اداروں میں اس وقت ناپید ہے۔

وطن مألوف پورہ معروف سے مولانا مرحوم کو بے حد محبت تھی، اکابر پورہ معروف کا تذکرہ والہانہ انداز میں کرتے تھے، عہد ماضی میں یہاں کے لوگوں کی دین کے سانچے میں ڈھلی ہوئی زندگی کا ذکر فرماتے اور زمانۂ حال کی افسوس ناک تبدیلیوں سے اس کا موازنہ کرتے اور اصلاح حال کی بار بار تلقین فرماتے، وطن سے محبت ہی کا نتیجہ تھا کہ گجرات میں اعتکاف کی پیش کش کو قبول کرنے سے معذرت فرمادی اور اپنی بستی میں "خانقاہ ربانی" کے قیام کو ترجیح دی، پورہ معروف میں خانقاہی نظام کا قیام مولانا مرحوم کا ایک عظیم کارنامہ ہے، جس نے اس بستی کو ذکر اللہ کی برکات سے معمور کردیا، علمائے کرام کے ایک بڑے طبقہ نے اس خانقاہ سے جڑ کر احسان وسلوک کی منزلیں طے کیں اور پورہ معروف کے علما میں اس تعلق سے جو کمی عمومی طور پر پائی جاتی تھی اس کا ایک بڑی حد تک ازالہ ہوگیا، طلب علم کی سچی پکی دھن اور اتباع سنت کا جذبۂ صادق مولانا مرحوم کے کتاب زندگی کے ورق ورق میں جس طرح نمایاں اور روشن نظر آتا ہے، اس کی مثالیں اب نایاب ہوتی جارہی ہیں، علم وعمل سے بھرپور، طاعت وعبادت سے معمور اور نفع رسانی خلق میں مشغول ایسی زندگیاں اب بتدریج عنقاء ہوتی جارہی ہیں، بلاشبہ حضرت مولانا مرحوم کا شمار اس دیار کے ان علمائے ربانیین میں کیا جائے گا جنھوں نے علم وعمل کی شمعیں جلائیں، احیائے سنت اور قمع بدعت کی سعی وکوشش میں اپنی زندگی بسر کی اور ان کے علم وعمل اور اسوۂ حسنہ سے بندگان خدا کو بے حد نفع پہنچا، حق تعالی شانہٗ حضرت مولانا مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے اور امت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔

بڑے ابا

حضرت مولانا زین العابدین صاحب شخصیت اور کمالات

مولانا و مفتی عبداللہ معروفی، برادرزادہ حضرت مرحوم
استاذ شعبۂ تخصص فی الحدیث دارالعلوم دیوبند

آہ! میرے مرشد، مربی اور محسن بڑے ابا حضرت مولانا زین العابدین صاحب رحمہ اللہ کی وفات حسرت آیات کے حادثہ کو عرصہ چھ ماہ سے زیادہ ہو چکا ہے؛ مگر ابھی تک زخم کچھ ایسا تازہ ہے کہ ان کے متعلق کچھ لکھتے یا بیان کرتے ہوئے قلم وزبان تھراتے ہیں، دوستوں کے پیہم اصرار اور تقاضے پر بارہا کچھ لکھنے کا ارادہ کیا؛ مگر دل ودماغ کا جمود ٹوٹنے کا نام نہیں لیتا، تاخیر بہت ہوگئی، اس لیے معذرت کے ساتھ ناظرین کی خدمت میں کچھ کج مج سطور اور بے ربط الفاظ یا غیر مفید جملے ہی پیش کیے جا رہے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا نہایت فضل وکرم ہے کہ ہمارا قبیلہ وخاندان کئی پشتوں سے مجموعی طور پر اگرچہ اقتصادی اعتبار سے کمزور رہا؛ تاہم دینی اعتبار سے یک گونہ ممتاز رہا ہے، حضرت مرحوم سے اوپر آباء واجداد کی چوتھی پیڑھی میں ایک بزرگ حضرت حافظ عبدالقادر صاحب علیہ الرحمۃ تھے، جو معلم قرآن کریم تھے، ان کی محنتوں سے پورا خاندان شرعی وضع قطع کے ساتھ نماز وتلاوت کا پابند تھا، حافظ صاحب کا زمانہ اور حضرت مولانا محمد طاہر صاحب معروفی رحمہ اللہ (جو حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کے شاگردوں میں تھے اور بڑے صاحب کمالات وکرامات بزرگ تھے) کا زمانہ ایک ہے، اس وقت پورہ معروف میں ان ہی دونوں گھرانوں میں علم تھا، ان حضرات صالحین کی محنتوں سے عمومی طور پر ہمارے قصبہ پورہ معروف کی دینی حالت بھی اچھی تھی، اور بعد میں تو بفضلہ تعالیٰ یہ بستی علماء وصلحاء کی بستی بن گئی اور اس بستی نے بہت سے نامور علما، صلحا اور خادمین قوم وملت کو جنم دیا، جن میں ایک نمایاں ہستی ہمارے حضرت مرحوم کی بھی ہے۔

ایک بچہ کے سن شعور یا ہوش سنبھالنے کی جو عمر ہوتی ہے؛ جب ہم اس عمر کو پہنچے تو ہمارے خاندان کی تین بارعب شخصیات سے ہمارے کان اور آنکھ آشنا ہوئے، جن کا ہر چھوٹا بڑا نہ صرف احترام کرتا تھا

بلکہ کبھی ڈرتے تھے:

(۱) مولوی دادا، مراد اس سے نیاجی عبدالمعید وصلاح الدین مرحومین، اور حافظ سعید الرحمٰن صاحب دام ظلہ کے والد ماجد، اور مولانا محمد خالد صاحب استاذ جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڈھ کے دادا حضرت مولانا عبدالحمید صاحب رحمہ اللہ ہیں، ہمارے حقیقی دادا محمد بشیر مرحوم کے چچا تھے، اور انتہائی بارعب، پرکشش اور تنومند شخصیت کے مالک تھے، غیرت دینی اور بہادری میں ممتاز تھے، نیز ملی وسماجی خدمات سے بہت دلچسپی رکھتے تھے، اور یہ وصف ان کی اولاد میں بھی منتقل ہوا۔

(۲) مولوی عبدالسنان دادا، جو ہمارے دادا کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے، اور حضرت مولانا عبد الودود صاحب رحمہ اللہ، محمد نعمان ومحمد سالم صاحبان کے والد ماجد اور حضرت مولانا انوار احمد صاحب خیرآبادی استاذ حدیث جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڈھ کے نانا تھے، لمبا قد، پتلا لیکن بارعب چہرہ، منکر پر نکیر کرنا ان کا خصوصی وصف تھا، فاضل دیوبند تھے فقہی مسائل اور جزئیات انھیں مستحضر رہتی تھیں، شامی نام کی کوئی مسائل کی کتاب ہے، یہ سب سے پہلے ہم نے ان ہی سے سنا تھا، ان کا رعب ودبدبہ کچھ ایسا تھا کہ کبھی قریب ہونے کی ہمت نہیں ہوئی۔

(۳) مولوی بڑے ابا یعنی صاحب تذکرہ حضرت مرحوم، جنھیں ہم سے اوپر کی پیڑھی مولوی بھیا کہتی تھی کیوں کہ یہ اس میں سب سے بڑے تھے، علاوہ اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ کے جو ہماری پیدائش سے بھی پہلے وفات پا چکے تھے اور علاوہ صابرہ پھوپھی یعنی مولانا انوار احمد صاحب کی والدہ محترمہ کے جو ان سب میں بڑی ہیں، اللہ عافیت کے ساتھ ان کے سایے کو تادیر باقی رکھے۔

یوں تو حضرت مرحوم سادگی، تواضع، حسن اخلاق، تقویٰ وطہارت، تبحر علمی، دینی اور اصلاحی خدمات وغیرہ ہر اعتبار سے ممتاز تھے، اس وقت کوئی سوانحی مضمون لکھنے کا ارادہ نہیں ہے، یہ چیز برادرم مولانا عبدالباسط صاحب سلمہ کے مفصل مضمون میں پوری وضاحت کے ساتھ موجود ہے، نیز راقم الحروف نے بھی حضرت مرحوم کی "تحقیق کتاب المغنی" کے دیباچہ میں قدرے تفصیل سے تحریر کردیا ہے، سردست اپنے تجربہ کی روشنی میں صرف آپ کے علمی کمالات اور اس حقیر کی تعلیم وتربیت سے متعلق آپ کے احسانات پر روشنی ڈالنے کی کوشش ہے۔

گھر کے لوگوں کی زبانی صرف اتنا سنتے آئے تھے کہ بڑے ابا سرائے میر کسی مدرسہ میں پڑھاتے ہیں، مدرسہ کا نام معلوم نہیں تھا، چند سالوں کے بعد جب عم محترم حضرت مولانا محمد عثمان صاحب مدظلہ (حال شیخ الحدیث دارالعلوم بانس کنڈی آسام) مجھے اپنے ہمراہ ابتدائی درجات مکتب کی تعلیم کے لیے کوہنڈہ ضلع اعظم گڈھ لے گئے تو اس ضمن میں سرائے میر بھی جانا ہوا اور مدرسۃ الاصلاح (جس میں حضرت مرحوم شیخ الحدیث تھے) کو دیکھنے کا موقع ملا، دادا مرحوم کی وصیت وتاکید اور دادی مرحومہ کی ہمہ وقتی توجہات وعنایات کی وجہ سے خاندان کے سبھی حضرات اس حقیر کا خیال رکھتے تھے، خاص طور سے چچا جان مولانا محمد عثمان صاحب اور بڑے ابا مرحوم تو خود کو اس حقیر کی تعلیم و تربیت کا اصل ذمہ دار ہی سمجھتے تھے، مدرسہ اشاعت العلوم پورہ معروف میں پرائمری درجہ پانچ پاس کرنے کے بعد ابھی ابتدائی فارسی شروع ہی کی تھی کہ بڑے ابا مرحوم کا حکم ہوا کہ اب تجھے سرائے میر مدرسۃ الاصلاح میں پڑھنا ہے، ایک ''باپ'' کی حیثیت سے اپنے عزیز ''مثل بیٹے'' کے حق میں آپ کا یہ فیصلہ بالکل خیر خواہانہ تھا، کیوں کہ واقعتاً اس وقت اطراف کے کسی مدرسہ میں مدرسۃ الاصلاح جیسی ٹھوس ابتدائی تعلیم صرف، نحو، ادب، انشاء، بلاغت وغیرہ کی نہیں ہوتی تھی۔

خیر شوال سنہ ۱۳۹۸ھ میں حضرت مرحوم نے میرا داخلہ مدرسۃ الاصلاح میں درجہ اول عربی میں کرا دیا، مگر افسوس کہ اگلے ہی مہینہ تقسیم اسباق کے کسی مسئلہ میں انتظامیہ سے ناموافقت کی بناء پر حضرت مرحوم کو مدرسہ سے علیحدگی اختیار کرنی پڑی، لیکن اس حقیر کے حق میں آپ کا فیصلہ اٹل رہا کہ اسی مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنی ہے، چنانچہ وہاں کے بعض اساتذہ خصوصاً استاذ محترم حضرت مولانا عبیداللہ صاحب قاسمی مدظلہ (جو چکیا ضلع اعظم گڈھ کے رہنے والے اور طلبہ پر انتہائی شفیق اور خیر خواہ ہیں) کے زیر نگرانی مجھے چھوڑ کر آپ جامعہ فاروقیہ صبرحد ضلع جونپور منتقل ہو گئے۔

آٹھ سال حضرت مرحوم نے مدرسۃ الاصلاح میں بڑی کامیابی کے ساتھ درس دیا، یہاں ان کے زیر درس جو کتابیں رہیں ان میں صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، حجۃ اللہ البالغہ، شرح عقائد نسفی اور بدایۃ المجتہد قابل ذکر ہیں، مدرسۃ الاصلاح میں اس حقیر نے چار سال گذارے، مدرسہ کی چہار دیواری میں ہر خاص وعام کی زبان پر آپ کے تعارف کی علامت ''محدث صاحب'' تھی، چنانچہ اونچی جماعت کے طلبہ یا جو ابنائے قدیم کبھی مدرسہ کی زیارت کو آتے، ان حضرات کی زبانی حضرت''

محدث صاحب'' کی علمی صلاحیت، وسعتِ مطالعہ، تدریس کی عمدگی خصوصاً فن حدیث میں مہارت تامہ وغیرہ کے تذکرے خوب سنتا رہا، ادھر مدرسہ کے مذاق اور ماحول سے بھی یہ حقیر کافی حد تک واقف ہو چکا تھا، یہاں طلبہ میں خود اعتمادی کے ساتھ ڈھیٹ پن بھی بہت ہوتا ہے، استاذ اگر ذرا بھی احساس کمتری کا شکار ہو تو یہ طلبہ سوالات کے ذریعہ اسے پریشان کر دینا اپنا واجبی حق سمجھتے ہیں، ایسے ماحول میں کسی مدرس کا نہ صرف کامیاب ہو جانا، بلکہ طلبہ کا اس کی تعریف میں رطب اللسان ہونا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

مدرسۃ الاصلاح کے نصاب میں درجہ عربی پنجم و ششم دو سالوں میں ابن رشد مالکیؒ (متوفی ۵۹۵ھ) کی ''بدایۃ المجتھد'' داخل ہے، اس کتاب کا انداز یہ ہے کہ مصنف کسی بھی مسئلہ میں اولاً فقہائے مجتہدین کی آرا تحریر فرمانے کے بعد قرآن و حدیث کی کچھ نصوص پیش فرما کر وجہِ اختلاف ذکر فرماتے ہیں، عموماً قاری کو یہ تاثر ہوتا ہے کہ مسئلہ میں اختلاف کی بنا؛ دلائل کے اختلاف کے بجائے نص فہمی کا اختلاف ہے اور اکثر و بیشتر حضرت مصنفؒ کسی مذہب فقہی پر ترجیحی دلائل یا موازنہ سے گریز فرماتے ہیں، ظاہر ہے اس کتاب کو پڑھنے والے وہ طلبہ جو اب تک کسی امام متبوع خصوصاً امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں اور فقہ حنفی کے دلائل کا تفصیلی و ترجیحی علم انھیں ابھی حاصل نہیں ہو سکا ہے، لازمی طور سے ان کا تقلیدی پہلو کمزور ہوگا اور جس کے دل کو جو رائے لگے گی وہ اسی کو راجح سمجھنے لگے گا۔

بڑے ابا مرحوم کے نزدیک نصاب کی مذکورہ خامی یا مضرت اس کی اس افادیت پر بڑھی ہوئی تھی جس کی وجہ سے انھوں نے اس حقیر کو مدرسۃ الاصلاح میں داخل کرایا تھا، چنانچہ شروع ہی میں آپ نے فرما دیا تھا کہ تجھے اس مدرسہ میں صرف درجہ عربی چہارم تک پڑھنا ہے، اس کے بعد سیدھے دارالعلوم دیوبند کا رخ کرنا ہے، چنانچہ درجہ چہارم کے بعد قبل اس کے کہ ''بدایۃ المجتھد'' پڑھنے کی نوبت آتی ہمیں ام المدارس دارالعلوم دیوبند بھیج دیا گیا، جہاں اصول فقہ کی متعدد کتب کے ساتھ فقہ حنفی کی ممتاز ترین کتاب ''ہدایۃ'' تقریباً مکمل پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، نیز دورۂ حدیث شریف میں مختلف و متعارض ادلہ پر اساتذۂ کرام کی ایسی بصیرت افروز تقریریں سننے اور پڑھنے کی توفیق ملی کہ جن سے فقہ حنفی کا اقرب الی النصوص ہونا دو اور دو چار کی طرح واضح ہو گیا، والحمد للہ علیٰ ذلک، اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت مرحوم کی پدرانہ شفقت اور بصیرت و دور بینی کی بدولت اس حقیر کو خود اعتمادی کی دولت

کے ساتھ اہل سنت والجماعت حنفی دیوبندی مسلک ومشرب پر بحمد اللہ تصلب بھی مرحمت فرمایا، پھر مادر علمی میں علوم حدیث شریف کی ٹوٹی پھوٹی خدمت کی توفیق بھی۔

مادر علمی دار العلوم دیوبند میں موقوف علیہ (ہفتم) کے سال میں شرح عقائد نسفی داخل نصاب ہے، سنہ ۱۴۰۵ھ میں جب یہ کتاب پڑھنے کی نوبت آئی تو معلوم ہوا کہ یہ کتاب تو اپنے اسلوب اور منطقیانہ وفلسفیانہ طرز استدلال کی وجہ سے خاصی مشکل ہے، میرے علم میں یہ بات تھی کہ بڑے ابا صاحب نے اس کی عربی میں کوئی شرح لکھی ہے، چنانچہ اپنی اس دشواری کا حوالہ دے کر جرأتِ بیجا کرتے ہوئے حضرت مرحوم کو شرح کا مسودہ بھیجنے کی درخواست لکھ بھیجی، جسے اب سوائے نادانی کے کچھ نہیں کہا جاسکتا، مسودہ جیسی قیمتی شے ایک لاابالی طالب علم کو نہ ملنی چاہئے تھی اور نہ ملی، البتہ آپ نے اردو میں مباحث شرح عقائد کی ایک کوئز (سلسلہ سوال وجواب) تیار کر رکھی تھی، اسے ازراہِ شفقت اولین فرصت میں میرے پاس بھیج دی، اور اس کی مطبوعہ شرح رمضان آفندی کتب خانے میں جاکر دیکھنے کی تاکید فرمائی، مذکورہ کوئز سے اس حقیر نے خوب استفادہ کیا، سوال وجواب کے اس سلسلہ میں کتاب کی دقیق بحثوں کا خلاصہ جس سہل انداز میں آگیا ہے اپنے تجربہ کی بناء پر کہہ سکتا ہوں کہ ایک معمولی استعداد کا طالب علم بھی اس کی مدد سے شرح عقائد کو کافی حد تک سمجھ سکتا ہے، بعد میں یہ رسالہ ''عقیدہ نما'' کے نام سے طبع بھی ہو چکا ہے، نمونہ کے طور پر ایک مشکل ترین بحث ''لاعین ولا غیر'' پر سوال وجواب ہدیۂ ناظرین ہے جس سے بقیہ مباحث کی اہمیت وافادیت، اور حضرت مرحوم کے فن اور کتاب پر قابو یافتہ ہونے کا اندازہ لگانا مشکل نہ ہوگا، واضح رہے کہ سوالات کی عبارت الٰہ آباد بورڈ کے ''عالم'' کے پرچہ جات سوالات سے ماخوذ ہے:

سوال (۱۳): اشرحوا عبارة الذيل: ''وله صفات أزلية قائمة بذاته، وهي لا هو ولا غيره''. اذكروا منهب المتكلمين والمعتزلة.

جواب: اس بات پر اہلِ اسلام کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ حی، قیوم، قدیر، سمیع، بصیر اور علیم ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں آیا ہوا ہے، اب معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ کی ذات ہی کو معلومات کے لحاظ سے علیم اور مقدورات کی نسبت سے قدیر، مسموعات ومبصرات کے تعلق سے سمیع وبصیر کہا جاتا ہے، اس کے لیے کوئی صفت ثابت نہیں، جس کو سمع، بصر، علم، قدرت اور حیاۃ وغیرہ کہا جائے، کیوں کہ اگر

صفات کو مانیں گے تو ان کو قدیم اور ازلی بھی ماننا پڑے گا، تا کہ حوادث کا محل بننے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ حادث نہ ہو جائے، اور جب صفات کو قدیم مان لیا گیا تو عقیدۂ توحید پر زد پڑ گئی، اس لیے اللہ تعالیٰ کے لیے صفت کو مانا نہیں جا سکتا، دوسرے لفظوں میں: اللہ تعالیٰ کی صفات اس کی ذات کا عین ہیں۔

اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ: حی، قیوم، قدیر، سمیع، بصیر وغیرہ مشتقات ہیں، اور صفت کے صیغے ہیں، اور صفت کا صیغہ اسی وقت کسی ذات پر بولا جا سکتا ہے جب اس کا مبدأ ذات کے ساتھ قائم ہو، اس لیے یہ صفات اس کی ذات کے معنی سے امر زائد ہوں گے، پس اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ کچھ ایسی صفات قائم ہیں جو ازلی ہیں اور وہ علم، سمع، بصر، قدرت، حیاۃ، مشیت، ارادہ اور کلام کی صفات ہیں، اور ذاتِ واحد کے لیے صفاتِ کثیرہ ازلیہ ماننے میں ذات کی عظمت میں اضافہ ہوتا ہے، جو توحید کے منافی نہیں ہے، ہاں اگر ذوات کثیرہ کو ہم ازلی مانتے تو البتہ عقیدۂ توحید پر زد پڑتی، اور ان تمام صفات کو عینِ ذات ماننے کی صورت میں یہ صفات بھی آپس میں ایک دوسری کی عین ہو جائیں گی جو بدیہی البطلان ہے، اور اس وجہ سے بھی کہ اگر صرف عینِ ذات کو یہ نام دیا جائے اور ان صفتوں کو مستقل قائم بذاتہ تعالیٰ نہ مانا جائے تو عالم کا اس نہج بدیع پر موجود ہونا مستبعد ہو جائے گا، کیوں کہ یہ انوکھا نظام اور مستحکم ضابطہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا بنانے والا علم، قدرت، مشیت اور ارداہ وغیرہ کی عالی صفات کے ساتھ متصف ہے، نہ کہ بغیر صفت کے محض اس کا تسمیہ علیم وقدیر ہو۔

کرامیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات تو ہیں مگر وہ سب حادث صفتیں ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی ذات کا غیر ہیں۔

اور اہلِ حق کہتے ہیں کہ سب صفات ازلیہ ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہیں، لیکن وہ صفات ذاتِ الٰہی کا نہ عین ہیں نہ غیر ہیں۔

''لاعین ولاغیر'' کا دو مفہوم: ایک مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صفاتِ کمالیہ کے ساتھ متصف تو ضرور ہے، لیکن ہم کو یہ نہیں معلوم کہ وہ صفات ذات الٰہی کا عین ہیں یا غیر ہیں؟ ہم عین کہنے میں بھی توقف کرتے ہیں، اور غیر کہنے میں بھی توقف کرتے ہیں، کیوں کہ دونوں میں سے کسی کا ثبوت شریعت میں نہیں ہے، اس لیے ہم بھی دونوں کی نفی کرتے ہیں۔ هكذا قال العلامة البلياوي شيخ المعقول والمنقول في دار العلوم الديوبندية.

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ دو چیزوں میں عینیت مفہوم کے متحد ہونے سے ہوتی ہے، اور اسم ذات اللہ اور اسم صفت قدیر، علیم، دونوں کا مفہوم الگ الگ ہے، اس لیے صفت عین ذات نہیں۔ اور دو چیزوں میں غیریت دونوں کے ایک دوسرے سے جدا ہو سکنے سے ہوتی ہے، اور اسم ذات اللہ، اسم صفت علیم وقدیر سے جدا نہیں ہوسکتا، اور ایسے ہی علیم وقدیر اسم ذات اللہ سے بھی جدا نہیں ہو سکتے، اس لیے غیر بھی نہ ہوئے، پس صفت ذات الٰہی کی نہ عین ہے نہ غیر، اس بنا پر اجتماع نقیضین اور ارتفاع نقیضین کا اعتراض بھی نہیں پڑسکتا، کیوں کہ عین وغیر کے درمیان ایک ایسا واسطہ نکل آیا جس میں مفہوم تو علیحدہ ہوا اور وجوداً علیحدہ نہیں۔

ہاں! اگر عین کی تعریف دو چیزوں کے مفہوماً اتحاد اور غیر کی تعریف دو چیزں میں مفہوماً عدم اتحاد سے کی جائے تو اعتراض پڑتا کہ جب "لا عین" کہا تو غیریت لازم آئی، اور جب "لا غیر" کہا تو عینیت لازم آئی، پس ظاہراً تو عین وغیر سے نقیضین کی نفی کی، لیکن حقیقتاً غیر اور عین (نقیضین) کا اثبات ہوگیا، کیوں کہ ان دونوں کے بیچ کوئی واسطہ نہیں ہے جس پر "لا عین" اور "لا غیر" دونوں کا اطلاق کیا جائے اور اس کا جواب وہی ہے جو ہم نے دوسرے مفہوم میں ذکر کیا۔ اھ

پھر شوال سنہ ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء میں بڑے ابا مرحوم ہی کی سفارش وکوشش سے جامعہ اسلامیہ، ریوڑی تالاب بنارس میں تدریسی خدمت پر یہ حقیر مامور ہوا، متعلقہ اسباق میں شرح عقائد کا سبق بھی تھا، چنانچہ ایک بار پھر اصل شرح "التعلیقات السنیة" کا مسودہ مانگا تو آپ نے اس کی کتابت شدہ کاپی مرحمت فرمادی، جس کی فوٹو کاپی میں نے رکھ لی، اور پانچ یا چھ سال جب تک یہ کتاب متعلق رہی اس شرح سے مستفید ہوتا رہا، پیچیدہ مقامات کا تشفی بخش حل، اصطلاحی الفاظ وتعبیرات سے حتی الوسع احتراز، اور غیر ضروری قیل وقال سے اجتناب اس شرح کی خصوصیات ہیں، یہ شرح طلبہ واساتذہ سب کے حق میں انتہائی مفید محسوس ہوئی، بعد میں یہ کتاب طبع بھی ہوگئی ہے، دیوبند وسہارن پور کے تجارتی مکتبات میں دستیاب ہے۔

حجۃ اللہ البالغہ، اسرار شریعت میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی مایہ ناز تصنیف ہے، یہ کتاب مدرسۃ الاصلاح میں حضرت مرحوم کے زیر درس رہی ہے، شعبان سنہ ۱۴۰۶ھ میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت کے بعد جب یہ حقیر گھر آیا تو حضرت مرحوم سے "حجۃ اللہ" پڑھنے کی

خواہش ظاہر کی تو آپ نے بخوشی سبق شروع فرمادیا، مگر کتاب کے ابتدائی چند اوراق ہی ہو پائے تھے کہ ماہِ مبارک شروع ہوگیا، اور درس کا سلسلہ موقوف ہوگیا، تاہم کتاب کے موضوع اور بحث کے انداز اور حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے فکر وفلسفہ سے متعلق حضرت مرحوم کی تقریروں سے بہت کچھ فائدہ حاصل ہوا، حضرتؒ سے بالمشافہہ کوئی کتاب پڑھنے کا یہ پہلا موقع تھا۔

اس حقیر وبے مایہ پر اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسانات میں سے ایک عظیم احسان یہ بھی ہے کہ اس نے حضرتِ مرحوم جیسا شفیق اور بے نفس مربی مرحمت فرمایا، سنہ ۱۴۰۷ھ میں مادر علمی دار العلوم دیوبند کے شعبۂ تکمیل افتاء سے فراغت کے بعد شوال ۱۴۰۷ھ میں بندہ کا تقرر مدرسہ مطلع العلوم شہررام پور میں ہوگیا جہاں سے مراد آباد قریب ہے، چنانچہ حضرت مرشدی ومولائی الشیخ عبد الجبار صاحب اعظمی رحمہ اللہ سے بیعت سلوک کرلی، متعدد بار خدمت اقدس میں حاضری اور خط وکتابت بھی ہوئی، مگر وائے محرومی کہ حضرت شیخ کا شعبان ۱۴۰۹ھ میں وصال ہوگیا، اس وقت یہ حقیر جامعہ اسلامیہ بنارس میں مدرس تھا، سنہ ۱۴۰۶ھ میں بڑے ابا مرحوم کو حضرت شیخ عبد الجبار رحمہ اللہ نے بیعت کی اجازت وخلافت عطاء فرمادی تھی، چنانچہ رمضان المبارک سنہ ۱۴۱۱ھ میں اس حقیر نے بڑے ابا مرحوم کے دست مبارک پر دوسری بیعت کی اور آپ کے ساتھ ماہِ مبارک گذارنے کا سلسلہ شروع ہوگیا، اس حقیر کی علمی رہنمائی کے ساتھ اب روحانی اصلاح وتربیت پر بھی حضرت مرحوم کی توجہات بیش از بیش ہوگئیں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ایک طویل صحبت بابرکت کی شکل پیدا فرمادی۔

شوال سنہ ۱۴۱۵ھ میں جامعہ مظاہر علوم میں شعبہ تخصص فی الحدیث کا قیام عمل میں آیا، جس کی ذمہ داری اور سرپرستی کے لیے حضرات اکابر کی نظر انتخاب حضرت مرحوم پر پڑی چنانچہ آپ نے اس خدمت کو منظور فرمالیا، اور اس وقت سے لے کر تاحین حیات ۱۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ تقریباً انیس سال بڑے ہی خلوص وتندہی سے حدیث پاک اور اس کے علوم کی خدمت میں مصروف رہے، اور اس دوران جہاں خود حضرت مرحوم کے متعدد تحقیقی وتصنیفی شاہکار منظر عام پر آئے وہیں بہت سے محققین، مصنفین اور حدیث وعلوم حدیث کے خدمت گاروں کی ایک اچھی خاصی ٹیم تیار کرگئے، جو ان کے لیے یقیناً صدقۂ جاریہ ہوں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

شعبۂ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارن پور کا نصاب دوسالہ تجویز ہوا، ایک سال تو حضرت

مرحوم نے تن تنہا پورا نصاب پڑھایا اور طلبہ کی بحث ودراسہ اور تخریج وغیرہ میں رہنمائی فرمائی، دوسرے سال ایک درجہ کا اضافہ منظور ہوا تو آپ نے اس حقیر کو بحیثیت معاون مدرس طلب فرمالیا جس کی کچھ تفصیل اپنی آپ بیتی ''اپنی باتیں'' میں حضرت نے خود رقم فرمادی ہے۔ یہاں ۱۴۱۶ھ تا ۱۴۲۱ھ کل پانچ سال حضرت مرحوم کے زیر سایہ رہ کر حدیث وعلوم حدیث میں مشغول رہنے کی سعادت حاصل ہوئی اور بہت قریب سے استفادہ اور شب وروز کے معمولات اور اخلاق وصفات کا مشاہدہ کرنے کا موقع ملا، حضرت مرحوم کی شخصیت میں جو کچھ احقر نے خوبیاں دیکھیں اس کی معمولی جھلک کچھ یوں ہے:

(۱) سادگی اور تواضع گویا آپ کی فطرت تھی، یہی وجہ ہے کہ اپنا کام خود کرتے، معمولی سے معمولی کام خود کر لینے میں نہ کوئی عار محسوس کرتے اور نہ ہی کسی قسم کا تکلف، بارہا دیکھا گیا کہ کمرہ یا برآمدہ میں جھاڑو دے رہے ہیں، کسی نے لپک کر لینا چاہا تو یہ کہہ کر منع فرمادیا کہ میں جیسا چاہتا ہوں ویسا تم نہیں کرسکو گے۔

(۲) طبیعت میں اصول پسندی تھی، بے اصولی نہ خود کرتے تھے نہ دوسرے کی بے اصولی برداشت کرتے، لیکن تنبیہ بڑی خوش اسلوبی سے کرتے کہ وہ برا نہ مانے، شب وروز کے معمولات کی ایک تناسب کے ساتھ ترتیب قائم کر لی تھی جس کے مطابق ہر کام اپنے وقت پر معینہ مقدار میں انجام دے لیتے تھے، یہ چیز کم موجب حیرت ہے کہ ایک طرف پوری پابندی اوقات کے ساتھ طالبانِ علوم نبوت کا حق ادا کرتے ہوئے درس وتدریس کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، دوسری طرف تصنیف و تالیف کا عمل بھی جاری ہے، چنانچہ وقتی مضامین ورسائل کے علاوہ ''تکملہ امداد الباری'' کا کام مستقل چل رہا ہے، تیسری طرف سلوک وتصوف کے برسہابرس سے چلے آرہے معمولات بھی ہو رہے ہیں، اور چوتھی طرف خلقِ خدا کی نفع رسانی کے لیے تعویذات وعملیات کا سلسلہ بھی جاری ہے، مگر ہر کام کا ایک وقت متعین ہے، مجال کیا کوئی شخص دوسرے وقت میں آکر اس وقت کے معمول میں خلل انداز ہو جائے، الا یہ کہ کوئی مہمان ہو جس کی خاطر مدارات کے لیے بھی اس طرح وقت بچا لیتے کہ روزمرہ کے معمولات میں فرق نہ آسکے، وقت میں برکت کسے کہتے ہیں؟ اس کا مشاہدہ یہاں خوب ہوا۔

(۳) محنت اور جفاکشی آپ کی عادت تھی، کوئی نئی کتاب یا رسالہ آتا تو اسے مکمل پڑھ کر ہی دم

لیتے تھے، اسی طرح کسی نے اپنی تصنیف بغرض اصلاح یا نظر ثانی اگر بھیج دی تو امانت سمجھ کر پورے غور وخوض کے ساتھ مطالعہ فرماتے اور تصحیح طلب مقامات کی تصحیح کرتے، بسا اوقات رات کا زیادہ تر حصہ اسی مشغولی میں گذر جاتا اور آپ کو احساس تک نہ ہوتا۔

(۴) حضرت مرحوم کی سب سے بڑی خصوصیت رسوخ فی العلم کے ساتھ علم کا استحضار تھا، اسی وجہ سے مطبوعہ کتب میں طباعتی غلطیوں کے علاوہ معاصر مصنفین حضرات کی علمی، تاریخی خصوصاً علم رجال وعلم حدیث سے متعلق فروگذاشتوں کو جلدی پکڑ لیتے تھے، اسی طرح راویوں اور مشہور مصنفین یا شخصیات کے سنین ولادت ووفات (جو عموماً اہل علم کو یاد نہیں ہوتے) بھی آپ کو مستحضر رہتے تھے، نصوص سے کثرت مزاولت، قوت حافظہ اور سرعت انتقالِ ذہنی کے باعث تصحیفات، تحریفات اور سقطات کا حیرت انگیز طریقہ پر ادراک فرما لیتے تھے، موافق ومخالف ہر ایک آپ کی اس خوبی وامتیاز کا معترف ہے، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری رحمہ اللہ (جن کی کتاب ''حیات امام اعظم'' کی بعض علمی وتاریخی غلطیوں کی حضرت مرحوم نے نشاندہی فرمائی تھی) نے خود راقم سطور سے فرمایا تھا کہ: ''میرے علم میں اُن کے جیسا قوی الحافظہ عالم اس وقت کوئی نہیں ہے''۔

محدث کی محدثانہ شان یہی ہے کہ نقد ونظر میں اسے ملکہ حاصل ہو، یہی وجہ ہے کہ جب ہم حافظ ذہبی، ابن حجر اور عراقی جیسے محدثین کرام کے تراجم پڑھتے ہیں تو ان کے تعارف میں ''المحدث الناقد، الجہبذ القدیر'' جیسے الفاظ پاتے ہیں اور سچ ہے کہ علم وتحقیق کی دنیا میں جہاں تحقیق وترتیب ضروری ہوتی ہے وہیں کچھ ناقدین اور واقعی مبصرین کا ہونا بھی ضروری ہوتا ہے، کیوں کہ اگر خوفِ تنقید نہ ہو تو کوئی بھی بقلم خود محقق کچھ بھی لکھنے کی جسارت کر ڈالے گا اور رفتہ رفتہ حقیقت پر دعویٰ وجہالت کے اتنے دبیز پردے پڑ جائیں گے کہ حقیقت ناپید ہو جائے گی، ہمارے حضرت مرحوم کی بھی ناقدانہ شان کچھ اسی انداز کی تھی، کتنے ہی مصنفین کی غلطیوں اور فروگذاشتوں کی اصلاح ہوئی اور ان کی علمی کاوشیں استناد ومعتبریت سے بہرہ ور ہیں، یہ اور بات ہے کسی نے ان کی قدر پہچانی اور کسی نے نام تک بھی لینا گوارہ نہ کیا، چنانچہ اگر آنے والا مؤرخ آپ کو مذکورہ بالا اوصاف ''المحدث الناقد، الجہبذ القدیر'' وغیرہ سے یاد کرے تو بے جا نہ ہوگا، ہمارے اس دعویٰ کے ثبوت میں آپ کی تصانیف وتحقیقات خصوصاً ''المرتضیٰ وغیرہ کا علمی احتساب'' کے علاوہ ماہنامہ مظاہر علوم کی فائل سے وہ

بیسیوں تبصرے پیش کیے جاسکتے ہیں جن میں آپ نے زیر تبصرہ کتب کی خوبیوں کے ساتھ ان کی بعض فروگذاشتوں کی بھی نشاندہی فرمائی ہے، اس وقت نمونہ کے طور پر دو مثالیں پیش کی جارہی ہیں، ایک ماہنامہ مظاہر علوم سہارن پور کی فائل سے، اور ایک مجلہ ترجمان الاسلام بنارس کی فائل سے:

(الف) ماہنامہ مظاہر علوم سہارن پور، بابت ماہ فروری سنہ ۲۰۰۳ء، میں کتاب ''صحابۂ رسول اسلام کی نظر میں'' مؤلفہ حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی مدظلہ استاذ دار العلوم دیوبند پر حضرت مرحوم کے قلم سے تبصرہ شائع ہوا، مولانا امینی صاحب مدظلہ اس وقت عربی و اردو زبان و ادب میں سند کا درجہ رکھتے ہیں، آپ کا علمی و تحقیقی ذوق بھی ممتاز ہے، چنانچہ حضرت مرحوم نے کتاب کی گوناگوں خوبیوں کو اجاگر فرمانے کے بعد مندرجہ ذیل نقد فرمایا جسے حضرت مؤلف نے پوری فراخدلی سے قبول فرمایا:

''بعض جگہ روایات کے بیان میں مرجوح روایت آگئی ہے، مثلاً: ''ایک صحابی کو تختۂ دار پر چڑھاتے وقت کفار نے پوچھا کہ کیا تم یہ گوارہ کروگے کہ تمہاری جگہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تختۂ دار پر ہوں؟ تو اس صحابی نے جواب دیا کہ: واللہ مجھے یہ گوارہ نہیں کہ میری جگہ ان کے قدم مبارک میں کانٹا چبھے''، اس واقعہ کو البدایہ کے حوالہ سے حضرت خبیب بن عدیؓ سے منسوب کر دیا گیا ہے (صحابۂ رسول ص ۹۳)، جب کہ صحیح یہ ہے کہ یہ قصہ حضرت زید بن الدثنہ کے ساتھ پیش آیا، دیکھئے: تاریخ طبری ۲/۸۹، تہذیب سیرت ابن ہشام، اور خود البدایۃ ۴/ ۶۸ میں ہے کہ ابن اسحاق نے اس کو ابن الدثنہ سے متعلق نقل کیا ہے۔

اور جیسے ص ۱۴۹ میں عمران بن حصینؓ کی ایک حدیث بخاری و مسلم سے نقل کی گئی ہے: "خیر الناس قرني ثم الذين يلونهم إلخ" جب کہ عمران بن حصینؓ کی روایت میں "خير أمتي" ہے اور "خير الناس" کا لفظ ابن مسعودؓ سے مروی ہے، بخاری ۱/۵۱۵، مسلم ۲/۳۰۹، البتہ ترمذی ۲/۴۵ میں عمران بن حصینؓ کی روایت میں "خير الناس" کا لفظ تو ہے، لیکن باقی الفاظ جن کو مصنف نے ذکر کیا ہے وہ نہیں ہیں۔

اسی طرح تاریخی غلطیاں بھی ایک دو جگہ نظر آئیں، جس کا اتنی لمبی کتاب میں آجانا مستبعد نہیں، جیسے ص ۲۶۵ میں اور ۳۳۱ میں حماد بن سلمہ کا سنہ وفات ۲۰۷ھ لکھ گیا ہے، جب کہ صحیح ۱۶۷ھ ہے، دیکھئے: طبقات الحفاظ، تقریب التہذیب۔

ایسے ہی امام ابوزرعہ رازی کے بجائے ص ۱۶۳ میں ابوزرعہ عراقی لکھ گیا ہے۔
ص ۱۶۴ میں ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے: حضرت ابراہیم بن سعید جوہری متوفی ۲۴۷ھ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا الخ'' حضرت ابوامامہؓ کی وفات ۸۶ھ میں ہوچکی ہے، تو ابراہیم بن سعید جوہری جو ۱۶۱ سال کے بعد وفات پاتے ہیں انھوں نے حضرت ابوامامہؓ سے کس طرح دریافت کیا؟ ہمارے خیال میں یہ صحابی ابوامامہ نہیں ہیں، بلکہ ابواسامہ حماد بن اسامہ ہیں، بے احتیاطی سے ابوامامہ لکھ گیا ہے، ابواسامہ کی وفات ۸۱ سال کی عمر میں ۲۰۱ھ میں ہوئی، ان سے ابراہیم بن سعید جوہری روایت لے سکتے ہیں، اور ''رضی اللہ عنہ'' کا اضافہ تو فحش غلطی ہے۔

(ب) سنہ ۱۹۹۵ و ۹۶ء میں مجلہ ترجمان الاسلام بنارس نے ایک تحقیقی وتنقیدی مضمون ''مولانا شبلی بحیثیت سیرت نگار'' سلسلہ وار شائع کیا، مضمون نگار ہیں حضرت مولانا ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی جو اُس وقت ہندو یونیورسٹی میں ریڈر، اور جامعہ اسلامیہ بنارس میں اعزازی استاذِ حدیث بھی تھے، بعد میں علی گڈھ مسلم یونیورسٹی میں شعبہ اردو کے پروفیسر ہوگئے، موصوف کا علمی وتحقیقی ذوق نہ صرف قابل تحسین بل کہ قابل رشک ہے، علامہ شبلی نعمانی علیہ الرحمہ کی شہرۂ آفاق اور مستند کتاب ''سیرت النبی'' کا آپ نے ایک بڑا ہی وقیع تحقیقی وتنقیدی جائزہ پیش فرمایا تھا، مضمون نگار کی خواہش پر ملک کے مشہور اہل علم وتحقیق نے اپنی آراء اور تبصرے بھی ترجمان الاسلام کو بھیجے، جو شمارہ نمبر ۲۶، اپریل کی اشاعت میں شائع ہوئے، ان میں ہمارے حضرتِ مرحوم کا بھی ایک تبصرہ تھا جس کا ایک اقتباس پیش خدمت ہے جس سے حضرت مرحوم کی دقتِ نظر، استحضارِ علم، قدرتِ استنتاج اور ادب ومتانت کے دائرہ میں رہتے ہوئے اختلاف کا طریقہ وغیرہ بہت سے امور واضح ہوتے ہیں:

''اس طویل تبصرے کا خلاصہ یہ ہے کہ علامہ شبلیؒ نے کتاب کو مستند بنانے کے جو اصول بتائے ہیں، ان پر صرف دو تہائی حصوں میں عمل کیا گیا ہے، اور ایک تہائی حصہ اتنا مستند نہیں ہے، بلکہ سیرت کی عام کتابوں کی طرح اس میں غیر مستند روایتیں بھی جمع ہوگئی ہیں، علامہ شبلیؒ نے واقدی صاحب مغازی کو اپنی کتاب کے مقدمہ میں غیر معتبر ٹھہرانے کے باوصف سیرۃ النبی میں ان کے بیان کردہ واقعات کہیں بغیر حوالے کے نقل کردیے تو کہیں واقدی کے شاگرد ابن سعد کا حوالہ دے دیا ہے، مگر ان کا ماخذ بھی واقدی ہیں، اسی طرح سیرت کی کتابوں میں جو واقعات مرسل اور منقطع سندوں سے

اصحابِ سیرت جمع کیا کرتے ہیں، ویسے ہی سیرت النبی میں بھی یہ طومار موجود ہے۔

تھوڑا سا گلہ: ایک حدیث میں "شبرمؔ" جمال گوٹہ جیسی ایک دوا کا خاصہ بتایا گیا ہے "حارٌّ جارٌّ" کہ بہت گرم دوا ہے، فاسد مادوں کے ساتھ صحیح اخلاط کو بھی کھینچ کر گرا دیتی ہے، ہمارے نزدیک مولانا صدیقی کا یہ مبسوط تبصرہ اسی دوا کی طرح ہے، یعنی جراحی کا یہ عمل سیرۃ النبی کے غیر مستند بابوں کے آپریشن کے ساتھ ساتھ مستند اور صحیح واقعات کو بھی لاشعوری طور سے کاٹ کر فاسد بنا دیتا ہے، جیسے سیرت النبی سے غزوۂ موتہ کا عنوان دے کر پروفیسر صاحب نے اس کے بارے میں لکھا ہے: "اس غزوہ کے سلسلہ میں مولانا نے بیشتر ابن سعد پر اعتماد کیا ہے، اور ان کا ماخذ واقدی ہیں"۔ پھر جزئی واقعات کی فہرست دے کر ابن سعد اور واقدی کا بالترتیب حوالہ دیتے گئے ہیں، وہ جزئی واقعات یہ ہیں: (الف) شاہِ بصریٰ یا قیصر کے نام آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خط لکھنا۔ (ب) غزوۂ موتہ میں بالترتیب تین بزرگوں کو امیر مقرر کرنا۔ (ج) ان تینوں کا باری باری غزوہ میں شہید ہو جانا۔ (د) شکست خوردہ فوج کا مدینہ واپس آنے پر فراریوں کا طعنہ سننا۔ واقدی کتاب المغازی اور ابن سعد میں یہ واقعات مذکور ہیں۔

لیکن صرف ان دونوں اصحابِ سیر ہی پر علامہ شبلیؒ نے اعتماد کیا، یہ کہاں سے معلوم ہوا؟ جب کہ (الف) صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۹ میں۔ (ب ج) بخاری باب غزوۃ موتہ ص ۶۱۱ میں، (د) ابوداود کتاب الجہاد ص ۳۵۵ میں بھی مذکور ہے۔

اسی طرح مولانا ظفر احمد صاحب نے سیرۃ النبی سے فتح مکہ کے تفصیلی حالات نقل کر کے یہ اعتراض کیا ہے کہ: "یہ سب ابن اسحاق کا قول ہے جس کی سند مذکور نہیں"، مولانا نے یہ تاثر دینا چاہا ہے کہ سند کے انقطاع سے یہ واقعات غیر مستند ہو جاتے ہیں، اس لیے علامہ شبلیؒ کو یہ واقعات سیرت النبی میں نقل کرنا نہیں چاہیے تھا، اس پر راقم یہ عرض کرتا ہے کہ اس سند کے منقطع ہونے کے باوجود محدثین کے نزدیک یہ واقعات مستند ہیں، جیسا کہ امام طحاویؒ نے اپنی مشہور کتاب "شرح معانی الآثار" کے (باب فتح مکۃ عنوۃ) ص ۱۸۵-۱۹۰ میں ذکر کیا ہے، اور اس منقطع الاسناد روایت کی تائید ایک دوسری منقطع روایت سے کرنے کے بعد ایک سند متصل بھی ذکر کی ہے، جس میں ابن اسحاق نہیں آتے، اسی طرح یہ قول بھی ابن اسحاق کا نہیں، بلکہ طحاوی میں ہے: ابن اسحاق نے کہا کہ مجھ سے محمد بن مسلم ابن

شہاب زہری اور دوسرے شخص نے بھی بیان کیا، پھر یہ تمام واقعات ذکر کیے، لہٰذا جب محققین اس واقعہ کو مستند مانتے ہیں تو علامہ شبلیؒ کی نقل پر اعتراض کرنا صحیح نہیں ہوا"۔

کچھ "المغنی" کی تحقیق کے بارے میں:

"كتاب المغني في ضبط الأسماء لرواة الأنباء" کی تحقیق حضرت مرحوم کی علمی زندگی کا ایک نمایاں شاہ کار ہے، آپ کو اس کتاب سے اسی طرح مصنف کتاب علامہ محمد طاہر پٹنی رحمہ اللہ (متوفی ۹۸۶ھ) کی ایک دوسری کتاب "مجمع بحار الانوار" سے حد درجہ وابستگی تھی، اول الذکر کا موضوع کتب حدیث میں آنے والے اسماء کا صحیح تلفظ ضبط کرنا اور رسم الخط میں ملتے جلتے ایک سے زائد اسماء کے مابین تلفظ کے باہمی فرق کو واضح کرنا ہے، اور مؤخر الذکر کا موضوع احادیث میں وارد مشکل، نامانوس اور غیر واضح المعنی کلمات کے لغوی و مرادی معنوں کی توضیح و تشریح ہے، حضرت مرحوم ان کتابوں سے خود بھی مزاولت رکھتے تھے اور اپنے تلامذہ و متعلقین کو بھی اِن کی جانب رہنمائی فرماتے تھے۔

"کتاب المغنی" کی سب سے پہلی طباعت غالبًا سنہ ۱۲۹۲ھ میں مطبع فاروقی سے ہوئی تھی، اس کے بعد سنہ ۱۳۰۸ھ میں "تقریب التہذیب" کے حاشیہ پر لگا کر ہوئی، بعد میں مطبع مجتبائی سے چھپی جس کا فوٹو لے کر سنہ ۱۳۹۳ھ میں "دارنشر الکتب العلمیۃ، گوجراں والہ پاکستان" نے شائع کیا، دیوبند سے بھی ایک نسخہ چھپا، نیز بیروت سے بھی اس کی متعدد اشاعتیں ہوئیں، انھیں میں سے ایک سنہ ۱۴۰۲ھ کی اشاعت ہے، ان مختلف اشاعتوں کے نسخے حضرت مرحوم کے پاس موجود تھے۔

"کتاب المغنی" کی تالیف کا مقصد جیسا کہ عرض کیا گیا، کتب حدیث میں آنے والے اسماء، القاب اور کنیتوں کے صحیح تلفظ کی نشاندہی کرنا، اور رسم الخط میں ملتے جلتے ایک سے زائد اسماء وغیرہ کے ما بین تلفظ کے باہمی فرق کو واضح کرنا ہے، کیوں کہ عموماً اس میں غلطی ہو جایا کرتی ہے، لیکن افسوس کہ جس کتاب کا مقصد ہی لوگوں کو تلفظ کی غلطیوں سے محفوظ رکھنا ہو وہ خود کاتبین، ناشرین اور محققین کی کارستانیوں سے نوع بہ نوع کی غلطیوں کی شکار ہوگئی، جتنے ایڈیشن آتے گئے غلطیوں میں اضافہ ہی کرتے گئے، کتاب اپنے مقصد سے دور ہوتی جا رہی تھی، اور جہاں خود کتاب اپنی زبان حال سے فریاد کر رہی تھی کہ کوئی مردِ تحقیق اس کو اپنے موضوع کی طرف واپس لائے؛ وہیں حضرت مصنفؒ کی روح

بھی یقیناً بے قرار رہی ہوگی، یہ سعادت ہمارے حضرت مرحوم کی قسمت میں لکھی تھی، چنانچہ آپ نے اس کی اس انداز سے خدمت کی کہ واقعی تحقیق کا حق ادا فرما دیا، اس ضمن میں آپ نے مندرجہ ذیل پہلوؤں سے خدمت انجام دی:

۱- کتاب میں کسی بھی کلمہ کے ضبطِ تلفظ کے بعد مصنفؒ نے اس ماخذ کا حوالہ دیا ہے جہاں سے انھوں نے وہ حاصل کی ہے، اور حوالہ کے لیے رموز کی زبان استعمال کی ہے، مثلاً: نووی شرح مسلم کے لیے "ن"، مقدمہ فتح الباری کے لیے "مق" وغیرہ، حضرت مرحوم نے ہر بات کو اس کے محولہ ماخذ سے ملا کر کتاب میں موجودہ عبارت کی صحت پر اطمینان حاصل کرنے کی کوشش فرمائی۔

۲- کسی عبارت کی جانب اگر مصنفؒ نے اشارہ فرمایا ہو اور اس عبارت کو سامنے لانے کی ضرورت محسوس ہوئی تو حضرت مرحوم نے اسے بھی حاشیہ میں نقل فرمایا، تاکہ تشنگی باقی نہ رہے۔

۳- کتاب میں ضبط کلمات کی ترتیب الف، باء، تاء کے طریقہ پر ہے، بعض کلمات اپنی مقررہ جگہ سے ہٹ کر دوسری جگہ آ گئے ہیں، چنانچہ انھیں ان کے اصل مقام پہونچا دیا گیا ہے۔

۴- کتاب میں مذکورہ رجال کے سنین وفات یا طبقہ زمانی کی تحدید میں اگر کہیں غلطی ہوگئی ہے تو اسے بھی درست کیا گیا ہے۔

۵- کتاب میں کتابت وطباعت کی بہت سے غلطیاں در آئی ہیں، ان کی بھی اصلاح کی گئی ہے۔

۶- بعض غلطیوں پر مخطوطہ ومطبوعہ تمام نسخے متفق ہیں، گمانِ غالب ہے کہ یہ خود حضرت مصنفؒ کی فروگذاشت ہے، اس کی بھی تصحیح کی گئی ہے، کہیں اصل جگہ پر اور کہیں حاشیہ میں۔

۷- سابقہ تمام اڈیشنوں میں ایک غلطی مشترکہ طور پر پائی جاتی ہے، وہ یہ کہ مصنفؒ نے الفاظ کی ترتیب الف باء تاء کے اعتبار سے رکھی ہے، لفظ کے پہلے حرف کو بطورِ باب اور دوسرے حرف کو بطور فصل مقرر کیا ہے، باب کے لیے تو مستقل عنوان مثلاً "حرف الصاد المهملة" لگا کر یہ بتاتے ہیں کہ اب ان الفاظ کا ضبط پیش ہے جن کا پہلا حرف بے نقطہ والا صاد ہے، مثلاً صائغ، صاعقة وغیرہ، اب اگر اسی باب کو کوئی ایسا لفظ ذکر کرنا ہو جس کا دوسرا حرف باء ہو تو اس سے پہلے "ب" لکھتے ہیں جو فصل کی علامت ہوتی ہے، مثلاً: ب صبابة، صبات ، الصباح وغیرہ، خاء ہو تو اسے پہلے

"خ" لکھتے ہیں جیسے: خ أبو صخرة ، صخر ، صُخير وغیرہ، اور جیسا کہ یہ بات آچکی ہے کہ کسی بھی لفظ کے ضبطِ تلفظ سے فارغ ہوکر مصنف "مصادر و مآخذ کا حوالہ رموز سے دیتے ہیں، سابقہ ایڈیشنوں میں غلطی سے فصل والے ان حروف کو مآخذ کے رموز سمجھ کر پچھلے لفظ کے ضبطِ تلفظ کے آخر میں ملا دیا گیا ہے، مثلاً "صفين" اور " صقر " کے ضبط تلفظ کی عبارت یوں ہے:

صفين بكسر مهملة وكسر فاء مشددة وسكون تحتية وبنون، موضع عند الفرات ك ق •

الصقر وابو الصقر بسكون قاف وقيل السين ل •

أسماء بنت الصلت إلخ • • •

پہلی سطر کے آخر میں "ک" کرمانی کا رمز ہے، یعنی یہ ضبط علامہ کرمانی کی شرح بخاری سے ماخوذ ہے اور "ق" کسی کتاب کا رمز نہیں ہے بلکہ اگلے لفظ "الصقر" کی فصل کا عنوان ہے، اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ بھی کسی کتاب کا رمز ہو، اسی طرح دوسری سطر کے آخر کا حرف "ل" کہ وہ اگلے لفظ "الصلت" کا عنوان ہے، یہ گمراہ کن غلطی پوری کتاب میں تمام ایڈیشنوں میں پھیلی ہوئی ہے، حضرت مرحوم نے ان فصول کو رموز سے الگ کر کے ہر ایک کو اس کی صحیح جگہ پر رکھا، چنانچہ اب اس تحقیق شدہ ایڈیشن میں مذکورہ عبارت یوں ہے:

صفين بكسر مهملة وكسر فاء مشددة وسكون تحتية وبنون، موضع عند الفرات ك •

ق — الصقر وابو الصقر بسكون قاف وقيل السين •

ل — أسماء بنت الصلت إلخ • • •

۸ — سابقہ ایڈیشنوں خصوصاً مجتبائیہ والے ایڈیشن میں جو حواشی موجود تھے یا بین السطور کچھ لکھا ہوا تھا؛ حضرت محقق نے انھیں حاشیہ میں نقل کرنے کے ساتھ ضرورت محسوس کی تو اس میں تصحیح بھی فرمائی، نیز اپنے حواشی کا اضافہ بھی فرمایا، البتہ قدیم حواشی سے اپنے اضافہ شدہ حواشی کو ممتاز فرما دیا کہ اپنی عبارت کے اخیر میں "زین" یا "ز" کا رمز لگا دیا۔

۹-پوری کتاب میں ضبط بالحروف کے علاوہ ضبط بالحرکات (زبر زیر پیش) لگانے کا اہتمام فرمایا تا کہ لفظ کے تلفظ میں غلطی سے بآسانی بچا جا سکے۔

۱۰-مطبوعہ نسخوں اور مصادر و مآخذ کے علاوہ پوری کتاب کا اس مخطوطہ سے بھی مقابلہ کیا گیا ہے جو سنہ ۱۰۱۸ھ کا لکھا ہوا ہے۔

اس طرح ''کتاب المغنی'' جو اپنے موضوع سے دور جارہی تھی واقعتا اپنے موضوع کی جانب لوٹ آئی، اور مصنف رحمہ اللہ نے جس عظیم مقصد کے لیے یہ کتاب تصنیف فرمائی تھی اس میں مفید ترین بن گئی، طوالت کے خوف سے بطور ثبوت صرف دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں جن سے ناظرین کو یہ اندازہ لگانا مشکل نہ ہوگا کہ کتاب اس خدمت سے قبل کس پوزیشن میں تھی، اور اس خدمت کے بعد کس شان کی ہوگئی؟

مثال نمبر ۱: "الزُّبير بن الخِرِّيْت : بمعجمة وراء مشددة مكسورة، وسكون مثناة تحت، فمثناة فوق، [وما سواه فيه: خُرَيث بمثلثة، تصغير حارث، وقد يتميز بلزوم لام التعريف له. مق] أيمن بن خريم بضم معجمة، وفتح راء مصغراً، وكذا: خُرَيم بن أخرم رضي الله عنه.

بین المعکوفین [...] جو عبارت ہے اس پر حضرت مرحوم نے یہ نوٹ لگایا:

في المخطوطة والمطبوعات كانت هذه العبارة بعد: "خُرَيم بن أخرم" من غير علاقة بينهما، فجعلناها متعلقة بـ "الخِرِّيت" تبعاً لمقدمة فتح الباري. زين العابدين.

یعنی: تمام نسخوں میں یہ عبارت (وما سواه فيه : خُرَيث إلخ) "خريم بن أخرم" کے بعد لکھی ہوئی ہے، ظاہر ہے "خُرَيث" کی مشابہت تو "خِرِّيت" سے ہے، نہ کہ "خُرَيم" سے، حضرت مرحوم نے جب فتح الباری دیکھی تو "خِرِّيت" اور "خُرَيث" سے متعلق ضبط کی بات ایک ساتھ تھی، چنانچہ یہاں بھی آپ نے دونوں سے متعلق ضبط ایک ساتھ کر دیا، اب عبارت مربوط ہوگئی، ورنہ قاری کے لیے اچھی خاصی الجھن کا باعث تھی۔ (دیکھئے: المغنی ص ۱۱۲)

مثال نمبر ۲: [أبو المنذر القذار : بقاف – في بعض النسخ – وهو الأشهر، وبياء

في أكثرها، وإسماعيل بن عمرو. ن .] (المغني ص ۲۲۴)

یہ عبارت بے معنی بلکہ مہمل ہے ، اس لیے حضرت مرحوم نے اسے بین المعکوفین [...] کرکے درج ذیل نوٹ لگایا:

ما بين المعكوفين كذا في جميع نسخ المغني، ونُرى أن هذه الترجمة بما فيها قد حلت غير محلها؛ مع ما فيها من تحريفات، ومقتضى كلام النووي أن تكون العبارة هكذا : "أبو المنذر القزاز : بقاف في بعض النسخ ، وهو الأشهر، وبباء في أكثرها، وبزايين، الأولى مشددة، وهو إسماعيل بن عمر"

یعنی بین المعکوفین کی یہ عبارت "المغنی" کے تمام نسخوں میں اسی طرح ہے، ہمارے خیال میں یہ ترجمہ یعنی "القذّار" نقطہ والے ذال اور راء کے ساتھ)اوراس کا ضبط کتاب میں بے محل آ گیا ہے، کیوں کہ یہ لفظ "القزّاز" دوزایوں سے ہے، جس کا صحیح محل کتاب میں ڈیڑھ صفحہ بعد "معن بن عيسى القزاز" کے بعد ہے، تاہم اس عبارت میں کچھ تحریفات بھی ہیں، اصل عبارت یوں ہونی چاہئے: "أبو المنذر القزاز : بقاف في بعض النسخ ، وهو الأشهر، وبباء في أكثرها، وبزايين، الأولى مشددة، وهو إسماعيل بن عمر" جیسا کہ علامہ نوویؒ کی عبارت کا تقاضا ہے، پھر حضرات اہل علم خود بھی غور فرمالیں کہ اصل عبارت یہی ہونی چاہئے یا کوئی اور؟ اس کے لیے حضرت مرحوم نے نوویؒ کی لمبی عبارت بھی با حوالہ لکھ دی، وہ عبارت یہاں بھی درج کی جاتی ہے تاکہ کوئی تشنگی باقی نہ رہے: "وذُكر في هذا الإسناد أبو المنذر القزاز، هكذا هو بعض نسخ بلادنا "القزاز" بالقاف، وفي أكثرها "البزاز"، وذكر القاضي أيضاً اختلاف الرواة فيه ، والأشهر بالقاف ، وهو الذي ذكره السمعاني في الأنساب وآخرون، وذكره خلف الواسطي في الأطراف بالباء عن رواية مسلم، لكن عليه تضبيب ، فلعله يقال بالوجهين ، فالقزاز بزاز . وأبو المنذر هذا إسماعيل بن حصين بن المثنى، كذا سماه أحمد بن حنبل في ما ذكره ابن أبي حاتم في كتابه ، واقتصر الجمهور على أنه إسماعيل بن عمر ، قال أبو حاتم : هو صدوق ، وأمر أحمد بن حنبل بالكتابة عنه،

وھو من أفراد مسلم" ٭ (شرح النووی کتاب الصید والذبائح، باب إباحة میتات البحر ۲/ ۱۴۹) ٭ اھ ٭ یہ سلسلہ خاصا دراز ہوگیا، ناظرین کرام سے اس معذرت کے ساتھ رخصت ہوتا ہوں:

دامانِ نگہ تنگ وگلِ حسنِ تو بسیار
گلچین بہارِ توزِ داماں گلہ دارد

حضرت مرحوم نے اپنے آخری اوقات میں جب کہ ہمہ وقت حضوری کی کیفیت سے سرشار رہتے تھے، بارہا اس حقیر بہمیت اپنے خصوصی متعلقین کو مالک کل اور محافظ حقیقی کے حرز واماں میں رہنے کی دعاء فرمائی، رب العالمین حضرت مرحوم کی بال بال مغفرت فرما کر لحہ بہ لحہ درجات میں ترقی مرحمت فرمائے، اوران کے پیچھے ہم اخلاف کو حضرت مرحوم کی دعاء کے مطابق اپنی حرز واماں میں رکھ کر آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

☆☆☆

زین العابدینؒ

از: جناب ماسٹر ابوذر حماد معروفی، استاذ الجامعۃ المحمودیہ، پورہ معروف (مئو)

آپ کے سب نیک تھے کردار زین العابدیں
آپ کرتے تھے سبھی سے پیار زین العابدیں

آپ سے ملتا تو یوں محسوس ہوتا تھا مجھے
ہوگئے ہیں ذہن ودل بیدار زین العابدین

آپ کی تعریف میں الفاظ ملتے ہی نہیں
کیا لکھے حماد اب اشعار زین العابدین

حضرت مولانا زین العابدین اعظمیؒ

بات میں سادہ و آزاد، معانی میں دقیق

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، حیدرآباد

جیسے اللہ تعالی نے زمینی پیداوار میں مختلف علاقوں کی الگ الگ صلاحتیں رکھی ہیں، اسی طرح افرادی صلاحیت کے اعتبار سے بھی بعض علاقوں کو امتیازی حیثیت حاصل ہوتی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک مدت تک کوئی شہر یا کوئی خطہ علوم وفنون کی خدمات کا مرکز بنا رہتا ہے اور پھر یہ مرکز دھیرے دھیرے کسی دوسرے علاقہ کی طرف منتقل ہوجاتا ہے، عالم اسلام میں حرمین شریفین، کوفہ، بصرہ، بغداد، دمشق، حلب، قاہرہ نہ جانے کتنے شہر ہیں، جہاں علم وتحقیق کی شمعیں روشن ہوئیں اور ایک چراغ سے کتنے ہی چراغ فروزاں کیے گئے، جن علاقوں تک اسلام کی روشنی دیر سے پہونچی، وہ بھی اس سعادت سے محروم نہیں رہے، اندلس کا علاقہ حالانکہ بعد میں مسلمانوں کے زیر نگیں آیا؛ لیکن کیا قرطبہ، باجہ اور اندلس کے دوسرے علمی مراکز کو چھوڑ کر اسلام کی علمی فکری تاریخ مکمل ہوسکتی ہے؟

ہندوستان ان خوش قسمت ملکوں میں ہے، جہاں بعض تاریخی روایات کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اسلام کی کرنیں پہنچ چکی تھیں، ایک طرف ہندوستان کے جنوبی حصہ میں داعیوں کا قافلہ تاجروں کی شکل میں پہونچتا رہا۔ دوسری طرف ہندوستان کے مغربی علاقہ سے مجاہدین بھی آپہنچے، وہ ایک ابر رحمت بن کر آئے اور اس ملک میں ذات پات کی تفریق کی بنیاد پر جو مظالم روا رکھے گئے تھے، ان کو مٹایا، لوگوں نے محسوس کیا کہ یہ لٹیرے نہیں ہیں، یہ پیکر اخلاق ہیں، جن کو خدا نے ہماری بھلائی کے لئے یہاں بھیجا ہے، اس طرح دو جہتوں سے ہندوستان میں اسلام کی اشاعت ہوئی۔

سندھ سے گجرات اور دوسری طرف لاہور اور پھر دہلی کے راستہ سے ہندوستان کے مشرقی علاقہ کی طرف یہ کاروان رحمت بڑھا، دارالخلافہ بغداد میں باہمی آویزشوں کی وجہ سے بعض اوقات علماء پر زمین تنگ ہوجاتی تھی، پھر تاتاریوں کی یلغار نے اس خطہ کے علمی مراکز کی اینٹ سے اینٹ بجادی،

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے اہل علم نے وہاں سے رخت سفر باندھا اور ہندوستان کی عجمی نژاد حکومتوں نے ان کا استقبال کیا، عام طور پر یہ علماء دہلی میں خیمہ زن ہوا کرتے تھے؛ کیونکہ یہی اس ملک کا دارالخلافہ تھا اور یہ غیر منقسم ہندوستان کے وسط میں واقع تھا؛ لیکن یہاں بھی اقتدار کی رسہ کشی کی وجہ سے حالات میں اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا تھا اور علماء ومشائخ اس نشیب وفراز سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے تھے؛ چنانچہ بہت سے اہل علم مشرق کی چھوٹی بڑی مسلم حکومتوں کی طرف منتقل ہوجایا کرتے تھے، ہندوستان کے شمالی علاقہ میں اودھ اور جونپور کی ریاستیں بھی بڑی علم پرور تھیں، اودھ پر زبان و ادب کا غلبہ تھا، جون پور کو معقولات کا مرکز تصور کیا جاتا تھا، نیز اس زمانہ میں معقولات کا سحر پوری علمی دنیا پر چھایا ہوا تھا، یہی جونپور اور اس کے قرب وجوار کا علاقہ "شیراز ہند" کہلاتا تھا، جہاں شہروں ہی میں نہیں قصبات اور قریہ جات میں بھی علم وتحقیق کے چراغ روشن تھے۔

اس علاقہ میں مردم خیزی کے اعتبار سے اعظم گڈھ (جس میں مئو بھی شامل ہے) امتیازی شان کا حامل رہا ہے، حدیث وسیرت اور شعر وسخن کے اعتبار سے یہاں کی شخصیتوں نے جو کارنامے انجام دیئے ہیں، کم ہی اس کی مثال مل پائے گی، اس خطہ میں چھوٹے چھوٹے گاؤں بھی علم کی دولت سے معمور تھے اور وہاں بھی تعلیم وتعلم کے اعلیٰ مراکز قائم تھے، ایسے ہی قریہ جات میں ایک "پورہ معروف" ہے، اس حقیر کو بھی یہاں حاضری کا موقع ملا ہے، اسی گاؤں کے ایک سپوت مولانا محمد عثمان معروفی (جن کو تاریخ وتذکرہ نگاری کا اور تاریخ نکالنے کا بڑا اچھا ذوق تھا) نے 'علماء پورہ معروف' پر ایک مختصر؛ لیکن جامع کتاب مرتب کی ہے، جو انھوں نے اس حقیر کو بھی عنایت فرمائی تھی، حقیقت یہ ہیکہ یہ گاؤں اپنی شخصیات کے اعتبار سے:

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ من نگرم　　　کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جا است

کا مصداق ہے، ماضی قریب میں یہاں سے جو شخصیتیں پیدا ہوئیں ان میں ایک اہم ترین نام علوم اسلامی کے بادہ کش اور میخانۂ علم کے ساقی حضرت مولانا زین العابدین اعظمی ؒ کا ہے، وہ ایک ماہر استاذ، بہترین مربی، زبان وادب کے رمز شناس، زہد وورع میں سلف صالحین کی مثال اور خاص طور پر علم حدیث کے غواص تھے۔

راقم الحروف ان کے نام سے پہلے سے آشنا تھا؛ لیکن ان سے ملاقات اور قربت کا ایک خاص

سبب یہ ہوا کہ یہ حقیر جب دارالعلوم سبیل السلام میں تدریس کی خدمت پر مامور تھا اور صدر مدرسی کی ذمہ داری اس سے متعلق تھی، مدرسہ کے ناظم حضرت مولانا محمد رضوان القاسمیؒ نے ہم لوگوں کے مشورے سے طے کیا کہ دورۂ حدیث قائم ہونا چاہئے، اب شیخ الحدیث کی تلاش شروع ہوئی؛ چنانچہ مولانا کے اشارہ پر میں مدرسہ کے استاذ اور میرے گہرے مخلص دوست مولانا محمد ابوبکر غازی پوریؒ کے ساتھ مئو پہنچا، اسی دن عصر کے بعد ہم دونوں کی معروف محدث حضرت مولانا حبیب الرحمان اعظمیؒ کی مجلس میں حاضری ہوئی، انہوں نے دیکھتے ہی پہچان لیا؛ حالاں کہ ایک ہی بار ایک پروگرام میں ملاقات ہوئی تھی، جب محدث اعظمی بخاری شریف ختم کرانے کے لئے تشریف لائے تھے، وہ اس وقت ایک مخطوطہ کو پڑھ رہے تھے اور روشنی بھی دھیمی سی تھی، میرے ذہن میں فوراً ارشاد نبوی "نضر الله امرء سمع مقالتي فوعاها ثم أداها كما سمعها" کی تصویر آگئی، اس عمر میں ایسا مضبوط حافظہ اور ایسی صحت مند بینائی، یقیناً حدیث سے شغف کی برکت ہے! بہ تقاضائے مصلحت مولانا ابوبکر صاحب کے مشورے پر ہم لوگوں نے وہاں اپنی ضرورت کا ذکر نہیں کیا، حضرت مولانا عبدالجبار صاحب مئوی بھی وہیں تشریف فرما تھے، یہی ہم لوگوں کے ہدف تھے، بعد نماز مغرب ان کے پاس حاضری ہوئی، وہ بے حد محبت وشفقت سے پیش آئے، ان کی خوش اخلاقی نے بڑا متاثر کیا، فرمانے لگے: اگر میں اس خدمت کے لائق ہوتا تو اس بات کو دیکھتے ہوئے کہ آپ اتنی دور سے تشریف لائے ہیں، شاید آپ کے یہاں چلا جاتا؛ لیکن اب میں اتنا کمزور ہوگیا ہوں کہ میں نے اپنے محلّہ کی مسجد میں امامت کرنی بھی چھوڑ دی ہے؛ کیونکہ میری آواز تو پہلی صف تک بھی نہیں پہنچ پاتی ہے، واقعتاً صورت حال یہی تھی؛ اس لئے ہم لوگ واپس آگئے اور بڑے اصرار کے بعد بہار کے کہنہ مشق اور کامیاب استاذ حضرت مولانا زبیر احمد قاسمی (موجودہ شیخ الجامعہ اشرف العلوم کنواں سمشی، ضلع سیتا مڑھی) کی خدمت حاصل کی گئی، انھوں نے بڑی خوبی کے ساتھ چند سال اس فریضہ کو انجام دیا؛ لیکن ناسازیٔ مزاج کی وجہ سے پھر اپنے وطن واپس ہوگئے۔

اب ایک طرف شیخ الحدیث کی ضرورت تھی، دوسری طرف حضرت مولانا رضوان قاسمیؒ امریکہ کے طویل دورہ پر تھے اور شوال کا مہینہ شروع ہو چکا تھا، آخر اساتذہ کے مشورہ اور مولانا رضوان صاحبؒ کی ایماء سے عارضی طور پر بخاری مجھ سے متعلق ہوئی اور اس کی مصلحت یہ تھی کہ اگر کسی اور مدرس سے

متعلق ہوتی، تو پھر کسی نئے آدمی کو بحیثیت شیخ الحدیث لایا جاتا تو ان سے بخاری کا لینا باعث شکایت ہوتا؛ اس لیئے اس سال میں نے خود بخاری جلد اول پڑھائی؛ لیکن انتظامی ذمہ داری کی وجہ سے میں سمجھتا تھا کہ شیخ الحدیث کی حیثیت سے کسی اور عالم کا انتظام ہونا چاہئے، مدرسہ کے ایک سینیر استاذ حضرت مولانا محمد مصطفیٰ مفتاحیؒ (جو مولانا زین العابدین اعظمیؒ کے لائق شاگردوں میں تھے) نے مولانا کے بارے میں مشورہ دیا؛ چنانچہ مولانا کے ہم وطن اور ان سے باخبر مدرسہ کے استاذ محبّ عزیز جناب مولانا نورالعین صاحب کے ساتھ بنارس پہنچا، مولانا وہیں جامعہ مظہر العلوم میں شیخ الحدیث تھے اور وہاں سے کسی قدر دل گرفتہ بھی تھے، اس ملاقات میں مولانا کی متانت، سادگی اور صاف گوئی نے خاص طور پر متاثر کیا اور آئندہ شوال سے ان کی تشریف آوری کی بات طے ہوگئی؛ چنانچہ آئندہ سال مولانا تشریف لائے اور دو ہی سال یہاں درس دینے کی نوبت آئی، پھر مظاہر علوم کی دعوت پر وہاں تشریف لے گئے۔

ان دو سال میں مولانا سے بڑی ذہنی قربت اور یگانگت رہی، ان کی جن خصوصیات نے اس حقیر کو خاص طور پر متاثر کیا، ان میں ایک علمی رسوخ اور جذبۂ تحقیق ہے، انھیں تقریباً ہر فن سے مناسبت تھی؛ لیکن حدیث اور فن رجال ان کا خاص موضوع تھا، وہ تدریس میں زیادہ طویل تقریر کے قائل نہیں تھے؛ لیکن جو کچھ کہتے تھے، وہ مغز ہوتا تھا، ہمارے دیار یعنی برصغیر میں "درس حدیث" اصل میں درس فقہ ہوتا ہے اور پوری گفتگو "فقہ الحدیث" پر ہوتی ہے، اسناد و رجال پر شاذ و نادر گفتگو کی جاتی ہے اور علم حدیث کے فنی مباحث سے مدرس دامن بچاتے ہوئے گذر جاتا ہے، مولانا کا مزاج یہ نہیں تھا، ان کی زیادہ توجہ رجال حدیث سے متعلق ہوتی تھی، آج کل چونکہ مروجہ اسباق حدیث کی نوعیت بالکل بدل گئی ہے؛ اس لئے بعض کم فہم طلبہ کو یہ اسلوب زیادہ بھاتا نہیں تھا، مجھ تک جب بھی یہ بات پہنچی تو میں نے کہا کہ تم لوگ ہم لوگوں سے حقیقت میں درس فقہ لے رہے ہو اور درس حدیث تو وہی ہے، جو مولانا سے پڑھتے ہو۔

اس سلسلہ میں ایک لطیفہ یہ پیش آیا کہ امتحان کے موقع پر دورۂ حدیث کا ایک پرچہ مولانا سے متعلق کیا گیا، نظام یہ تھا کہ استاذ کے پرچہ بنانے کے بعد ایک تعلیمی کمیٹی پرچوں کی تعدیل کرتی تھی، مولانا نے جو پرچہ بنایا، اس میں فقہ الحدیث کے سوالات تو بہت کم تھے؛ لیکن رجال واسناد،

مؤلف کا کلام اور تحقیق مفردات سے متعلق سوالات زیادہ تھے، جن اساتذہ کے ذمہ تعدیل کا کام تھا، وہ خود تو مولانا سے کہنے کی ہمت نہیں کر سکے! لیکن مجھ سے کہا کہ اس پرچہ کو شاید کوئی بھی طالب علم حل نہ کر سکے، میں مولانا سے ملا اور صورت حال عرض کی، مولانا نے فرمایا: یہ کوئی نیا اعتراض نہیں ہے، ہر مدرسہ میں مجھ پر یہی اعتراض کیا جاتا ہے، لوگ چاہتے ہیں کہ بخاری اور ترمذی کا پرچہ بھی ہدایہ اور شرح وقایہ کی طرح ہو، میں نے عرض کیا کہ آپ کا فرمانا بالکل بجا ہے؛ لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں یہ "لاتزر وازرة وزر اخریٰ" کے دائرہ میں نہ آ جائے کہ کوتاہی تو ہم مدرسین کی ہے کہ ہم کتب حدیث کو بھی کتب فقہ کی طرح پڑھاتے ہیں؛ لیکن سزا اس کی طلبہ کو مل جائے اور ان کے نمبر کٹ جائیں، یہ سن کر ہنس پڑے اور فرمایا کہ میری طرف سے آپ کو ترمیم وتبدیل کا اختیار ہے۔

انھیں تمام ہی اسلامی علوم میں گہری بصیرت حاصل تھی، مجھے اس کا اندازہ اس لئے ہے کہ جب بھی کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو میں کوشش کرتا کہ ان سے تبادلۂ خیال ہو جائے، ایسے مواقع پر میں نے دیکھا کہ مسئلہ عقیدہ وتفسیر کا ہو، یا فقہ وحدیث کا، یا عربی زبان کے مفردات ہوں، وہ ضرور اس کی وضاحت کرتے اور اگر کسی مسئلہ میں ان کی بات پر اطمینان نہیں ہو پاتا تو ناراض ہونے کے بجائے کتابوں سے مراجعت کرتے اور حوالہ نکال نکال کر دکھاتے، نیز اگر کبھی ان کو اپنی کوئی بات نادرست نظر آتی تو بلا کر خود ہی بے تکلف اس کی وضاحت کر دیتے، جن دنوں مولانا کا حیدرآباد میں قیام تھا، میں قاموس الفقہ کی دوسری یا تیسری جلد کا کام کر رہا تھا، میں اکثر اپنی نئی تحریریں جو بزرگ، دوست یا عزیز میسر ہو جائیں، کوشش کرتا ہوں کہ ان کی نظر سے بھی گذر جائے؛ چنانچہ ان دنوں میں یہ مسودہ مولانا کی خدمت میں پیش کرتا تھا، وہ نہ صرف یہ کہ توجہ سے دیکھتے تھے؛ بلکہ جہاں کہیں حدیث کے حوالے نامکمل ہوتے، اس کی تخریج بھی کر دیتے تھے۔

مولانا کا دوسرا نمایاں وصف ان کا تواضع اور بلند اخلاقی ہے، ان کی ایک ایک اداء سے تواضع کا اظہار ہوتا تھا، وہ یقیناً ہمارے اساتذہ کے ہم عمر تھے؛ لیکن اس طرح پیش آتے تھے، جیسے ہم عمر ہوں، طلبہ کے ساتھ بھی شفقت اور بے تکلفی سے پیش آتے، علمی تنقید تو ضرور کرتے؛ لیکن کسی کی ذاتی اور نجی باتوں کے سلسلے میں کچھ کہنے سے گریز کرتے، ہر شخص سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے، سادہ اور بے تکلف زندگی گذارتے، ذمہ داروں کے ساتھ احترام سے پیش آتے، اور مدرسہ کے قواعد وضوابط کا

پورا پورا لحاظ رکھتے۔

مولانا کا تیسرا نمایاں وصف ''اتباع سنت'' کا اہتمام اور ہر ہر عمل میں احکام شریعت کی پابندی تھی، پانچوں نمازوں میں وقت سے پہلے پہنچتے اور زیادہ تر خود ہی امامت کرتے، اس امامت سے ان کا منشاء یہ بھی ہوتا کہ ''قراءت فاتحہ خلف الامام'' کے اختلاف سے باہر نکل آئیں؛ کیونکہ امام کے قرأت کرنے پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے، جو کچھ اختلاف ہے، وہ مقتدی کی قراءت سے متعلق ہے، نوافل اور اوراد واذکار کی بھی پابندی تھی، ذکر جہری بھی کیا کرتے تھے؛ البتہ لوگوں کو گھیر گھار کر مرید کرنے اور بھیڑ لگانے کا مزاج نہیں تھا، وضع قطع اور رہن سہن میں بھی سلف کے پابند تھے۔

مولانا کا چوتھا نمایاں وصف معمولات کی پابندی، وقت کی تنظیم اور وقت کی حفاظت کا تھا، وہ ہر سبق میں ٹھیک وقت پر پہنچتے اور وقت پر سبق ختم کرتے؛ اس لئے ان کے تمام اسباق وقت پر مکمل ہوجاتے تھے، مطالعہ کے وقت مطالعہ کا اہتمام کرتے تھے، تصنیف وتالیف کا الگ وقت تھا، اوراد واذکار کے سلسلہ میں بھی وقت کے پابند تھے، اس کی وجہ سے ان کے کاموں میں بڑی برکت تھی۔

عربی اور اردو دونوں زبانیں لکھتے تھے، حیدرآباد میں قیام کے دوران حضرت مولانا عبدالجبار اعظمیؒ کی شرح بخاری ''امدادالباری'' کے تکملہ اور حضرت مولانا سخاوت علی جونپوریؒ کی "القویم في أحادیث النبي الکریم" کی تخریج کے کام پر زیادہ متوجہ تھے اور گاہے گاہے مجھے بھی اپنی تحریریں عنایت فرمایا کرتے تھے، یہ ثانی الذکر کتاب اگر شائع ہوجائے تو نصابی نقطۂ نظر سے انشاء اللہ بڑی مفید کتاب ثابت ہوگی، مولانا کا حافظہ بھی بڑا قوی تھا، خاص کر اگر کسی راوی کے بارے میں شبہ ہوجاتا کہ ان کا نام مکبر صیغہ میں ہے یا مصغر صیغہ میں؟ تو اکثر مولانا اپنی یادداشت سے وضاحت فرمادیتے تھے، وہ کام کے بڑے دھنی تھے اور بڑے بڑے کام بہت کم وقت میں انجام دیتے تھے، میں اس زمانہ میں صاحب ہدایہ کی ''مختارات النوازل'' پر تحقیق وتعلیق کا کام کررہا تھا، مدرسہ کی لائبریری میں "الفوائد البھیہ في تراجم الحنفیہ" نہیں تھیں، حجاز کا سفر ہوا تو وہاں سے یہ کتاب لے کر آیا؛ لیکن دشواری یہ تھی کہ بعض اعلام نسبتوں سے معروف ہیں، اور اس کتاب میں حروف تہجی کے اعتبار سے اسماء کا ذکر کیا گیا تھا، اسے تلاش کرنے میں خاصا وقت لگتا تھا، ایک دن مولانا سے برسبیل تذکرہ اس کا ذکر آیا، مولانا نے مجھ سے وہ کتاب طلب کی اور پوری کتاب پڑھ کر ایک ایسی فہرست مرتب کردی کہ اگر صرف

نسبت یاد ہو تو نام مل جائے، نام یاد ہو تو نسبت مل جائے اور ایک ہی ہفتہ کے بعد فہرست مجھے حوالہ کردی، اس سے بڑی مسرت ہوئی اور کام میں آسانی پیدا ہوگئی۔

مولانا کے دو سالہ قیام کے درمیان ہم لوگوں کا ایسا تعلق ہوگیا تھا کہ روزانہ ایک ساتھ چائے نوشی ہوتی تھی اور یہ نشست علمی اعتبار سے بھی بڑی مفید ہوا کرتی تھی، یہ مولانا کی بلند اخلاقی کی بات تھی کہ وہ اپنے اہل تعلق کے نجی حالات کی بھی فکر رکھتے تھے؛ چنانچہ میری چھوٹی لڑکی عائشہ عابدین کی ولادت آپریشن سے ہوئی، اس کے بعد اہلیہ کی علالت کا سلسلہ کافی دنوں تک چلتا رہا اور میں کافی پریشان تھا، مولانا روز خیریت دریافت کرتے، ایک دن کہنے لگے کہ کہیں کچھ سحر وغیرہ کا اثر تو نہیں ہے، کہئے تو میں جانچ کردوں، میں نے کہا: بہ ظاہر ایسا نہیں ہے، مگر آپ اندازہ کرلیں تو بہتر ہے، پھر میرے گھر تشریف لائے، بینت کی لکڑی دی اور کہا کہ اس سے سر سے پاؤں تک ناپ کر نشان لگا کر لے آئیں، میں نے ایسا ہی کیا، کچھ پڑھ کر لکڑی پر دم کیا اور دوبارہ ناپنے کو کہا، ناپنے پر کوئی کمی بیشی نہیں ہوئی، تو فرمایا کہ بیماری ہے، کوئی اور اثر نہیں ہے، پھر اپنی کاپی نکالی، جس میں ان مریضوں کی رپورٹ تھی، جن کی مولانا نے جانچ کی تھی، ہر مریض کے سامنے تین خانے تھے: سحر، آسیب، مرض، اور اکثر خانوں میں سحر وآسیب کٹا ہوا تھا اور بیماری لکھی ہوئی تھی، میں نے عرض کیا کہ میں نے آج پہلا عامل دیکھا ہے، جن کی تحقیق کے مطابق اکثر رجوع کرنے والوں کے لئے سحر یا آسیب کی تشخیص نہیں کی گئی ہے اور بیماری کا شبہ ظاہر کیا گیا ہے؛ ورنہ عامل حضرات کے یہاں ہر معاملہ میں جادو یا آسیب نکل آتا ہے، مولانا کہنے لگے: میں جب بنارس میں تھا تو ایک عامل صاحب مبارک پور کے ایک مریض کا معاملہ لیکر آئے اور کہا کہ مجھ سے قابو میں نہیں آرہا ہے؛ اس لئے آپ ساتھ چلیں، پھر جب روانہ ہوئے تو راستہ میں کہا کہ اگر آپ کوئی چیز نہ پائیں تو کہنے کی ضرورت نہیں ہے؛ کیونکہ ”بڑی پارٹی“ ہے، میں نباہ لوں گا، مولانا نے کہا کہ میں غلط بیانی سے کام نہیں لے سکتا، یہ نہیں ہوسکتا کہ میں جو چیز نہ پاؤں، کہوں کہ یہ چیز ہے، یا کم سے کم خاموش رہ جاؤں، ان صاحب نے کہا: اگر ایسا ہے تو آپ نہیں جائیں؛ چنانچہ میں واپس آگیا، یہ مولانا کی احتیاط اور راست گوئی کی ایک مثال ہے اور اس میں احتیاط کا دوسرا پہلو بھی ہے کہ مولانا نے مریضہ کو بلانے کے بجائے اس بات کو کافی سمجھا کہ ناپ منگالیا

جائے، جبکہ عامل حضرات عام طور پر اس سلسلے میں بہت غیر محتاط ہوتے ہیں، بعضے غیر محرم عورت کے ساتھ تنہائی اختیار کرتے ہیں اور بعضے جسم کو ہاتھ بھی لگاتے ہیں۔

اس حقیر نے اپنے ترمذی شریف کے نسخے پر علم حدیث کے بنیادی اصول وقواعد سے متعلق کچھ اشارات لکھ رکھے تھے، بعض احباب کی خواہش پر ''آسان اصول حدیث'' کے نام سے اسے مرتب کردیا گیا، یہ ترتیب کا کام میں نے حرمین شریفین کے سفر کے دوران کیا تھا، اسی زمانے میں خواب میں مولانا کو دیکھا؛ اس لئے خیال ہوا کہ اس رسالہ پر مولانا سے پیش لفظ لکھانا چاہئے، میں نے مسودہ کے ساتھ اپنی گذارش مولانا کی خدمت میں ارسال کردی، انہوں نے بڑی محبت کے ساتھ پیش لفظ تحریر فرمایا اور اخیر میں وفیات کے ایک صفحہ کا اضافہ بھی کیا، جو کتاب میں شامل ہے، میں نے خط میں لکھا تھا کہ یہاں خواب میں آپ کو دیکھا ہے، یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ آپ انشاء اللہ جلد ہی حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہونگے، مولانا یہ خط پڑھ کر تڑپ گئے اور مجھ کو لکھا کہ ایک آرزو جو عرصہ سے سینہ میں کروٹ لے رہی ہے، آپ کے مکتوب نے اس میں اور اضافہ کردیا، مولانا اس وقت تک سفر حج کی سعادت حاصل نہیں کرپائے تھے، بحمد اللہ اس کے بعد حج سے مشرف ہوئے۔

مولانا جب سہارنپور جانے لگے تو میں نے تنہائی میں اصرار کے ساتھ روکنے کی کوشش کی، انہوں نے میری پوری بات سن کر کہا کہ شاید میرے بعد بخاری آپ ہی سے متعلق ہو، جن لوگوں کو یہ امید ہوتی ہے کہ اگلے شخص کے سامنے سے ہٹ جانے کے بعد بخاری مجھے ملے گی، وہ تو ایسے آدمی کے جانے پر بہت خوش ہوتے ہیں؛ لیکن یہ آپ کے خلوص کی بات ہے کہ آپ مجھے روکنا چاہتے ہیں، مگر حقیقت حال یہ ہے کہ ایک مرتبہ دارالعلوم دیوبند میں مجھے موقع مل رہا تھا؛ لیکن وہاں کے ایک استاذ کا نام لیا، جو میرے بھی استاذ تھے، انہوں نے اس میں رکاوٹ پیدا کردی، دارالعلوم دیوبند کے بعد سب سے بڑا ادارہ مظاہر علوم سہارنپور ہے، اب وہاں سے مجھے طلب کیا گیا ہے تو میں چاہتا ہوں کہ یہ موقع کھونے نہ پائے؛ اس لئے اس پر اصرار نہ کیجئے، بہر حال، جب مولانا وہاں مقیم ہوگئے اور میرا سہارنپور کا سفر ہوا تو مولانا نے اپنے کمرے میں ٹھہرایا، طلبہ سے جو کام لیا تھا، وہ بھی دکھایا، بہت اکرام کا معاملہ فرمایا، صبح مجھے مولانا محمد طلحہ صاحب کی مجلس ذکر میں لے کر گئے اور ان سے بھی تعارف کرایا، یہ ان کی

خوردنوازی کی بات تھی، حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام صاحبؒ کی وفات کے بعد اکیڈمی کے صدر حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب اور نائب صدر حضرت مولانا محمد برھان الدین صاحب کی قیادت میں اکیڈمی کا ایک وفد دیوبند ہوتا ہوا سہارنپور حاضر ہوا، مولانا سے بھی ملاقات ہوئی اور اکیڈمی کے سیمینار میں شرکت کی دعوت دی، انہوں نے اس وقت مجمل بات کی کہ غور کروں گا؛ لیکن بعد میں مجھے خط لکھا، جس سے معلوم ہوا کہ انہیں بعض غلط فہمیاں ہیں، افسوس کہ اس کے بعد کسی تفصیلی ملاقات کا موقع نہیں ملا کہ جو باتیں ان تک پہونچائی گئیں تھیں، میں ان کی وضاحت کرتا؛ لیکن انہوں نے اس بات کا لحاظ رکھا کہ ملاقات کے وقت مجلس میں کوئی ایسی بات نہ کہیں، جس سے بدمزگی پیدا ہو، ایک بار میرا دیوبند کا سفر ہوا؛ لیکن سہارنپور جانا نہیں ہوا، مولانا کو اطلاع ہوئی، تو شکوہ آمیز خط تحریر فرمایا کہ یہاں تک آئے اور ملاقات نہیں ہوئی، معہد کے قائم ہونے کے بعد سبیل السلام کی دعوت پر مولانا کا حیدرآباد کا ایک سفر ہوا، میں نے درخواست کی کہ معہد بھی تشریف لائیں تو اپنے برادرزادہ فاضل گرامی مولانا عبداللہ معروفی (استاذ دارالعلوم دیبند) کے ساتھ معہد بھی تشریف لائے، عصر کی نماز ادا کی اور میری خواہش پر طلبہ کو نصیحتیں بھی فرمائیں، تسبیحات کو شمار کرنے کے سلسلے میں فقہاء نے جو تفصیل لکھی ہے اور خاص کر علامہ شامی نے اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے، اچھے اچھے لوگ اس کو بیان کرنے میں الجھ جاتے ہیں؛ لیکن یہ مولانا کی قوت حافظہ کی بات ہے کہ انہوں نے اسے برجستہ بیان فرمایا، واقعہ ہے کہ ان کا حافظہ غضب کا تھا، خاص کر جب کسی راوی کے بارے میں مراجعت کی نوبت آتی تو اس کا خوب اندازہ ہوتا۔

مولانا کے علمی ذوق، مطالعہ کی گہرائی، خاص کر علم حدیث میں کمال اور وسعت نظر کے معترف ان کے معاصر اہل علم بھی تھے، اور وہ ان کے کاموں کے ثناخواں تھے، مولانا مجاہدالاسلام قاسمی صاحبؒ دارالعلوم میں ان کے ہم زمانہ تھے اور سال دو سال آگے پیچھے تھے، وہ بھی اپنے زمانے کے بہت ممتاز طالب علم تھے، میں نے ہمیشہ ان کو مولانا کا مداح پایا، غالباً اعظم گڑھ کے سیمینار میں مولانا کی بھی شرکت ہوئی، وہاں جب بھی کوئی حدیث زیر بحث آتی تو قاضی صاحب کی خواہش ہوتی کہ مولانا اس پر اظہار خیال فرمائیں، دہلی میں ملی کونسل کے تحت دینی مدارس کا رابطہ اجلاس منعقد ہوا جس میں ملک بھر سے

ممتاز اہل علم شریک تھے، قاضی صاحب نے اس کی ایک اہم نشست کی صدارت مولانا سے متعلق کی اور آپ نے تفصیل سے خطاب کیا۔

تزکیہ واحسان کے راستے میں مولانا اپنے استاذ حضرت مولانا عبدالجبار اعظمیؒ سے مجاز تھے، دعوت وتبلیغ کے کام سے بھی تعلق تھا، چنانچہ ''دلائل الامور الستہ'' کے نام سے تبلیغی جماعت کے چھ نمبرات پر احادیث کا مجموعہ مرتب کیا، جماعت میں ایک سال کا وقت بھی لگایا؛ البتہ جو کمیاں محسوس کرتے تھے، ان پر تنقید بھی کرتے تھے، خاص کر جو لوگ بیان میں غیر معتبر روایتیں بیان کرتے رہتے ہیں، ان پر نکیر کرنے سے نہیں چوکتے تھے۔

مولانا کی وفات سے کچھ پہلے سفر لکھنؤ کے درمیان معلوم ہوا کہ مولانا کافی علیل ہیں، اور کینسر جیسے موذی مرض نے پکڑ رکھا ہے، کھانا پینا بھی چھوٹا ہوا ہے؛ چونکہ مجھے پہلے سے اس کا کچھ علم نہیں تھا؛ اس لئے میرے لئے یہ خبر بڑی وحشت اثر محسوس ہوئی، اور مولانا سے ملاقات کا شدید تقاضہ پیدا ہوا، پھر سہارنپور سے معلوم کرایا تو معلوم ہوا کہ مولانا پورہ معروف جا چکے ہیں اور فریش ہیں، خیال ہوا کہ ذرا موقع نکال کر وہاں کا سفر کیا جائے، مگر اسی درمیان وفات کی اطلاع آگئی، اور علم وتحقیق کا یہ مسافر ۱۶ر جمادی الاخری ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۸ر اپریل ۲۰۱۳ء کو ۸۳ سال کی عمر میں اپنی اس آخری منزل پر پہونچ گیا، جہاں سے کسی مسافر کی واپسی نہیں ہے۔

مولانا نے اپنے صاحبزادگان کو دینی تعلیم کے راستہ پر لگایا، بڑے صاحبزادے محترم مولانا ابوعبیدہ صاحب بھی بنات کی ایک درسگاہ کے ذمہ دار ہیں اور چھوٹے صاحبزادے عزیز مکرم مولانا عبدالباسط قاسمی بارک اللہ فی علومہ واعمالہ وحیاتہ ماشاء اللہ علم وادب کا اچھا ذوق رکھتے ہیں اور جامعہ مظاہر علوم کی خدمت سے مشرف ہیں؛ لیکن ان کی روحانی اولاد ہزاروں کی تعداد میں ملک وبیرون ملک میں پھیلی ہوئی ہے اور وہ یقیناً ان کے لئے صدقہ جاریہ ہیں، اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائیں اور جس بندے نے پوری زندگی حدیث رسول ﷺ کی خدمت میں صرف کی ہے، آخرت میں اس کو اسی رسول کے قدموں میں جگہ عطا فرمائیں۔

☆☆☆☆☆

استاذ گرامی! حضرت مولانا زین العابدین صاحب معروفیؒ

مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ

میری طالب علمی کا آغاز تھا، ۱۹۶۴ء میں اس بندہ نے جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور میں، عربی دوم کے درجہ میں داخلہ کا شرف پایا تھا، اس وقت مدرسہ کا تعلیمی معیار بہت بلند تھا مولانا عبدالباری صاحب علیہ الرحمہ ایک مقبول ومحبوب منتظم تھے، نہ صرف مدرسہ کے بلکہ اس علاقے کے مشہور ومسلم اور باثر قائدوزعیم تھے، ان کے انتظام میں مدرسہ میں اس وقت اچھے اور باکمال اساتذہ کا ایک دلکش مجمع تھا، حضرت مولانا مفتی محمد یسین صاحب علیہ الرحمہ، حضرت مولانا محمد یحیی صاحب علیہ الرحمہ، حضرت مولانا عبد المنان صاحب علیہ الرحمہ، حضرت مولانا شمس الدین صاحب علیہ الرحمہ، حضرت مولانا محمد مسلم صاحب علیہ الرحمہ، حضرت مولانا جمیل احمد صاحب مدظلہ، یہ عربی درجات کے گرانمایہ اساتذہ کا وہ مجمع تھا جو ہر ایک بجائے خود علم وفضل کا آفتاب و ماہتاب تھا، اس مجمع علماء میں، اس نورانی کہکشاں میں، ایک نمایاں اور ممتاز، روشنی سے معمور ذات حضرت مولانا زین العابدین صاحب کی تھی، ہلکا پھلکا بدن، رنگ صاف، چہرے پر چیچک کے داغ، چیچک کی بیماری میں ایک آنکھ چلی گئی تھی، شرعی کرتا، شرعی پاجامہ، سر پر عمامہ، رفتار تیز، گفتار سنجیدہ، مزاج میں متانت کے ساتھ قدرے تیزی، نہایت صالح اور ذاکر وشاغل، طلبہ پر ان کا رعب داب قائم، ذہانت وحافظہ کے پیکر، ان کی علمیت وقابلیت کے سب معترف تھے، لیکن سبق پڑھانے میں الفاظ جچے تلے اور مختصر استعمال کرتے تھے جس کی وجہ سے بعض طلبہ کو سمجھنے میں تنگی محسوس ہوتی تھی، مگر مولانا اپنے رنگ میں فرد تھے، ہر کتاب بخوبی پڑھا سکتے تھے اور پڑھاتے تھے، جو کتابیں مشکل ہوتیں ان کے اسباق خاص طور سے ان کے پاس جاتے اور وہ کامیابی کے ساتھ پڑھاتے، کبھی کبھی طلبہ کی طرف سے الجھنیں بھی پیش آتیں مگر مولانا کامیاب رہتے۔

میں عربی دوم میں داخل ہوا تھا، اس سال ہماری جماعت کی کوئی کتاب مولانا کے یہاں درس میں نہ تھی، میں دور کا تماشائی تھا، مولانا اپنے معمولات، درس کی ذمہ داریوں، درسگاہ کی حاضری اور اسباق کے بلاناغہ پڑھانے کے نہایت پابند تھے، ساتھ ہی اسباق کے مطالعہ کا بھی بڑا اہتمام کرتے

تھے، ابتدائی درجات کی وہ کتابیں جنہیں زبانی یاد کرنا ضروری ہوتا انھیں بڑی توجہ اور اہتمام سے یاد کراتے اور فرداً فرداً ہر طالب علم سے سنتے تھے، اور اس میں کسی طرح کا تساہل برداشت نہ کرتے میں دیکھا کرتا تھا کہ عربی اول کے طلبہ نحو میر کو بہت محنت سے زبانی یاد کیا کرتے تھے، یہ کتاب مولانا کے پاس تھی، انھوں نے حرفاً حرفاً یہ کتاب متن اور ترجمہ کے ساتھ اس طرح یاد کرادی تھی کہ جب چاہتے ان سے سن لیتے، یہ طریقہ درس تھا تو بہت محنت کا مگر فن کے مسائل ذہن میں پھر آخر تک مستحضر ہوجاتے اور آئندہ تعلیمی دور میں سہولت بڑھتی رہتی۔

میں دیکھتا تھا کہ طلبہ مولانا سے بہت ڈرتے تھے اور اسکی وجہ سے ان کے زیر درس کتابوں میں عام کتابوں سے زیادہ محنت کرتے تھے، اس کے ساتھ مولانا طلبہ پر شفیق بھی بہت تھے، وہ طلبہ جو محنت کرتے اور سلیقہ مند ہوتے مولانا کی نظر میں بہت قابل توجہ ہوتے اور ان پر عنایتیں فرماتے، لیکن سست، کاہل، کام چور طلبہ سے مولانا کو کوئی مناسبت نہ ہوتی، اس لئے مولانا کے پاس طلبہ کو بہت چوکنا رہنا پڑتا تھا۔

اس وقت چند خوبیاں مولانا کی طلبہ کے درمیان بہت معروف تھیں اور یہ خوبیاں مولانا کی زندگی کے ہر مرحلے میں یکساں طور سے دائر رہیں، مولانا کے بارے میں طلبہ کے درمیان اس وقت تک یہ بات معروف تھی کہ دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث کے امتحان میں مولانا کو پہلی پوزیشن حاصل ہوئی تھی، اس وقت اعظم گڑھ کے دو طلبہ کو یہ اعزاز ملا تھا، ایک تو جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور کے بانی اور سابق ناظم حضرت مولانا شکر اللہ صاحب علیہ الرحمہ کو، دوسرے ہمارے مولانا زین العابدین صاحب معروفی علیہ الرحمہ کو، جو جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور کے سابق طالب علم اور موجودہ استاذ تھے۔

مولانا اس درجہ ذہانت، فطانت کے ساتھ ابتدا ہی سے نہایت بے نفس اور پاک طینت تھے، جس طالب علم کی دارالعلوم دیوبند کے سب سے اہم امتحان میں یہ پوزیشن آئی ہو، ظاہر ہے کہ وہ اپنے رتبہ اور پوزیشن کے مطابق جگہ اور خدمت کا طالب ہوگا اور کسی کم درجہ کی خدمت یا تدریس پر راضی نہ ہوگا، مگر مولانا کا حال یہ تھا کہ اتنے اونچے درجہ سے کامیاب ہونے کے بعد بزرگوں اور سرپرستوں نے ایک گاؤں کے مکتب میں ضرورت محسوس کی، مولانا کو حکم دیا اور مولانا بے تکلف وہاں قاعدہ بغدادی اور

ابتدائی دینیات پڑھانے بیٹھ گئے۔

میں اس وقت جہاں مدرس ہوں یعنی شیخوپور، ایک بار مولانا تشریف لائے اور میں مولانا کے ساتھ کہیں جا رہا تھا، شیخوپور سے دو کلومیٹر مشرق میں ایک گاؤں، چھوٹا سا گاؤں خالص پور ہے وہاں سے گزر ہوا تو مولانا نے فرمایا کہ میرے پڑھانے کا آغاز اسی گاؤں سے ہوا ہے یہاں میں بچوں کو قاعدہ بغدادی اور ناظرہ قرآن کریم پڑھایا کرتا تھا، مجھے یہ یاد نہیں کہ کتنے دنوں مولانا نے یہاں پڑھایا تھا، لیکن یہ واقعہ ہے کہ مولانا نے قاعدہ بغدادی سے بخاری شریف تک درس نظامی کی تمام کتابیں پڑھائی ہیں نہ کسی کتاب کی تدریس کو اپنے لئے عار سمجھا اور نہ کسی کتاب کے پڑھانے پر فخر کیا، بس ایک بات ہمیشہ پیش نظر رہی کہ دین کی خدمت ہو اللہ راضی ہو اسی جذبہ سے مدارس میں رہے، اسی جذبہ سے تبلیغی اسفار کئے پیدل بھی اور سواری سے بھی، حضرت مولانا دارالعلوم دیوبند سے ۱۳۷۱ھ میں فارغ ہوئے تھے، اس وقت دارالعلوم دیوبند میں ایک سے بڑھ کر ایک علماء و مشائخ کا مجمع تھا، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ کی سرپرستی میں علم و فضل کا یہ قافلہ تعلیم و تربیت کی بہاریں لئے آگے بڑھ رہا تھا، حضرت مولانا اعزاز علی صاحب شیخ الادب، حضرت مولانا علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی شیخ المعقول وغیرہ اکابر، علم دین کا نور برسا رہے تھے، مولانا نے ان بزرگوں سے اکتساب فیض کیا۔

مولانا قرآن بہت عمدہ پڑھتے تھے، حافظ نہ تھے مگر جید قاری تھے اور قرآن کی بڑی بڑی سورتیں جن کا نمازوں میں پڑھنا مسنون تھا مولانا کو خوب یاد تھیں، اس خوبی کا یہ اثر تھا کہ مدرسہ کے قریب جامع مسجد میں جس کا انتظام مدرسہ ہی کے تحت تھا زیادہ تر نماز مولانا ہی پڑھایا کرتے تھے اس وقت مدرسہ کے ماتحت دو مسجدیں تھیں، ایک چھوٹی مسجد جو مدرسہ کے بالکل متصل ہے، دوسری جامع مسجد جو مدرسہ سے دو تین منٹ کے فاصلہ پر ہے، ان دونوں مسجدوں میں اس وقت تنخواہ دار امام متعین نہ تھے، علماء و طلبہ کا مجمع موجود رہتا تھا، امام کے انتخاب میں کوئی دقت نہ ہوتی تھی، چھوٹی مسجد میں امامت بالعموم مدرسہ کے صدر المدرسین استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی محمد یسین صاحب فرمایا کرتے تھے، مفتی صاحب نیکی و تقوی، وقت کی پابندی میں اللہ کی ایک نشانی تھے، جامع مسجد میں امامت عموماً مولانا زین العابدین صاحب کرتے وہ نہ ہوتے تو درجہ حفظ کے استاذ حافظ محمد یسین صاحب علیہ الرحمہ یا

کوئی طالب علم کرتا۔

مولانا کی قراءت کا ایک خاص انداز تھا، جو آج تقریباً ۴۸/۴۹ سال گزرنے کے بعد بھی ذہن اور حافظہ میں موجود ہے، مولانا نماز میں مسنون قرأت کا اہتمام کرتے تھے، فجر کی نماز میں طوال مفصل کی پوری سورتیں پڑھتے تھے، عشاء کی نماز میں اوساط مفصل کی مکمل سورہ پڑھتے، درمیان درمیان سے پڑھنے کی عادت نہ تھی ظہر اور عصر میں بھی مسنون سورتوں کی پابندی کرتے تھے، بعد میں مولانا نے اس موضوع پر قرأت مسنونہ کے نام سے ایک مفید رسالہ بھی لکھا، مولانا سنتوں پر بہت اہتمام کے ساتھ عمل کرتے تھے، تجوید وقرأت کی تعلیم مولانا نے اپنے ہم وطن استاذ کامل، امام المجودین والقراء قاری ظہیر الدین صاحب معروفی علیہ الرحمہ سے حاصل کی تھی اور اس فن میں کمال حاصل کرلیا تھا مجھے یاد ہے کہ مولانا کے یہاں ہم لوگ مقامات حریری کا سبق پڑھنے ایک روز بیٹھے تھے کہ مدرسہ میں خبر گرم ہوئی کہ قاری ظہیر الدین صاحب تشریف لا رہے ہیں، قاری صاحب عرصہ تک مدرسہ میں تجوید و قرأت کے استاذ رہ چکے تھے، میں جب مدرسہ میں حاضر ہوا تو قاری صاحب اپنے وطن پورہ معروف میں مشغول فیضان تھے، مولانا اپنے استاذ کے آنے کی خبر سن کر بہت مسرور تھے، اس وقت ان کے چہرے کا رنگ، ان کا انداز تواضع وخدمت دیدنی تھا، ہم لوگ خوش تھے کہ مولانا کے ایسے اہم اور معزز استاذ آرہے ہیں، آج خاطر، تواضع اور ادب وخدمت گزاری میں سبق کی چھٹی ہوجائے گی، مولانا کے یہاں سبق کا ناغہ کبھی نہ ہوتا تھا، قاری صاحب آئے، کس ادب وانکساری کے ساتھ مولانا نے ان کا استقبال کیا اور کتنے احترام ونیازمندی کے ساتھ انھیں بیٹھایا اور انداز تشکر سے ان کی ضیافت کا اہتمام کیا آج بھی وہ منظر آنکھوں کے سامنے روشن ہے، قاری صاحب کا دلنواز برتاؤ، ان کا دلآویز اور شیریں انداز گفتگو ہم لوگوں کے دلوں میں اترتا جارہا تھا، ہم تھوڑی دیر کے لئے ایسی فضا میں پہونچ گئے تھے جہاں اطمینان ہی اطمینان تھا خنکی ہی خنکی تھی، دلنوازی ومحبت کی خوشبو میں پورا ماحول بسا ہوا تھا، کچھ دیر گزرنے بعد مولانا نے استاذ محترم سے بغایت ادب سبق پڑھانے کی اجازت چاہی محبت وعقیدت کی اس فضا میں ہم لوگوں کی نیازمندی نے نازکا رنگ اختیار کرلیا تھا، ساتھیوں نے عرض کیا، حضرت جو سلسلہ چل رہا ہے چلنے دیجئے سبق تو روز پڑھنا ہی ہے لیکن مولانا ادب سے اسی طرح سمٹے ہوئے ہم لوگوں کی کہی ان سنی کرکے اور قاری صاحب کی صراحۃ اجازت بلکہ حکم پاکر پڑھانے میں مشغول ہو

گئے، تھوڑا سبق ہوا مگر ناغہ نہیں ہونے دیا۔

مولانا نماز باجماعت کے بہت پابند تھے، اس وقت یہ خوبی حضرات اساتذہ میں ایسی نہ تھی جس سے کسی کو امتیاز ہوتا کیونکہ سبھی اساتذہ نماز باجماعت کا بہت اہتمام کرتے تھے، ہم طالب علموں کی کسی استاذ پر انگلی نہ اٹھتی تھی کہ فلاں نماز باجماعت میں سستی کرتے ہیں، مولانا کو جو امتیاز حاصل تھا وہ یہ کہ مولانا نماز بہت عمدہ پڑھاتے ہیں اور دوسرے یہ کہ ذکر و شغل کے بہت پابند ہیں، سب جانتے تھے کہ مولانا کو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سے بہت وابستگی ہے، مولانا صبح و شام ذکر جہر کی پابندی کرتے تھے، اس وقت ذکر جہر کا اہتمام کرنے والا مولانا کے علاوہ اور کوئی نہ تھا، ہاں کبھی کبھی مولانا شمس الدین صاحب علیہ الرحمہ کے ذکر جہر کی بھی آواز سنائی دیتی تھی۔

مولانا پابندی کے ساتھ عمامہ کی سنت کا بھی اہتمام کرتے تھے، مدرسہ میں اس کا اہتمام حضرت مفتی محمد یسین صاحب علیہ الرحمہ کرتے تھے اور ان کے بعد مولانا زین العابدین صاحب!

مولانا ایک روز سبق میں مشغول تھے، میں ابھی تازہ مدرسہ میں حاضر ہوا تھا بارہ سال عمر تھی دبلا پتلا، پیلا بے وقعت! کھڑکی کے پاس کھڑا مولانا کا درس سننے لگا، مولانا نے شفقت سے درس گاہ میں بلایا میں ڈرتا ہوا حاضر ہوا، انھوں نام اور وطن پوچھا اور یہ کہ کیا پڑھتے ہو؟ میں نے بتایا پھر نہایت نرم لہجے میں فرمایا کہ مٹی نہ کھایا کرو، میں نے عرض کیا کہ میں مٹی نہیں کھاتا، انھوں نے فرمایا کہ چہرے پر زردی ہے اس لئے خیال ہوا کہ شاید مٹی کھاتے ہو، میں نے شدومد سے مٹی کھانے کی نفی کی مگر چند ہی دنوں میں ظاہر ہوا کہ مجھ پر یرقان کا شدید حملہ ہو رہا ہے، اس کی وجہ سے میں مہینوں صاحب فراش رہا۔

عربی دوم اور عربی سوم کے درجات میں مولانا کے پاس میری جماعت کا کوئی سبق نہ تھا، ہم لوگ بس دور سے زیارت کرلیا کرتے تھے، عربی چہارم میں آئے تو مولانا کی خدمت میں دو سبق پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، ترجمہ کلام اللہ شریف نصف اخیر مکمل اس سال مولانا کے درس میں پڑھنا تھا، مولانا نے نہایت خوبی سے پندرہ پارے کا ترجمہ ضروری تفسیر و تشریح کے ساتھ پڑھایا، مولانا نے اس کا اہتمام کیا کہ صحیح صحیح ترجمہ یاد ہو جائے، جچا تلا ترجمہ بتاتے اور اسے یاد کراتے، ہلکی پھلکی تشریح جو یاد ہو جائے، کرتے پھر اسے بھی یاد کرادیتے دوسرا سبق مقامات حریری کا تھا، مفردات کا ترجمہ، مادہ، صیغہ وغیرہ لکھواتے، آسان اور مطلب خیز لفظی ترجمہ کراتے، اپنے دستور کے مطابق

انھوں نے اتنے اہتمام سے دونوں سبق پڑھائے کہ بغیر کسی دقت کے اور بغیر خارجی وقت کا سہارا لئے اور بغیر درس کی مقدار بڑھائے سالانہ امتحان سے پہلے، دونوں اسباق اختتام تک پہونچادئے۔

اس سال میرے متعلق حضرت مولانا کا ایک خاص معاملہ ایسا ہوا جس سے مولانا کی وسعت ظرف، ان کی خردنوازی اور ان کی مہربانی وشفقت کا مجھ پر بہت گہرا اثر پڑا ایک روز میں اپنے کمرہ میں بیٹھا ہوا تھا، ایک طالب علم جو عمر میں اور درجہ میں مجھ سے بڑے تھے کمرے میں آئے اور میرا نام لیکر مجھے دریافت کرنے لگے، میں متوجہ ہوا تو انھوں نے کہا کہ آپ مجھے ترجمہ کلام پاک اور مقامات حریری پڑھادیجئے، میں اپنے نیچے درجے والے بعض طلبہ کو پڑھایا کرتا تھا لیکن یہ تو عربی پنجم کے طالب علم تھے اور میں چہارم کا، میں سوچنے لگا کہ یہ الٹی گنگا کیونکر بہے گی، میں نے معذرت کی آپ پنجم کے طالب علم ہیں اور میں چہارم میں پڑھتا ہوں، میں آپ سے پڑھونگا نہ کہ آپ مجھ سے!۔

کہنے لگے میرا امتحان داخلہ مولانا زین العابدین صاحب نے لیا تھا، عربی چہارم کی سب کتابوں میں تو کامیاب تھا، لیکن ترجمہ کلام پاک نصف اخیر اور مقامات حریری کے اسباق میں نے پڑھے ہی نہ تھے مولانا نے فرمایا کہ تمہاری استعداد عربی پنجم کے لائق ہے اور عمر بھی زیادہ ہو رہی ہے، مگر یہ دونوں کتابیں رہی جارہی ہیں میں نے عرض کیا کہ میرا داخلہ عربی پنجم میں منظور فرمالیجئے یہ دونوں سبق میں پڑھ لوں گا، مولانا نے منظور فرمالیا جب اسباق شروع ہوگئے تو مولانا نے مجھ سے ان دونوں اسباق کے متعلق دریافت فرمایا، میں نے درخواست کی کہ آپ ہی وقت نکال کر پڑھادیں یا کسی اور کو بتادیں، میں اس سے پڑھ لوں گا، فرمایا کہ میرے پاس تو کتابیں زیادہ ہیں وقت نہیں ملے گا اور دوسرے اساتذہ کا حال بھی یہی ہے، پھر آپ کا نام لیکر فرمایا کہ ہے تو وہ طالب علم اور نیچے درجہ کا ہے مگر وہ اچھی طرح پڑھالے گا، اگر تم منظور کرو تو اس سے پڑھ لو، میں اس لئے آیا ہوں، مجھے مولانا کی شفقت وعظمت کا احساس ہوا۔

پھر میرے پاس یہ دونوں سبق شروع ہوگئے، میں مولانا کے پاس پڑھتا تھا اور یہ بزرگ طالب علم مجھ سے پڑھتے تھے، سال کے آخر تک یہ سلسلہ چلتا رہا یہ بات مولانا کو بھی یاد تھی، میں نے اس واقعہ کو اپنی آپ بیتی "حکایت ہستی" میں لکھا تو مولانا نے اس کی تصدیق فرمائی، بلکہ مرض وفات میں ممبئی جب تشریف لائے تھے اور میں بھی مجلس میں حاضر تھا تو حاضرین سے فرمایا کہ جب یہ طالب علم

تھے اور طلبہ کو تکرار کراتے تھے تو میں سنا کرتا تھا، یہ مجھ سے اچھا سمجھاتے ہیں، تدریس کی خدمت اختیار کی، پھر گجرات، بنارس، حیدرآباد میں آپ کا فیضان جاری رہا، میں بنارس، غازی پور، الہ باد میں رہا، کافی عرصہ تک مولانا سے ملاقات کم رہی۔

مولانا جب مظہر العلوم بنارس تشریف لے گئے اور میں غازی پور میں تھا تو ملاقاتوں کی تجدید ہوئی، میرے بوڑھے دوست حاجی عبدالاحد صاحب جو خود پورہ معروف کے رہنے والے ہیں اور مولانا سے بہت محبت رکھتے ہیں انھوں نے از سرنو مجھے مولانا کی خدمت میں پہونچایا، یہاں سے روابط وتعلقات کے استحکام کا ایک نیا باب کھلا، پھر مولانا سے قرب بڑھا اور بڑھتا چلا گیا، مولانا کی توجہات، مہربانیاں اس درجہ بڑھیں کہ میں شرمندہ ہو ہو کر رہتا۔

مجھے یاد ہے کہ مولانا بنارس میں تھے اور یہ خاکسار شیخو پور آچکا تھا، بنارس ضلع میں ایک جگہ ہے گوگہرا، وہاں جلسہ تھا، جاڑے کا موسم تھا، مجھے بھی اس جلسہ میں شریک ہونا تھا، حضرت مفتی ابوالقاسم صاحب مدظلہ کا بھی پروگرام تھا، میں بنارس آیا اور مفتی صاحب کے قافلہ میں شریک ہو کر گوگہرا کے لئے نکلا، مغل سرائے اسٹیشن کی مسجد میں ہم لوگ نماز کے لئے اترے، نماز سے فارغ ہو کر میں نے دیکھا کہ مولانا عصر کی نماز پڑھ رہے ہیں، میں نے توقف کیا مولانا فارغ ہوئے تو میں نے ملاقات کی، خیریت پوچھی تو بتایا کہ میں بھی گوگہرا چل رہا ہوں، میں نے عرض کیا آپ بھی مدعو ہیں، فرمایا مدعو نہیں ہوں، اشتہار میں تمہارا نام دیکھا تو میں نے سوچا کہ تمہاری تقریر سنے ہوئے بہت دن ہوئے، چل کر تمہاری تقریر سن لوں میں حیرت زدہ ہوا اور شرمندہ بھی! مگر مولانا تاکید یہی فرماتے رہے، مولانا تشریف لے گئے جلسہ میں شریک ہوئے، میری تقریر اول سے آخر تک سنی اور دعا دیتے رہے۔

جاڑے کی لمبی رات تھی ایک ڈیڑھ بجے جلسہ ختم ہوا، ختم کے بعد زمانیہ کے مولانا محمد ازہر سلمہ میرے پاس آئے اور کہا کہ زمانیہ چلئے، میں نے کہا میرے ساتھ میرے استاذ بھی ہیں، میں انھیں چھوڑ کر نہیں جاسکتا، مولوی ازہر نے کہا میں حضرت سے بھی درخواست کرتا ہوں، چنانچہ انھوں نے درخواست کی اور مولانا نے بڑی بشاشت سے ان کی درخواست قبول کی، سواری کے لئے جیپ تھی ہم دونوں آگے کی سیٹ پر بیٹھے، سردی شباب پر تھی، گاڑی جب چلی ہے تو مولانا نے فرمایا کہ میں ایک اور خاص مقصد سے یہاں آیا ہوں، وہ یہ کہ ایک ہفتہ سے میرے قلب پر ایک دباؤ سا محسوس ہو رہا ہے اور

وہ دباؤ یہ ہے کہ آپ اس وقت کسی پریشانی اور دقت میں ہیں، میرے آنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ وہ پریشانی معلوم کروں، میں حیرت میں پڑ گیا میں نے عرض کیا کہ ایسی کوئی پریشانی مجھے نہیں ہے، مولانا نے فرمایا نہیں کچھ تو ہے کہ میں اپنے قلب پر مسلسل محسوس کر رہا ہوں، سوچ کر بتائیے، میں نے عرض کیا پریشانی سوچنے کی مہلت تو دیتی نہیں وہ تو خود اپنے زور سے دباتی رہتی ہے، مولانا نے اصرار فرمایا کہ کوئی بات ضرور ہے، تب مجھے خیال آیا کہ یہ لمبا سلسلہ ہے، حق تعالیٰ کا میرے دل پر احسان ہے کہ دنیاوی ضرورتوں کا دباؤ مجھ پر کم ہوتا ہے، اللہ نے مجھے اولاد کی نعمت سے نوازا ہے مگر میرے پاس رہائش کے لئے کوئی مکان کبھی نہیں رہا، جس مدرسہ میں پڑھایا وہاں کے لوگوں نے میری رہائش کا انتظام کیا، اپنے گاؤں میں تعطیلات میں آیا تو کسی رشتہ دار کے خالی مکان میں رہ لیا، کچھ وقت والد کے مکان میں گزار لیا، اس کی وجہ سے کبھی کبھی تنگی پیش آتی تھی، مگر میری لا ابالی طبیعت اسے نظر انداز کر دیتی تھی اس طرح بیس بائیس سال کی مدت گزر گئی بچے بھی بڑے ہو گئے میرے بعض خاص احباب کو فکر ہوئی کہ ایک مکان میرے لئے ہو جانا چاہئے، گاؤں میں ایک مکان بک رہا تھا میرے دوستوں نے اسی ہزار روپئے میں اسے طے کر لیا، میرے پاس اسی سو روپئے بھی نہ تھے جو ہمت کرتا، والد نے حوصلہ کیا اور آدھی رقم دینے کا وعدہ کر لیا بلکہ دے بھی دیا، بقیہ آدھی رقم کا انتظام بھاری پڑ رہا تھا، میں نے معذرت کر لی کہ میرے پاس نہ رقم ہے اور نہ اس کا بوجھ اٹھاؤں گا، جس طرح گزر رہی ہے گزر جائے گی چند روز کی زندگی ہے، مگر میرے دوستوں کو بہت فکر تھی، وہ مسلسل سوچ رہے تھے مگر کوئی تدبیر بن نہ پا رہی تھی۔

یہی وہ دور تھا، میں نے مولانا سے صورت حال بتائی کہ یہی پریشانی ہو سکتی ہے کہ اگر یہ سودا ہاتھ سے نکل گیا تو جن لوگوں نے اس سلسلہ میں محنت کی ہے ان کی محنت بیکار ہو جائے گی، مولانا نے فرمایا ہاں یہی بات معلوم ہوتی ہے، اچھا میں ایک دعا بتاتا ہوں، اسے پڑھئے اور اپنے دوستوں کو بتائیے کہ وہ بھی اسے بکثرت اہتمام سے پڑھیں، وہ دعا یہ ہے: "اللھم رب السموات السبع ورب العرش العظیم اللھم اکفنی کل مھم من حیث شئت و من این شئت حسبی اللہ لدینی حسبی اللہ لما اھمنی حسبی اللہ لمن بغی علی حسبی اللہ لمن حسدنی حسبی اللہ لمن کادنی بسوء حسبی اللہ لا الہ الا ھو علیہ توکلت وھو رب العرش

العظیم"۔

یہ دعا مجھ کو یاد تھی، میں نے مولانا کو سنا دیا بہت خوش ہوئے اور فرمایا اسے پڑھئے اور پڑھوایئے، ان شاء اللہ بہت آسانی سے معاملہ ہو جائے گا، اس مسئلہ میں منشی عبدالسمیع صاحب، حافظ نورالہدیٰ صاحب اور میرے چچازاد بھائی حاجی محمد بلال صاحب کو خصوصی دلچسپی تھی، میں نے تینوں کو یہ دعا مولانا کے حوالہ سے بتادی، میں بھی پڑھتا رہا وہ حضرات بھی پڑھتے رہے اور پھر میں نہیں جانتا کہ اللہ نے کس طرح آسانیاں پیدا فرمائیں اور چند دنوں میں ایک صاحب نے مدرسہ میں آکر مجھے اطلاع دی کی آج وہ مکان آپ کے نام رجسٹری ہو گیا، میں سجدۂ شکر بجالایا اور مولانا کی محبت وشفقت کا نقش لازوال دل پر گہرا ہو گیا۔

اس واقعہ کے بعد مولانا کے کرم کی بارش مسلسل مجھ پر ہوتی رہی، میری حاضری بھی مولانا کی خدمت میں بڑھ گئی، جامعہ مظہر العلوم بنارس میں بارہا ان کی خدمت میں حاضری ہوئی، اس وقت مولانا خود ایک سخت آزمائش میں تھے ، اہلیہ مکرمہ بیمار تھیں، بیماری سخت تھی اور پریشان کن، بچے چھوٹے چھوٹے تھے ان کی دیکھ ریکھ، ان کے کھانے پینے کا اہتمام، ان کے کپڑے دھونا، ان کو نہلانا دھلانا، خود اہلیہ کی پوری خدمت کرنا، اس کے بعد مدرسہ اور اسباق کی ذمہ داریاں تن تنہا مولانا سب پوری کرتے تھے، مالی تنگی بھی تھی مگر انھیں اللہ پر جو توکل تھا اور دعا وگریہ وزاری کی جو توفیق ملی تھی اس نے ہر مرحلہ آسان کردیا، زبان کیا کبھی قلب بھی حرف شکایت سے آلودہ نہ ہوا، استقامت اور پامردی سے سنگین حالات سے گزرتے رہے اور بندۂ صابر وشاکر بنے رہے، ایک طویل آزمائش کے بعد اہلیہ محترمہ کا انتقال ہو گیا، زندگی کی ایک سنگین مشغولیت سے رہائی ملی۔

مولانا نے دو نکاح کئے تھے، پہلی اہلیہ محترمہ کے انتقال کے بعد دوسرا نکاح کیا، دوسرے حرم کے بعد جب عمر ڈھل چکی تھی تو آپ نے تیسرا نکاح کیا، یہ نکاح ہزار راحتوں کا سامان بنا، پچھلی تمام مشقتوں کا مداوا اس نکاح سے ہوا، زندگی کا آخری حصہ اس لحاظ سے بہت خوشگوار گزرا، خانگی اعتبار سے بھی، مالی خوش حالی کے اعتبار سے بھی، علمی خدمت گزاری کے اعتبار سے بھی، روحانی فیضان کے اعتبار سے بھی!

یہاں مجھے ایک دعا یاد آرہی ہے جسے الحزب الاعظم میں حضرت ملا علی قاری نے نقل کیا ہے،

الحزب الاعظم مولانا کے معمولات میں شامل تھی، انھوں نے یہ دعا کس دل سے کی تھی، یقیناً اللہ نے اسے حسن قبول سے نوازا تھا، دعا قدرے طویل ہے مگر نقل کرتا ہوں، کیوں کہ مولانا کو دعاؤں کا بالخصوص مسنون دعاؤں کا بہت ذوق تھا، "اللھم اجعل اوسع رزقی علی عند کبر سنی و انقطاع عمری یا من لا تراہ العیون ولا تخالطه الظنون و لا یصفه الواصفون و لاتغیرہ الحوادث ولا یخشی الدوائر یعلم مثاقیل الجبال و مکائیل البحار و عدد قطر الامطار وعدد ورق الاشجار وعدد ما اظلم علیه الیل فاشرق علیه النهار ولا تواری منه سماء سماء ولا ارض ارضاً ولا بحر ما فی قعرہ ولا جبل ما فی وعرہ اجعل خیر عمر ی آخرہ خیر عملی خواتمه وخیر ایامی یوم القاک فیه یا ولی الاسلام واهله ثبتنی به حتیٰ القاک"۔

ترجمہ: اے اللہ میرا سب سے فراغت کا رزق میرے بڑھاپے میں اور میری آخری عمر میں مقدر فرما، اے وہ ذات جس کو آنکھیں نہیں دیکھ پاتیں، اور جس کو خیالات نہیں پا سکتے، اور نہ بیان کرنے والے اس کی حمد و ثنا بیان کر سکتے اور نہ زمانے کے حوادث اس میں اثر کر سکتے، نہ اسے گردش زمانہ کا کوئی خوف ہے، پہاڑوں کے وزن، دریاؤں کے پیمانے، بارشوں کے قطرے اور درختوں کے پتے سب اس کے علم میں ہیں، اسے وہ تمام چیزیں معلوم ہیں جن پر رات کی تاریکی چھاتی ہے اور دن روشنی ڈالتا ہے اس سے ایک آسمان دوسرے آسمان کو چھپا نہیں سکتا اور نہ ایک زمین دوسری زمین کو اور نہ سمندر اس چیز کو چھپا سکتا ہے جو اس کی تہ میں ہے اور نہ پہاڑ جو اس کے پتھریلے جگر میں ہے، میری عمر کا بہترین حصہ آخر عمر کو اور میرا سب سے اچھا عمل خاتمے کے وقت مقدر فرما، اور میرے دنوں میں سب سے بھلا دن وہ بنا جس میں تجھ سے ملوں، اے اسلام اور اہل اسلام کے مالک، مجھے آپ کی ملاقات تک اسلام پر ثابت قدم رکھئے۔

اللہ جانے کس دل سے مولانا نے یہ دعا کی ہوگی کہ اس کا ہر ہر جزء آپ کے حق میں قبول نظر آتا ہے حق تعالی کا بڑا انعام ہے بڑا کرم ہے، ان شاء اللہ وہ دن سب سے بھلا ہوگا جب پروردگار سے ملاقات ہوگی یعنی قیامت کا دن۔

جامعہ مظہر العلوم بنارس سے رٹائر ہونے کے بعد مولانا کچھ دنوں دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد

میں تشریف فرما رہے، اس کے بانی و مہتمم مولانا محمد رضوان قاسمی علیہ الرحمہ باصرار انہیں لے گئے تھے، وہاں وہ تخصص کے درجات کے مشرف تھے، اس کے کچھ دنوں بعد جامعہ مظاہر علوم سہارن پور میں تخصص فی الحدیث کا شعبہ کھولا گیا، اس کی نگرانی اور صدارت کے لئے اہل انتظام کی نگاہیں مولانا پر پڑیں، حیدرآباد سے ہٹنے کا موقع نہیں تھا مگر جامعہ مظاہر علوم کی مرکزی حیثیت، بزرگون نے اس کا قدیم انتساب متقاضی تھا کہ اس کی ضرورت کو ترجیح دیا جائے، چنانچہ اکابر بزرگوں کے مشورہ اور حکم سے مولانا یہاں تشریف لائے اور درس حدیث کی بساط از سر نو بچھائی، درجہ تخصص سے بہت باکمال فضلاء تیار ہوئے، حدیث و فن حدیث کی کتابیں مولانا کی نگرانی میں از سر نو زیور تحقیق و تعلیق سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آئیں۔

سہارن پور حضرت کے قیام کے دوران میری بارہا حاضری ہوئی اور حضرت کے کرم فراواں سے نہال ہوتا رہا۔

میرا آبائی وطن بھیرہ مولانا کے وطن پورہ معروف سے چند میل کے فاصلہ پر ہے، بھیرہ میں مکتب کی تعلیم کے ساتھ درجہ حفظ کا بھی انتظام ہے، بہت سے حفاظ وہاں سے فارغ ہو چکے ہیں مگر ابھی تک کسی کی دستار بندی نہیں ہوئی تھی گاؤں والوں نے منصوبہ بنایا کہ ایک بڑا جلسہ کیا جائے اور فارغ طلبہ کی دستار بندی کی جائے، شوال ۱۴۳۳ھ کی کوئی تاریخ طے ہوئی، حضرات علماء کرام کی دعوت کی ذمہ داری اس بندہ پر لوگوں نے ڈالی، دارالعلوم کے جلیل القدر مہتمم حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب سے تاریخ کی منظوری لی گئی، انکے علاوہ میں نے دوسرے علماء کرام کے ساتھ حضرت مولانا زین العابدین صاحب سے بھی درخواست کی، آپ نے بہت خوشی سے آنا منظور کیا تشریف لائے بڑی فاضلانہ تقریر فرمائی، اور مجھ سے تعلق کا خصوصی ذکر فرمایا، اہل انتظام نے مولانا کو کرایہ کی رقم دینی چاہی تو مولانا نے اپنے اس شاگرد کا نام لیکر فرمایا، میں ان کے حکم پر بہت خوش ہوکر آیا ہوں، میں کرایہ نہیں لوں گا اور باوجود اصرار کے نہیں لیا۔

مولانا واقعی نمونۂ سلف بزرگ تھے، بے نفسی، سادگی، اخلاص وللہیت، میں بے نظیر تھے، عالم ربانی، صاحب نسبت شیخ طریقت تھے، بعد والوں کے لئے نمونۂ علم وعمل تھے، اللہ ان کے درجات بلند فرمائیں۔

اکلیل العارفین حضرت مولانا زین العابدین صاحب معروفیؒ

حکیم مولانا مشتاق احمد بی، آئی، ایم، ایس، الہ آباد
سرپرست "الجامعۃ المحمودیہ" پورہ معروف وسابق ناظم مدرسہ معروفیہ

حضرت مولانا زین العابدین صاحبؒ ایک علمی خاندان اور نہایت دلیر گھرانے کے چشم و چراغ تھے، چنانچہ مولانا عبدالحمید صاحب مرحوم کی مجاہدانہ زندگی کے واقعات مشہور ہیں، اسی طرح سے مولانا عبدالمنان صاحب مرحوم کے حالات بھی معروف ہیں، جو انہی کے خاندان سے تھے، اسی طرح انہی کے خاندان سے پردھان عبدالمعید اور صلاح الدینؒ نہایت بے باک لیڈر اور خادم قوم وملت تھے۔

مولاناؒ جہاں بھی استاذ رہے نہایت محنت اور خوش اسلوبی سے تدریسی فرائض انجام دیتے رہے، اس لیے آپ ہر جگہ مقبول اور ممتاز بن کر رہے، ہر چھوٹے بڑے سے ان کے تعلقات نہایت خوش گوار رہتے تھے، ہر ایک کے رنج وغم اور ہر طرح کی مشروع اور مستحسن تقاریب میں تشریف لے جاتے تھے، اس کے ساتھ تبلیغ اور اشاعت دین میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔

موصوف نماز عیدین کے تقریباً پندرہ سال تک امام رہے، شیخ الحدیث حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب کی درخواست پر "ہلال کمیٹی" پورہ معروف کے متعلق مولاناؒ کی ایک مختصر تقریر ہوئی، اس کے بعد امام عیدین کو ہلال کمیٹی کا صدر بنایا گیا، مدارس کے نظما کو ممبر مقرر کیا گیا اور مولانا مشتاق احمد صاحب پرانا پورہ کو ھلال کمیٹی کا داعی بنایا گیا۔

عیدگاہ کی سابق کمیٹی منسوخ ہو چکی تھی، اس لیے مولانا نے ایک کمیٹی کی تشکیل کی، جس کے وہ خود صدر تھے اور پرانا پورہ کے ایک آدمی کو خازن مقرر کیا اور کچھ ممبران کو منتخب فرمایا، عیدگاہ کا چندہ وصول کرنے اور باقاعدہ شمار کرنے وجمع کرنے اور اخراجات کو فوری طور پر ادا کرنے کے بعد بقیہ رقم کو خازن کے پاس باضابطہ تحریری طور پر جمع کرنے کا اہتمام فرمایا، اس کے علاوہ مکبرین کا پورا نام محلہ اور سکونت کے ساتھ لکھ کر ان سب کو عید کی نماز کے پیشتر اطلاع کرنے کا اہتمام کیا کہ کن کو کس صف میں رہنا ہے؟ عید کی نماز کا وقت اس طرح متعین کیا کہ ہر جگہ کے لوگ بآسانی پرانی عیدگاہ میں پہنچ کر نماز ادا کر سکیں۔

عید کی نماز کے پہلے آپ بہت قیمتی نصیحتیں فرماتے، جس میں پورہ معروف کے گذشتہ اکابر علما و صلحا کا فخر سے تذکرہ کر کے ان کی خوبیوں کو اپنے اندر پیدا کرنے کی طرف رغبت دیتے، آپ کا وعظ بہت مؤثر ہوتا تھا، دل کے درد کے ساتھ اس طرح بیان فرماتے کہ دل میں وہ بات جا کر سا جاتی اور آنکھیں اشک بار ہو جاتیں ع:

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں۔

☆☆☆☆☆

برانتقال پر ملال محدث کبیر حضرت مولانا زین العابدین اعظمیؒ

نتیجۂ فکر: مولانا مجیب بستوی صدر انجمن افکار ادب سمریاواں ضلع سنت کبیر نگر یوپی

وفات حضرت استاذ پر رونا نظر آیا
نظر آیا جو اس کو چشم تر دیکھا نظر آیا

محدث متقی وہ زندگی بھر یاد آئے گا
ملا جس سے وہ جب بھی دوستو ہنستا نظر آیا

خدا کے خاص بندوں میں رہا تا زندگی شامل
نظر آیا وہ جب اللہ کا بندہ نظر آیا

خبر یہ مرگِ زین العابدیں دل سوز تھی یارب
جہانِ زندگی جیسے مجھے جلتا نظر آیا

نظر ویراں جگر شق دل کبیدہ خامشی لب پر
عجب اک کشمکش میں جسم و دل اپنا نظر آیا

دعا ہے نور سے بھر دے لحد کو ان کی اے مولیٰ
ہمیں تو خواب میں وہ خلد میں جاتا نظر آیا

مجیب اللہ والے جب بھی اٹھ جاتے ہیں دنیا سے
بدلتا دین و دنیا کا سدا نقشہ نظر آیا

پورہ معروف اوراس کی ایک جامع کمالات شخصیت

مولانا شبیر احمد مشتاق قاسمی معروفی استاذ منبع العلوم، نظام آباد

قصبہ پورہ معروف، پوسٹ کرتھی جعفر پور، تھانہ کوپا گنج، ضلع مئو، (سابق ضلع اعظم گڈھ) ایک قدیم اور مردم خیز قصبہ ہے، شہر مئو ناتھ بھنجن سے شمال مغرب میں ۹ رکیلومیٹر کے فاصلے پر لب دریائے ٹونس آباد ہے، یہاں مسلمانوں کی آبادی تقریباً پچیس ہزار ہے اور سبھی پارچہ بافی کی صنعت سے منسلک ہیں، یہ قصبہ شیخ محمد معروفؒ ایک بزرگ ہستی کے نام سے موسوم ہے، یہ قصبہ زمانہ قدیم سے اہل علم وارباب فضل وکمال کا مرکز رہا ہے، یہاں کے علما کی ایک بڑی تعداد ملک کے نامور مدارس میں درس وتدریس سے وابستہ ہے، یہاں اب بھی علم دین حاصل کرنے کا رجحان غالب ہے، یہاں بارہ (۱۲) مکاتب ومدارس ہیں، سب سے قدیم مدرسہ معروفیہ ہے، (قیام: ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء) اور مساجد کی تعداد: ۲۸ رہے، موجودہ علمائے کرام کی تعداد: ۲۵۰ ہے، اسی کے لگ بھگ حفاظ کرام بھی ہیں، یہاں کے سب سے پہلے عالم: مولانا محمد طاہر صاحبؒ (متوفی: ۱۲۹۶ھ) ہیں، دیگر چند نامور علمائے کرام: مولانا حکیم محمد محمودؒ (متوفی: ۱۳۷۰ھ)، مولانا عبد الرحمٰنؒ، پارہ، مولانا محمد یٰسین بن حاجی سلیمانؒ (متوفی: ۱۳۷۱ھ)، مولانا محمد شبلیؒ (متوفی: ۱۴۰۵ھ)، مولانا عبد الجبارؒ (متوفی: ۱۴۰۹ھ)، مولانا عبد الستارؒ (متوفی: ۱۴۱۴ھ)، مولانا عبد الودود (متوفی: ۱۴۳۲ھ، قاری ظہیر الدینؒ (متوفی: ۱۴۰۳ھ)، مولانا محمد عثمانؒ متوفی: ۱۴۲۲ھ)، مولانا امانت اللہ (متوفی: ۱۴۱۶ھ)، مولانا محمد عزیر قاسمی (متوفی: ۱۴۳۴ھ)، مولانا محمد نعمانؒ، مولانا عبد الرحیم (متوفی: ۱۴۰۳ھ)، مولانا محمد محمود، اسلام پورہ (متوفی: ۱۴۰۹ھ) اور مولانا محمد مجتبیٰ رحمہم اللہ وغیرہم تھے، الحمد للہ جو علمائے کرام حیات ہیں، وہ لائق صد احترام اور قابل قدر ہیں۔

یوں تو دنیا میں بہت سے لوگ آئے اور چلے گئے، آئیں گے اور چلے جائیں گے، قیامت تک آمد و رفت کا یہ سلسلہ متواتر چلتا رہے گا، ابتدائے آفرینش ہی سے جہاں آفریں نے یہ سلسلہ جاری کیا ہے، اس لئے ہر ایک کا وجود، عدم کا متقاضی ہے، قدرت کے قانون **کل من علیھا فان** کا مصداق ہے، مگر اس جہاں میں رب جہاں کچھ ایسی مخصوص شخصیات کو پیدا دیتا ہے، جن کی مقبولیت

عام ہوجاتی ہے، محبوبیت لوگوں کے قلوب میں پیوست ہوجاتی ہے، اس کی طرف کھچاؤ بڑھ جاتا ہے، خاص کر ان لوگوں کا میلان ورجحان کچھ زیادہ ہی ہوجاتا ہے، جن کی زندگی کی تعمیر وتشکیل میں ان شخصیات کا کچھ عمل دخل ہوتا ہے، انھیں شخصیات میں سے ایک نابغۂ روزگار شخصیت، محدث گر محدث، رجال ساز مدرس، مردم ساز شیخ، اسم بامسمی عابد، حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمی معروفی علیہ الرحمہ کی تھی، جن کی پوری زندگی زہد وتقوی اور اخلاص وللٰہیت اور مجاہدہ نفس سے تعبیر تھی، ساتھ ہی ساتھ امت کی رشد وہدایت، علم وعرفان کی ترویج واشاعت اور ذکر وشغل کے عام ہونے اور گھر گھر میں مطلوب دینداری کے پھیلنے کی آپ کے قلب میں تڑپ تھی اور کوشش بھی۔

خاندان کی شرافت: آپ کا خاندان ایک علمی ودینی خاندان تھا، آپ کے اجداد میں سے حافظ عبد القادرؒ صاحب جید حافظ قرآن تھے اور بہت ہی نیک آدمی تھے اور آپ کے والد محترم جناب محمد بشیر صاحب، نہایت متقی، علما وصلحا سے بے حد عقیدت ومحبت رکھنے والے اور نہایت ذاکر وشاغل شخص تھے، ان کے سایۂ عاطفت میں حضرت مولانا مرحوم کی نشو ونما ہوئی، جنھوں نے علم وعمل اور اخلاق وصفات کے لحاظ سے باکمال اور مثالی شخصیت کی تعمیر وتشکیل کے لیے نہایت شفقت ومودت اور نرمی وبردبارانہ انداز سے تادیب وتنبیہ کی اور آپ کے اندر پڑھنے لکھنے اور عمل کا شوق پیدا کردیا؛ چنانچہ مولانا مرحوم کے اندر ابتدا ہی سے تحصیلِ علم کا شوق، لگن اور سچی دھن پیدا ہوگئی اور خدا کی شان کہ آپ کو باکمال راسخین علما اور اساتذہ سے تلمذ واستفادہ کا شرف حاصل ہوا، اللہ تعالی نے آں مرحوم کو ذہانت وفطانت سے بھی وافر حصہ عطا فرمایا تھا، علمی مزاج اور ذہانت وذکاوت کی وجہ سے اساتذۂ کرام کی خصوصی عنایات وتوجہات کے حامل ومورد رہے، ان سب امور نے مولانا کو متنوع علمی کمالات کے لحاظ سے منفرد، بے مثال اور جامع شخصیت بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔

جامعیت: حضرت مولانا کی شخصیت جامع کمالات تھی، آپ نے ان تمام شعبوں: (۱) تلاوت آیات۔ (۲) تزکیۂ نفوس۔ (۳) تعلیم کتاب۔ (۴) اور تعلیم حکمت میں اپنے تبحر علمی، تعلیمی وتدریسی، اصلاحی خدمات اور علمی وعملی پہلو سے فیض پہنچایا اور اپنی وقیع خدمات کے نقوش وآثار چھوڑے۔

تلاوتِ قرآن سے آپ کو بے حد شغف تھا، فن تجوید وعلومِ قراءت پر آپ کی گہری نظر تھی، علم وعمل کے مجسم پیکر تھے، اصلاح وتبلیغ کا پاکیزہ عمل بھی جاری تھا، تصنیف وتالیف کے فرائض بھی انجام

پار ہے تھے، تزکیۂ قلب وتزکیۂ باطن کا بھی درس دیتے رہے، درس وتعلیم وافادہ کی مثالی خدمات میں بھی اخیر وقت تک مصروف وسرگرم عمل رہے اور طلبہ پر شفیق ومہربان استاذ، خاندان کے بہترین مربی، رشتہ داروں کے خیر خواہ اور محسن تھے۔

تدریس وتعلیم: تمام علوم وفنون میں آپ کو مہارت وعبور حاصل تھا، آپ کا مطالعہ وسیع، حافظہ قوی اور ذہن اخاذ تھا، بالخصوص علمِ حدیث سے از حد شغف ولگاؤ تھا اور اس فن میں آپ کو مجتہدانہ بصیرت حاصل تھی، اس فن کی پیچیدہ گرہوں کو بآسانی کھول دیتے اور مشکل مباحث کو بہ سہولت حل فرمادیتے تھے، آپ کے فضل وکمال اور علمی تعمق وتفوق کے بڑے بڑے علما معترف ومداح تھے، ہر علم وفن کی کتابیں آپ کے زیرِ درس رہیں اور بہت ذوق وشوق اور اہتمام والتزام سے تدریسی خدمات انجام دیں، آپ ایک بافیض وکامیاب مدرس ومعلم تھے۔

حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی (متوفی: ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ: ”جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور میں ۸۸/۱۳۸۷ھ کے تعلیمی سال میں ”ہدایہ ثانی“ کا سبق حضرت مولانا زین العابدین معروفی کے پاس تھا، مولانا بہت ذہین وفطین تھے، حافظہ ان کا بہت قوی تھا اور معلومات بہت وسیع رکھتے تھے، سبق کی تشریح مختلف الفاظ میں کرتے، مگر بہت جامع کرتے، مولانا کا رعب طلبہ پر بہت تھا، سبق کا ناغہ کبھی نہ ہوتا، بہت اہتمام سے مطالعہ کرتے اور دل چسپی سے پڑھاتے، ”سلم العلوم“ فنِ منطق کی کتاب ہے، اس سے انہیں بہت مناسبت تھی، خوب پڑھاتے تھے، سلم کے ختم ہونے کے بعد ”شرح ملاحسن“ پڑھائی، اس سبق میں ان کی ذہانت کے جوہر خوب کھلتے تھے“۔

(از: حکایتِ ہستی)

تزکیہ واحسان: نفوسِ انسانی کو نفسانی آلائشوں اور تمام شرک ومعصیت سے پاک کرنے کے لیے کسی متبعِ سنت شیخ کامل سے تعلق، عقیدت اور صحبت ضروری ہے، شیخ سے وابستگی سے انسان کے باطن کی اصلاح ہوتی ہے، رذائل سے قلب کو پاک کرنے اور اخلاقِ حمیدہ سے آراستہ کرنے کی فکر ہوتی ہے، عبادت، تلاوت، ذکر وتسبیح اور ادعیہ ومناجات کا ذوق وشوق پیدا ہوتا ہے، اس سلسلہ میں بھی حضرت والا نے اپنی دعاؤں اور کوششوں سے کام لیا، خود اپنے قلب کو مزین کرکے دوسرے

نفوس کے لیے مزکی بنے، وقت کے کاملین سے اپنا تعلق رکھا اور ان کے فیوض صحبت سے متمتع ہوئے، سلوک کی تکمیل کے بعد اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے، تزکیہ واحسان میں بھی آپ بہترین سالک ورہنما تھے۔ پورہ معروف میں ارشاد وتلقین واصلاح وتربیت کا جو نظام آپ نے قائم فرمایا وہ قصبہ وقرب وجوار کے لوگوں بالخصوص اہل علم کے لیے آپ کا بہت ہی وقیع وقابلِ قدر کارنامہ ہے، جس کے دیرپا ودوررس اثرات مرتب ہوئے، اس کے استحکام وترقی کے لیے آپ نے خوب دعائیں کیں اور مسترشدین ومریدین کی تربیت واصلاح پر خصوصی عنایت وتوجہ فرماتے رہے اور رمضان میں ان کے قیام وطعام واستراحت کے لیے مہینوں سے انتظام کرتے تھے اور فیاضی سے خرچ کرتے تھے، بہت پہلے ایک دفعہ مجھ سے فرمایا کہ: "کئی ماہ سے معتکفین کی ضیافت کے لیے پیسے بچا رہا تھا، الحمد للہ اتنا انتظام ہوگیا ہے"، (اور روپے کی ایک بڑی مقدار بتائی) اس پر مجھے بہت ہی حیرت واستعجاب ہوا۔

اجتماعی ذکر کی مجلس: ہمارے قصبہ "پورہ معروف" میں تصوف کی لائن سے ذکر کی کوئی مجلس؛ اجتماعی طور پر منعقد نہیں ہوا کرتی، آپ علیہ الرحمہ نے اپنے محلّہ کی "ربانی مسجد" میں ذکر کا اجتماعی حلقہ لگانا شروع کیا اور الحمد للہ بہت سے شاغلین وذاکرین اس مجلسِ نورانی میں شریک ہوتے تھے اور اب ہمارے علاقہ میں "ذکر کی مجلس" سے "ربانی مسجد" میں آپ کی قائم کی ہوئی ذکر کی مجلس ہی مراد ہونے لگی اور آپ کا قائم کیا ہوا یہ نظام آپ کے اس دنیا سے رخصت ہوجانے کے بعد آپ کے متوسلین ومریدین ومجازین اچھے طریقہ سے چلا رہے ہیں۔

اخلاق وعادات: آپ بہت ہی متواضع، خلیق، ملنسار اور حلیم الطبع تھے، ہر ایک سے بشاشت وانبساط سے ملتے، اہلِ علم وطلبہ کی بڑی عزت وتوقیر فرماتے، ان کی تشجیع وحوصلہ افزائی کرتے، تعلیم وتعلم کے سلسلے میں اپنے مفید وصائب مشوروں سے نوازتے، مزاج میں سادگی وانکساری تھی، بارہا دیکھا گیا کہ مسجد کی صفائی کررہے ہیں، اگالدان صاف کررہے ہیں، معمولی اور غریب شخص بھی اپنے گھر بلاتا، تو بشاشت سے اس کی دعوت قبول فرمالیتے، تشریف لے جاتے اور دعا فرماتے، مسجد ومدرسہ کے کسی پروگرام کے لیے یا قرب وجوار کے دیہاتوں میں قرآنی مکاتب کے معائنہ کے لیے

یا اپنے گھر جب بھی مدعو کیا تشریف لائے، کبھی کبھی از خود بھی شرف قدوم سے سعادت بخشی، سہارن پور سے گھر آنے پر جو مریض ہوتے، ان کی عیادت فرماتے، مرحومین کی تعزیت کے لیے جاتے اور جنازوں میں اہتمام سے شرکت فرماتے، بہت ہی صابر وشاکر تھے، وقت اور وعدہ کے بہت پابند تھے، تمام کاموں میں نظم وسلیقہ کا بے حد اہتمام تھا، بے اصولی وبے ادبی پر زجر وتنبیہ کرتے؛ لیکن حکمت وشفقت کے ساتھ اور اگر کبھی لہجہ میں سختی ظاہر ہوتی، تو معافی کے خواستگار ہوتے، طعن وتشنیع نہ کرتے، ایک مرتبہ کسی قرآنی لفظ کی تحقیق کے لیے "المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم" مؤلفہ محمد فؤاد عبد الباقی کسی کے ذریعے میرے گھر سے منگایا، اس معجم میں قرآن بھی مطبوع تھا اور اس میں جزودان نہیں لگا تھا، حضرت والا نے نیا جزودان سلوا کر اس میں مذکورہ کتاب رکھ کر واپس کیا، مجھے بہت ندامت وشرمندگی ہوئی، ملاقات ہونے پر کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوئی، انھوں نے بھی کبھی اس کا ذکر نہ کیا، معاملات میں صاف گو وبے باک تھے، دینی، علمی، ملی وسیاسی امور میں دوٹوک فیصلہ کرنے والے تھے، جو کیا علی الاعلان کیا اور جو کچھ کہا برملا کہا، کسی کو بھائے یا نہ بھائے، اس کی کبھی پرواہ نہ کی، ہاں یہ دیکھتے تھے کہ کتاب وسنت کے موافق ہے کہ نہیں۔

اخلاص وللہیت: مولاناؒ کے اندر اخلاص وللہیت کا غلبہ تھا، نام ونمود اور ریا وسمعہ سے دوری تھی، دکھاوے کے ہر کام سے حتی الامکان بچتے تھے اور موقع ومحل کی نزاکت کی پوری رعایت کے ساتھ اپنے مصاحبین، متعلقین ومتوسلین اور طالبین ومدرسین؛ ہر ایک کے مرتبے کے لحاظ سے اس کی ترغیب بھی دیتے رہتے تھے، کبھی صراحتاً، کبھی کنایۃً اور کبھی کوئی واقعہ اور قصہ سنا کر اور کبھی کوئی حکایت نقل کر کے، وغیرہ وغیرہ۔

استیصال بدعات ورسومات: آپؒ بدعات ورسومات کی جڑ اکھاڑ پھینکنے کی حتی المقدور کوشش میں لگے رہتے تھے اور وقتاً فوقتاً اس سلسلہ میں اپنے وعظوں میں بیان بھی کیا کرتے تھے اور شرعی وضع قطع کی پوری پوری پابندی کے قائل تھے، انگریزی بال رکھنے اور ڈاڑھی منڈانے یا غیر مشروع طریقہ پر کٹانے سے بہت دکھی رہتے تھے، اپنی خاص خاص مجلسوں میں اس پر بھی تاکید فرماتے تھے اور کبھی کبھی عیدگاہ میں بھی اس سلسلہ میں نصیحت کرتے تھے؛ بلکہ اپنی آخری بیماری میں

مبتلا ہونے کے بعد اپنے علاقہ کی کئی مسجدوں میں بطور خاص ڈاڑھی ہی کو عنوان بنا کر بڑے دردمندانہ انداز میں نصیحت فرمائی تھی۔

تخصص فی الحدیث کا فیضان علاقہ والوں پر: مولانا کو یہ فکر دامن گیر تھی کہ کسی طرح اپنے علاقہ خاص کر "پورہ معروف" میں آپ سے تخصص فی الحدیث کیا ہوا کوئی شاگرد بن جائے جس سے علاقہ کے لوگوں کو بھی؛ حدیث اور علم حدیث میں اختصاص کا فائدہ پہنچتا رہے؛ چنانچہ اس سلسلہ میں آپ نے بہت کوششیں کیں، بالآخر اپنی زندگی ہی میں آپ نے تین فضلا تیار کر لئے جنہوں نے اس شعبۂ تخصص سے فراغت حاصل کر لی: ایک مولانا محمد شاکر معروفی، دوسرے مولانا نسیم احمد معروفی اور تیسرے مولانا حمزہ معروفی سلمہم اللہ ہیں اور تینوں ہی لوگ ماشاء اللہ اچھے کام میں لگے ہوئے اور اپنی اپنی جگہ مقبول، محبوب ہیں۔ اور اس سلسلہ کو قائم و دائم رکھنے کے لئے آپ عمر عزیز کے آخری ایام میں ضعف ونقاہت کے بڑھ جانے کے باوجود پوری کوشش میں لگے رہے کہ کسی طرح "پورہ معروف" میں بھی تخصصات کے شعبے قائم ہو جائیں؛ چنانچہ اس کے لئے دوڑ دھوپ بھی کی اور قرب وجوار کے علمائے راسخین ومعززین اور متعلقین کے ساتھ اس نیک ارادہ کی تکمیل کے لئے "ربانی خانقاہ" کا سنگ بنیاد بھی رکھدیا اور اس کو آگے بڑھانے کے سلسلہ میں بہت کچھ وصیتیں اور ہدایات بھی فرمادیں اور کچھ خاص خاص باتیں قلم بند بھی کرادیں جو آپ کے صاحبزادہ محترم مولانا عبدالباسط صاحب سلمہ اللہ کے پاس محفوظ ہیں، اللہ اس سلسلہ میں آسانی پیدا فرمائے۔

دعا ومناجات: دعا ومناجات سے آپ کو خاص ذوق تھا اور اس کی حلاوت آپ کو خوب حاصل تھی، دعامیں بہت ہی تضرع، ابتہال اور گریہ وزاری کرتے، اللہ کے حضور میں اپنی بے بسی، کم زوری، عاجزی اور گناہوں کا اقرار واعتراف کرتے رہتے، دعامیں سید الاستغفار عام طور سے ورد زبان ہوتا، ہر وقت، ہر کام اور ہر موقعہ کی ادعیہ مسنونہ پڑھنے کا معمول تھا، وصال سے کچھ ہی دن قبل حاضر خدمت ہوا، بہت سے لوگ موجود تھے، آپ نے پہلے یہ دعا پڑھی "اللهم اجعل خير عمري آخره، وخير عملي خواتيمه، وخير أيامي يوما ألقاک فيه، ياولي الإسلام وأهله، ثبتني به حتی ألقاک، إني أسألک غناي وغنامولاي" اے اللہ! میری آخری زندگی کو بہتر زندگی

اور میرے آخری اعمال کو بہتر اعمال اور آپ سے ملاقات کے دن کو میرا سب سے بہتر دن بنادے، اے اسلام اور مسلمانوں کے کارساز! تجھ سے ملنے کے دن تک مجھے اسلام پہ جمائے رکھ، اے اللہ! میں اپنے لیے اور اپنے رشتہ داروں کے لیے تونگری اور بے نیازی چاہتا ہوں۔

پھر اس دعا کی تشریح کی، پھر وہ طویل دعا مکمل پڑھی، جو "الحزب الاعظم" میں ہے، یعنی :
"اللھم اجعل اوسع رزقک علی عند کبر سنی و انقطاع عمری، یامن لاتراہ العیون، ولا تخالطہ الظنون" (آخر تک) پھر آپ نے فرمایا: ان شاء اللہ! میرا بھی اور متعلقین کا بھی انجام بخیر ہوگا، اللہ تعالیٰ اتنی دعائیں مانگنے کی توفیق عطا فرماتا رہا ہے، یقیناً وہ قبول بھی کرے گا، "الحزب الاعظم مؤلفہ ملا علی قاری متوفی: ۱۰۱۴ھ) کی دعائیں ہم لوگوں کو بھی اہتمام و پابندی سے پڑھنے کی تاکید کرتے رہتے تھے۔

رحلت: غرض آپ درس و تعلیم، اصلاح و تربیت، وعظ و تلقین، تصنیف و تالیف اور مختلف حیثیتوں سے دینی، علمی و تحقیقی کمالات و محاسن کے جامع تھے، موجودہ دور میں علما کی کمی نہیں؛ مگر ایسے عالم جو ہر پہلو سے وارثِ انبیا ہوں، جن میں اخلاص و اخلاق، پاکیزہ اعمال، تدین و تقویٰ، خشیت و انابت کی ساری خوبیاں جمع ہوں، اس دور میں کمیاب ہیں، حضرت والا انہیں میں سے ایک تھے، آپ کی رحلت نہ صرف خاندان و اہالیانِ قصبہ؛ بلکہ ملت کے لیے باعثِ الم و قلق تھی اور آپ کی وفات کو ایک بڑا علمی و ملی خسارہ سمجھا گیا، اگر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ملفوظ ذکر کیا جائے، جو انہوں نے حضرت معاذؓ کی وفات کے بعد فرمایا تھا: "ان معاذ بن جبل كان أمة قانتا لله حنيفا" یعنی لوگوں کی نفع رسانی میں ان کی اکیلی ذات ایک امت و جماعت کی حیثیت رکھتی تھی، تو مبالغہ آرائی سے بالاتر ہوگا۔ آپ رحمہ اللہ کی زندگی قابلِ رشک و قابلِ نمونہ تھی۔

زندگی ایسی گزارو کہ سبھی کو رشک ہو ... موت ہو ایسی زمانہ عمر بھر روتا رہے

اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے اور آپ کی مغفرت فرمائے اور درجاتِ عالیہ عطا فرمائے۔

☆☆☆☆☆

میرے مرشد میرے شیخؒ

مولانا رضوان الرحمٰن معروفی استاذِ حدیث جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب بنارس
وناظم مدرسہ معروفیہ پورہ معروف (مئو)

میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ ہمارے شیخ ومرشد، مشفق ومربی حضرت مولانا زین العابدین صاحب نور اللہ مرقدہٗ وبرد مضجعه وجعل الجنة منزله اتنی جلد ہمیں داغِ مفارقت دے جائیں گے اور متعلقین، متوسلین ومحبین کو غمگین کر جائیں گے؛ کیوں کہ حضرتؒ پر اللہ کا بڑا فضل وکرم تھا کہ حضرت کا بیاریوں سے سابقہ کم رہا الحمد للہ اکثر صحت مند ہی رہے؛ لیکن جب بیماری آئی تو ایسی سخت جان، جو موت کا بہانہ بن گئی۔

جب وفات کی دل گداز خبر پردۂ سماعت سے ٹکرائی تو دل ودماغ معطل ہوگئے، ہاتھ پیر شل ہوگئے، زبان گنگ ہوگئی، آنکھیں ابل پڑیں اور زبان پر جاری ہوا: "إنا لله وإنا إليه راجعون" وفات سے چند دن پہلے میں نے برادرم مولانا حافظ عبد الباسط صاحب زید مجدہٗ سے عرض کیا کہ کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ حضرت کا انتقال ہوگا تو کیا ہوگا؟ مصائب ومسائل کے پہاڑ کھڑے ہو جائیں گے تو مولانا نے بھی برجستہ کہا: یار یہی تو میں بھی سوچتا ہوں؛ لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ جب حضرت کا انتقال ہوا تو سب سے پہلے مجھے خبر دینے والے مولانا عبد الباسط ہی تھے، میرا گمان تھا کہ وہ اس دل دوز موقع پر اس پوزیشن میں نہ ہوں گے کہ وہ کسی کو فون کر سکیں، انہیں خود کو سنبھالنا مشکل ہو جائے گا؛ لیکن جب ان کی آواز میں نے سنی تو محسوس ہوا کہ حضرتؒ کے صبر واستقلال کو دیکھ کر خود ان کے اندر استقامت کی وہی کیفیت پیدا ہوگئی ہے اور انہیں کے رنگ سے رنگین ہوگئے ہیں، پوری ہمت اور جواں مردی کے ساتھ مولانا عبد الباسط صاحب اس جاں گسل موقع پر بول رہے تھے اور حضرت کے سانحۂ انتقال کی خبر دے رہے تھے، اللہ تعالیٰ صاحبزادۂ محترم کو حضرتؒ کا سچا جانشین بنائے، آمین۔

حضرت کا علمی مقام ومنصب: اگر پورہ معروف کے چیدہ ومنتخب علما کی مختصر ترین فہرست بھی تیار کی جائے تو یقیناً وہ فہرست سیدنا ومولانا حضرت مولانا زین العابدین صاحبؒ کے بغیر ناقص ہی رہے گی، پورہ معروف ہی نہیں بلکہ ملک کے نامور ترین اصحابِ علم وفضل میں آپ کا

شمار تھا۔

حضرت اپنی طالب علمی ہی کے زمانہ سے ہمیشہ اپنے اساتذہ ومشائخ کے معتمد خاص رہے، اہل علم نے ہمیشہ آپ کو مقام بلند عطا کیا، ہر جگہ آپ ہی میر مجلس ہوتے تھے، جس مدرسہ میں گئے مرجع الاساتذہ بنے، شیخ الحدیث بنے، مقبول ترین استاذ بنے، جو کتاب پڑھائی اس کا حق ادا کر دیا، جو مضمون لکھ دیا عظمت ووقعت کی نظروں سے پڑھا گیا، جو کتاب تصنیف فرمائی محقق ومدلل تسلیم کی گئی، کسی کتاب کی اگر حضرت نے تصویب وتحسین فرمادی تو نظروں میں جچ گئی جس پر نقد کر دیا وہ نگاہوں سے گرگئی، اس لئے عام مصنفین تقریظیں لکھوانے سے گھبراتے تھے، حضرت ایک ایک حرف پڑھنے کے بعد ہی کتاب پر اپنی کوئی رائے تحریر فرماتے تھے، جچی تلی رائے رکھتے تھے، مبالغہ آمیزی آپ کو پسند نہ تھی، کسی کی بے جا رعایت نہیں کرتے تھے اور نہ کسی کی بلا وجہ دل شکنی کرتے تھے، حضرت کی خوردبیں نگاہوں سے کیا مجال کہ کوئی معمولی غلطی بھی چھوٹ جائے۔

آپ کے علم میں پہاڑ کی سی صلابت، سمندر کی سی گہرائی اور صحرا کی سی وسعت تھی، تدریسی، دعوتی اور اصلاحی مصروفیات کے ساتھ ساتھ حضرت نے تقریباً پندرہ کتابیں تصنیف فرمائیں، آپ نے جو لکھ دیا وہ حرف آخر بن گیا، آپ کی تحریریں مختصر مگر جامع اور پر مغز، گویا ''دریا بکوزہ'' ہوا کرتی تھیں، سادہ، شستہ، سلیس عبارت، کہیں تعقید نہیں، بھاری بھرکم الفاظ نہیں، بیان میں مدوجزر نہیں، مگر قاری کا دامن دل کھینچ لیتی تھیں۔

یہی حال آپ کی تقریر کا تھا، تقریر کیا ہوتی تھی، جیسے منہ سے پھول جھڑ رہے ہوں، اسلوب نرم وسادہ، مگر ہر بات دل سے نکلتی تھی دل پر اثر کرتی تھی، ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کا مصداق ہوتی تھی، آپ ہنسنے ہنسانے والے، لطیفہ گو مقرر نہیں تھے، حضرت اللہ والے تھے، اللہ والوں کی طرح رلا دینے والے وعظ کہتے تھے، خود بھی روتے تھے، مجمع کو بھی رونے پر مجبور کر دیتے تھے، آپ کے وعظ میں سامعین پر سکتہ طاری ہو جاتا تھا، حاضرین واضح طور پر محسوس کرتے تھے کہ ان کے ایمان ویقین کی سطح بلند ہو رہی ہے، حضرت لمبی لمبی تقریروں کے قائل نہ تھے، بات مختصر مگر پر اثر کرتے تھے، حاضرین مجلس سے اٹھتے تھے تو ان کے دل کی دنیا بدل چکی ہوتی تھی، اپنی نا کردنیوں سے توبہ کرتے ہوئے واپس جاتے تھے۔

علمی وروحانی فیضان: حضرت اقدس نوراللہ مرقدہٗ کے علمی وروحانی فیضان کے دو چشمے تھے، ایک چشمے سے علوم نبویہ کے تشنہ لب طالبان سیراب ہوتے تھے، تو دوسرے چشمے سے بگڑے ہوئے انسانوں کی اصلاح وتربیت اور ان کے دلوں کے تزکیہ کا کام ہوتا تھا، الحمدللہ ناچیز حضرت کے علمی فیضان سے محروم نہ رہا، بدقسمتی سے باضابطہ داخل درس ہوکر حضرت کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے کا موقع میسر نہ ہوا، تاہم امام محمد بن محمد بن سعید سنبل کی کتاب الاوائل پڑھ کر کتب احادیث کی اجازت حضرتؒ سے حاصل کرنے کا شرف حاصل ہوا، اس طرح ناچیز حضرتؒ کے شاگردوں کی قطار میں مختصر ترین راستے سے شامل ہوگیا، جن خوش نصیبوں نے اس چشمۂ صافی سے کوئی جرعہ پیا وہ علوم حدیث کے لائق فائق استاذ، قابل اعتماد محقق اور مستند مصنف بن کر ملک وبیرون ملک میں چمکے۔

مگر اصلاً ناچیز کا تعلق اصلاح وتربیت والے چشمہ سے تھا، اسی راہ سے حضرت اقدس نوراللہ مرقدہٗ کی خصوصی عنایات وتوجہات مجھے بھرپور حاصل رہیں، جو اہل سعادت اس چشمۂ ہدایت سے اپنی روحانی تشنگی بجھانے کے لئے حضرت اقدسؒ کے دامن سے وابستہ تھے، ان کی طویل فہرست ہے؛ تاہم ان میں سے تین بزرگ ایسے خوش نصیب ہوئے جن کی اصلاح تکمیل کو پہونچی اور حضرتؒ نے ان کو اجازت بیعت اور خرقۂ خلافت سے نوازا۔

(۱) حضرت الحاج الحافظ عبداللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ، جو حضرت سے تقریباً ایک سال پہلے اللہ کو پیارے ہوگئے، جب تک حضرت حافظ صاحبؒ حیات رہے ایسا لگتا تھا کہ آفتاب ومہتاب دونوں ایک ساتھ اتر کر آگئے ہیں، اللہ کے دونوں دوستوں کے انوار سے مسجد بقعۂ نور بنی ہوئی تھی، ایک گوشہ میں حضرتؒ کا قیام، حضرت کے دائیں بائیں حافظ صاحبؒ کا بوریہ بستر، اور دونوں کے جلو میں عقیدت مندوں کا حصار، کیا مقام دید تھا؟ دیکھنے والے دیکھتے رہتے، اپنی آنکھوں کی روشنی بڑھاتے رہتے، محو حیرت رہتے، اِن کو دیکھیں کہ اُن کو دیکھیں، جن پر نظر پڑتی خدا یاد آتا، ایمانی حرارت میں اضافہ ہوتا، عمل کا جذبہ بیدار ہوتا، گناہوں پر ندامت کا احساس جاگ اٹھتا۔

ایک طرف حضرت نوراللہ مرقدہٗ مسترشدین کی اصلاح وتربیت میں مشغول رہتے، ان کو ذکر کی تلقین کرتے، دنیا سے بے رغبتی، اللہ سے تعلق، اتباع سنت، اخلاص وللّٰہیت، سادگی، تسلیم ورضا، صبر

وقناعت کا درس دیتے تو دوسری طرف ان اوصاف کا کامل نمونہ حافظ صاحب مرحوم تھوڑے ہی فاصلہ پر تلاوت وعبادت میں مشغول نظر آتے، گویا دیکھو مصحف الٰہی پر ہمہ تن جھکا ہوا یا عمر رسیدگی کے باوجود نوافل میں ستون کی طرح کھڑا اللہ کا یہ سیدھا سادہ ولی صلاح وتقویٰ کا کامل نمونہ موجود ہے، بننا ہے تو ان جیسا بنو، جی ہاں! یہ نورانی منظر منہاج نبوت کا مظہر ہے، نبی آخرالزماں ﷺ کے فیض صحبت سے صحابۂ کرامؓ کی مقدس جماعت جو تیار ہوئی وہ جناب رسالت مآب ﷺ کی تعلیمات کا کامل نمونہ تھی، اس لئے عرش معلیٰ سے ان کے معیار حق ہونے کا اعلان کیا گیا اور قیامت تک آنے والی انسانی نسلوں کو حکم ہوا: آمنو اکما آمن الناس، ایسا ایمان لاؤ جیسا صحابہ ایمان لائے۔

حضرت اقدس نوراللہ مرقدہٗ فرماتے تھے: حافظ عبداللطیف صاحب کی نسبت بہت قوی ہے، اور یہ اثر ہے ان کی کثرت تلاوت کا، کلام الٰہی تعلق مع اللہ کا سب سے قوی ذریعہ ہے، حضرت حافظ صاحبؒ روزانہ ایک منزل صرف نوافل میں پڑھتے تھے اور تین پارہ ناظرہ کا معمول تھا، اس کے علاوہ اذکار واوراد کی زبردست پابندی، شیخ سے والہانہ محبت وعقیدت، خدمت شیخ میں ہمہ وقت کی حاضری نے حافظ صاحب کو کندن بنادیا تھا، دنیا کی چمک دمک نے ان کی آنکھوں کو کبھی چکاچوند نہیں کیا بلکہ حطام دنیا سے اپنے دامن کو صاف صاف بچالے گئے۔

ربانی خانقاہ میں سب سے زیادہ حاضر باش یہی مرد مومن تھا، پورے رمضان حاضری میں کوئی تخلف نہیں ہوتا تھا، صبح دس بجے کے آس پاس طلوع ہوجاتے اور شام تک ہر مجلس میں پیش پیش رہتے، اخیر عشرہ میں پچیسوں سال سے بلا ناغہ معتکف رہے، اللہ حافظ صاحب کو غریق رحمت کرے، ان کے درجات بلند فرمائے، ان کے نہ رہنے سے خانقاہ سونی ہوگئی۔

دوسرے خلیفہ محترم جناب ممتاز احمد صاحب پہلوان اخیر عشرہ میں اعتکاف کے لئے آجاتے تھے، پہلوان تھے مگر حضرت کی صحبت نے ان کو ایسا شائستہ بنادیا کہ پہلوانوں کی شدت وغلظت، تندی درشتی سب کافور ہوگئی، نرم گفتاری، سادگی اور تواضع کا پیکر بن گئے، یک سوئی، اختلاط سے دوری، معمولات کی پابندی، شیخ کی محبت میں سرشاری، ملاقات میں خندہ روئی، کلام میں شیرینی آپ کے خصوصی اوصاف ہیں، حضرت آواز دیتے: پہلوان! بچوں کی طرح دوڑ کر جاتے اور شیخ کی خدمت کر کے مسرور واپس ہوتے، شجرۂ منظومہ بڑے درد سے پڑھتے تھے، اعتکاف کا ایک ایک لمحہ خوب

وصول کرتے تھے، ذکر و تسبیح اور تلاوت میں ہر وقت مشغول رہتے، ایک منٹ بھی ضائع نہیں کرتے، پتہ نہیں رات میں کب سوتے تھے، کب جاگ جاتے تھے، اللہ پہلوان صاحب کو سلامت رکھے اور صحت و عافیت کے ساتھ ان کا سایہ ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھے، حضرت کے تیسرے خلیفہ حضرت مولانا قاری عبدالستار صاحب نائب شیخ الحدیث مدرسہ امدادالعلوم وڈالی گجرات ہیں، یہی حضرت کے خلفاء میں ذی علم شخصیت ہیں، قراءت سبعہ میں حضرت رحمہ اللہ کے شاگرد خاص ہیں، حضرت جس زمانہ میں دارالعلوم چھاپی میں تھے، یہ بھی وہاں کے عربی درجات کے مدرس تھے، حضرت نے انہیں خارج میں پڑھا کر اس علاقہ میں قراءت سبعہ کی بنیاد رکھی، ورنہ گجرات کا یہ شمالی خطہ اس فن کے جاننے والوں سے خالی تھا، اب الحمد للہ قاری عبدالستار صاحب مدرسہ امدادالعلوم وڈالی میں درس بخاری شریف کے ساتھ ساتھ قراءت سبعہ کے طلبہ کو بھی فیض پہنچا رہے ہیں، جب تک یہ علاقہ اس علم سے آباد رہے گا ہمارے حضرت رحمہ اللہ کے نامۂ اعمال میں اضافہ ہوتا رہے گا۔

گجرات کا پہلا اعتکاف: خلافت ملنے کے بعد قاری صاحبؒ وہیں اپنے علاقہ ہی میں خانقاہ سجاتے اور سالکین کی اصلاح وتربیت کرتے ہیں، جس سال یہاں اعتکاف کا آغاز ہوا حضرت اقدس نوراللہ مرقدہٗ کو قاری صاحب اور ان کے رفقاء مولانا محمد یعقوب صاحب نائب ناظم دارالعلوم چھاپی و ماسٹر محمد مصطفے صاحب نے حضرت کو مدعو کیا حضرت نے اس مخلصانہ دعوت کو قبول کیا اور گجرات تشریف لے گئے، اس کی وجہ یہ تھی کہ شمالی گجرات میں دو ضلع ہیں، ایک سابر کانٹھا، دوسرا بناس کانٹھا، سابر کانٹھا کے ایک گاؤں ''ماہی'' میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب دامت برکاتہم کی خانقاہ عرصہ سے قائم ہے، بناس کانٹھا میں کوئی خانقاہ نہ تھی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ چاہتے تھے یہاں بھی ذکر کا حلقہ قائم ہو، اسی مقصد سے حضرت نے گجرات کا سفر کیا اور ایلول ضلع بناس کانٹھا کی جامع مسجد میں عشرہ اولیٰ کا اعتکاف کیا اور مسلسل تین سال اعتکاف کیا، سال اول میں احقر کو بھی حضرت کی صحبت میں سفر گجرات اور اعتکاف کی سعادت حاصل ہوئی، ایلول کی مسجد میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حلقۂ ذکر قائم کیا اور دعوت وارشاد کی بناء رکھی، دور دور سے سفر کر کے عقیدت مندوں کا ہجوم حاضر ہوا، اور اپنی اپنی بساط کے مطابق اپنا اپنا دامن بھر بھر لے گئے، سیکڑوں لوگوں نے حضرت اقدس نوراللہ مرقدہٗ کے دست حق پرست پر بیعت کی، پورے دس روز تک خانقاہی نظام پابندی کے ساتھ چلتا رہا، بعد نماز

تراویح حضرت کا وعظ روزانہ ہوتا رہا، لوگ مستفید ہوتے رہے، مستورات میں بھی حضرت کا وعظ ہوا، اور کثرت سے خواتین بھی بیعت ہوکر حضرت کے ارادت مندوں کی فہرست میں شامل ہوئیں۔

اس سفر میں احقر کے علاوہ حضرت حافظ عبداللطیف صاحبؒ اور استاذ محترم حضرت مولانا شبیر احمد صاحب مدظلہ العالی بھی ساتھ تھے، بیسیوں لوگوں نے پورے عشرے کا اعتکاف کیا اور اس سے کم مدت کے لئے بڑی کثرت سے لوگ حاضر ہوئے، منظر قابل دید تھا، انوار و برکات کا نزول چشم بصیرت والوں نے خوب دیکھا اور خوب مستفید ہوئے، میزبانی قابل رشک تھی، لوگ تواضع سے گرے جاتے تھے، پلکوں کو نہیں بلکہ قلب وجگر کو فرش راہ بنادیا تھا، پروانہ وار نثار ہوئے جاتے تھے، حضرت کے ارد گرد چاند کے ہالے کی طرح حصار بنا رکھا تھا، ہر وقت حاضرین ہمہ تن گوش رہا کرتے تھے، ادھر کوئی کلمہ زبان مبارک سے نکلتا ادھر دل کی ڈائری میں نوٹ ہوا، جوں جوں شام ہوتی تھی اور افطار کا وقت قریب ہوتا تھا، ہر گھر سے لوگ افطاری کے سامان دسترخوان پر لا لاکر سجانا شروع کردیتے تھے ،نماز مغرب کے بعد چائے کے نام پر چائے سے پہلے ہی نہ جانے کیا کیا چیزوں کی صف بندی شروع ہوجاتی تھی، بعدہ قبیل عشا پھر دسترخوان، اس پر گجراتی طرز کے لذیذ ترین پکوان، یہ لوگ چاہتے تھے کہ مہمانوں کو کیا کھلادیں کیا پلادیں، کیا کیا راحت کے سامان فراہم کردیں، کھانے والے سیر ہوجاتے؛ مگر کھلانے والے آسودہ نہ ہوتے، اس طرح دس دن کا قیام تمام ہوا، واپسی کا وقت قریب ہوا، روانگی کے وقت پوری بستی گھروں سے نکل آئی، یہ منظر بھی عجیب وغریب تھا، سیکڑوں پرنم آنکھوں نے ہمارے قافلے کو الوداع کہا؛ مگر یہ شرط بھی لگادی کہ حضرت آئندہ سال پھر تشریف آوری کی منظوری بھی دیتے جائیں۔

ایلول سے روانہ ہوکر دار العلوم چھاپی میں قافلہ وارد ہوا، حضرت نور اللہ مرقدہ کے جاں نثار شاگرد، اور دار العلوم چھاپی کے نائب ناظم مولانا محمد یعقوب صاحب مدظلہ نے اساتذۂ کرام ومعززین شہر کے ہمراہ زبردست استقبال کیا، آج روزہ یہیں مولانا کے گھر پر افطار کرنا تھا، اشیائے خورد ونوش قسم قسم کی موجود تھیں، اس طرح دسترخوان سجا ہوا پہلی مرتبہ دیکھنے کو ملا، بعد نماز مغرب پھر پوری آب وتاب کے ساتھ عشائیہ سجایا گیا، کھانے سے فراغت کے بعد پالن پور اسٹیشن کے لئے روانگی ہوئی، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اپنے رفقاء کے ساتھ اسٹیشن تک چھوڑنے آئے، ٹرین پر

سوار کراکے ہی یہ لوگ بادل ناخواستہ واپس ہوئے ،اللہ ان حضرات کوان کی محبت کا بھر پور صلہ عطافرمائے۔

ربانی خانقاہ کا قیام: حضرت نوراللہ مرقدہ کے پیرومرشد، شیخ المشائخ ،زبدۃ السالکین، قدوۃ العارفین، ابوالابرار حضرت مولانا عبدالجبار صاحب قدس سرہ ڈابھیل گجرات میں رمضان شریف گذارتے تھے، شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات کے بعد وہاں کے محبین ومریدین کا ایک موقر وفد حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے ملااور درخواست کی کہ حضرت اپنے شیخ ومرشد کی یہ مسندارشاد چل کر سنبھالیں، کیوں کہ حضرت شیخ کے خلفاء میں ہمارے حضرت مولانا زین العابدین صاحبؒ سے زیادہ ذی علم شخصیت نظر نہ آتی تھی، کیوں کہ حضرت نوراللہ مرقدہٗ کواپنے شیخ کا جواعتماد حاصل تھا، وہ کسی اور کے حصہ میں نہ آسکااور یہ بات شیخ کے تمام مریدین جانتے تھے،اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت شیخ علیہ الرحمہ جب بخاری شریف کی شرح ''امدادالباری'' تصنیف فرمارہے تھےتو اس کتاب کی تصحیح اوراس پرنظرثانی کا کام ہمارے حضرت نوراللہ مرقدہٗ کوہی سپردکررکھاتھا، جب شیخ نے اپنی حیات میں اعتمادکااظہارفرمایاتوان کے عالی مقام صاحبزادگان نے حضرت شیخ کی وفات کے بعد امدادالباری کاتکملہ تصنیف کرنے کے لئے حضرت نوراللہ مرقدہٗ کوہی منتخب فرمایا،اس لئے ڈابھیل کے متوسلین کی نظرانتخاب حضرت رحمۃ اللہ علیہ پرپڑی، یہ حضرات یقیناً مخلص تھےاوران کی رائے اخلاص پرمبنی تھی، یہ انتخاب بھی ان حضرات کاحسن انتخاب تھا،اس کے علاوہ کوئی دوسری صورت اس سے بہتر نہیں ہوسکتی تھی؛ کیوں کہ شیخ کی مسندوہی خلیفہ باحسن وجوہ سنبھال سکتاہے جوشیخ کاسب سے زیادہ معتمداورمنظورنظرہو؛لیکن دوسری طرف حضرت نوراللہ مرقدہٗ کے اخلاص نے اس کی اجازت نہیں دی،حضرتؒ نے فرمایا: ڈابھیل کی خانقاہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی سجائی ہوئی ہے،ملک وبیرن ملک سے طالبین ومسترشدین کے جوق درجوق قافلے آتے ہیں اوراپنی اپنی تشنگی بجھاتے ہیں، وہاں جاکر بیٹھ جاناہےاورکام شروع کردیناہے، وہاں کوئی مجاہدہ نہیں،کوئی بھی کام کرسکتاہے،حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کےخلفاء میں سےکسی کوبھی لےلیں کوئی فرق نہیں پڑےگا،مجھے پورہ معروف میں رہنے دیں، جہاں سب پیاسے ہی پیاسے ہیں اورستم یہ ہے کہ ان کواپنی پیاس کا احساس بھی نہیں، میراعلاقہ جوحضرت شیخ کاوطن بھی ہے،ذکرسے خالی ہے،یہاں اگرمجلس ذکرقائم کی جائےتوایک

نیا کام ہوگا، ایک مرکز رشد وہدایت کا اضافہ ہوگا، میں اگر ڈابھیل میں بیٹھ جاؤں تو یہ لوگ وہاں جانے سے رہے، اس لئے پورہ معروف میں ہی رہنا میرے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے، التأسیس خیر من التأ یید۔

آفریں صد آفریں، یہ عین مزاج نبوت ہے، اپنے لئے مجاہدہ، دوسروں کے لئے آسانی، اپنے لئے عزیمت، دوسروں کے لئے رخصت، جناب رسالت مآب ﷺ کی پوری زندگی پر نظر ڈالئے، قدم قدم پر یہی اسوہ ملتا جائے گا، اپنے گھر والوں سے کہہ دیا تم زکوٰۃ دے تو سکتے ہو لے نہیں سکتے، امت سے کہا تمہارے لئے زکوٰۃ لینا دینا دونوں جائز ہے، خود صوم وصال رکھتے تھے، امت کو محض شفقتاً منع فرماتے تھے، خود بھوک کے مارے دو پتھر بطن مبارک پر باندھے ہوئے ہیں مگر جان نثار غلاموں کا ایک پتھر بھی دیکھا نہ جاتا تھا، ہجرت شروع ہوئی تو سب کو آگے بھیج دیا، جب سب کو بھیج کر فارغ ہوئے اور تمام قبائل کی تلواریں ننگی ہوگئیں تو جان ہتھیلی پر لے کر نکلے اور اپنے ساتھ رفیق غار سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ساتھ لیا؛ چوں کہ صدیق اکبر کو خلیفۃ الرسول بننا تھا، اس لئے ان کے لئے بھی آپ ﷺ نے اپنے جیسا مجاہدہ پسند فرمایا، اللہ کے دوستوں کا یہی مزاج ہوتا ہے، یہی ہمارے حضرت نور اللہ مرقدہٗ کا مذاق تھا، ڈابھیل گجرات کا علاقہ شیخ المشائخ ابوالابرار حضرت مولانا عبدالجبار صاحب قدس سرہٗ کا ہموار کیا ہوا علاقہ ہے، وہاں کوئی محنت نہیں، بلکہ استقبال ہے، قبول عام ہے، اعزاز واکرام ہے، طالبین کا ازدحام ہے۔

اس کے برعکس جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے پورہ معروف میں حلقۂ ذکر قائم فرمایا تو بے گانگی اور اجنبیت کا ماحول تھا، بالکل ایسا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: بدأ الاسلام غریباً (اسلام شروع میں آیا تو اجنبی تھا) بالکل اسی طرح جب پورہ معرف میں ذکر جہری کا آغاز ہوا تو اکثر لوگوں نے تعجب کی نگاہ سے دیکھا، بعضوں کو وحشت ہوئی، بدکے، دور ہوئے، مگر اللہ کا نام اثر کئے بغیر نہیں رہا، کانوں میں پڑتے پڑتے نہ صرف مانوس ہوا بلکہ رس گھولنے لگا، حضرتؒ کا ذکر جاری رہا، رفتہ رفتہ لوگ قریب ہوتے گئے، حلقہ بڑھتا گیا، دائرہ وسیع ہوتا گیا، سیکڑوں لوگوں نے حضرت کے ہاتھ پر توبہ کی ارادت مندوں میں شامل ہوئے، بہت سے بیعت سے رہ بھی گئے، تاہم معتقدین ومحبین میں تو سبھی شامل ہوگئے، ابتداءً مولانا عبدالرؤف صاحب کی مسجد میں خانقاہی

نظام چلتا تھا، پھر ربانی مسجد تعمیر ہوئی تو خانقاہ بھی منتقل ہوگئی، مسترشدین کا حلقہ وسیع ہوا، مسجد تنگ ہوگئی، مسجد کی توسیع ہوئی پھر تنگ ہوئی، آخر تک یہی حال رہا، کہ قبیل افطار جو دعا ہوتی تھی اس میں شریک ہونے والوں سے مسجد کھچا کھچ بھر جاتی تھی، افطار کے وقت جب دستر خوان لگتے تھے، تب بھی مسجد میں کوئی گوشہ خالی نہ بچتا تھا، مغرب کی نماز میں وضوخانہ اور مسجد کی چھتوں کے اوپر صفیں لگتی تھیں، جب ساری جگہیں پر ہوجاتی تھیں تو بعض دفعہ دیکھا گیا کہ بعض لوگ جگہ نہ ملنے کی وجہ سے جماعت میں شریک نہ ہوسکے۔

رمضان کا نظام الاوقات: حضرت نور اللہ مرقدہٗ کے یہاں وقت کی بہت قدر تھی، کوئی لمحہ ضائع نہیں ہونے دیتے تھے، پھر اوقات رمضان کا کیا پوچھنا، ایک ایک لمحہ مشغول طاعت ومصروف عبادت ہوا کرتا تھا، سونے، کھانے، اور دیگر ضروریات میں کم سے کم وقت صرف کرتے تھے، اسی لئے ماہِ مبارک کے ایک ایک لمحہ کو کارآمد بنانے کے لئے روز اول سے نظام الاوقات کی پابندی شروع ہوجاتی تھی اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ خود اپنے دست خوش رقم سے کتابت کرکے مسجد کے بیرونی حصہ میں آویزاں کردیا کرتے تھے، تاکہ واردین کو آتے ہی پورے نظام سے واقفیت ہوجائے اور دوران قیام اس کی خلاف ورزی کرکے اذیت نہ پہونچائیں، کوئی ناوقت مصافحہ کے لئے پہونچتا تو حضرت کبیدہ خاطر ہوجاتے اور فرماتے: جایئے نظام الاوقات پڑھ لیجئے، ملاقات کا کیا وقت ہے دیکھ لیجئے۔

اوقات کی تنظیم اس طرح تھی: سحری کے بعد اول وقت میں فجر کی نماز ہوتی تھی، بعدہٗ ساڑھے آٹھ بجے (۳۰۔۸) تک آرام، بعدہٗ ۱۱/ بجے تک انفرادی اعمال، ۱۱ تا ۱۲/ بجے مسائل کی تعلیم، بعدہٗ تا نماز ظہر ملاقات وڈاک، بعد نماز ظہر ختم خواجگان ودعا، دعا کے بعد تصوف کی تعلیم تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک، بعدہٗ بیعت، بیعت کے بعد ذاکرین سے ان کے احوال کے بارے میں گفتگو عصر تک، بعد نماز عصر فضائل کی عمومی تعلیم، اس کے بعد ذکر جہری ودعا افطار تک، بعد نماز مغرب چائے کا وقفہ، اور عشاء سے آدھا گھنٹہ پہلے طعام، بعد نماز تراویح صوفیا کے احوال پر کوئی کتاب ایک گھنٹہ پڑھی جاتی تھی، مثلاً تاریخ مشائخ چشت وتسلسلات امدادیہ وغیرہ، یہ تھا نظام الاوقات پورے رمضان کا، مگر مسجد تقریباً چوبیس گھنٹے اعمال سے آباد رہتی تھی، صرف بارہ بجے سے دو گھنٹے معتکفین آرام فرماتے تھے، دو بجے سے اللہ کے تہجد گذار بندے نوافل میں مشغول ہوجاتے تھے، ۲۷/ کی رات تو

پوری شب بیداری کی رات ہوتی تھی، رمضان کیا تھا، ایک موسم بہار تھا، انوار وبرکات کی موسلا دھار بارشیں یہیں نظر آتی تھیں، کبھی کسی سے سنا تھا: رمضان کله عید (رمضان کا ہر دن عید اور ہر رات شب برأت ہے'' اس کا مشاہدہ یہیں ربانی مسجد میں ہوا، ایسی عید کہ جس پر ہزاروں عیدیں قربان، ایسی بہار کہ جس پر ہزاروں بہاریں فدا۔

خانقاہ کا ظاہری منظر: الحمدللہ ربانی خانقاہ کے علاوہ بعض دوسری خانقاہوں میں بھی احقر کو حاضری کی سعادت حاصل رہی ہے، مگر اس خانقاہ کا انداز ہی نرالا تھا، جو سادگی ہم نے یہاں دیکھی کہیں نظر نہیں آئی، رمضان شروع ہوتے ہی ایک سادہ سا مصلیٰ اور ایک چھوٹا سا معمولی گاؤ تکیہ شمالی گوشہ میں لاکر لگا دیا جاتا، حضرت یہیں تشریف رکھتے، سامنے ایک تپائی رکھ دی جاتی، دائیں طرف مغربی دیوار سے متصل دو خانوں کا معمولی سا ایک ریک، جس پر قرآن کریم اور تصوف ودعا وغیرہ کی چند کتابیں رکھی تھیں، ان چیزوں میں اس قدر سادگی تھی کہ بیان سے باہر، ذرا تصور کیجئے خانہ ساز کپڑوں (ریچکاری) کے سلے ہوئے تکیوں اور گدوں سے زیادہ سادہ کیا ہوسکتا ہے، ختم خواجگان کے لئے کھجور کے جو بیج پھیلائے جاتے تھے وہ بھی خانہ ساز ریچکاری ہی پر، دسترخوان جو لگائے جاتے تھے وہ بھی عام قسم کے پلاسٹک کے ہوتے تھے، پوری مسجد کا منظر آپ دیکھیں گے کوئی سامان اعلیٰ معیار کا نہیں تھا، جتنے پنکھے مسجد میں لگے ہیں سب الگ الگ وضع کے ہیں، آج تک پوری مسجد چونا کاری، کھڑکیاں اور دروازے رنگ وروغن سے محروم ہیں گویا سب چیزیں مل کر جو منظر پیش کرتی تھیں وہ حضرت کی سادگی اور درویشی کی منہ بولتی تصویر تھی، واقعی حضرت نے دنیا سے کچھ نہیں لیا، بس اتنا جتنا کہ ''ولاتنس نصیبک من الدنیا'' کی رو سے بقدر ضرورت لینے کا حکم ہے، اسراف سے نفرت، نمائش اور ٹیپ ٹاپ سے کوسوں دور، فقیرانہ زندگی گزار دی، دنیا سے کچھ نہ لیا، ہاں مگر آخرت کا بہت کچھ سامان تیار کرلیا۔ اور لوگوں کو بہت کچھ دے گئے۔

مسائل کی تعلیم: تعلیم کا حلقہ ۱۱ بجے لگ جاتا تھا اور ۱۲ بجے تک تعلیم ہوتی تھی، مسائل کے لئے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ قدس سرہٗ کے مشہور عالم کتاب ''بہشتی زیور'' پڑھ کر سنائی جاتی تھی شروع رمضان میں حضرتؒ خود پڑھتے تھے، جب مولانا عبدالرحمٰن صاحب چمپارنی عشرہ اخیرہ کے اعتکاف کے لئے حاضر ہوجاتے تھے تو ان کے سپرد ہوجاتی تھی،

منتخبات پڑھ کر سنایا کرتے تھے، روزہ، زکوۃ اور اعتکاف کے مسائل کے علاوہ معاشرت اور معاملات کے مسائل بطور خاص پڑھ کر سنائے جاتے تھے، تاکہ حقوق العباد کی اہمیت اور اس کے مسائل سے بھی واقفیت حاصل ہو؛ کیوں کہ حقوق العباد کا معاملہ جتنا اہم ہے اتنی ہی ان کی طرف سے معاشرہ میں سب سے اعتنائی اور غفلت برتی جارہی ہے، جس مسئلہ کو اہم سمجھتے اس کو دوبارہ پڑھواتے اور تشریح کی ضرورت ہوتی تو تشریح فرماتے تاکہ حاضرین کو خوب سمجھ میں آجائے۔

مسائل کی تعلیم کے لئے آخر بہشتی زیور کا انتخاب کیوں؟ اس سوال کے جواب میں حضرتؒ فرماتے تھے: بہشتی زیور نہایت مستند کتاب ہے، اس میں صرف انہی مسائل کو لکھا گیا ہے جو مفتی بہا ہیں، اگرچہ یہ عورتوں کے لئے لکھی گئی ہے تاہم یہ مرد وعورت سب کے لئے یکساں مفید ہے، اس لئے حضرتؒ اپنے مریدین کو اس کتاب کے مطالعہ کی اس طور پر تاکید فرماتے تھے اور کہتے تھے روزانہ ایک وقت مقرر کر کے اس کتاب کا تھوڑا سا حصہ پڑھ لیا کرو، مسائل ہمیشہ مستحضر رہیں گے۔

تصوف کی تعلیم: ختم خواجگان کے بعد تعلیم کا حلقہ لگتا تھا، اس حلقہ میں دو کتابیں باری باری پڑھی جاتی تھیں، ایک امداد السلوک، دوسری اکمال الشیم، اکثر پہلے امداد السلوک چلتی تھی، جس میں تصوف کی حقیقت، شیخ کے اوصاف ومقامات تصوف وغیرہ کا بیان ہے، امداد السلوک جب مکمل ہوجاتی تھی تو اکمال الشیم شروع ہوتی تھی، حضرت فرماتے تھے کہ یہ کتاب دل کی بیماریوں کا پوسٹ مارٹم کرتی ہے، واقعی کتاب پڑھنے والا محسوس کرتا ہے کہ کتاب اس کے دل کا آپریشن کررہی ہے اور بیماریوں کو کھوج کر نکالتی ہے، دل صاف ہورہا ہے، امراض دور ہورہے ہیں، قلب کو توانائی مل رہی ہے، ایمان تازہ ہورہا ہے، یقین کو جلا مل رہی ہے، معرفت کا نور جگمگا رہا ہے، خلاصہ یہ کہ دل کی دنیا بدلتی ہوئی صاف محسوس ہوتی تھی، یہ کتاب حضرت رحمہ اللہ اکثر وبیشتر مجھ ناچیز سے پڑھواتے تھے، یہ حضرت کی ذرہ نوازی تھی اور مجھ ناچیز کے لئے موجب سعادت، اسی لئے احقر کو اس مجلس میں حاضری کا بڑا اہتمام تھا، سننے والوں نے خوب نفع اٹھایا؛ مگر سنانے والا اپنی بدقسمتی سے محروم ہی رہا، جیسے نابینا کے ہاتھ میں چراغ۔

ختم خواجگان: نماز ظہر کے بعد ختم خواجگان بعدہ دعا کا معمول تھا، ہمارے اکابر کے یہاں اس دعا کا ہمیشہ اہتمام رہا ہے، بزرگوں کے اتباع میں ”ربانی خانقاہ“ میں بھی یہ اہتمام دیکھنے

الا، حضرت فرماتے تھے کہ ختم خواجگان کے بعد دعا کا مستجاب ہونا تجربہ سے ثابت ہے، سب سے پہلے انگلیوں پر دس مرتبہ درود شریف پڑھی جاتی تھی بعدہ تین سو ساٹھ بیجوں پر مذکورہ ذیل دعائیں پڑھی جاتی تھیں: (۱) لا ملجأ ولامنجأ من الله الا اليه ۳۶۰ مرتبہ (۲) سورہ الم نشرح ۳۶۰ مرتبہ (۳) لا ملجأ ولامنجأ من الله الا اليه ۳۶۰ مرتبہ، پھر آخر میں دس مرتبہ درود شریف، حضرت رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ اکابر رحمہم اللہ سے یہی طریقہ منقول ہے؛ البتہ لا ملجأ ولامنجأ من الله الا اليه کا دوبارہ ۳۶۰ مرتبہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کا اضافہ کردہ ہے، اس کے بعد دعا ہوتی تھی، کبھی دعا خود کراتے تھے، کبھی حاضرین میں سے کسی سے دعا کے لئے فرماتے، دیر تک خوب الحاح وزاری کے ساتھ دعا ہوتی، اپنے لئے، امت کے لئے، مظلوم مسلمانوں کے لئے، بیماروں کے لئے اور دینی اداروں کے لئے بطور خاص دعا ہوتی تھی۔

ذکر جہری ودعا: بعد نماز عصر ذکر جہری کی مجلس قائم ہوتی تھی، اس میں تمام مریدین شرکت کرتے تھے، حضرت رحمہ اللہ کا ذکر عجیب وغریب ہوتا تھا اللہ کا نام بڑی لذت سے لیتے تھے، ذکر کی بارہ تسبیحات بڑے اطمینان سے پوری فرماتے تھے، کبھی کبھی حضرت رحمہ اللہ ذکر کے دوران ٹہل ٹہل کر ذاکرین کے ظاہری وباطنی احوال کا معائنہ فرماتے تھے، جیسے کوئی طبیب اپنے مریضوں کا راؤنڈ لیتا ہو، پھر جو کمی کوتاہی دیکھتے اس پر تنبیہ فرماتے، ذکر مکمل ہونے کے بعد پھر دعا ہوتی تھی؛ مگر دعا سے پہلے شجرہ پڑھا جاتا تھا، کبھی خود پڑھتے تھے، کبھی مریدین سے پڑھواتے تھے، فارسی شجرہ تو کئی لوگوں کو یاد تھا؛ مگر اردو زبان والا طویل شجرہ صرف جناب عبد الودود بھائی کو یاد تھا، وقت میں گنجائش ہوتی تو عبد الودود بھائی اپنی نحیف ونازک آواز میں شجرہ پڑھتے تو حاضرین ہمہ تن گوش ہوکر سماعت فرماتے اس کے بعد دعاء ہوتی تھی، کبھی حضرتؒ، کبھی حافظ صاحب، کبھی کوئی اور دعا مانگتا، دعا طویل ہوتی تھی، دعا کرتے کرتے افطار کا وقت قریب ہوجاتا، اس وقت دعا میں شرکت کے لئے دور دور سے لوگ حاضر ہوتے تھے، پورہ معروف کے علاوہ کوپاگنج، مئو، گھوسی وغیرہ سے بھی دعا کے لئے آتے اور شریک ہوتے اور دعا کے بعد پر امید واپس ہوتے۔

ہم لوگوں کی خواہش ہوتی تھی کہ حضرت رحمہ اللہ خود ہی دعا کرایا کریں، احقر نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ حضرت! یہ لوگ دور دور سے آپ ہی کی دعا میں شرکت کے لئے آتے ہیں اور آپ کے رہتے

ہوئے ہم لوگوں کو دعا کرانے میں تکلف بھی ہوتا ہے؛ لہذا دعا آپ ہی کراتے تو اچھا ہوتا، حضرتؒ نے فرمایا کہ میرے شیخ، میرے مرشد حضرت مولانا عبدالجبار صاحب علیہ الرحمۃ بھی اپنے خدام سے دعا کرایا کرتے تھے، دعا کے ذریعہ یہ اندازہ ہوتا ہے کہ داعی کی نسبت کتنی قوی ہے یعنی تعلق مع اللہ کس شخص کا کتنا مضبوط ہوا، ایک دفع فرمایا کہ بھائی حفیظ الرحمٰن (نابینا) کی نسبت بڑی قوی ہے اس کا اندازہ ان کی دعا سے ہوتا ہے۔

دعا کے بعد معمول کے مطابق ذاکرین حلقہ لگا کر بیٹھ جاتے تھے، لوگ پانی تیل کی جو بوتلیں لاتے ان کو حضرت کے علاوہ ذاکرین بھی دم کرتے تھے، یہ بوتلیں پورے دس روز تک دم کی جاتی تھیں آخری دن وہ ہوتا تھا جب محراب سنانے والوں کا قرآن دسویں دن مکمل ہوتا، قرآن ختم کرکے حفاظ کرام بھی دم کردیتے تھے پھر وہ بوتلیں ہٹا کر برآمدے یا شمالی کوٹھری میں رکھ دی جاتی تھیں پھر دوسرے عشرہ میں دوسری نئی بوتلیں ان کی جگہ لے لیتی تھیں، اس طرح عشرہ اخیرہ میں ان کی تعداد سیکڑوں تک پہنچ جاتی تھی، لوگوں کا اعتقاد تھا کہ حضرت کے دم کردہ اس پانی میں اللہ نے اپنے فضل سے تاثیر شفا رکھی ہے، کئی لوگوں نے خود احقر سے بیان کیا کہ اس پانی سے ان کا مریض شفایاب ہوا، جب کہ وہ ہر قسم کے علاج سے مایوس ہوچکے تھے، حافظ محمد ارشد صاحب کے کندھے میں شدید درد تھا اسی پانی سے بفضلہٖ تعالیٰ افاقہ ہوا؛ اس لئے پورہ معروف ہی نہیں؛ بلکہ اطراف وجوانب سے بھی پانی اور تیل سے بھری شیشیاں لائی جاتی تھیں اور دس روز تک حضرتؒ اور ذاکرین بارہ تسبیحات کا ذکر جہری کرکے دم کیا کرتے تھے، رمضان شریف میں حضرتؒ تعویذ لکھنے کا کام موقوف کردیتے تھے، حاجت مند آتے تھے تو آپؒ اپنے پاس سے دم کیا ہوا پانی عطا فرماتے تھے۔

افطار: پانی دم کرنے کے بعد افطار میں اگر وقت باقی رہ جاتا تو حضرتؒ ذاکرین کو تاکید فرماتے کہ ذاکرین معمولات مکمل کرنے میں لگ جائیں اور وقت میں گنجائش نہ ہوتی تو حکم ہوتا کہ مہمان دسترخوان پر تشریف لے چلیں اور ذکر ودعا میں مشغول ہوجائیں، کبھی کبھی حضرتؒ افطار سے قبل پڑھی جانے والی دعا: "**یا واسع الفضل اغفرلی**"، یا "**اللھم أسئلک برحمتک التی وسعت کل شیء أن تغفرلی**" باآواز بلند پڑھتے، کبھی فرماتے کہ یہ قبولیت دعا کا وقت ہے اور اجتماعی دعا کراتے اور خاص طور پر یہ دعا فرماتے کہ اے اللہ! افطار کے وقت آپ روزانہ دس لاکھ گنہ

گاروں کی مغفرت فرماتے ہیں، ہم سب کو بھی ان میں شامل فرما۔

حضرتؒ کے خادم خاص اور آپؒ کے بھتیجے مولانا عبدالرحیم صاحب اپنے رفقا کے ساتھ دستر خوان لگانے میں مشغول رہتے، ان کی بھاگ دوڑ کے دوران افطار کا وقت ہو جاتا، حضرت افطار میں دو منٹ احتیاط فرماتے تھے، جیسے ہی حضرتؒ بلند آواز سے افطار کی دعا: "أللھم لک صمت وعلی رزقک أفطرت" پڑھتے، سارے لوگ افطار میں مشغول ہو جاتے، حضرت کی کوشش ہوتی کہ افطار مدینہ منورہ کی کھجور سے ہو، جہاں تک ممکن ہوتا اس کا انتظام فرماتے، حضرت کے گھر سے افطاری کا وافر انتظام ہوتا تھا، روزانہ ایک بڑا طبق افطاری کے انواع واقسام سے سجا ہوا لایا جاتا تھا، حضرتؒ تمام روزہ داروں کے لئے مغزیات کا حریرہ ہی بنوایا کرتے تھے اور تمام روزہ دار اس سے شادکام ہوتے تھے، حضرتؒ کے انتہائی نیاز مند حاجی نیاز احمد صاحب بڑی پابندی سے افطاری بھجواتے تھے، خصوصاً ان کی چٹنی بڑی لذیذ بلکہ لذیذ کن ہوا کرتی تھی، ان کے علاوہ محلہ کے دیگر حضرات بھی معتکفین کا خاص خیال رکھتے تھے اور افطاری بھجوا کر خوش ہوتے تھے۔

جو حضرات حضرتؒ سے ملنے یا کسی مجلس میں شرکت کے لئے آتے تھے ان کو حضرتؒ افطار کی دعوت بڑے شوق سے دیا کرتے تھے، اخیر عشرہ میں ان مہمانوں کی تعداد میں خاصا اضافہ ہو جاتا تھا، جوں جوں مہمان بڑھتے جاتے دستر خوان بھی وسیع ہوتا جاتا تھا، حتیٰ کہ ایک صف کا دستر خوان اخیر عشرہ میں تین چار صفوں تک کشادہ ہو جاتا تھا، جبکہ پہلے دستر خوان میں سے کوئی کمی نہیں ہوتی تھی، یہ برکتیں اللہ والوں کے علاوہ کہاں مل سکتی ہیں؟ "من كان لله كان الله له" کے نظارے خوب ہوتے تھے ، یہی وجہ ہے کہ مہمانوں کی کثرت سے کبھی بھی حضرتؒ گھبرایا نہیں کرتے تھے، بلکہ بے حد خوش ہوتے تھے، ذکر جہری کے بعد جو دعا ہوتی تھی اس کے بعد حضرتؒ اکثر اعلان کرتے تھے: سبھی حضرات افطار کر کے جائیں، پورے دستر خوان پر بنفس نفیس نظر رکھتے تھے، جدھر افطاری کم ہوتی ادھر بھجواتے، دیکھنے والے دیکھتے کہ برکت کا کیسا نزول ہو رہا ہے، کھانے والے سیر ہو جاتے مگر اکثر و بیشتر افطاری بچ جاتی اور بچوں میں تقسیم کی جاتی، پھر بھی باقی رہ جاتی تو تراویح کے دوران چائے کے وقفے میں اس کو نمٹایا جاتا، افطار کے بعد تقریباً ۱۲ سے ۱۵ رمنٹ کی تاخیر سے مغرب کی جماعت کھڑی ہوتی تھی، حضرتؒ کو اس کا اہتمام تھا کہ جو خدام دستر خوان اور برتن سمیٹنے میں مصروف ہیں وہ فارغ

ہوجائیں تب جماعت کھڑی ہو، تاکہ ان کی کوئی رکعت نہ چھوٹے۔

نماز کے بعد حضرت کے گھر سے چائے آتی تھی، حاضرین چائے نوش فرماتے تھے، اس کے بعد عشا سے آدھا گھنٹہ پہلے کھانا لایا جاتا تھا، دسترخوان پر مولانا نیاز احمد صاحب کو یا گنجی قاسم الخیرات ہوتے تھے، ان کی امارت سے ہم لوگ خوب مستفیض ہوتے تھے، خود نہایت کم خور، گویا خوشبوئے طعام سے ہی پیٹ بھر لیتے ہوں، کوئی چیز مقدار میں کم ہوتی پھر بھی ہر پلیٹ میں پہنچادینا انہی کے ہاتھ کی برکت تھی اور انہی کے اخلاص کا کمال تھا۔

تراویح: تراویح تین پاروں کی ہوتی تھی، ہر عشرہ میں ایک ختم، پورے ماہ میں تین ختم، غالباً ۱۴۰۵ھ سے بلاناغہ یہی معمول رہا، تین حفاظ کرام روزانہ ایک ایک پارہ پڑھاتے تھے، حافظ عبداللطیف صاحبؒ ان کے نگراں اور امیر ہوا کرتے تھے، تین پاروں کی تراویح پورے ماہ تسلسل کے ساتھ ہم نے عام مساجد میں تو نہیں سنا، البتہ بہت سے اکابر کے یہاں ماشاء اللہ یہی معمول چل رہا ہے، مبارک ہیں وہ ائمہ اور مبارک ہیں ان کی اقتدا میں پڑھنے والے اللہ کے وہ بندے جنہوں نے کبھی تخلف نہیں ہونے دیا، حضرتؒ فرماتے تھے: ایک ختم پڑھنا یا سننا تو سنت ہے، دو ختم پڑھنا فضیلت ہے اور تین ختم افضل ہے، حضرتؒ افضل پر عمل کرتے تھے، تین پارے بھی اس شان کے ساتھ ہوتے تھے کہ کوئی گھبراہٹ نہیں، کوئی عجلت نہیں، مکمل اطمینان وسکون کے ساتھ، حروف کی ادائیگی اور اصول تجوید کی مکمل رعایت کے ساتھ کل ڈھائی گھنٹے لگ جاتے تھے، درمیان میں تین ترویحوں کے بعد ۱۵/منٹ کا وقفہ استراحت ہوتا تھا، اس میں حضرت کے گھر سے چائے آتی تھی، جن کو استنجے، وضو کا تقاضا ہوتا تھا وہ اپنی حاجت پوری کرتے تھے، حضرتؒ پوری تراویح کھڑے ہوکر پڑھتے تھے، مگر جب سے گھٹنے میں درد کی شکایت ہوئی اور لمبا قیام مشکل ہوگیا، تو کچھ بیٹھ کر کچھ کھڑے ہوکر پڑھنے لگے، وقفۂ آرام میں بھی حضرتؒ کوئی علمی مسئلہ چھیڑ دیتے، اس کے لئے کتابیں دیکھی جاتیں، اساتذہ ومشائخ کے احوال بیان کرنے یا کچھ نصیحت فرمانے میں پندرہ منٹ کا وقفہ گزار دیتے، اس طرح آرام کا یہ وقت بھی دعوت وتعلیم میں صرف فرمادیتے۔

سلاسل طیبہ: آخری ہفتہ میں تراویح کے بعد سلاسل طیبہ اور شجرات کی تعلیم شروع ہوجاتی تھی، آدھا گھنٹہ تعلیم کا سلسلہ چلتا رہتا، عموماً تعلیم ختم ہوتے ہوتے بارہ بج جاتے تھے، نصف شب کے

جد لوگ آرام کے لئے بستر لگاتے تھے، اس سے پہلے کسی کا بستر نہیں لگ سکتا تھا، دو ڈھائی بجے سے معتکفین پھر ایک ایک کر کے اٹھنا شروع کر دیتے، اندھیرے میں ایسا لگتا تھا کہ آسمان سے فرشتے اتر آئے ہیں، کوئی رکوع، کوئی سجدہ، کوئی قیام میں اپنے رب سے راز و نیاز میں مشغول ہے۔

تضرع الی اللہ: حق تعالیٰ نے حضرتؒ کو رقت قلبی سے وافر مقدار عطا فرمایا تھا، آپ کی گریہ وزاری بے مثال تھی، آپ کا تضرع وتخشع بے نظیر تھا، اِدھر دعا کے لئے ہاتھ اٹھایا اُدھر اشکوں کا سیل رواں جاری ہوا، آپ کی مبارک داڑھی تر ہو جاتی تھی، جیسے دل پگھل پگھل کر آنکھوں کے راستے سے باہر آرہا ہو، وعظ بھی کہنے بیٹھتے تھے تو آنکھیں ڈبڈبا جاتی تھیں، ذکر کرتے ہوئے بھی آنکھیں اشکبار ہو جاتی تھیں، گفتگو کی مجلس میں بھی جب اکابر علماء ومشائخ کا تذکرہ کرتے تھے تو قلب پر ایسی رقت طاری ہوتی تھی کہ بے اختیار آنکھیں بھیگ جاتی تھیں، نماز میں آیات ثواب وعقاب آتی تھیں تو آواز بھرا جاتی تھی، ناچیز نے ایسا رونے والا نہیں دیکھا، شاید اوروں نے بھی نہ دیکھا ہو، قطرہائے اشک صف باندھے ہاتھ جوڑے کھڑے رہتے تھے، جہاں قلب وجگر میں نرمی پیدا ہوتی، چشمہ پھوٹ پڑتا یا بادل برس پڑتا اور لحیۂ ورخسار کو سیراب کر جاتا۔

تسلیم ورضا: ''مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ'' رضاء بالقضاء، حضرت نور اللہ مرقدہٗ کو اس وصف سے بھی بھرپور حصہ ملا تھا، حالات چاہے جیسے آجاتے مجال نہیں کہ زبان پر کبھی شکوہ آجاتا، اور حرف غلط کی طرح کوئی حرف شکایت نکل جاتا، صبر کرتے، اپنے مولیٰ کے سامنے روتے، گڑگڑاتے، مگر زخم دل ظاہر نہ کرتے، من جانب اللہ بڑے مشکل احوال سے آپ کو گذارا گیا، مگر صبر واستقامت کے اس پہاڑ میں جنبش نہ پیدا ہوئی، حضرتؒ کی اہلیہ بیمار ہو گئیں دماغی توازن بگڑ گیا، برسہا برس اسی حال میں رہیں، دوا کیا، دعا کیا، مگر بے صبری کبھی نہیں کی، بالآخر ان کا انتقال ہوا، ایک سال تک شادی نہیں کی، اس دوران جامعہ مظہر العلوم بنارس میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہنے کے ساتھ اپنی چھوٹی چھوٹی بچیوں کی پرورش و پرداخت کا مشکل ترین کام بھی خود انجام دیا، بچیوں کو نہلانا، ان کے کپڑے دھونا، کھانا پکانا، پھر مطالعہ کر کے بخاری شریف کا درس دینا، مشقتوں سے بھرا یہ زمانہ بشاشت کے ساتھ گزار دیا۔

رمضان شریف میں میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ گرمی کی شدت یا ٹھنڈک کی زیادتی کی شکایت

کی ہو، بجلی کٹ جانے پر رنجیدہ ہوگئے ہوں اور بجلی آ جانے پر خوشی کا اظہار کیا ہو، مچھروں کی زیادتی پر واویلا کیا ہو اور ان سے بچنے کی مروجہ تدابیر کا سہارا لیا ہو، کسی نے مچھر کش اگربتی لگادی تو ٹھیک، نہ لگائی تو بھی ٹھیک۔

لکھنؤ سے وطن آتے ہوئے ایک سفر میں احقر نے دیکھا کہ کاشی وشوناتھ ایکسپریس جسے رات کو دس بجے لکھنؤ سے پکڑنا تھا، چار گھنٹے لیٹ ہوگئی، پھر بھی حضرت کو کوئی ملال نہیں تھا، حالانکہ کاشی ایکسپریس کے لیٹ ہوجانے سے بنارس سے اگلی ٹرین انٹرسٹی ایکسپریس چھوٹ گئی، اس کے دو گھنٹے کے بعد بنارس سے باپودھام ایکسپریس چلتی ہے، وہ بھی چھوٹ گئی، جس کا نقصان یہ ہوا کہ ہم دس بجے دن کے بجائے شام کو چار بجے گھر پہونچے، مگر بیماری کے باوجود حضرت کے ماتھے پر کوئی شکن نہیں تھی، اتنا بھی زبان سے نہیں نکلا کہ بڑی دیر ہوگئی، حضرتؒ کے یہاں لفظ ''اگر، مگر'' تھا ہی نہیں، حدیث شریف میں آیا ہے: فان لو تفتح عمل الشیطان، یہ اگر مگر شیطانی عمل کا چور دروازہ ہے، انہی راستوں سے وہ تقدیر پر سے ایمان متزلزل کرتا ہے۔

عام طور پر کہا جاتا ہے: اگر ٹرین رائٹ ٹائم آئی ہوتی تو ہم صبح پہونچ جاتے، ٹرین کے لیٹ ہوجانے سے شام ہوگئی، یہ اور اس قسم کی باتیں زبان زدِ خاص وعام ہیں، مگر واہ رے ہمارے حضرت، ایسے خیالات وتصورات سے کس قدر محفوظ تھے، حضرت کا یقین کامل تھا، ٹرین وقت پر آتی ہی کیوں؟ اسے مقدر سے لیٹ آنا تھا، لیٹ آئی، اس کو تو اللہ نے روک رکھا تھا، پھر ہم اگر مگر کیوں کریں۔

تواضع: ماہ مبارک میں اعتکاف میں ہم نے بہت سی خانقاہوں میں دیکھا کہ حضرت اور حضرت کے مخصوصین کے لئے چادریں تان کر خلوت گاہیں بنائی جاتی ہیں، مگر ہمارے حضرتؒ نے کبھی تنہائی پسند نہیں کی، ہمیشہ سب مریدین کے ساتھ گھل مل کر رہے، اپنے لئے وہی پسند کیا جو دوسروں کے لئے پسند کیا، کبھی اپنی الگ شناخت نہیں بنائی، ہمہ وقت سب کے ساتھ، ہر وقت سب کے لئے، کبھی کسی کو آواز دے کر نہیں بلایا، کوئی ضرورت ہوتی تو اپنے چھوٹوں کے پاس خود پہنچ جاتے تھے۔

ایک واقعہ تو ہم نے عجیب وغریب سنا، حضرتؒ کے خلیفہ اجل حضرت مولانا قاری عبدالستار صاحب مدظلہ العالی ایک مرتبہ گجرات سے طویل مسافت طے کرکے پورہ معروف پہونچے، کپڑے میلے ہوگئے تھے، تو غسل کرکے انہیں تبدیل کردیا، میلے کپڑوں کو ایک طرف کنارے رکھ کر مسجد میں

آرام کرنے لگے، حضرت مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ قاری صاحب آرام کر رہے ہیں، ان کے میلے کپڑے اٹھا لئے اور دھو کر پھیلا دیا، قاری صاحب اٹھے تو دیکھا کہ کپڑے غائب ہیں، حضرتؒ سے استفسار کیا تو حضرت نے فرمایا: کہ آپ تھکے ہوئے تھے اس لئے میں نے دھو دئے، اس تواضع کی بھی کوئی حد ہے کہ شیخ اپنے مرید کی خدمت کر رہا ہے، انہی اوصاف حمیدہ کی وجہ سے آپ کی عظمت کا سکہ لوگوں کے قلوب میں بیٹھا ہوا تھا، سچ کہا ہے مخبر صادق ﷺ نے: **من تواضع لله رفعه الله**، جو محض اللہ کی رضا کے لئے کرتا ہے تو اللہ اسے اونچا اٹھاتے ہیں۔

چند مخصوصین کے علاوہ کسی سے کوئی خدمت نہیں لیتے تھے، نہ سر دبواتے نہ پاؤں، نہ کپڑے دھلواتے، نہ بازار سے کوئی سامان لانے کو کہتے، کوئی خود ہی پیشکش کرتا تو اس کی خدمت قبول کر کے اسے خوش کر دیتے، اہل علم مریدین کی بڑی قدر کرتے مجلس میں انہیں آگے جگہ دیتے، ان کا خاص لحاظ کرتے، ان سے کوئی خدمت نہ لیتے اور فرماتے کہ اللہ نے آپ حضرات کا مرتبہ بلند کیا ہے، مجھے حیا آتی ہے کہ آپ لوگوں سے خدمت لوں۔

افطار، کھانا سب کے ساتھ تناول فرماتے، کبھی آپ کا دستر خوان مخصوص نہیں رہا، اخیر عشرہ میں مہمانوں کی کثرت کی وجہ سے کئی کئی دستر خوان لگائے جاتے تھے، خدام کبھی آپ کا دستر خوان الگ کر دیتے تو اپنے دستر خوان کو چھوڑ کر عام لوگوں کے ساتھ بیٹھ جاتے، کبھی خود کو نمایاں نہیں کیا، سب سے اونچے تھے، مگر احساس بلندی سے کوسوں دور، سب پر فائق تھے، مگر فوقیت کے اظہار سے بیزار، آپ شیخ تھے، آقا تھے، سب آپ کے خادم اور غلام، مگر حضرتؒ سید القوم خادمہم کے اصول پر کاربند تھے اور سب کی راحت کے لئے کوشاں رہتے تھے۔

شفقت و محبت: سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے: کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب سے ایسی محبت کرتے تھے کہ ہر ایک یہ سمجھتا کہ حضور ﷺ کو مجھ سے سب سے زیادہ محبت ہے، نبی ﷺ کی سنتوں کا یہ شیدائی کیسے ممکن تھا کہ اس سنت کی اتباع سے متخلف رہ جاتا، اللہ نے آپ کو یہ وصف خاص عطا فرمایا تھا، متوسلین میں سے ہر شخص یہ سمجھتا کہ حضرتؒ مجھ کو سب سے زیادہ چاہتے ہیں، دراصل حضرتؒ ہر ایک سے یکساں سلوک کا معاملہ کرتے تھے، سب کے ساتھ یکساں محبت فرماتے تھے، حضرت چاہتے تھے کہ بچے ترقی کریں، آگے بڑھیں، اپنے جیسا بلکہ اپنے سے آگے

دیکھنا چاہتے تھے۔

جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کا علمی دنیا میں کام اور مقام اپنی جگہ مسلم ہے؛ مگر ام المدارس کا درجہ دار العلوم دیوبند ہی کو حاصل ہے، جب حضرت مفتی عبد اللہ صاحب معروفی مدظلہ کی تقرری دار العلوم دیوبند میں ہوئی تو میرے علم ومشاہدہ کے مطابق خود حضرتؒ کو بے حد خوشی تھی، دار العلوم دیوبند میں امتحان داخلہ کی کاپیوں کی ترقیم کے لئے جب احقر راقم السطور کو پہلا دعوت نامہ موصول ہوا تو اس سعادت پر جتنی مجھے مسرت تھی اس سے کم حضرت کو نہ تھی؛ چنانچہ ہر سال ماہ شوال میں دریافت فرماتے کہ دار العلوم کب جانا ہے، دعوت نامہ آیا یا نہیں؟ حضرتؒ چاہتے تھے کہ دار العلوم جانے کے سلسلہ میں احقر کی طرف سے کسی طرح کی کوئی کوتاہی ولا پرواہی نہ ہو۔

اتباع سنت: ہمارے تمام اکابر رحمہم اللہ کا سب سے بڑا کمال اوران کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ رسول اکرم ﷺ کی سنتوں پر بے کم وکاست عمل کرنے والے تھے، وہ سنتوں کے شیدائی تھے، سنتیں ہی ان کا مزاج تھیں، یہی ان کی طبیعتِ ثانیہ تھی، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ کا ایک ملفوظ کسی کتاب میں نظر سے گذرا ہے، وہ فرماتے ہیں: کہ مجھے یاد نہیں کہ میں نے اپنا چپل یا جوتا کبھی دائیں ہاتھ سے اٹھایا ہو، تصور کیجئے کہ یہ کتنی بڑی بات ہے، دل میں سنت کی عظمت ذرا بھی کم ہو تو ہزار مجبوریاں بہانہ بن جاتی ہیں، استقامت کرامت سے بڑھ کر ہے، مشہور مقولہ ہے: الاستقامۃ فوق الکرامۃ، اس وصف میں بھی حضرت کا مقام ومرتبہ بہت بلند تھا سنتوں کا اہتمام آپ کی طبیعت میں داخل تھا، آپ کا ہر کام سنت کے مطابق ہوا کرتا تھا، اپنے متوسلین سے بھی سنت کے خلاف کوئی عمل دیکھتے تو نرمی سے تنبیہ فرماتے، روز مرہ کے معمولات تو سنت کے مطابق انجام پاتے ہی تھے، جس عمل سے گاہے گاہے سابقہ پڑتا ہے جس کی سنتوں کا عام طور پر استحضار نہیں ہوتا (سبحان اللہ) حضرتؒ وہ عمل بھی سنت کے مطابق انجام دیتے تھے، بڑی باریکی سے سنتوں کا تتبع فرماتے، تحقیق کرتے اوراس کو عملی جامہ پہناتے تھے، ایک مرتبہ یہ ناکارہ بغیر عصا لئے عیدگاہ پہنچ گیا اور کسی کا عصا لے کر عید کا خطبہ دے دیا، تو فرمایا: کہ عصا گھر سے لے کر چلنا سنت ہے، رسول اللہ ﷺ گھر سے عصا لے کر آتے تھے، تب احقر کو تنبیہ ہوا کہ حضرت کتنی دوررس نگاہ رکھتے ہیں اور کتنی باریک بینی سے اور بلا کم وکاست سنتوں پر من وعن عمل پیرا ہیں۔

خطبہ عیدین میں عام طور پر سنتِ تکبیر متروک ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ کی کتابوں سے اس کی تحقیق کی اور پورہ معروف کی عیدگاہ میں اس سنت کو زندہ فرمایا؛ چنانچہ حضرتؒ خطبہ شروع کرنے سے پہلے نو (۹) بار، دوسرے خطبہ کے شروع میں سات (۷) بار اور اخیر میں (۱۴) بار تکبیر اللّٰہ أکبر، اللّٰہ أکبر کہا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ سنت ہے۔

ان سب سے بڑھ کر سنت عمامہ ہے، پوری استقامت کے ساتھ پگڑی باندھی، یہ سنت بالکلیہ تو نہیں؛ تاہم ہمارے ہندوستانی ماحول میں عام طور پر تو متروک ہی ہے، جو لوگ باندھتے ہیں وہ بھی موقع بہ موقع باندھتے ہیں، پابندی کے ساتھ نہیں باندھتے، حضرتؒ کو یہ سنت اس قدر محبوب تھی کہ آپ کے لباس کا ایک جزو بن گئی تھی، بغیر عمامہ کے کبھی دیکھے نہیں گئے، وضو کے لئے اتارتے تھے، پھر فوراً ہی دوبارہ باندھ لیتے تھے، سفر، حضر، مرض، صحت، گرمی، سردی اور برسات؛ ہر موسم، ہر زمانہ میں بدن پر کپڑے ہیں تو پگڑی کے ساتھ، حتیٰ کہ مرض الوفات کے ایام میں اکثر لیٹے رہتے تھے، تب بھی ہم نے عمامہ باندھ کر لیٹے ہوئے دیکھا، حضرتؒ کے دل میں سنت کی کتنی اہمیت تھی وہ بیان سے باہر ہے، متروکہ سنتوں کے احیا کا جو جذبہ موجزن تھا وہ انتہائی ایمان افروز تھا۔

کھانا تناول فرماتے تو اکڑو بیٹھ کر، اس میں عبدیت اور تواضع کی شان زیادہ ہے اور مسنون طریقہ بھی ہے، ہمیشہ میں نے اسی سنت پر دیکھا، کبھی اس میں تخلف ہوتے ہوئے نہیں پایا؛ حالاں کہ گھٹنوں میں درد بھی رہا کرتا تھا، پھر بھی کھانا اسی مسنون ہیئت پر کھاتے تھے، گویا زبان حال سے کہہ رہے تھے: أنا آکل کما یأکل العبد، میں بندہ ہوں، بندوں اور غلاموں کی طرح بیٹھ کر کھاتا ہوں، کبھی چہار زانو کھاتے نہیں دیکھا۔

علوم باطنہ میں آپؒ کا بلند مقام: شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ سے علوم ظاہرہ کی طرح علوم باطنہ میں بھی بھرپور استفادہ کیا، حضرت مدنیؒ سے باقاعدہ بیعت ہو کر کسب فیض کیا اور ان کی وفات کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب کاندھلویؒ کی خدمت میں حاضری دی اور بیعت کی درخواست کی، حضرت شیخ الحدیثؒ نے فرمایا: حضرت مدنیؒ کی بیعت اور ان کے بتائے ہوئے وظائف ہی کافی ہیں، انہیں کی پابندی کریں، تاہم اس راہ میں کوئی دقت پیش آئے تو مجھ سے رجوع فرمائیں، ان شاء اللہ رہنمائی سے گریز نہیں کروں گا؛ چنانچہ حضرت شیخ الحدیثؒ کی حیات تک

حضرتؒ اسی ہدایت پر کاربند رہے، حضرت شیخ الحدیثؒ کی وفات کے بعد ان کے خلیفۂ اجل حضرت مولانا عبدالجبار صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے آستانہ پر حاضری دی اور یہاں بھی بیعت کی درخواست فرمائی، حضرت مولانا عبدالجبا صاحبؒ نے دیکھ کر پہچان لیا کہ حضرتؒ کا سلوک طے ہو چکا ہے، اس لئے حضرتؒ نے بیعت فرمایا اور صرف ایک ہفتہ کی ریاضت کے بعد اجازت وخلافت سے سرفراز فرما کر اپنے خلفاء ومجازین میں شامل فرمالیا۔

اس طرح اپنے زمانے کے تین اولیائے کاملین کے دامن سے وابستگی کی وجہ سے حضرتؒ کو اللہ نے وہ زبردست روحانی قوت عطا فرمائی تھی، کہ نہ صرف یہ کہ حضرت مولانا عبدالجبا صاحبؒ کے اجل خلفاء میں آپ کا شمار ہوا بلکہ ملک کے منتخب اصحاب صلاح وتقویٰ میں آپ شامل کیے گئے۔

حضرت کا تقوی: مرض الوفات کے ابتدائی ایام میں جب آپ کو مئو علاج کے لئے لے جایا گیا اور معالج نے گلے کا اکسرے تجویز کر دیا، تو اس کے لئے کئی دن رکنا پڑ گیا، جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں عیدالاضحیٰ کی چھٹی چل رہی تھی، وہ ختم ہونے لگی، ڈاکٹر صاحب سے ملنا، اکسرے دکھلا کر دوا تجویز کرانے کا کام باقی تھا کہ چھٹی کا آخری دن آگیا، حضرتؒ مضطرب تھے، فرمایا: میں ہمیشہ مدرسہ کھلنے سے پہلے پہنچ جاتا ہوں اس میں کبھی تخلف نہیں ہوا، اب کی مرتبہ لگتا ہے کہ تم لوگوں کے علاج کے لئے اصرار کی وجہ سے میرا یہ معمول ٹوٹ جائے گا، یہ میرے مزاج کے بالکل خلاف ہے، خدام چاہتے تھے کہ حضرتؒ دو تین دن رکیں اور کچھ روز گھر پر رہ کر دوا استعمال کر کے جائیں، حضرتؒ نے انکار کر دیا، اپنا ضروری سامان ساتھ لے کر مئو گئے، اکسرے کرانے کے بعد ڈاکٹر صاحب کے مطب پر جب پہنچے تو پتہ چلا کہ ڈاکٹر صاحب نہیں ہیں، تین روز بعد ملیں گے، خدام فکر مند ہوئے، مگر حضرت کی خوشی کی انتہا نہ رہی، فرمایا: اب ان شاء اللہ مدرسہ میں وقت پر پہنچ جاؤں گا، علاج چھوڑ چھاڑ آگے کا سفر شروع کر دیا، مئو سے بنارس آئے اور وہاں سے سہارنپور کے لئے روانہ ہو گئے، تقریباً ساٹھ سالہ تدریسی زندگی میں نہ جانے کتنے مواقع پر انسانی ضرورتیں آپ کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑی ہوئی ہوں گی، مگر قربان جائیے اس بندہ خدا کے تقویٰ اور اس کی استقامت پر کہ سبحان اللہ مرتے دم تک بھرم قائم رہا اور تاخیر کا داغ بدرجہ مجبوری بھی لگنے نہ دیا اور اپنا صاف دامن صاف بچا لے گئے، ہم جیسوں کو شیطان ہزار تاویلیں سجھا دیتا ہے، تاویل شیطان کا حربہ ہے، اس راستے سے وہ مومن کے ایمان پر

حملہ آور ہوتا ہے اور تقویٰ اگر کامل نہ ہو تو انسان بچ نہیں پاتا اور شیطان کے جال میں پھنس جاتا ہے، ایک صحابی فرماتے ہیں: بسا اوقات حرام سے دوری بنائے رکھنے کے لئے ہم حلال کو بھی چھوڑ دیا کرتے ہیں ہمارے حضرتؒ کا یہی مزاج تھا، اللہ ہمیں بھی اس کا کوئی شمہ عطا فرمادے، آمین۔

جامعہ مظہر العلوم بنارس کے زمانہ تدریس میں گنگا ساگر بس سروس نے پورہ معروف سے بنارس تک ایک بس چلانا شروع کی، یہ بس حضرت کے مکان کے قریب سے کھلتی تھی اور جامعہ مظہر العلوم گول گڈہ کے پاس سے گذرتی تھی، اس لئے یہ بس بنارس جانے کے لئے سب سے آسان اور بہتر سواری تھی، لیکن مصیبت یہ تھی کہ بس ویڈیو کوچ تھی، تقریباً چار گھنٹہ کے اس پورے سفر میں ویڈیو فلم چلتی رہتی تھی، حضرتؒ نے کنڈیکٹر سے بات کی: اگر فلم چلاؤ گے تو میں تمہاری بس سے سفر نہیں کرسکتا، کنڈیکٹر نے حضرتؒ کی شرط قبول کرلی، اس کے بعد جب بھی حضرتؒ بس پر ہوتے تو پورے سفر ٹی وی بند رکھا جاتا، مسافروں کے لاکھ اصرار کے باوجود ٹی وی چالو نہ کیا جاتا۔

یہ واقعہ حضرتؒ کے تقویٰ کا کھلا مظہر ہے؛ ورنہ بہت سے دین دار لوگوں کو دیکھا گیا بلا تکلف ٹی وی چلتی ہوئی بس میں سفر کرلیا کرتے ہیں اور بس کے ذمہ داروں کے سامنے بطور اتمام حجت کے بھی زبان نہیں کھولتے۔

بطور مثال اور نمونہ ایک دو واقعے بیان کردئے، ورنہ تو اس عنوان کے تحت ایک لمبا مضمون تیار کیا جاسکتا ہے؛ میں کب سے اپنے قلم کو روک رہا ہوں مگر بات ہے کہ طویل ہوتی جارہی ہے، کیا کروں،

ع: لذیذ بود حکایت دراز تر گفتیم

حضرتؒ کے جانے سے جو علمی دنیا میں خلاء پیدا ہوا ہے بظاہر مستقبل قریب میں اس کے پر ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، آپ کی مفارقت کا احساس مدتوں باقی رہے گا اور زندگی کے ہر ہر موڑ پر آپ کی یاد ستاتی رہے گی، بڑی خوبیاں تھیں جانے والے میں، باری تعالیٰ حضرت کے پس ماندگان، اعزہ، اقرباء، تلامذہ، خدام، متوسلین، متعلقین، محبین، سب کو صبر جمیل اور حضرتؒ کا نعم البدل عطا فرمائے اور حضرت نور اللہ مرقدہٗ کی بال بال مغفرت فرمائے، آپ کی حسنات کو قبول فرمائے اور آپ کے درجات کو بلند فرمائے اور آپؒ کا حشر انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ مقدر فرمائے، آمین، یارب العالمین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

آہ! بھائی جان

مولانا محمد عثمان معروفی، خلیفہ حضرت مفتی عبدالرحمٰن صاحب نوگاواں، امروہہ
وشیخ الحدیث دارالعلوم بانسکنڈی، آسام

حضرت مولانا زین العابدین بن محمد بشیر بن محمد نذیر اعظمیؒ اللہ پاک کے پاس جاچکے، جو بندۂ ناچیز کے حقیقی بھائی تھے، عمر میں بندہ سے اٹھارہ بیس سال بڑے تھے اور ٹھیک بیس سال قبل ''دارالعلوم دیوبند'' سے فارغ التحصیل ہوئے، بھائی جان کی تاریخ پیدائش ۲۹؍ جمادی الاخری ۱۳۵۱ھ ہے، آپ کے متعلق کچھ ناقابلِ فراموش یادیں اور کچھ نصیحت آموز باتیں میرے ذہن ودماغ میں گردش کررہی ہیں، جن کا ذکر فائدے سے خالی نہ ہوگا؛ اس لیے ان میں سے بعض کا ذکر کرتا ہوں۔

مطالعہ کے شوقین: مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک مرتبہ مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلیؒ کے حالات زندگی کے بارے میں کسی کتاب میں پڑھا تھا، کہ طالبِ علمی کے زمانے میں ان سے کتابیں چھیننی پڑتی تھیں، اس کے بعد ہی چھوڑتے، میرے والد بزرگوار فرمایا کرتے تھے کہ ٹھیک یہی حال تمہارے بھائی زین العابدین کا تھا، کہ جب دیکھو کتاب میں مشغول ومنہمک رہا کرتے تھے، کتابیں ہاتھ سے لینی اور چھیننی پڑتی تھیں، ایسا لگتا تھا کہ کتاب ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہو۔

صحیح لقمہ دیا: کنز الدقائق کو آپ نے ایسی باریک بینی سے پڑھا تھا کہ دارالعلوم دیوبند میں ہدایہ اخیرین کے سبق میں ایک دن شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۷۴ھ) سے کسی مسئلہ کی تقریر الٹ گئی، بھائی جان نے عرض کیا کہ حضرت مسئلہ یہ نہیں ہے؛ بلکہ یہ ہے، تو حضرت پوچھتے ہیں کہ مولوی صاحب! مولوی صاحب! یہ مسئلہ کہاں لکھا ہے جو آپ کہہ رہے ہیں؟ تو بھائی جان نے عرض کیا کہ ''کنز'' کے حاشیہ میں، حضرت نے فرمایا کہ مولوی صاحب! مولوی صاحب! کنز کا محشی میں ہوں اور مجھے معلوم نہیں، آپ جانتے ہیں! اس پر طلبہ ہنس پڑے اور بھائی جان خاموش ہوگئے، جب دوسرے دن حضرت مولانا تشریف لائے، تو فرمایا کہ یہ بچہ کل صحیح کہہ رہا تھا، واقعی میری تقریر کل الٹ گئی تھی، مسئلہ وہی صحیح ہے، جو کنز کے حاشیہ میں میں نے لکھا ہے؛ بڑھاپے میں قویٰ کے ساتھ دل ودماغ بھی کم زور ہوجاتے ہیں۔ (یہ بات مجھے مولانا نعمت

اللہ صاحب کے برادر بزرگوار حضرت مولانا امانت اللہ صاحب نے بتائی تھی)۔

استاذ کی نصیحت پر عمل: بھائی جان کے ناظرہ قرآن کے استاذ مرحوم حافظ عبدالقادر صاحب نے فرمایا کہ اب پڑھانے جارہے ہو تو میری ایک نصیحت یاد رکھنا کہ چھٹی کے بعد جب مدرسہ کھلے تو ایک روز پہلے مدرسہ پہنچ جانا یہ مت سوچنا کہ مدرسہ کل کھلے گا تو چلا جاؤں گا، بھائی جان نے مجھے بتایا کہ اس نصیحت پر میں نے ایسا عمل کیا کہ ۳۵؍سال میں صرف اس سال تخلف ہوا جس سال عبدالباسط کی والدہ گورکھپور ہاسپٹل میں زیر علاج تھیں۔

علم میں گہرائی وگیرائی: احیاء العلوم مبارک پور کے زمانہ تدریس میں ایک مرتبہ ناظم اعلیٰ سے کچھ اَن بن ہوگئی، تو انھوں نے بھائی جان کو مدرسہ سے سبک دوش کرنے کی بات مدرسہ کے ارکان کے سامنے رکھی، تو شوریٰ کے ممبر حضرت مولانا محمد عمر صاحب مظاہری مبارک پوری نے فرمایا کہ زین العابدین سے قابل کون ہے جی! کہ اس کو نکالو گے، کسی نے کہا کہ حضرت مفتی یٰسین صاحب ہیں، مولانا محمد عمر نے میز پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ "خدا کی قسم، مفتی صاحب ان سے قابل نہیں ہیں، ان میں فتویٰ نویسی الگ ہے اور قابلیت الگ ہے، میرے اساتذہ کے گزر جانے کے بعد احیاء العلوم میں کوئی ایسا عالم نہیں آیا کہ میرے اشکال کو حل کرے، سوائے مولانا زین العابدین کے"۔

معلم بھی متعلم بھی: مبارک پور پڑھانے کے زمانے میں آپ کا حضرت قاری ظہیر الدین صاحب معروفیؒ سے سبعہ قراءت پڑھنے کا ارادہ ہوا اور قاری صاحب موصوف سے گزارش کی، تو آپ بھائی جان کو خارج میں مغرب بعد پڑھانے لگے، ایک اور طالب علم قاری محمد مصطفیٰ رانچوی، جو دورۂ حدیث کی جماعت میں پڑھتے تھے، اور ان کا ارادہ تھا کہ دورہ کے بعد سبعہ پڑھیں گے، وہ بھی قاری صاحب سے پڑھنے میں شامل ہوگئے، اور صبح میں بھائی جان سے ترمذی شریف پڑھتے تھے، تو ایک طرح سے قاری مصطفیٰ آپ کے ہم درس تھے، اور دوسری طرف شاگرد بھی، پھر جب جلسۂ دستار بندی ہوا، تو اس میں سب سے پہلے بھائی جان کے سر پر دستار فضیلت باندھی گئی، پھر اور طلبہ کو دستار باندھی گئی۔

سب نے فائدہ اٹھایا: جب بھائی جان "جامعہ مظاہر علوم" سہارنپور میں شعبۂ تخصص فی الحدیث کے صدر بنائے گئے اور بندہ کسی ضرورت سے وہاں پہنچا، تو حضرت مولانا سلمان صاحب

ناظم جامعہ مدظلہ سے استفسار کیا کہ حضرت! بھائی جان سے آپ لوگ مطمئن ہیں؟ تو حضرت ناظم صاحب نے فرمایا کہ ان کے بارے میں اطمینان کی بات پوچھتے ہو؟ ارے ہمارے اساتذہ کو ان سے فیض پہنچ رہا ہے، بعض دوسرے لوگ بھی قابل وباصلاحیت ہیں، (ناظم صاحب نے نام بھی لیا تھا) مگر جب کوئی استاذ اپنے اشکالات لے کر ان کے پاس جاتا ہے، تو فرماتے ہیں کہ یہ کون سا وقت ہے؟ یہ وقت میرے ذکر کا، وظیفہ کا، یا قیلولہ کا ہے اور مولانا زین العابدین صاحب کا یہ حال ہے کہ وہ کھانا بھی کھاتے ہوں اور کوئی پہنچ جائے، تو بتادیتے ہیں، خدا کی شان کہ اسی دن دوپہر کو بندہ اور بھائی جان کھارہے تھے کہ مولانا عاقل صاحب صدر المدرسین مظاہر علوم سہارنپور مدظلہ تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ حضرت! میں ابوداؤد شریف پڑھارہا ہوں اور اس مسئلہ پر مجھے اشکال ہے، سمجھ میں نہیں آرہا ہے، تو بھائی جان نے دریافت کیا کہ آپ نے اسے کہاں کہاں دیکھا ہے؟ تو حضرت صدر المدرسین نے تین کتاب کا نام لیا، اس پر بھائی جان نے پوچھا کہ فلاں کتاب نہیں دیکھی؟ حضرت نے فرمایا کہ نہیں، اس کو تو نہیں دیکھی، بھائی جان نے بتایا کہ وہ سامنے کتاب لگی ہے، دیکھ لیجیے، ابھی ہم لوگ کھانا کھاہی رہے تھے کہ حضرت صدر المدرسین نے کہا کہ مولانا یہاں تو بعینہ اسی سوال کو اٹھایا ہے اور کافی وشافی جواب لکھا ہے، حضرت صدر المدرسین نے اپنی کاپی پر اسے نوٹ کیا اور شکریہ صدر کیساتھ چل دیے۔

دار العلوم دیوبند میں آپ کی تقرری کی بات چیت: ۱۳۷۲ھ میں آپ کی فراغت کے سال ہی دار العلوم دیوبند میں تقرری کی بات چلی تھی، جس میں اس وقت دیوبند کے مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی مہدی حسنؒ کی سفارش بھی تھی، مگر کچھ حضرات کی بے جا مخالفت کی بنا پر یہ کام نہ ہوسکا، جس کا قلق ہونا فطری تھا، پھر ۸۴-۱۹۸۳ء میں مولانا معراج الحقؒ صاحب نے بندۂ ناچیز سے فرمایا تھا کہ گجرات جارہے ہو، تو اپنے بھائی سے کہہ دینا کہ اگر کبھی دار العلوم دیوبند بلایا جائے، تو انکار نہ کریں، میں نے عرض کیا کہ حضرت وہ انکار کیوں کریں گے؟ وہ تو اور خوش ہوں گے، تو استاذ موصوف نے فرمایا کہ ان سے توقع تو یہی ہے، مگر تمہارے مئو کے ہی فلاں صاحب ہیں، جب ان کو بلایا گیا، تو انھوں نے انکار کردیا، وہ بھی گجرات میں پڑھاتے تھے اور یہ بھی گجرات (دار العلوم چھاپی) ہی میں پڑھاتے ہیں، اس لیے میری بات ان کو پہنچادینا، بہر حال بھائی جان کو جب دار

العلوم میں تقریری کی بات چیت یاد آتی تو آپ کا زخم جو فراغت کے فوراً بعد لگا تھا، ہرا ہو جاتا تھا، اس کو اپنی آپ بیتی بہ نام "اپنی باتیں" میں بھی بھائی جان نے کہیں ذکر کیا ہے۔

ذکر اللہ کی گونج سے آمد کا علم: تصوف میں بھائی جان سب سے پہلے شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بیعت ہوئے تھے، مگر ۱۳۷۷ھ میں جب حضرت مدنی رحلت فرما گئے، تو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ صاحب کی طرف رجوع فرمایا اور پابندی سے ہر سال ماہِ مبارک میں حضرت کی خانقاہ میں اعتکاف کے لیے تشریف لے جاتے؛ مگر آپ کو اجازتِ بیعت اور خلافت حضرت مولانا عبدالجبار صاحبؒ، سابق شیخ الحدیث مدرسہ شاہی مرادآباد سے حاصل ہوئی، سفر و حضر ہر جگہ اوراد و وظائف پورا کرنے کا معمول تھا، جب کبھی رات میں آپ گھر پر تشریف لاتے اور ہم لوگوں کو آپ کے گھر آنے کی خبر نہ ہوتی، تو ۴ بجے سحر کو آپ کے ذکرِ جہری کی بنا پر پتہ چل جاتا کہ آپ تشریف لا چکے ہیں، ٹھیک اسی طرح جیسا کہ بخاری شریف میں حدیث ہے کہ ہمارے اشعری بھائی لوگ رات میں جب آتے ہیں اور میں ان کی منزل نہیں جانتا، تو صبح کو ان کی خاص تلاوت کی آواز سے جان جاتا ہوں کہ وہ کہاں ٹھہرے ہیں۔

اِبنیت نہیں، صلاحیت: علما کی ایک مجلس میں جب میں نے اپنے استاذ حضرت مولانا شکر اللہ صاحب نعمانیؒ (متوفی ۱۴۱۲ھ) کا مقولہ سنایا کہ اخیر زمانہ کے اکابر میں ہمارے دو بزرگ ایسے گزرے ہیں کہ پوری دنیا جہان میں ان کے خلفا اور مجازین بیعت پھیلے ہوئے ہیں؛ مگر دونوں حضرات نے اپنے اپنے لڑکوں کو خلافت نہیں دی: (۱) مولانا سید حسین احمد مدنیؒ۔ (۲) مولانا محمد زکریاؒ کاندھلوی، تو اس مجلس میں ہمارے استاذ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب معروفی (اسلام پوری) مدظلہ کے لڑکے مولانا انور قاسمی نے کہا کہ حضرت شیخ الحدیثؒ کے خلیفہ حضرت مولانا عبدالجبارؒ صاحب نے بھی اپنے پانچوں بیٹوں میں سے (جو سب عالم تھے) کسی کو خلافت دے کر مجاز بیعت نہیں بنایا اور حضرت مرحوم کے خلیفہ حضرت مولانا زین العابدین صاحبؒ نے بھی اپنے دونوں بیٹوں میں سے کسی کو خلافت و اجازت نہیں دی؛ جب کہ دونوں لڑکے حافظ و قاری اور عالم ہیں اور حضرت کے وصال کے وقت بڑا لڑکا ۵۷ سال کا اور چھوٹا لڑکا ۴۲ سال کا تھا۔

حق ادا نہ ہوا: حدیث پاک میں آتا ہے کہ بڑے بھائی کا درجہ باپ کا سا ہے، تو واقعتہ بھائی جان نے میری تعلیم وتربیت میں باپ جیسا رول ادا کیا، ہر موڑ پر رہنمائی فرماتے رہے، گوکہ میں نالائق ہی رہا اور کچھ حاصل نہ کرسکا، یہ اپنا لاابالی پن تھا، کیا خبر کہ وہ اس طرح دنیا سے چلے جائیں گے کہ تجہیز وتکفین میں بھی شرکت نہ ہوسکے گی، بندۂ ناچیز کے دل پر کیا گزری، اس کے بیان کے لیے میں وہی فارسی کا شعر کہہ سکتا ہوں جو کہ شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہ نے حضرت شیخ الہند کی کتاب "الأبواب والتراجم" کے پیش لفظ میں لکھا ہے

حالِ من درہجر حضرت کم تراز یعقوب نیست
اوپسر گم کردہ بود و من پدر گم کردہ ام

دونوں بھائیوں سے استفادہ: پورہ معروف کے دو بزرگ ہیں، جو دونوں حقیقی بھائی تھے، ایک حضرت مولانا عبدالستار صاحبؒ، دوسرے حضرت مولانا عبدالجبار صاحبؒ، بھائی جان نے دونوں بزرگوں سے علم حاصل کیا ہے، اس طرح آپ نجیب الطرفین ہیں، البتہ مولانا عبدالستار صاحب سے زیادہ اور مولانا عبدالجبار صاحبؒ سے کم تحصیل علم کا موقعہ ملا؛ مگر مولانا عبدالجبار صاحبؒ سے علوم باطنی حاصل کرکے آپ نے اس کی تلافی کرلی۔

بھائی جان فرماتے تھے کہ ہمارے یہاں کے علما میں مشہور تھا کہ بڑے بھائی علم میں آگے ہیں اور چھوٹے بھائی مولانا عبدالجبار صاحب بزرگی میں آگے ہیں؛ لیکن امداد الباری شرح بخاری دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا عبدالجبار صاحب بھی علم میں کم نہیں تھے۔

مدرسہ بدلنا: ایک مرتبہ بھائی جان مظہر العلوم بنارس میں تدریس کے لیے استاد مرحوم حضرت مولانا محمد نعمان صاحبؒ متوفی ۱۰۰۱ء کو لینے کے لیے آئے، تو استاد مرحوم نے فرمایا کہ ابھی تو میں الٰہ آباد سے مئو آیا ہوں، اور ابھی بنارس جاؤں؟ میں اتنی جلد جگہ نہیں بدلتا ہوں، تو استاد مرحوم نے بھائی جان نے عرض کیا تو آپ جگہ تبدیل کرنے میں بخیل ہیں اور میرا یہ حال ہے کہ "جب تک میں نکالا نہیں جاتا ہوں جگہ نہیں بدلتا ہوں" کیوں کہ احیاء العلوم، مدرسۃ الاصلاح اور مدرسہ فاروقیہ جون پور میں یہی معاملہ آپ کے ساتھ ہوا۔

خیر الناس من ینفع الناس: احیاء العلوم کے زمانہ تدریس میں، جہاں پہ آپ نے گیارہ سال مسلسل تدریسی خدمات انجام دیا تھا، ۱۹۶۷ء میں جب عرب اسرائیل جنگ ہوئی تھی، اسی سال مدرسہ کی جانب سے غلہ کی وصولی کے لیے غالب پور، سہراب پور، قطب پور، اور نرونی مواضعات میں بھیجے گئے، تو بندہ اور ایک طالب علم ضلع بستی کا آپ کے ہم راہ تھے، جب ہم لوگ نرونی گئے تو وہاں کی مسجد میں ایسا لگا کہ اذان و جماعت نہیں ہوتی ہے، تو بھائی جان نے ہم لوگوں کو لے کر مسجد کی صفائی کرائی، گھاس پھونس کو اکھاڑ کر پھینکا گیا، فرش کی دھلائی کی گئی اور ظہر وعصر کی نمازوں میں ہم تین آدمیوں کے علاوہ گاؤں کا کوئی مصلی نہیں تھا، ہم دونوں کو لے کر بھائی جان نے گاؤں میں گشت کیا، دو چار لوگ تو مسجد میں آئے اور بہت سارے لوگوں نے ناپاکی کا عذر کیا، ان لوگوں کو بھائی جان نے یہ بتایا کہ آپ لوگ دروازے پر ہی باہر سے دین کی باتیں سن لیں، مغرب کے بعد آپ نے جورودکر بیان شروع کیا اور فرمایا کہ ہم لوگ جماعت میں نہیں آئے ہیں، مگر مسجد کی حالتِ زار دیکھ کر سمجھ میں آیا کہ تبلیغ کے طور پر کچھ باتیں آپ لوگوں سے ہو جائے، کوئی یہ نہ کہے کہ اب جماعت کے لوگ بھی چندہ اور غلہ وصول کرنے لگے، ہم لوگ تو احیاء العلوم مبارک پور سے طلبہ کے کھانے کے لیے غلہ کی وصولی پر نکلے ہیں۔

ایک سال پیدل کی جماعت: ۱۹۷۰ء میں ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ایک بڑا اجتماع ہوا، اور ادھر احیاء العلوم سے سبک دوش کیے گئے تھے، اس وقت ایک سال کے لیے جماعت میں نکل گئے تھے اور لکھنؤ سے دلی کی پیدل جماعت کے امیر بنائے گئے، تبلیغ کرتے ہوئے ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں میں پھرے، اسی طرح مہینوں چلتے رہے، تب جا کر دلی مرکز نظام الدین پہنچے، پھر دلی کے بعد اس تبلیغی سفر میں دیوبند بھی پہنچے تھے، وہاں کے مہتمم صاحب کی اجازت سے دار العلوم کی مسجد میں بھی آپ نے اساتذہ وطلبہ کے سامنے تقریر کی، اور لکھنؤ سے دلی پیدل کی جماعت کے درمیان خاص خاص باتوں کو بیان کرنے، مسجدوں کو آباد کرنے اور امت مسلمہ کو راہ راست پر لانے کے لیے بہت مؤثر انداز میں بیان کیا، جس کی ایک بات حاشیۂ خیال میں رہ گئی کہ پرانے زمانے میں لوگ کہا کرتے تھے کہ کنویں کے پاس پیاسا آئے، کنواں پیاسے کے پاس نہیں جائے گا، تو آپ نے فرمایا، یہ

مثل اس وقت کی ہے جب کنواں نیچے ہوتا تھا اور اب کنواں اوپر ہوگیا، یعنی اب واٹر ورکس کی ٹنکی اوپر بنتی ہے، تو پیاسا اس ٹنکی کے پاس نہیں جاتا، بلکہ اب اپنے گھر میں بیٹھے بیٹھے پانی مل جاتا ہے، اسی طرح سے اب لوگ علما کے پاس نہیں آتے ہیں، تو علما کو چاہیے کہ بادل بن کر جہاں ضرورت ہو وہاں برسیں؛ یعنی دین کی باتیں عوام تک پہنچائیں۔

کڑوے پھل کے میٹھے ہوجانے کی کرامت: مبارک پوری کے زمانۂ معلمی میں ہمارے گھر کدو کی بیل تھی، جب پھل آیا تو بالکل کڑوا، پھر بھائی جان گھر آئے، تو والد صاحب نے کہا کہ ابا! یہاں کبھی قبر تو نہیں تھی؟ والد صاحب مرحوم نے بتایا کہ یہ تو معلوم نہیں، مگر بزرگوں سے سنا ہے کہ فلاں کنواں بیچ قبرستان میں تھا، تو اس طرح یہ زمین بھی قبرستان کی ہوسکتی ہے، تو بھائی جان نے مصلیٰ بچھایا اور بہت دیر تک اس پر ذکر کرتے رہے اور مردوں کو بخش دیا، پھر کیا تھا؟، اسی بیل سے اب پھل توڑا گیا، تو میٹھا ہوگیا۔

گفتۂ اوگفتۂ اللہ بود: جب بھائی جان کی پہلی بیوی مولوی ابوعبیدہ کی والدہ کی طبیعت زیادہ خراب ہوئی، اور ایک آدمی کو مبارک پور بھائی جان کو لینے کے لیے بھیجا گیا تو انھوں نے کہا کہ آج بیمار ہیں، وہ تو فلاں روز مرے گی، اللہ کی شان ٹھیک اسی دن انتقال ہوا جس دن بھائی جان نے کہا تھا۔

حکمت سے اصلاح: ایک شاگرد جو مئو میں پڑھتا تھا، کسی لڑکی سے عشق کرتا تھا اور بھائی جان کو لکھا کہ مقصد میں کام یابی کی دعا کریں، تو بھائی جان نے اس کے جواب میں لکھا کہ اللہ پاک جائز مقصد میں کام یابی عطا فرمائیں اور اگر کوئی ناجائز مقصد ہو تو مالک حقیقی اس سے سچی پکی توبہ نصیب فرمائیں (آمین) وہ لڑکا دنگ رہ گیا۔

بھائی جان کے متعلق اور بھی بہت سی باتیں ہیں؛ مگر کیا لکھوں کیسے لکھوں، کیا چھوڑوں، کس کو چھوڑوں، اسی پس وپیش میں کچھ لکھ دیا ہے، بس دعا ہے کہ اللہ بھائی جان کی قبر کو روضۃ من ریاض الجنۃ بنائے اور ہم کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆☆☆

آہ! حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمیؒ

(بشکریہ "مجلّہ الشارق" دوماہی، مئی جون ۲۰۱۳ء، بقلم مولانا خطیب الرحمٰن ندوی جامعہ اسلامیہ، مظفر پور، اعظم گڈھ)

معروف عالمِ ربانی اور محدث جلیل حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمی صدر شعبۂ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم، سہارن پور، طویل علالت کے بعد ۱۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ، مطابق ۲۸/ اپریل ۲۰۱۳ء یکشنبہ کو تراسی سال کی عمر میں اپنے وطن پورہ معروف ضلع مئو، میں رحمتِ حق سے واصل ہوئے، اناللہ و انا الیہ راجعون۔

مولانا کا اصل میدان درس و تدریس تھا، اور اس میں وہ مرتبۂ کمال پر فائز تھے، دعوت و تبلیغ سے بھی گہرا ربط تھا، دعوت الی اللہ کے کام میں مسلسل ایک سال تک سرگرم رہے، اور پیدل ملک کے مختلف علاقوں کا دعوتی و تبلیغی دورہ کیا، سلوک و اصلاح سے بھی انہیں خصوصی شغف رہا، سب سے پہلے شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہ سے بیعت رہے، ان کے وصال کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ مہاجر مدنی سے وابستہ ہوئے، جب حضرت شیخ کا انتقال ہوا تو حضرت اقدس مولانا عبدالجبار صاحب اعظمیؒ شیخ الحدیث مدرسہ شاہی مراد آباد کے آستانہ پر حاضر ہوئے اور پھر ان سے خلافت و اجازت پائی، مولانا کی شخصیت فنِ حدیث میں مرجع بن چکی تھی، اسماء الرجال پر گہری نظر تھی، اہلِ علم اور عامۃ الناس سبھی ان کے علوم اور کمالات سے سیراب ہوتے تھے، ان کے تصنیفی کارناموں میں علامہ محمد بن طاہر پٹنیؒ متوفی ۹۸۶ھ کی مایۂ ناز تصنیف "کتاب المغني في ضبط الاسماء ولرواة الانباء" کی عالمانہ تحقیق و تعلیق اور خود ان کے شیخ و مرشد حضرت مولانا عبدالجبار صاحبؒ متوفی ۱۴۰۹ھ سابق شیخ الحدیث مدرسہ شاہی مراد آباد کی "امداد الباری شرح بخاری" کی توضیح و تکمیل اور اضافہ کا کام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے، مولانا نے متعدد مدارس دینیہ میں طالبانِ علوم نبوت کو فیض پہنچایا اور حدیث کی مسند مشیخت کو رونق بخشی، طلبہ کی علمی و دینی تربیت کا خاص اہتمام تھا، جس کی وجہ سے طلبہ کو ان سے انس اور لگاؤ رہتا تھا۔

ان کے انتقال سے جہاں مظاہر علوم کا حدیثی شعبہ متاثر ہوا وہیں ان کے ہزاروں عقیدت مندوں کو محرومی کا داغ سہنا پڑا، نمازِ جنازہ اور تدفین کے وقت امڈتے ہوئے انسانوں کا سیلاب ان

کے عنداللہ مقبول ہونے کی شہادت دے رہاتھا، ورثہ میں دوعالم صاحب زادے اورسات لڑکیاں ہیں، جوحضرت مرحوم کی علمی ودینی خدمات کے ساتھ صدقۂ جاریہ ہیں، والباقیات الصالحات خیر عندربک ثوابا وخیر املا۔

اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم سے فضلِ خاص کامعاملہ فرماکراعلیٰ علیین سے سرفرازفرمائے، امت کو ان کانعم البدل عطافرمائے، پس ماندگان کوصبرجمیل کی توفیق بخشے، ادارہ الشارق دل کی گہرائیوں سے اظہارہم دردی کرتاہےاوران کےغم میں برابرکاشریک ہے۔

نہیں دیکھی

از: استاذالشعراء جناب کوثرمعروفی

نظر ہم نے بہت لوگوں میں دوڑائی نہیں دیکھی
جوزین العابدیں میں تھی وہ دانائی نہیں دیکھی

تھے عالم ایک سے اک پورۂ معروف میں اپنے
مگرایسی کسی کی بھی پذیرائی نہیں دیکھی

دیاتھاآپ کو اللہ نے علم عمیق ایسا
سمندر میں بھی ہم نے ایسی گہرائی نہیں دیکھی

خدانے آپ کے جو دیدۂ بینا کو بخشی تھی
کسی بھی آنکھ میں ہم نے وہ بینائی نہیں دیکھی

ضعیفی میں بھی جو اللہ نے موصوف کو دی تھی
جوانوں میں بھی ہم نے وہ توانائی نہیں دیکھی

تعالیٰ اللہ بعد مرگ بھی چہرے کی شادابی
کہ زندوں کے بھی چہروں پہ وہ رعنائی نہیں دیکھی

انہیں کھوکر اکیلے پن کا وہ احساس ہوتاہے
کہ ہم نے زندگی میں ایسی تنہائی نہیں دیکھی

یوں ہی روتے نہیں ہیں خون کے آنسوہم اے کوثر
ہمارے دل کی تونے چوٹ اے بھائی نہیں دیکھی

حضرت مولانا زین العابدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مولانا خطیب الرحمٰن ندوی، معروفی
استاذ حدیث جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڈھ

حضرت مولانا زین العابدین صاحبؒ کو کتاب وسنت کا گہرا علم تھا، قرآن وحدیث اور فقہ کی تدریس ومزاولت تو مدۃ العمر رہی؛ لیکن علوم آلیہ میں بھی کمال حاصل تھا، علوم وفنون میں یہ گہرائی وگیرائی بلند پایہ اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے کے علاوہ خود اُن کی ذاتی محنت اور کوشش کا نتیجہ تھی، وہ بلند حوصلہ اور صاحب عزیمت انسان تھے، اللہ تعالیٰ نے ذہانت سے خوب نوازا تھا، البتہ آخر میں ضعف حافظہ کا احساس واظہار کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے۔

علوم کی تحصیل وتدریس کے ساتھ ان کو عمل کا جذبہ بھی اللہ تعالیٰ نے ودیعت فرمایا تھا، اس جذبہ کو بروئے کار لانے کے لیے دعوت وتبلیغ کی راہ اختیار فرمائی تھی اور خاصا وقت اس میں صرف فرمایا تھا، بزرگوں کے طریقہ پر ذکر کی مجلسوں کی ذریعہ اصلاح وتربیت کا کام مدتوں پہلے شروع فرمایا تھا، جو بعد میں ان کے گھر سے قریب ربانی مسجد میں منظم طور پر تادم آخر جاری رہا، حضرت مولانا زین العابدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ سلسلہ ایسا مبارک ثابت ہوا کہ اطراف وجوانب میں اس کی گونج پورے طور سے پھیلی اور اس کی طرف رجوع عام ہونے لگا، رمضان شریف میں ربانی مسجد کے نظام سے ذکر وشغل اور سلوک وطریقت کی تعلیم اور اپنے حلقۂ بیعت واستفاضہ میں تربیت کی جو تخم ریزی فرمائی تھی وہ اب شجر سایہ دار کی صورت اختیار کر چکی ہے، اللہ تعالیٰ اُن کے اس سلسلہ کو ہمیشہ آباد وشاداب رکھے، آمین۔

حضرت مرحوم چوں کہ میرے گاؤں کے تھے اس لیے ان سے ملاقات کی سعادت برابر حاصل ہوتی رہی، وہ اس حقیر کے ساتھ شفقت کا معاملہ فرماتے، زندگی کے اخیر سالوں میں اس میں اضافہ ہی ہوتا گیا، احقر بھی ملاقات کا خواہشمند رہتا بالخصوص رمضان شریف میں ضرور ان کی خدمت میں حاضر ہوتا، ان کو جامعہ اسلامیہ کے سالانہ کیلنڈر کا انتظار رہتا تھا، جب بھی اس کو لے کر حاضر خدمت ہوا خوشی کا اظہار فرمایا، ایک دفعہ ذرا تاخیر سے غالباً ربانی مسجد میں حاضری ہوئی تو کیلنڈر کی فرمائش کی،

احقر نے عرض کیا کہ تاخیر کی وجہ سے خیال ہوا کہ شاید پہنچ چکا ہو اس لیے نہ لا سکا، اس پر فرمایا کہ اور کون لائے گا؟ تمہارے ذریعہ ہی اشتہار و کیلنڈر ملتا ہے، یہاں کی دائمی جنتری پر بھی اُن کو بڑا اطمینان تھا، مولانا کے یہاں طلوع و غروب اور دوسرے اوقات کا بہت اہتمام رہتا تھا۔

قصہ ایک مجلس کا: حضرت مولاناؒ دعا و تعویذ کا کام بھی کرتے تھے، لوگوں کی خاصی تعداد اس مقصد سے اُن سے وابستہ تھی، لیکن اس کام کے لیے وقت متعین تھا، ایک دفعہ ایسے ہی مریض کو دیکھ کر فارغ ہوئے تھے کہ ان کی خدمت میں دو عالم پہنچے، احقر بھی حاضر خدمت تھا، اُن سے مخاطب ہو کر فرمایا مولانا! ہماری بستی میں یہی ایک لڑکا ''ندوی'' ہے، اس پر میں نے ذرا ناز سے عرض کیا ''میں نے ندوۃ العلماء کا ماحول بڑا پاکیزہ پایا'' اور حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ سے براہ راست سنے ہوئے دو قصے سنائے، ایک حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا، دوسرا حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا، پہلا واقعہ یہ تھا کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ دار العلوم (ندوۃ العلماء) میں تشریف لائے اور فرمایا علی میاں! (سبھی اکابر حضرت مولاناؒ کو ''علی میاں'' ہی سے خطاب فرماتے تھے) ایسی جگہ مجھے لے چلو جہاں سے تمہارے دار العلوم کا پورا ماحول نظر آتا ہو، حضرتؒ اُن کو دار العلوم کی مرکزی عمارت کے اوپر لے گئے، خدا معلوم حضرت مولانا الیاس صاحبؒ پر کیا حال طاری ہوا، فرمایا علی میاں! مانگو کیا مانگتے ہو، حضرت مولاناؒ نے فرمایا، حضرت یہی کہ جس نگاہ سے آپ مظاہر علوم کو دیکھتے ہیں اسی نگاہ سے ندوے کو توجہ بخشی جائے، حضرت مولانا الیاس صاحبؒ نے فرمایا ہاتھ اٹھاؤ اور دیر تک دعا فرمائی۔ دوسرا واقعہ حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کا سنایا، وہ یہ تھا کہ حضرت مولاناؒ نے ایک دفعہ حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ سے عرض کیا کہ حضرت! ہم نے بہتوں کے آگے ہاتھ پھیلائے مگر صرف آپ نے ہماری دستگیری فرمائی، اس پر حضرت شیخ نے فرمایا علی میاں یہ بہت چھوٹی بات ہے، سارے لوگوں کی تم دستگیری کرتے ہو، تمہاری کون دستگیری کرے گا؟ اس پر مولانا مرحوم نے بھی ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ جشن کے موقع کا ایک واقعہ سنایا، اس زمانہ میں وہ گجرات کے کسی مدرسہ میں تھے، انہوں نے نام بتایا تھا مگر ذہن میں نہیں رہا۔

کچھ اور واقعات: حضرت مولانا کی آخری بیماری کے زمانے میں ایک حاضری کے موقع

خاموش بیٹھا ہوا تھا، مولانا نے فرمایا، خطیب الرحمٰن! کیوں بہت خاموش ہو، میں نے عرض کیا کہ اس وقت میرے استاذ مولانا عبداللہ صاحب (حسنی ندوی) کے سخت بیمار ہونے کی خبر ملنے سے بڑا صدمہ ہورہا ہے، اس پر فرمایا کہ تمہارے گھر میں بھی تو کوئی بیمار ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں! اس وقت میری چچی بھی سخت بیمار تھیں، یہاں قارئین سے درخواست ہے کہ وہ مولانا عبداللہ صاحب حسنیؒ کے لیے ضرور دعائے مغفرت فرمائیں اور چچی صاحبہ کے لیے صحت وعافیت کی، اسی موقع پر میری درخواست پر اپنے شیخ ومرشد حضرت مولانا عبدالجبار صاحب معروفی علیہ الرحمہ کے واقعات سنائے، میرے اس سوال پر کہ آپ کی سب سے زیادہ اہم تصنیف کون سی ہے؟ فرمایا کہ کوئی تصنیف اہم نہیں ہے بس اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت مل جائے تو یہ کافی ہے، پھر معاً بعد اپنی بیاض نکلوائی اور اس سے جگہ جگہ سے پڑھوایا جس میں احیاء العلوم مبارکپور کے زمانے سے متعلق واقعات تھے اور کچھ ان کی کتابوں سے متعلق باتیں تھیں۔

مظہر العلوم سے مظاہر علوم تک: احقر جامعہ مظہر العلوم بنارس میں ۱۰ سال زیر تعلیم رہا، وہاں سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد بھی برابر آمد ورفت ہوتی رہی اور اساتذہ سے قرب ونیاز کا شرف ملتا رہا، استاذ گرامی حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب مدظلہ العالی ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۹۸۲ء میں ارباب دارالعلوم دیوبند کی دعوت پر دارالعلوم دیوبند تشریف لے جاچکے تھے، ان کے علاوہ ایک اور عظیم شخصیت جو جامعہ مظہر العلوم میں شیخ الحدیث کے منصب پر جلوہ افروز تھی یعنی استاذ الاساتذہ حضرت اقدس مولانا عبدالجبار صاحب اعظمی مئوی رحمۃ اللہ علیہ (اللہ تعالیٰ ان کی تربت ٹھنڈی رکھے)، صورت وسیرت میں نہایت صاف وشفاف، ظاہر وباطن میں یکساں اور علوم وفنون کے جامع، وہ بھی حضرت محدث اعظمی علیہ الرحمہ کے ایماء پر مدرسہ مرقاۃ العلوم مئو تشریف لے جاچکے تھے، اب جامعہ مظہر العلوم کے لیے ایک شیخ الحدیث کی سخت ضرورت محسوس کی جارہی تھی، اسی زمانے میں حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب مدظلہ کے دولت کدہ پر مولانا مرحوم اور حضرت مولانا عبدالمغنی صاحب (صدر المدرسین مظہر العلوم) جمع تھے، احقر بھی اس وقت موجود تھا، مظہر العلوم کے منصب شیخ الحدیث کے لیے مولانا عبدالمغنی صاحب تشریف لائے تھے اور حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب معاملہ کی گفتگو فرمارہے تھے، انہوں نے مولانا مرحوم کو مخاطب کرکے فرمایا کہ "مولانا! یہ مولانا عبدالمغنی صاحب ہیں جو علمائے دیوبند کا بے حد احترام کرتے ہیں ان کی موجودگی میں کام کرلیجئے اور جہاں تک

تنخواہ کا معاملہ ہے تو گجرات کے مقابلہ میں بنارس تو گھر کی طرح ہے"، الفاظ تقریباً اسی طرح تھے، جو میرے سامنے حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب نے ادا فرمائے تھے اور مولانا زین العابدین صاحب کی خاموشی سے آمادگی کے آثار معلوم ہو رہے تھے، اس کے بعد کیا معاملہ ہوا، مولاناؒ، مظہر العلوم کے لیے کیسے تیار ہوئے اس کا مجھے علم نہیں، کیوں کہ اس مجلس میں صرف اتنی ہی بات ہوئی تھی، الغرض مولانا مرحوم، مظہر العلوم میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے تشریف لائے اور وہاں کی رونق عود کر آئی اور ادارے کی قسمت ایک بار پھر چمک اٹھی، میرا مظہر العلوم آنا جانا ہوتا رہا، بعض نصیحتیں بھی انہوں نے مجھے کیں جو اَب تک یاد ہیں اور الحمد للہ ان پر بڑی حد تک عمل بھی ہے، مظہر العلوم بنارس سے مولانا، حیدر آباد دار العلوم سبیل السلام تشریف لے گئے اور وہاں دو سال رہے، پھر قسمت نے یاوری کی اور مولاناؒ حدیث شریف کے اہم مرکز "جامعہ مظاہر علوم" سہارنپور میں بلا لیے گئے، وہاں کے منصوبہ کے تحت "تخصص فی الحدیث" کا شعبہ قائم ہوا، اس کے لیے ایسے عالم کی ضرورت تھی جو علم کے تبحر کے ساتھ شعبہ کا انصرام سنبھالنے کی بدرجہ کمال صلاحیت کا حامل ہو اور علمائے مظاہر علوم کے تقویٰ وطہارت، ذکر و شغل، عبادت و ریاضت کی خصوصیات سے بہرہ مند اور سلوک و طریقت کی راہ سے تربیت کے فن میں بھی مکمل بصیرت اور واقفیت رکھتا ہو، لاریب اس شان کا جوہر مولاناؒ کی شکل میں مظاہر علوم کو مل گیا، مولاناؒ کے اندر مذکورہ تمام خوبیاں موجود تھیں بلکہ بعد میں وقت نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ مولاناؒ کی شخصیت جوہر گر اور مردم ساز بھی ہے، خود اخیر میں بیماری کے زمانے میں بہت اعتماد سے فرمایا کرتے تھے کہ اب میری عدم موجودگی سے شعبۂ تخصص کو کوئی نقصان نہیں ہوگا، جو لوگ تیار کر دئے گئے ہیں وہ مکمل طور پر تخصص کے شعبہ کو سنبھال لیں گے، حضرت مولانا محمد سلمان صاحب دامت برکاتہم (ناظم مظاہر علوم) کی وسعت ظرفی اور کشادہ دلی کا اظہار فرماتے تھے کہ انہوں نے مجھے مکمل آزاد رکھا کہ میں اپنے علاج کے لیے یکسو ہو جاؤں اور جب بھی افاقہ ہو جائے مدرسہ میں آجاؤں، یہ بھی اُن کی طرف سے اجازت ہے کہ اپنی قیام گاہ پر رہوں تاکہ طلبہ وہیں پہنچ کر استفادہ کریں یا درسگاہ تک جاؤں، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

مولانا کے چند تصنیفی وتحقیقی کارناموں کا ذکر: حضرت مولانا زین العابدین صاحب کا تعلیم وتربیت کے ساتھ تحریر وتصنیف سے بھی برابر تعلق قائم رہا، مستقل

تصنیف کے ساتھ تحقیق وتنقید اُن کی تحریری خوبیوں میں نمایاں ہے، انہوں نے علماء کی کتابوں پر تبصرے بھی لکھے، رسالہ ''مظاہر علوم'' میں انوار حدیث کا کالم تو اہل علم اور عوام سب کے لیے یکساں مفید اور گراں قدر ہوتا تھا، کاش یہ سرمایہ کتابی صورت میں جمع ہوجاتا تو اس کی افادیت دوچند ہوجاتی، اُن کے شیخ ومرشد حضرت مولانا عبدالجبار صاحب اعظمیؒ (سابق شیخ الحدیث مدرسہ شاہی مرادآباد) نے صحیح بخاری کی شرح ''امداد الباری'' کے نام سے شروع کی، یہ شرح اس قدر معلومات پر مشتمل ہے کہ اس کے مطالعہ کے بعد اہل علم دوسری تمام شروح سے یکسر بے نیاز ہوسکتے ہیں؛ لیکن یہ شرح سہل پسند طبیعتوں کے لیے نہیں؛ بلکہ معلومات کے اس بحر ذخار میں غواصی کے لیے جواں ہمت اور بلند حوصلہ ہونا شرط ہے، بقول غالب

ع: جس کو ہو دین ودل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں؟

مگر افسوس کہ یہ شرح پانچویں جلد میں ''بابُ کتابۃِ العلم'' تک ہی پہنچ سکی تھی کہ شارح علیہ الرحمہ کے پاس بارگاہ الٰہی سے پیام اجل آپہنچا اور وہ راہیِ ملک بقا ہوگئے، اس کے بعد انتخاب کی نگاہیں مولانا زین العابدین صاحب پر پڑیں، انہوں نے استاذ ومرشد کا چھوڑا ہوا کام اپنے ہاتھ میں لیا اور پانچویں جلد کی تکمیل کے بعد چھٹی اور ساتویں جلدیں ''کتابُ الصلاۃ'' کے ''بابُ الکلامِ إذا أقیمت الصلاۃ'' تک مکمل فرمائی، مولانا نے مزید شرح وتوضیح کی غرض سے ''قال المرتب''، ''توضیح از مرتب''، ''اضافہ از مرتب''، ''فوائد از مرتب'' اور ''عرض مرتب'' جیسے ذیلی عنوانوں سے بیش قیمت فوائد درج امداد الباری فرمائے اور جہاں وہ فائدہ یا اضافہ مکمل ہوا، اس کے مکمل ہونے کی صراحت کردی ہے؛ تاکہ شارح اور مرتب میں کسی طرح کا خلط مبحث نہ ہونے پائے۔ اضافہ وتکملہ کا یہ کام مولانا نے مظہر العلوم کے زمانے میں ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۹۹۱ء میں شروع فرمایا تھا؛ جو مظاہر علوم کے زمانے میں ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۹۹۹ء تک جاری رہا اور مولانا مرحوم شیخ الحدیث کے منصب سے صدر شعبۂ تخصص فی الحدیث کے منصب پر فائز المرام ہوئے، اس لحاظ سے مظہر العلوم سے مظاہر علوم تک کا سفر کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا۔

حیدرآباد کے زمانے میں وہاں کے ایک دینی وتعلیمی ادارہ دارالعلوم حیدرآباد کے شعبۂ اشاعت کی درخواست پر حضرت مولاناؒ نے رحمٰن علی صاحب متوفی ۱۳۲۵ھ کی فارسی کتاب ''تذکرہ علمائے ہند'' ملقب بہ ''تحفۃ الفضلاء في تراجم الکبراء'' کا اردو ترجمہ کیا، اس ترجمہ کی کئی خوبیاں اور

خصوصیتیں ہیں، مولانا کے قلم کی داد کے لیے پہلی بڑی خوبی یہ ہے کہ ترجمہ ہونے کے باوجود اس میں ترجمہ پن کا احساس نہیں ہوتا بلکہ یہ مستقل تصنیف معلوم ہوتی ہے، اس میں سلاست کے ساتھ حد درجہ شگفتگی پائی جاتی ہے، اس تذکرہ میں کثرت سے تاریخی مادّے ہیں جو بڑے معنی خیز ہیں، مولانا نے ان مادّوں کو بڑے اہتمام سے جانچا اور پرکھا بعض ایسے برجستہ اور قلم برداشتہ تھے کہ ان کا تاریخی ہونا بعد میں معلوم ہوا، مولانا کو تاریخ گوئی کا ذوق تھا اس لیے اپنی تحقیق کی روشنی میں ان مادّوں میں جہاں سہو اور تسامح نظر آیا اس کو درست فرمایا اور ان تاریخی مادّوں کی ایک فہرست، کتاب کے آخر میں شامل کر دی ہے، رحمٰن علی صاحبؒ کی کتاب میں ضبط مقامات کا بھی اہتمام ہے تاہم مولانا مرحوم نے اپنے تحقیقی وتنقیدی ذوق کی وجہ سے اس کا صحیح تلفظ قارئین کی خدمت پیش کر دیا ہے، مثلاً بھیرہ کے تلفظ کو یقینی بنانے کے لیے (بھی رَہ) سے وضاحت کر دی ہے، ملّا قطب الدین شہید سہالوی کے تذکرہ میں لکھتے ہیں: سہالی (سِ ہالی) لکھنؤ کے مضافات میں ایک قصبہ ہے، چوراسی (چَوْ راسی) کی طرف نسبت ہے جو اودھ کا ایک قصبہ ہے، فرنگی محل (فِ رَنگی محل) فرنگ بمعنی انگریز قوم کی طرف منسوب ہے، اس وقت اودھ کے دارالامارۃ لکھنؤ کا ایک محلّہ ہے، پہلے زمین کا ایک ٹکڑا تھا جس پر فرنگستان کے تاجر رہا کرتے تھے، فرنگی تاجروں کی نسل جب وہاں سے ختم ہوگئی تو وہ نزول کی سرکاری زمین ہوگئی، ملّا قطب الدین کے شہید ہونے کے بعد ان کی اولاد کو بطور معافی یہ زمین دیدی گئی، ملّا صاحب کی اولاد وہیں قیام پذیر ہیں اور یہ جگہ فرنگی محل سے مشہور ہے۔

اس ترجمہ کے متعلق جناب محمد رحیم الدین انصاری صاحبؒ، معتمد دارالعلوم حیدرآباد لکھتے ہیں "ہماری درخواست پر اردو ترجمانی کا فریضہ حضرت مولانا زین العابدین معروفی زیدت فیوضہم نے انجام دیا ہے، جو اس وقت فن اسماء الرجال پر امتیاز کی حد تک گہری نظر رکھتے ہیں، ترجمہ کی صحت وسلاست کے لیے حضرت موصوف کا اسم گرامی ہی ضمانت ہے"، یہ ترجمہ ۴۸۸ صفحات پر مشتمل ہے، اس کی تکمیل حیدرآباد کے زمانے میں ہوچکی تھی لیکن اس کی طباعت واشاعت سہارنپور کے زمانے میں مکتبہ دارالعلوم حیدرآباد اور مکتبہ قادریہ پورہ معروف کے مشترکہ تعاون سے عمل میں آئی ہے۔

مولاناؒ کے علمی کارناموں میں علامہ محمد بن طاہر پٹنی متوفی ۹۸۶ھ کی معروف اور اہم تالیف "كتاب المغني في ضبط الأسماء لرواة الأنباء" کی تحقیق وتعلیق ہے، جس میں راویانِ حدیث

اور محدثین کے ناموں، کنیتوں اور القاب کو ضبط کیا گیا ہے، یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۲۹۲ھ میں مطبع فاروقی دہلی میں طبع ہوئی، بعد میں پاک وہند اور بیروت سے اس کے متعدد ایڈیشن نکلے، لیکن نسخۂ فاروقیہ میں کثرت سے غلطیاں در آئی تھیں جو بعد کے ایڈیشنوں میں مستزاد ہوتی رہیں اور اُن سے استفادہ کرنے میں رکاوٹ رہی، کتاب میں وہ رموز بھی ایک دوسرے سے رَل مِل گئے تھے جن کو علامہ پٹنیؒ نے مصادر کے طور پر درج فرمایا تھا، مولانا نے دقت نظر سے غلطیوں کی تصحیح فرمائی اور اپنے ذوق تحقیق وتنقید کو بروئے کار لاتے ہوئے مفید تعلیقات سے آراستہ کیا، انہوں نے جن کتابوں کی مدد سے یہ کام انجام دیا ہے، وہ فن اسماء الرجال یا حدیث کے مصاور میں شمار کی جاتی ہیں، مولانا کی یہ تعلیقات بجائے خود اُن کی بلند نظری کی شہادت کے لیے کافی ہیں، یہ کتاب حدیث کے ہر طالب کی اشد ضرورت ہے، جس سے وہ کسی حال میں مستغنی نہیں ہوسکتا۔ یہ چند اہم کتابیں ہیں جن کا تعارف کرایا گیا، ان کے علاوہ بھی مولاناؒ کی متعدد تصنیفات ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی افادیت کو عام وتام فرمائے۔

حضرت مولاناؒ ظاہر میں بہت سادہ تھے مگر دل اُن کا اللہ کی یاد سے معمور اور ایمان ویقین کے نور سے منور تھا، زندگی کے اخیر حصہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر جس توکل اور اعتماد کے ساتھ گفتگو فرماتے تھے وہ اُن کے حُسن خاتمہ کی علامت ہے، مولانا کی بیماری کئی ماہ تک رہی، ڈاکٹروں کی تشخیص کے مطابق موذی مرض کینسر تھا، غذا معدہ تک پہنچنے نہیں پاتی تھی، کوئی غذا لیتے تو وہ حلق سے واپس آجاتی تھی، لیکن حوصلہ کے ایسے بلند تھے کہ مرض کی شدت اور غذا کے حلق سے نیچے نہ اترنے کے باوجود کبھی مضمحل اور افسردہ نہیں دیکھے گئے بلکہ ہمیشہ ان کے سراپا پر بشاشت چھائی رہتی تھی، ہر شخص سے ہشاش بشاش ہوکر ملتے، ملاقات کرنے والا اُن کے مرض کی تفصیل خود اُن کی زبان سے سن کر افسوس کا اظہار کرتا مگر مولانا پر کہیں سے رنج وغم کا سایہ نظر نہیں آیا تھا، ایسے موذی مرض میں اللہ تعالیٰ نے بڑی عافیت یہ دی کہ بظاہر تکلیف نہیں تھی لیکن مسلسل غذا کے موقوف ہوجانے سے رفتہ رفتہ کمزوری بڑھتی گئی اور وہ وقت آن پہنچا جس سے ہر شخص کو گذرنا ہے، چنانچہ زندگی بھر کا تھکا ماندہ یہ مسافر اپنا کام کر چکا تو اللہ تعالیٰ سے شوق ملاقات میں مسکراتے لبوں کے ساتھ داعیٔ اجل کو لبیک کہہ دیا

ع: چوں مرگ آید تبسم برلب اوست۔

مولانا کی تاریخ ولادت یکم رجب ۱۳۵۱ھ مطابق اکتوبر ۱۹۳۲ء ہے اور سانحۂ ارتحال ۱۶؍ جمادی

الاخریٰ ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۸ر اپریل ۲۰۱۳ء کو پیش آیا، اس طرح کل مدت حیات سنہ ہجری کے اعتبار سے ۸۳ سال اور سنہ عیسوی کے حساب سے ۸۱ سال ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس کو اُن کی دائمی آرام گاہ بنائے، آمین۔

وفات حسرت آیات استاذ وشاگرد:

استاذ المحدثین مولانا زین العابدین اعظمیؒ وشاگرد مولانا اعجاز احمد اعظمیؒ

نتیجۂ فکر: مولانا ابوعبیدہ ابن الشیخ مولانا زین العابدین صاحب اعظمیؒ

حادثے تیں سو تیرہ میں ہوئے دو پیہم — یہ تو اپریل میں گزرا، وہ ستمبر میں ستم
آہ وہ والد مشفق یہ رفیق وہم دم — دونوں جنت میں گئے چھوڑ کے ہم کو پرنم
رشد میں دونوں تھے یکتا، تو ہدایت میں مزید — آگے استاذ چلا پیچھے سے شاگردِ رشید
ایک تاریخ تھی رہ گیرنے رہبر پایا — بعد اپریل کے اٹھائیس ستمبر آیا
جب چلا شیخ تو سولہ تھی جمادی الاخریٰ — گذرا شاگرد تو بائیس ہوئی ذی قعدہ
فاصلہ پانچ مہینے سے بھی چھ تیں ملا — سال ہجری کا گنا چودہ سو چونتیس ملا
ایک ہی روز تھا اتوار، ہوئے خاک تلے — وہ عشا بعد کے مدفوں، یہ عشا بعد چلے
قبر میں کیا گئے وہ خلد میں آباد ہوئے — ہائے افسوس! کہ ہم ہجر میں ناشاد ہوئے
درگذر کردے کہ شکوہ نہیں رنجور ہیں ہم — ''نالہ آتا ہے اگر لب پہ تو مجبور ہیں ہم''
درگذر ساری خطاؤں سے خدایا کردے — اپنی رحمت سے عطایا ہی عطایا کردے
حوضِ کوثر کا ہمیں جام عنایت کردے — اپنے محبوب کی مقبول شفاعت کردے
اس جدائی کو جدا ہم سے خدایا کردے — باغِ فردوس میں پھر ہم کو اکٹھا کردے
مرثیہ ان کا تو آتا نہیں کہنا ہم کو — یاد آئی کہ بہر حال ہے مرنا ہم کو

عظیم شخصیت

مولانا غلام نبی قاسمی، استاذ دارالعلوم (وقف) دیوبند و مدیر تحریر ماہنامہ ندائے دارالعلوم

مرزا غالب نے سرزمین دہلی کی تاریخی عظمت کو ظاہر کرتے ہوئے لال قلعہ، قطب مینار، پرشکوہ عجائب خانوں، حکومت کے ایوانوں، فرماں روا کی شان وشوکت، کا ذکر نہیں کیا، بلکہ اس سرزمین میں محوخواب فکروفن، اصحاب کمال، اورارباب علم وفضل کو ذہن میں رکھا ہے۔

دفن ہوگا نہ کہیں ایسا خزانا ہرگز

میں غالب کے اس مصرعہ کو سرزمین دیوبند کے بعد اعظم گڈھ کی مردم خیز سرزمین کے لئے مستعار لیتا ہوں، مرزا غالب کا گزر؛ اگر دیوبند یا سرزمین اعظم گڈھ پر ہوتا، تو یقین تھا کہ ان کے شاعرانہ تخیل کا طائرہ بلند پرواز، ان کی جولانی فکر کا شہباز اوران کی جودت طبع کا عقاب یہاں کے وسیع آفاق میں جونظارہ کرتا اس کے کچھ مناظران کی فکر رسا اور زبان فصاحت پناہ سے ضرور دیکھے جاسکتے تھے۔

کون سی کتاب ہوگی جس میں دیوبند کا ذکر نہیں اور وہ کون سا اقلیم جہاں دیوبند کا تذکرہ نہیں، دارالعلوم کے حوالے سے سرزمین دیوبند کا نام علمی دنیا، دنیا میں سکہ رائج الوقت کی حیثیت رکھتا ہے اگر کسی اہم مضمون کی علمی حیثیت کو واضح کرنے کے لئے، یا کسی علمی یا کسی اہم مسئلہ کی تحقیق کے لئے مستند کتابوں سے حوالہ اور مستند ارباب علم کی شہادت درکار ہو، تو اس خانہ میں "دیوبند" لکھ دینا کافی ہوگا۔

اعظم گڈھ کی سرزمین کے امتیاز اور افتخار کے لئے کیا یہ کافی نہیں ہے کہ ہندوستان میں دیوبند کے بعد علم حدیث کی روایتی اور درایتی خدمت کا ایک خوبصورت عنوان محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی کی عبقری شخصیت کا تعلق اسی سرزمین سے تھا؟ حقیقت یہ ہے کہ علم حدیث کے باب میں ان کی زریں خدمات، حضرت شیخ الہند محمود حسن دیوبندی، حضرت علامہ انور شاہ کشمیری اور حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کے بعد برصغیر کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی کے علم وفضل سے جن لوگوں نے صحیح معنی میں استفادہ کیا اوران کے فیض کو عام کیا، ان میں حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمی رحمۃ اللہ بھی ہیں۔ مرحوم اپنے دور میں علم حدیث کی مسلم شخصیت تھے۔ اوراپنے علم، مطالعہ، اخلاق واعمال اور سیرت وعادات میں اکابر کی یادگار

اورایک انتہائی ذمہ داراور فرض شناس شخصیت کے مالک تھے۔

جامعہ مظاہر علوم جدید میں شعبۂ تخصص فی الحدیث کے ذریعہ انہوں نے جوخدمات انجام دیں وہ دوسرے مدارس کے لئے بھی مثال بنیں۔ بڑی تعداد میں انہوں نے معیاری شاگرد تیار کیے، علوم حدیث کی تدریس میں مفید اصلاحات اور رجال سازی میں انقلابی کارنامے انجام دیئے۔ حضرت مولانا مرحوم طبعاً نرم مزاج، ہمدرداور شفیق استاذ کی حیثیت سے طلبہ میں نیک نام، پڑھنا پڑھانا ان کی دلچسپی اور توجہات کا مرکز، ان کی علمی صلاحیتوں بالخصوص علوم حدیث میں مہارت تامہ سے جامعہ مظاہر علوم کا معیار تعلیم بلند ہوااور علوم حدیث کی تدریس، تعلیم، تحقیق، اور تخریج کا ایک مخصوص نہج قائم ہوا۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کے درجات کو بلند فرمائے اوران کے علمی فیضان کو جاری وساری رکھے۔

☆☆☆☆☆
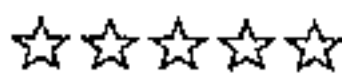
ربانی خانقاہ، پورہ معروف (مئو)

(۲۶/اپریل ۲۰۱۳ء ربانی خانقاہ کے سنگِ بنیاد کے موقع پر
بحکم: حضرت شیخ رحمہ اللہ یہ نظم انصار احمد معروفی کے قلم سے لکھی گئی)

دل میں ہو مال و زر کی محبت یا حب جاہ
دونوں ہی مل کے کرتے ہیں انسان کو تباہ

امراضِ جسم کے لیے ہوتا ہے اسپتال
امراضِ روح کے لیے بنتی ہے خانقاہ

اخلاقِ فاسدہ کا یہاں ہوتا ہے علاج
یہ خانقاہ ہوتی ہے روحانی کارگاہ

گرچہ یہاں پہ علم ہے تدریس ہے مگر
اب تک یہاں پہ تھی نہ کوئی ایک خانقاہ

حضرت کے دل کی پوری مراد آج ہوگئی
تعمیر اس کی وجہِ سکونِ دل ونگاہ

حضرت نے اپنے گاؤں کو مرکز بنادیا
علم وعمل میں آپ ہیں روحانی سربراہ

حضرت سے کتنے لوگوں کو پہنچا ہے فائدہ
کتنے درست ہوگئے آکر کے کج کلاہ

ان بوریہ نشینوں کی چوکھٹ پہ آگئے
سرکو جھکائے اپنے فقیر اور بادشاہ

ہم زین العابدین کے سچے ہیں معتقد
سستی سے گرچہ جاتے وہاں ہم ہیں گاہ گاہ

یہ خانقاہ منبع بنے علم وذکر کی
تعلیم وتزکیہ کی یہ روشن ہو شاہ راہ

اک سمت خانقاہ ہو اک سمت مدرسہ
نورِ پیمبری کی یہ بن جائے جلوہ گاہ

سب لوگ کہہ رہے ہیں بیک دل بیک زباں
ہم شوق سے بنائیں گے ربانی خانقاہ

احمدؔ نے حکمِ شیخ سے لکھ دی ہے نظم یہ
حضرت کی اک توجہ سے ملتی گئی ہے راہ

☆☆☆☆☆

استاذ المحدثین

مولانا عبد اللطیف قاسمی، استاذ دار العلوم (وقف) دیوبند

حضرت مولانا زین العابدین صاحب کی شخصیت "جماعت المحدثین" سے تعبیر تھی آپ جتنا بڑا کام علم حدیث پر کر گئے وہ کسی ایک فرد کا کام نہیں بلکہ ایک جماعت کا کام ہے، اور اسی پر بس نہیں کہ وہ ایک بڑا کارنامہ انجام دے گئے، اس سے ایک قدم آگے وہ ایک ایسی جماعت محدثین کی تیار کر گئے جو مختلف مدارس میں برسر کار ہے اور یہ سلسلہ انشاء اللہ قیامت پر منتہی ہوگا! حضرت مولانا کا امتیازی وصف رجال سازی ہے، جو بہت ہی کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے، علمائے دیوبند میں چند رجال ساز شخصیتیں گزری ہیں جن میں سے ایک حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمیؒ کی شخصیت بھی تھی، قادر مطلق سے دعا ہے کہ رجال ساز شخصیتوں کی یہ کڑی آخری نہ ہو؛ بلکہ یہ سلسلہ قیامت تک جاری وساری رہے۔

استاذ المحدثین علم حدیث میں اتنے فائق تھے کہ ان کا اختصاص بحیثیت محدث ہوگیا ورنہ تو وہ ہرفن مولا تھے، احقر علمی استفادہ کے لئے حاضری دیتا تھا، اکثر تو حدیث شریف سے متعلق ہی سوال کیا کرتا تھا جواب اتنا برجستہ ہوتا کہ لگتا تھا کہ جواب دینے کے لئے پہلے ہی سے مستعد بیٹھے تھے، ایک بار فقہی مسئلہ (خلط نطفہ) کے بارے میں سوال کر بیٹھا تو پھر کیا رہا تکیہ کی ٹیک چھوڑ کر بیٹھ گئے اور سیر حاصل بحث شروع کردی، میرے ساتھ ایک طالب علم تھا میں نے اسے اشارہ کیا کہ وہ لکھ لے اس پر خلاف عادت بگڑ گئے، فرمایا: بابو! سائل تم ہو تو لکھنا بھی تم ہی کو چاہئے، میں نے طالب علم سے جلدی سے کاغذ لے لیا اور لکھنا شروع کردیا، خلط نطفہ پر جو فلسفی کلام شروع فرمایا تو لگ رہا تھا کہ حضرت کی زبان پر ارسطو ناطق ہو، پھر تمام ائمہ کے آراء ومسالک پر ایسی مضبوط تقریر فرمائی کہ دیکھتا رہ گیا، اسی طرح سے ایک مرتبہ میں نے سوال کیا کہ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی نے ظہور قدسی کے تحت لکھا ہے کہ اگر تم طالب علم ہو تو جبرئیل امین کے سامنے بیٹھے ہوئے طالب علم پر نظر جماؤ، جس سے ظاہر ہے کہ نبی ﷺ جبرئیل امین کے شاگرد تھے، پھر تو ایسے بھڑکے کہ گھنٹوں مدلل ومفصل تقریر فرماتے رہے اور پان بھی درمیان درمیان کھاتے کھلاتے رہے۔

ایک بار خلۂ دل اور سودائے دل سے متعلق سوال کرلیا، اس پر بڑے مسرور ہوئے گویا کہ منتظر ہی بیٹھے تھے کہ سوال کیا جائے، پہلے تو لغوی تحقیق، پھر اصطلاحی تحقیق اس کے بعد احسان وسلوک پر ایسی معرکۃ الآراء بحث کی جیسے علامہ رومی کی روم حلول کرگئی ہو، ہواؤں کے فراٹے ساکت، دریاؤں کی روانی نوک زبان کی ہمنوا ہوگئی ہو، کیفیات دل پر ایسا بیان جیسے دل کے اندر بیٹھ کر دل کی کہانی اپنی زبانی کہہ رہے ہوں اتنے اوصاف کے حامل مگر سادگی اللہ اللہ، استاذ الاکبر حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب سے ایک بار معلوم کیا، حضرت مولانا زین العابدین صاحب کے بارے میں کیا خیال ہے فرمایا: ملا ہے ملا، میں نے کہا حضرت کیا مطلب؟ تو اپنے خاص انداز میں فرمایا: جاہل! علو العلم یعنی علم کا پوٹلا، مزید فرمایا: مولوی صاحب! یہ شخص بے نفس اتنا ہے جیسے چلتا پھرتا مردہ، پھر تھوڑے وقفے سے فرمایا مولانا نعمت اللہ صاحب اور مولانا زین العابدین صاحب یہ دونوں میرے ساتھی ہیں بڑے باصلاحیت ہیں اور باصلاح بھی، حضرت شیخ الادب مولانا نعمت اللہ صاحب کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ مولوی صاحب ایک ہی تو طالب علم ہے، لیکن مولوی عبد اللطیف! مولانا زین العابدین صاحب علم حدیث میں بہت آگے نکل گئے، میں نے کہا حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب کی آپ تو اتنی تعریف فرمارہے ہیں اور طلبہ پسند نہیں کرتے پیشانی پر بل چڑھا کر بولے طلبہ کے لئے استاذ نہیں فلاں فلاں، کچھ بڑے اساتذہ کے نام لئے، کی جماعت بنائی جائے پھر ان کو مولانا پڑھائیں، ان کے استاذ بننے کے لائق، حضرت شاہ صاحب کو اس قدر عقیدت تھی کہ جامعہ امام انور کے ہر جلسہ میں حضرت مولانا زین العابدین صاحب کو مدعو فرماتے اور دعا بھی انہیں سے کرواتے تھے۔

دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد کے مہتمم حضرت مولانا رضوان القاسمی نے احقر کو حکم کیا کہ مولانا آپ میرا ایک کام کردیں بڑا احسان ہوگا میں عرض کیا کہ حضرت کیا کام ہے، فرمایا مظاہر علوم میں دو نایاب شخصیتیں ہیں، ان کو کسی بھی قیمت پر سبیل السلام پہنچادو میں نے دریافت کیا کہ وہ کون کون بزرگ ہیں فرمایا کہ مولانا زین العابدین صاحب اور کاتب نسیم سیتاپوری، میں نے سہارنپور کا سفر کیا اور حضرت مولانا زین العابدین صاحب سے ملاقات کی اور حرف مطلب عرض کیا، اس پر مولانا ہنسنے لگے اور فرمایا کہ بابو تم بھی چکر میں آگئے، مظاہر علوم بزرگوں کا روحانی عرفانی ادارہ ہے، اسے چھوڑ کر صرف روپیوں کے لالچ میں حیدرآباد چلا جاؤں، استاذ المحدثین کے اس جواب سے استغنا کا اندازہ آپ

کریں، ثانی الذکر نے جواب دیا جو احقر کے شاگرد ہیں، حضرت میں تو صرف نسبت کے لئے یہاں کام کررہا ہوں، ورنہ روزگار کی کمی نہیں ہے، اس وقت مظاہر کو کاتب نسیم کی ضرورت تھی، اب کاتب نسیم کو مظاہر کی ضرورت ہے، مگر افسوس ذمہ داران ادارہ نے بغیر کسی نوٹس کے باہر کردیا ہے، اللہ آپ پر رحم فرمائے۔

حضرت مولانا زین العابدین صاحب کے بارے میں بہت کچھ لکھنا تھا؛ مگر ایک لمبا سفر در پیش ہے؛ اس لئے اسی پر بس کرتا ہوں، حق تعالیٰ حضرت مولانا کے درجات کو بلند فرمائے۔ آمین۔

تعزیتی نظم

مولانا عارف مظہری

فضل سے تیرے خدا ہے حسن گویائی مری
جادہ پیمائی ہو یا ہو خامہ فرسائی مری

صد ہزاراں رحمتیں ہوں صد ہزاراں ہوں درود
آپ کے صدقے نبی جی سخن آرائی مری

دیکھا منظر موت کا اور آنکھ بھرآئی مری
رنج و غم میں ڈوب کر آواز بھرائی مری

سوچتا ہوں اب کہاں بیٹھوں گا میں کس کے قریب
کس سے ہوگی اب محبت سے پذیرائی مری

اب سناؤں گا کسے تنہائی میں میں حالِ دل
کون ہے اب جو کرے گا ہمت افزائی مری

فون سے ہی بات کرلیتا پئے تسکینِ دل
جب طبیعت جس جگہ جس وقت گھبرائی مری

آج بھی جب یاد ان کی دل میں آجائے کبھی
چھوٹتی ہے دلبۂ صبرِ شکیبائی مری

آہ! استاذِ مکرم والدو شیخِ شفیق
کون سمجھے گا بھلا رشتوں کی گہرائی مری

پشتہا در پشت کے رشتوں کے تھے وہ پاسدار
کس سے نبھ پائے گی یہ رشتوں کی گہرائی مری

ان کے جانے سے ہوا شدت سے یہ احساس آج
ان کی ذاتِ قدس سے تھی عزت افزائی مری

دوسروں کا کیا کہوں اپنا تو بس یہ حال تھا
ان کے سایہ سے ڈھکی اب تک تھی رسوائی مری

یہ مری نالائقی ہے کچھ نہ سیکھا ان سے میں
ورنہ ہر مجلس میں ہوجاتی تھی شنوائی مری

اک سہارا آپ تھے اس عارفِ مغموم کے
اب کہاں پائے سہارا ہائے تنہائی مری

میں وہ گم گشتہ پریشاں حال اک مجہول شخص
ان کی نسبت سے ہی قسمت آج کھل آئی مری

اتنا اپنا پن تھا ان کی ڈانٹ میں اے دوستو
ڈانٹ کھانے سے بھی ہوتی تھی نہ رسوائی مری

سادگی، سنجیدگی، شائستگی، دل بستگی
ان کے کس کس وصف کو بتلائے آگاہی مری

تھے بہت ہشاش اک دن خواب میں دیکھا انہیں
باتیں خوش خوش ہو رہی تھیں آنکھ کھل آئی مری

مغفرت، رحمت، کرم کی بارشیں ہوں اے رؤف
یہ دعا دل سے زباں پہ بار بار آئی مری

ہیچ گہہ ذوقِ طلب از جستجو بازم نہ داشت

مولانا عبدالرشید بستوی/صدر المدرسین جامعہ امام انور، دیو بند

اب سے چار پانچ سال پہلے کی بات ہے، احقر مظاہر علوم سہارن پور کسی کام سے گیا اور حسب معمول نکتہ رس عالم دین ومحدث حضرت مولانا زین العابدین صاحب معروفی [علیہ الرحمۃ والرضوان] سے ملاقات کے لیے شعبۂ تخصص فی الحدیث [جس کے مولانا سربراہ تھے] کی درس گاہ میں حاضر ہوا۔ دورانِ گفتگو مولانا نے ازراہِ حسنِ ظن راقم الحروف سے فرمایا "تمھیں اجازت وخلافت کس سے حاصل ہے؟" اس وقت تو احقر نے ایک ظریفانہ جواب دے کر روئے سخن دوسری طرف پھیر دیا اور بات آئی گئی ہوگئی۔ لیکن دل پر چوٹ سی لگی اور اپنی حرماں نصیبی پر بہت پچھتاوا ہوا۔ کہاں مولانا جیسے نیک سرشت اور باریک بیں عالم کا یہ پاکیزہ خیال اور کہاں اس تعلق سے احقر کی رند مزاجی، آزاد خیالی اور بے مہار زندگی۔

یہ زر پرست پیر: ظاہر ہے اس میں اپنی ہی کوتاہ دستی کا قصور ہے، تاہم ایسے بوالہوس قسم کے لوگ بھی کچھ کم قصوروار نہیں جو "بازار معرفت" میں اصلاح نفس اور تزکیۂ قلب کا سائن بورڈ لگائے خوش حال وسرمایہ دار گاہکوں کی تاک میں بیٹھے رہتے ہیں۔ ان کی زندگی دین اور اس کی بنیادی تعلیمات سے عاری، دروغ بیانی ان کا وطیرہ، سازش ان کی طبیعت، جاہ ومنصب کا حصول اور اس کا استحصال ان کا مقصد زندگی اور مقصد براری کے لیے ہر بد باطن سے جوڑ توڑ اور میدانِ سیاست کے چال باز کھلاڑیوں کی مانند کچھ لو کچھ دو کے تحت سودے بازی۔ نہ دین ودیانت، نہ شرافت ومروت، نہ اخلاق ومعاشرت، نہ خودداری وغیرت اور نہ عزتِ نفس اور خودی۔

اہل جنوں کی وفا شعاری: اس کے بعد احقر نے اپنی حد تک اطمینان کر لینے کے بعد حضرت مولانا قمر الزماں صاحب الہ آبادی زیدت معالیہم کا ہاتھ پکڑا۔ اس وابستگی پر پوری طرح سے مطمئن اور قانع۔ ایسی علمی وعرفانی شخصیات کے فیوض وبرکات ہمہ جہت ہوتے ہوئے بھی "دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر" ہر دست گرفتہ اپنی طلب اور جذبہ وظرف کے مطابق ہی فیض یاب ہو پاتا ہے۔ اس میں بافیض شخصیت کا نہیں، طالبین فیض ہی کی کوتاہ دستی حائل بنتی ہے۔ فارسی

شاعر نے کہا ہے ؎

باران کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم و خس

بارش کی پاکیزگی طبیعت میں کوئی اختلاف نہیں ہے، مگر باغ میں سبزہ اگتا ہے اور شوریدہ زمین میں جھاڑ جھنکاڑ۔

احقر کی یہ وابستگی اور دست گرفتگی نہ حصول زر کے مقصد سے ہے، نہ شہرت طلبی اور نام وری کی نیت سے۔ مطلوب ہے چند باطنی امراض سے شفایابی اور کچھ سنگین رذائل سے پاکیزگی۔ بحمداللہ حضرت مولانا کی توجہ سے بڑی حد تک یہ مطلب حاصل ہو گیا ہے۔ اس سے مزید کی نہ طلب، نہ جستجو اور نہ ضرورت، نہ اس وابستگی کی تشہیر، نہ کسی قسم کی پبلسٹی، نہ جوڑ توڑ اور نہ کسی دوسرے کی تشکیل اور نہ ذہن سازی۔ اپنے اس فیصلے پر شاداں اور اس وابستگی پر قانع، نہ کسی فارز پیر کی تلاش کے لیے کوہ کنی اور نہ کسی ڈومیسٹک مرشد تک باریابی کے لیے رخت سفر اور زاد راہ کے انتظام کی زحمت۔ گرچہ اہلِ خرد اس حوالے سے بھی بہت خوش نصیب اور خوش حال۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

اہل خرد تو روز بدلتے رہے خدا
ہم اہل عشق جس کے ہوئے اسکے ہو رہے

دست از طلب نہ دارم: خیر بات کہاں سے کہاں چلی گئی۔ حضرت مولانا زین العابدین صاحب شروع سے ہی محنتی، جفاکش، ذہین وذکی، وقت کے قدر شناس اور مطالعۂ کتب کے رسیا تھے۔ جو کچھ پڑھتے دقت نظر اور سمجھ کر، اگر کبھی کسی جگہ شبہ ہوا تو لغات ودیگر کتب سے مراجعت کرنے میں سستی وکاہلی سے کام لیتے اور نہ کسی دوسرے سے پوچھنے میں عار محسوس کرتے، زمانہ طالب علمی ہو، یا آغاز مدرسی یا پھر مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں کتب حدیث: بخاری وترمذی کی تدریس کا زمانہ رہا ہو یا آخر میں مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور میں شعبۂ تخصص فی الحدیث کی صدارت وسربراہی کا عرصہ، اس حوالے سے مولانا کا ذوق ومزاج کچھ اس طرح کا واقع ہوا تھا ؎

دست از طلب نہ دارم تا کارِ من نیاید

ترجمہ: میں جستجو سے باز نہیں آؤں گا جب تک میرا مقصد پورا نہیں ہوگا۔

گذشتہ تقریباً دس سالوں کے دوران احقر کا حضرت مولانا سے تعلق رہا، متعدد مرتبہ سہارن پور جانا ہوا اور وہ بھی بارہا دیوبند تشریف لائے، جب ملاقات ہوئی کوئی نہ کوئی علمی بات چھیڑ دیتے۔ احقر کی بابت یہ حسنِ ظن کہ اسے عربی زبان وادب سے اچھی خاصی مناسبت ہے اس لیے کسی قدیم شاعر کا تذکرہ کرتے تو کبھی کسی دیوان کا، صبح الاعشی کے اشعار سناتے تو گاہے جاحظ کی کسی کتاب کا کوئی اقتباس، راقم الحروف اس وقت شرم سے زمین میں گڑ جاتا جب وہ ان حوالوں سے اپنی معلومات یا اپنی عبارت فہمی کی تصدیق چاہتے۔ جب کہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ احقر کی عربی دانی ھٰذا اور ذٰلک سے آگے جو کچھ ہے وہ سب حضرات اساتذۂ کرام کی توجہ اور اللہ تعالیٰ کے فضل خاص کا صدقہ۔ بعد میں دوسروں کی زبانی جب سنا کہ یہ تو مولانا کی طبیعت ہے تب جا کر دل کو سکون ہوا۔

خیر جلیس فی الزمان کتاب: مطالعہ کی لذت کوشی کا یہ حال تھا کہ جو بھی نئی کتاب ہاتھ لگتی اس کو شروع سے آخر تک پڑھے بغیر نہ رہتے۔ دوران مطالعہ اگر کوئی بات محلِ نظر معلوم ہوتی اس پر نشان لگا دیتے اور مطالعہ سے فراغت پر امہاتِ کتب سے مراجعت کے بعد اس کی باحوالہ تصحیح فرماتے اور بالعموم اگر صاحبِ کتاب سے واقف ہوتے تو براہِ راست ان سے اس کا تحریری یا زبانی تذکرہ کرتے۔ اہلِ نظر مولانا کے لیے سراپا ممنون ومشکور ہوتے، جب کہ پندار علم میں مبتلا حضرات ناک بھوں چڑھاتے اور اپنی غلطی تسلیم کرنے پر کسی طور آمادہ نہ ہوتے۔ یاد ہے کہ جب حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی تالیف ”المرتضیٰ“ آئی تو مولانا نے اس کتاب کے بعض مندرجات کے تعلق سے تحفظات کا اظہار کیا اور حوالوں کے ساتھ علمی خامیوں کی نشان دہی کی، مگر اہلِ علم کو اس وقت سخت حیرت ہوئی جب مولانا ندویؒ نے ان خامیوں کو قبول کیا اور نہ آئندہ ان کی اصلاح فرمائی۔ طرفہ تماشا یہ کہ مولانا کی تحریر کا کوئی جواب بھی نہ دیا جس سے مولانا کی غلطی ہی واضح کر دی جاتی۔ مجبوراً مولانا نے المرتضیٰ کی علمی کوتاہیوں پر مشتمل ایک رسالہ خود ہی شائع کیا۔

اس حوالے سے یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ المظاہر (عربی) میں احقر نے مؤرخِ اسلام قاضی اطہر صاحب مبارک پوریؒ کی معرکۃ الآرا کتاب ”خیر القرون کی درس گاہیں اور ان کا نظام تعلیم وتربیت“ کا عربی ترجمہ شروع کیا جو رسالۂ ہٰذا میں قسط وار اشاعت پذیر ہو رہا ہے۔ مولانا المظاہر کے تمام مضامین پڑھتے اور احقر کا ترجمہ بھی، ملاقات پر ترجمہ کی تحسین بھی کرتے اور اگر کسی جگہ تعبیر میں جھول محسوس

کرتے، اس کی نشان دہی بھی فرماتے۔ اس سے مولانا کی عربیت پر بھرپور قدرت کا اندازہ ہوتا ہے۔

مردم گری: سازگار ماحول سے صلاحیت واستعداد کار کو جلا ملتی ہے جب کہ مخالف آب وہوا میں بسا اوقات زنگ لگ جاتا ہے اور انقلابی صلاحیتیں بھی ماند پڑ جاتی ہیں۔ مظاہر علوم کے شعبۂ تخصص فی الحدیث کی سربراہی کے دوران افراد سازی اور مردم گری کی جو صلاحیت مولانا میں ودیعت تھی، وہ بھرپور انداز میں نکھری۔ اس دوران انھوں نے طلبہ وفضلاء کی معتد بہ تعداد کو علمِ حدیث کا باذوق مدرس، مؤلف، محقق اور تعلیق نگار بنا دیا۔ جمع الفوائد ہمارے اکابر علماء کے مطالعے میں ہمیشہ رہی، اس اہم کتاب کی معیاری تحقیق وتخریج کے ساتھ طباعت واشاعت جہاں مدرسہ کی خدمات حدیث کا ایک نمایاں باب ہے، وہیں مولانا زین العابدین صاحبؒ کی رجال سازی اور ذوق تحقیق کا جیتا جاگتا ثبوت بھی۔

تواضع اور خاکساری: علم کی مقبولیت کی شان ہی یہ ہے کہ صاحبِ علم تواضع وخاکساری کا سراپا بن جاتا ہے۔ جب کہ مردود علم غرور وپندار کا ترجمان ہوتا ہے۔ مولانا کو تواضع سے وافر حصہ ملا تھا اور انھیں پیش قدمی کر کے نہ کسی چھوٹے آدمی کے پاس جانے میں عار ہوا، نہ اپنے کسی شاگرد سے ملاقات میں۔ آخری بیماری کے سہ ماہی عرصہ میں باوجود کوشش احقر ان کی عیادت نہ بمبئی کر سکا، نہ سہارن پور حاضری دے سکا۔ بمبئی سے واپسی پر ان کی طبیعت پہلے سے زیادہ بحال ہوگئی اور وہ بغیر کسی سہارے کے چلنے پھرنے لگے تھے۔ اس دوران ایک نکاح کی تقریب میں شرکت کی غرض سے دیوبند تشریف آوری کے موقع پر، خود تلاش کر کے احقر سے ملاقات کی اور حسبِ سابق ہی پوری بشاشت اور خندہ پیشانی سے ملے۔ نہ زبان پر کسی قسم کا حرفِ شکایت اور نہ کوئی کبیدگی۔

وقت کی قدر و قیمت: عربی کا مشہور مقولہ ہے ''الوقت أثمن من الذهب'' اس دنیا میں جتنی باکمال شخصیات پیدا ہوئی ہیں، ان کی تعمیر میں وقت کی قدر دانی کے عنصر نے بہت نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ صبح وشام کی گردش ہی کا نام زندگی ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ زندگی بھی بہ تدریج اپنی آخری منزل کی طرف رواں دواں رہتی ہے۔ وہی لوگ خوش قسمت ہیں جو شب وروز کی ایک ایک ساعت کی پوری قیمت وصول کرتے ہیں اور چند سالوں میں اتنا کچھ کر گزرتے ہیں جتنا کام پوری ایک جماعت نہیں کر سکتی۔ مولانا زین العابدین صاحبؒ نے ملک کے طول وعرض میں کئی ایک مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیں، مگر کبھی اور کہیں نہ تدریس کے ساتھ کسی قسم کی خیانت کی اور نہ ہی اپنا کوئی وقت

ضائع ہونے دیا۔ جتنا وقت ملا، کتابوں کے مطالعہ میں صرف کیا۔ یہی سبب ہے کہ انھوں نے فارسی کی ابتدائی کتابوں سے لے کر بخاری شریف تک جملہ علوم و فنون کی کتابیں پڑھائیں اور بھرپور محنت، تیاری اور مطالعہ کے ساتھ۔ اسی لیے ان تمام مضامین میں ان کی صلاحیت بڑی ٹھوس اور معلومات انتہائی وسیع اور گہری تھیں۔

تا میکدہ آباد است: حضرت مولانا ہی جیسے ارباب علم، اصحابِ نظر اور علمائے ربانیین سے علم دین، مطالعہ و کتب بینی، صلاحیت و صلاح، مردم گری و رجال سازی، ذکر و فکر، دیانت و امانت، سادگی و پرکاری، خورد نوازی، اخلاص و للّٰہیت، احساسِ ذمہ داری اور وقت کی پابندی جیسے اوصافِ حسنہ کی آبرو قائم ہے۔ خدا اپنی حفاظت میں رکھے اب تو اصحابِ جبہ و دستار بھی عوام کالانعام کی مانند سیم و زر کے حمام میں برہنہ نظر آتے ہیں۔ ان کی تمام تگ و دو کا مرکز حصولِ زر اور افزونیٔ دولت، اہل دنیا کی چوکھٹ پر جبہہ سائی، علم و دین کی نیلامی اور ہماری زریں روایات کی پامالی کے سوا کچھ نہیں۔ فیا للأسف!! حضرت مولانا جیسی شخصیات کو دیکھ کر طبیعت کو سکون حاصل ہوتا اور دل کو اطمینان کہ ؎

از صد سخنِ پیرم یک حرف مرا یاد است
عالم نہ شود ویراں تا میکدہ آباد است

مجھے اپنے شیخ کی سو باتوں میں صرف ایک بات یاد رہ گئی ہے کہ دنیا تب تک تباہ و برباد نہ ہوگی جب تک یہ میکدہ آباد ہے۔

کام تھے عشق میں: حضرت مولانا زین العابدین صاحبؒ نے خود بھی تالیف و ترجمہ کی وقیع خدمت انجام دی اور اس سے زیادہ زیر تربیت جواں سال فضلاء سے ترجمہ، تحقیق اور تالیف کا کام لیا۔ مظاہر علوم کے شعبۂ تخصص فی الحدیث کے طلبہ سے علم حدیث کے مختلف گوشوں اور ممتاز محدثین کی حیات و خدمات پر تحقیقی و معیاری مقالات اپنی نگرانی میں لکھوائے اور ان سے متعدد کتابوں کی تعلیق و تحشیہ کی خدمت لی۔ آئندہ سالوں میں دوسرے بہت سے علمی گوشوں سے نقاب کشائی ان کے ذہن میں تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ یہ کام بہ ہر صورت بہتر سے بہتر انداز پر کیا جائے اور اہلِ علم کے لیے استفادہ کی راہیں آسان کی جائیں۔ مگر عمر نے وفا نہ کی اور حضرت مولانا میر کی زبان میں جاتے جاتے یہ پیغام دے گئے ؏

کام تھے عشق میں بہت پر میر
ہم ہی فارغ ہوئے شتابی سے

زندگی کا حاصل: بیماری کے زمانے میں بھی مولانا کا علمی اشتغال جاری رہا۔ اس دوران ان کے حالات وکیفیات دیکھ اور سن کر ایمان میں تازگی اور قلب میں حرارت کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ مولانا ممتاز صاحبِ فضل وکمال تھے اور نہایت خاموش ذاکر وشاغل۔ علم کی جستجو ان کی زندگی تھی اور ذکر الٰہی تسکین روح کا سامان۔ زندگی کے آخری ایام میں بھی جستجوئے علم کی ان کی یہ پختہ عادت باقی رہی۔ اس طرح مولانا کی پوری زندگی معروف فارسی شاعر کلیم کاشانی کے اس شعر کی سچی تصویر تھی ؎

ہیچ گہہ ذوقِ طلب از جستجو بازم نہ داشت
دانہ می چیدم دراں روزے کہ خرمن داشتم

تلاش وجستجو کے ذوق نے مجھے کبھی باز نہ رکھا۔ میں اس دن بھی دانہ چنتا تھا جس دن کھلیان رکھتا تھا۔

نے وہ سرور و سوز: حضرت مولانا اپنے ربِ غفور کی جوارِ رحمت میں جاچکے۔ ان کی زندگی بھر کی حسنات، نماز جنازہ مین علماء وصلحاء کی کثرت، ملک و بیرون ملک ان کے لیے استغفار و ایصالِ ثواب کے اہتمام کے سبب قوی امید ہے کہ وہ اپنی قبر پرنور میں جنت کے مزے لے رہے ہوں گے۔ تالیف وترجمہ، تحقیق وتحشیہ اور اولاد وتلامذہ کی شکل میں جو صدقۂ جاریہ اپنے پیچھے چھوڑ گئے ہیں، اس پر ملنے والا اجر ان سب پر مستزاد اور رفع درجات کا ذریعہ ثابت ہوگا، ان شاء اللہ۔

یا صبح دم جو دیکھیے آکر تو بزم میں
نے وہ سُرور و سُوز نہ جوش و خروش ہے

زندگی کی حقیقت بھی کسی افسانہ سے کم نہیں۔ زندگی کی بے ثباتی ہر روز جرسِ کارواں بن کر آواز دیتی ہے، مگر آہوانِ صحرا ہیں کہ انھیں کچھ سنائی ہی نہیں دیتا۔ بیدلؔ نے زندگی کی حقیقت کچھ یوں بیان کی ہے ؎

بیداریٔ میانِ دو خواب است زندگی
گرد تخیلِ دو سراب است زندگی

از لطمۂ دو موج حبابے دمیدہ است
یعنی طلسمِ نقش بر آب است زندگی

اللّٰهم ارحمه و اغفر له و ارفع درجته و اکرم مثواه و الهم اهله الصبر والسلوان

☆☆☆☆☆

آہ! زین العابدین

نتیجۂ فکر: مولانا ولی اللہ ولی قاسمی بستوی
جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا، نندوربار، مہاراشٹر

(رباعیات)

عہدِ حاضر کے محقق تھے وہ زین العابدین
اہلِ عرفاں تھے، مدقق تھے وہ زین العابدین
اہلِ بدعت کے مخالف تھے دل و جاں سے مدام
اہلِ سنت کے موافق تھے وہ زین العابدین

جادۂ حق کا علمبردار تھا ان کا قلم
عدل اور انصاف کی تلوار تھا ان کا قلم
پیش فرماتے تھے وہ قرطاس پہ سچ کا نچوڑ
اہلِ شر سے برسرِ پیکار تھا ان کا قلم

معتبر تھا نام ان کا ، صاحبِ تصنیف تھے
مستند تھا کام ان کا ، حاملِ تالیف تھے
جو لکھا کرتے تھے ہوتا تھا حوالوں سے سجا
اہلِ دنیا کی نظر میں قابلِ توصیف تھے

پورۂ معروف اعظم گڈھ کے مردِ نامدار
کاروانِ علم اور تحقیق کے تھے تاجدار
ترجمانِ اہلِ سنت ، دینِ رحمت کے نقیب
اور میدانِ حق وباطل کے تھے وہ شہسوار

واقفِ راہِ شریعت ، تھے طریقت کے امام
عالمانِ عہدِ نَو میں وہ رہے عالی مقام
ان کی ہستی محترم تھی ، قابلِ اعزاز تھی
مجلسوں کی شہ نشیں پُر ہوتا تھا ان کا قیام

جس بھی موضوع پر اٹھاتے وہ قلم، تھے کامیاب
جس طرف وہ چل پڑے مقصد میں وہ تھے باریاب
عالموں کے درمیاں تھا نام ان کا تابناک
آسمانِ علم کے وہ تھے درخشاں ماہتاب

ان کے جانے سے خلا پیدا ہو جو اے "ولی"
بھر نہیں سکتا زمانے میں کبھی وہ اے "ولی"
تابعِ سنت رہے وہ، تھے فدائے مصطفیٰ
اور ذاتِ کبریا کے تھے ولی وہ اے "ولی"

حضرت مولانا زین العابدین صاحب: ایک عظیم شخصیت

مولانا عبدالحمید نعمانی، سکریٹری جمعیت علمائے ہند

جمعیت علمائے ہند کے صدر مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری نے مشہور ومعروف عالم دین مولانا زین العابدین کے سانحۂ ارتحال پر رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے اسے بہت بڑا علمی خسارہ قرار دیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ مولانا مرحوم دارالعلوم دیوبند اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے انتہائی ذی علم فضلا اور تلامذہ میں سے تھے، وہ امتیازی نمبرات سے اپنے زمانے میں کامیاب ہوئے تھے۔ ان کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ انھوں نے مکتب کی ابتدائی تعلیم سے لے کر بخاری تک کا درس دیا تھا اور علم حدیث کے سلسلے میں ملک اور بیرون ملک میں کچھ ہی ایسے گنے چنے لوگ ہیں جن کو ایسا عبور اپنے فن پر ہوتا ہے۔ اسی صلاحیت کے مدنظر معروف تعلیمی دینی درس گاہ مظاہر علوم سہارن پور کے شعبہ تخصص فی الحدیث کے صدر بنائے گئے تھے۔ اصول حدیث، اسمائے رجال اور حدیث کے علوم میں ان کو بڑا کمال اور عبور حاصل تھا، اس پر ان کی مختلف علوم وفنون کی کتابیں شاہد ہیں۔ علامہ طاہر پٹنیؒ کی کتاب ''المغنی''، امام ذہبی کے اسمائے رجال پر مبنی کتابوں پر من یعتمد قولہ فی الجرح والتعدیل، اعلام المحدثین کے علاوہ دلائل الامور الستۃ، نخب من اسماء رجال الصحاح، رحمٰن علی کی فارسی کتاب تذکرہ علمائے ہند کا اردو ترجمہ اور عقائد کی مشہور کتاب شرح عقائد کی شرح التعلیقات السنیہ اور عقائد ہی کے موضوع پر ''عقیدہ نما''، ''علمی احتساب'' جیسی کتابیں بھی مولانا مرحوم کی علمی صلاحیتوں کی شہادت دیتی ہیں۔ ایک بڑا کام مولانا کی نگرانی میں جمع الفوائد کی تحقیق کے ساتھ اشاعت کا کام بھی ہے، اس کتاب کی آٹھ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ ساتھ ہی مولانا مرحوم بخاری کی شرح امداد الباری (شیخ عبدالجبار اعظمیؒ) کی تکمیل کا کام بھی کر رہے تھے۔ آپ بیتی پر مشتمل تقریباً ڈیڑھ سو صفحات اپنی سوانح تحریر کر چکے تھے۔ ان علمی خدمات کے سبب وہ تلامذہ اور اہل علم میں بہت مقبول اور بنظر توقیر دیکھے جاتے تھے۔ مولانا مرحوم امام بخاریؒ کی کتاب ''الادب المفرد'' کا بہت علمی مطالعہ پیش کر رہے تھے، اگر وہ پورا ہو جاتا تو اہل علم کے لیے بہت مفید ہوتا۔ مولانا مرحوم کا

مطالعہ بہت وسیع تھا۔ وہ منصفانہ اور دیانت دارانہ رائے پیش کرنے میں کسی رو رعایت کے قائل نہیں تھے، ان کے سانحہ ارتحال سے بڑا علمی خلا پیدا ہو گیا ہے۔ اللہ رب العزت نعم البدل عطا فرمائے۔

مولانا منصور پوری نے مرحوم کے لیے بلندی درجات اور مغفرت کی دعاء کرتے ہوئے ان کے لواحقین سے اظہار تعزیت کیا ہے۔ انھوں نے دینی اداروں کے ذمے داران خصوصا جمعیۃ کے احباب واراکین سے دعا کی درخواست کی۔

مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

مولانا ڈاکٹر عبدالرحمٰن ساجد الاعظمی، استاذ جامعہ امدادیہ، مرادآباد

جو لوگ حق شناس، خدا ترس، اور عالم باعمل ہوتے ہیں۔ ان کی رحلت پر اپنے لوگ بھی روتے ہیں اور زمانہ بھی روتا ہے، ایسے ہی لوگوں میں حضرت مولانا زین العابدین رحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃً بھی تھے۔ اللہ انہیں اپنی رحمت کے سایہ میں جگہ عطا فرمائے، آمین۔

قادر مطلق نے عظمت وکمال یکتائی کے بہت سے عناصر ان میں جمع فرمادئے تھے، وہ شبستانِ قاسمی کے گل سرسبد، شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ، علامہ ابراہیم بلیاویؒ اور شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علیؒ کے آغوش علم کے پروردہ تھے، حضرت مولانا عبدالغنی رسول پوری ہزاروی، اور محدث کبیر ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمیؒ سے ان کو سند حدیث کی اجازت حاصل تھی۔ مظاہر علوم سہارنپور میں شعبۂ تخصص فی الحدیث کے بانی واستاذ تھے۔

حضرت والا کو منعم حقیقی نے گوناں گوں عطائے خاص سے نوازا تھا، فن تجوید وقرأت میں سبعہ کے ماہر قاری، محراب ومنبر پر امام وواعظ، خانقاہ میں پیر طریقت، تدریس کی مسند پر شفیق استاذ، نقد ونظر کے میدان میں بہترین محقق ونقاد، تلامذہ ومعاصرین کی محفل میں پُرمزاح وخوش مذاق، عربی اور اردو میں کم وبیش ایک درجن اہم کتابوں کے مؤلف ومرتب، ان ہی کتابوں میں امدادالباری شرح بخاری کی ترتیب، جس پر زندگی ہمیشہ کے لئے قربان ہوگئی ؎

کون سا جھونکا بجھادے گا کسے معلوم ہے
زندگی کی شمع روشن ہے ہوا کے سامنے

امدادالباری شرح بخاری کے مؤلف شیخ المحدثین حضرت مولانا عبدالجبار الاعظمیؒ کی وفات کے بعد آپ سے اسکو تکمیل تک پہونچانے کی گذارش کی گئی، تو پہلے تو حضرت والا نے اس احساس کی وجہ سے انکار فرمایا کہ حضرت شیخ کو فن حدیث میں جو ملکہ، وسعتِ نظر اور رسوخ فی العلم حاصل تھا، وہ ہم میں کہاں؟ پھر فرمایا کسی راوی کے نام کے سلسلے میں (جواَب راقم کو یاد نہیں رہا) کسی حرف پر زبر اور پیش کی بابت میری رائے حضرت کی رائے سے مختلف تھی۔ چنانچہ دسیوں کتاب سے مراجعت کے بعد

میں حضرت شیخؒ کی خدمت میں پہونچا اور عرض کیا کہ فلاں فلاں محدثین نے اس حرف کو زبر کے ساتھ لکھا ہے۔ اور آپ نے اس پر پیش لگایا ہے۔ اس پر حضرت شیخؒ نے فرمایا، محدثین کے حوالے سے آپ نے جو بات نقل کی ہے، دراصل وہ بہت سے محدثین کی بات نہیں ہے بلکہ صرف ایک شیخ کی ہے، اور ان سے اس مقام پر سہو ہوگیا۔ بعد کے محدثین اسی کو نقل فرماتے رہے، اب آپ ان سے پہلے محدثین کی فلاں فلاں کتابیں دیکھیں اور جب میں نے ان کتابوں کو دیکھا تو اس وقت مجھے شیخ کی دِقّت نظر کا اندازہ ہوا۔

بہر حال ہم لوگوں کے اصرار پر حضرت والا نے حامی بھرلی۔ یہ سوچ کر کہ خدمت حدیث کے ساتھ حضرت شیخ کی بعد وصال ہی کچھ خدمت ہوجائے۔ دوسرے یہ آرزو؛ کہ ہستی تو باقی رہنے والی نہیں، مگر یہ ترتیب تو برسوں باقی رہے گی۔ اور ہوسکتا ہے کہ کوئی اللہ والا اس کے طفیل ہمارے لئے دعائے رحمت فرمادے، چنانچہ حضرت والا اپنے مضمون میں لکھتے ہیں: ''حضرت کے خلف اکبر مولانا عبدالباری صاحب مبلغ افریقہ کی رائے کے موافق صاحبزادۂ محترم مولانا مفتی حبیب الرحمٰن معروفی اور مولانا عبدالرحمٰن ساجد کوٹریاپاری نے باصرار یہ عظیم خدمت میرے سپرد فرمائی اور ہر طرح تعاون دینے کا یقین دلایا تو میں نے اس خدمت کو سعادت سمجھ کر اللہ سبحانہ کی توفیق کے سہارے قبول کرلیا کہ شاید اللہ تعالیٰ قبول کرلیں تو میرا حشر بھی زمرۂ محدثین میں ہوجائے اور حضرت کی خدمت ان کی زندگی میں نہ کرسکا تو یہ خدمت بعد وصال میرے لئے کفارہ ہوجائے''، پھر مضمون کو شیخ سعدی کے ان اشعار پر ختم فرماکر اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ امداد الباری کی تالیف میں میری بھی تمنا وہی ہے جو شیخ سعدیؒ کی گلستاں کی تصنیف کے وقت تھی۔

بماند سالہا ایں نظم وترتیب ☆ زماہر ذرہ خاک افتادہ جائے
غرض نقشے است کز ما یاد ماند ☆ کہ ہستی را نمی بینم بقائے
مگر صاحبدلے روزے برحمت ☆ کند درکار درویشاں دعائے

(دیباچہ گلستاں، امداد الباری جلد پنجم)

سادگی جو بڑوں کا شیوہ، اور تواضع جو بزرگوں کی طبیعت ہوتی ہے، سراپا آپ کی ذات میں حق سبحانہ تعالیٰ نے ودیعت فرمادیا تھا۔ چلنے، پھرنے، اٹھنے، بیٹھنے، ملنے، جلنے میں نہ کوئی اہتمام، نہ کوئی

تکلف، ہاں! اگر اہتمام تھا تو درس وتدریس کا، ذکر واذکار کا، تلاوت وعبادت کا، اللہ کے بندوں کو اللہ سے ملانے کا۔

کہنے لگے، مولوی عبدالرحمٰن! خانقاہ کی تعمیر ہونی ہے، اس کی پیشانی پر خوبصورت تحریر میں خانقاہ کا نام لکھنا ہے، میں نے کہا کیا لکھنا ہے، فرمایا کہ دوبارہ جب آؤں گا بتادوں گا!

مگر افسوس! وقت موعود آپہنچا، زندگی کی شمع بجھ گئی اور اسی کے ساتھ ایک حسرت تھی جو دل میں رہ گئی ایک پاکیزہ تمنا تھی جو دمِ واپسیں کے ساتھ دم توڑ گئی۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ ممبئی سے علاج ومعالجہ کے بعد ڈاکٹروں کی مایوس کن تجویز کو سن کر سہارنپور ہوتے ہوئے وطن تشریف لائے تھے۔ میں نے بھی جو کچھ سنا تھا، اس سے حد درجہ متاثر تھا، حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب مفتی احیاء العلوم مبارکپور کی معیت میں حضرت کی ملاقات کیلئے حاضر ہوا دیکھا کہ بوتل آویزاں ہے، رگِ جاں میں سوئی کی نوک چبھی ہوئی ہے۔ مشیت ایزدی کہ اب تک زبان ودہن جو غذا کی لذت سے محروم تھے، اب وہ ہلکی اور رقیق غذا کی لذت سے آشنا ہیں۔

واہ رے شانِ ایمانی! فکر واضطراب کی کوئی معمولی سی لکیر بھی خدوخال سے نمایاں نہ تھی، اہل علم، زیارت وملاقات کیلئے حاضر باش تھے اور حضرت والا پوری خندہ پیشانی کے ساتھ اسی انداز میں جوان کا طرز گفتگو تھا عربی اور فارسی کے اشعار اور علمی نکات سنا رہے تھے کہ دن ڈوبنے لگا اور مؤذن مسجد سے رب کی کبریائی کا اعلان کرنے لگا، تو ہم لوگ آپ کے پاس سے اٹھ کر آپ کی بنائی ہوئی مسجد میں آگئے۔

پھر دوبارہ ۲۷/اپریل ۲۰۱۳ء کو حاضری ہوئی۔ حاضری سے چند منٹ پہلے بیماری کا عارضہ شدت اختیار کر چکا تھا۔ قریب پہنچے، لوگوں کا ایک ہجوم تھا۔ اور آپ کی نظر آسمانی نظاروں میں محو تھی زبان کو یارائے گفتار نہ تھی بالآخر ۲۸/اپریل ۲۰۱۳ء ضلع کی جس علمی بستی (پورہ معروف) میں صبح زندگی کی پہلی کرن دیکھی تھی، اسی بستی میں اپنوں کی محبت کے سائے میں زندگی کی آخری شام ہوگئی، (انا للہ وانا الیہ راجعون)۔

زندگی کے ۸۳ برس کا خلاصہ تعلیم وتعلّم اور تزکیہ واحسان جو آپ کے باکمال اساتذہ کا علمی

فیضان اور مشائخ چشت کی توجہ اور تربیت کا نتیجہ تھا اور یہی وہ علمی وروحانی سرمایہ تھا، جس کی حفاظت واشاعت میں آپ ہمیشہ کوشاں اور سرگرم عمل رہے۔

تصوف اور سلوک کے باب میں سب سے پہلے اپنے اولوالعزم استاذ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ سے بیعت کی۔ ان کے بعد قطب الاقطاب حضرت شیخ سہارنپوریؒ کی تربیت میں رہ کر علم سلوک حاصل فرمائے۔ ان مرشدین کاملین نے جس طرح آپ کی اصلاح وتربیت کی تھی وہ یقیناً منزل تک رسائی کیلئے کافی تھی۔

نشانِ نقشِ پا سے بھی پہنچ جاتے ہیں منزل تک
مگر فیضانِ میر کارواں کچھ اور ہوتا ہے

شیخ سہارنپوریؒ کی رحلت کے بعد، اگر ایک طرف فیضانِ شیخ سے محرومی کا غم تھا تو دوسری طرف سلوک کے بہت سے رموز ونکات سے واقفیت نے جو روحانی واحسانی انقلاب برپا کر رکھا تھا، اس کا مداوا کسی مرشدِ کامل کے بغیر ممکن نہ تھا۔ یہی وہ تڑپ تھی جو اپنے استاذ شیخ المحدثین ابوالابرار حضرت مولانا عبدالجبار الاعظمیؒ کے دربار گہر بار تک لے آئی (جو حضرت شیخ سہارنپوری کے اجل خلفاء میں تھے اور اس وقت جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز تھے)۔

جہاں آپ نے تصوّف اور سلوک ومعرفت کی منزلیں طے کیں اور شریعت سے حقیقت تک رسائی حاصل کر کے ۱۴۰۶ھ میں خلافت واجازت سے سرفراز ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان کے صحائف اعمال کو روشن اور ان کے علمی کارناموں کو زندہ وتابندہ رکھے۔

زندگی کا سفر خواہ کتنا طویل ہو جائے، آخر ایک دن موت کی دہلیز پر پہونچ کر ختم ہو جاتا ہے۔ زندگی فانی ہے اور فنا ہی اس کا مقدر ہے، مگر کچھ بندگانِ خدا ترس مر کر بھی زبانوں، دلوں اور تذکروں میں زندہ رہ جاتے ہیں۔ اور یہ وہی پاکیزہ نفوس ہوتے ہیں، جو خالق کائنات کی محبت، رسول امی کی اطاعت، سجدوں کی کثرت، مجاہدانہ کارنامے، علمی خدمات۔ اور تصنیفات وتالیفات کے ان جواہر پاروں کی وجہ سے جو "ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما" کا مصداق ہو کر عدم سے آشنا نہیں ہوتے۔

جوہرِ انسان عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں

آنکھ سے اوجھل ہونے کے بعد بھی وہی ''انسان کا جوہر'' لوگوں کو رُلاتا اور بےچین رکھتا ہے، کہ اس کی جلوت وخلوت کا رمز آشنا، اس کے دیدۂ دل کا وہ نور، جس سے گاؤں، شہر، اور محفلیں پُرنور تھیں، جو دینی اداروں، علمی درسگاہوں اور روحانی مجلسوں کی آبرو تھا جو حضور میں تھا اب وہ غیاب میں ہے۔ نظریں اب بھی اسی کو ڈھونڈ رہی ہیں۔ مگر ہم نے شاید سنا نہیں وہ تو بزبانِ حال یہی کہتے ہوئے رخصت ہوا ہے۔

ملنے کو نہیں نایاب ہیں ہم

اور جب کوئی نایاب چیز کھو جائے تو حزن وملال اور رنج والم کا ہونا فطری بات ہے اور اسی فطرت کی ترجمانی جگر کے اس شعر میں نظر آتی ہے۔

جان کر منجملہ خاصان میخانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام دپیمانہ مجھے

☆☆☆☆☆

مولانا زین العابدین معروفیؒ کچھ یادیں کچھ باتیں

مولانا ڈاکٹر مسعود احمد اعظمی، مدیر مجلہ المآثر (مئو)

مئو ضلع میں شہر سے تقریباً آٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر شمال مغرب میں "پورہ معروف" ایک زرخیز ومردم خیز بستی ہے، یوں تو یہ بستی چھوٹی سی ہے، لیکن اس میں علماوقراء وحفّاظ اور اصحاب درس وتدریس فضلا کا جو ذخیرہ ہے، وہ شاید ہی ہندوستان کی اس جیسی کسی دوسری بستی میں ہوگا۔ اس کی خاک سے پیدا ہونے والے اور اس کی آغوش میں پرورش اور نشو ونما پانے والے علماء وفضلاء ہندوستان کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے ہیں اور درس وتدریس، علم ودین کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

ماضی میں اس کے جو باکمال افراد آسمان علم وفضل پر چمکے اور اپنے علم ومعرفت، عرفان وآگہی، درس وافادہ اور دینی وعلمی خدمات کی وجہ سے معروف ومشہور ہوئے، ان میں حضرت مولانا سخاوت علی ومولانا کرامت علی جون پوری-رحمہما اللہ- کے فیض یافتہ، اور حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اجازت یافتہ حضرت مولانا محمد طاہر معروفی -متوفی ۱۲۹۶ھ = ۱۸۷۸ء-، حضرت مولانا عبد الستار معروفیؒ -متوفی ۱۴۱۴ھ = ۱۹۹۴ء-، حضرت مولانا عبد الجبار معروفیؒ -متوفی ۱۴۰۹ھ = ۱۹۸۹ء-، حضرت مولانا امانت اللہ معروفیؒ -متوفی ۱۴۱۶ھ = ۱۹۹۶ء- اور حضرت مولانا محمد عثمان معروفیؒ -متوفی ۱۴۲۲ھ = ۲۰۰۱ء- وغیرہ کی شخصیت بہت نمایاں ہے۔ ان بزرگوں میں سے ہر ایک شمع معرفت کا پروانہ اور علم وفن کا دل دادہ تھا، علم وعمل کی جامعیت کے ساتھ ساتھ کسی کے درس وتدریس کا سکہ رواں تھا، کوئی میدان تصنیف وتالیف کا شہسوار تھا، کسی کے زہد وتقوی اور بزرگی کا چرچا تھا، کوئی کثرت مطالعہ اور وسعت معلومات کی وجہ سے مشہور تھا۔ اِس وقت جن لوگوں کے دم سے اس بستی کا نام روشن ہے، اُن میں سرفہرست اور نمایاں ترین نام دارالعلوم دیوبند کے موقر اور عظیم المرتبت استاذ حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب معروفی مدظلہ العالی کا ہے۔

علم ومعرفت کے ساتھ اس بستی کا رشتہ پرانا اور گہرا ہے، ابھی چند مہینوں پہلے تک جن کے فیضان علم اور سرچشمۂ معرفت سے تشنہ کامان علوم دینیہ فیض یاب ہو رہے تھے، ان میں ایک اہم اور ممتاز شخصیت مولانا زین العابدین معروفی نوّر اللہ مرقدہ کی ہے، جو ۶ / جمادی الاخری ۱۴۳۴ھ = ۲۸ / اپریل

۲۰۱۳ء کو طویل مدت تک علم ودین کی بیش بہا خدمت انجام دینے کے بعد بزم درس وافادہ کو سونی اور مسند تدریس کو خالی چھوڑ کر سفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔ مولانا مرحوم نے ۸۰ربرس سے زیادہ عمر پائی اور پوری عمر عزیز پڑھنے پڑھانے، دین کی خدمت کرنے اور علم کی روشنی پھیلانے میں گزار دی، اس جیسی باکمال شخصیتوں اور خدام علم ودین کا حق یہ ہوتا ہے کہ ان کے علمی کمالات کا تذکرہ کیا جائے، ان کے محاسن اعمال کو بیان کیا جائے، ان کے نقوشِ زندگی کو نمایاں اور ان کے کارناموں کو زندہ وپایندہ کیا جائے، تاکہ زندگی میں جس طرح اُن سے استفادہ اور کسب فیض کیا گیا، ان کے خرمن علم سے خوشہ چینی کی گئی، اُن کی رحلت کے بعد بھی ان کے علمی وعملی کارنامے لوگوں کے لیے مشعل راہ اور نمونۂ عمل بن سکیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مولانا مرحوم ایک تبحر اور دقیق النظر عالم اور جید الاستعداد وکہنہ مشق مدرس ومربی تھے، خداوند قدوس نے ان کو علم ومعرفت کی دولت کے ساتھ ذہانت وفطانت کی نعمت سے بھی حظ وافر عطا فرمایا تھا، اسی کے ساتھ ان کے اندر محنت، لگن اور کام کرنے کا غیر معمولی جذبہ تھا، جس نے ان کی صلاحیت کو نکھارنے اور پروان چڑھانے میں غیر معمولی کردار ادا کیا تھا، لیکن انھوں نے اپنی استعداد وصلاحیت کو صرف ہنگامۂ درس وتدریس تک محدود نہیں رکھا، بلکہ تصنیف وتالیف کا کام بھی کیا، سلوک وطریقت سے بھی رشتہ استوار کیا، متوسلین ومریدین کی اصلاح وتربیت پر بھی محنت صرف کی۔ یوں انھوں نے اپنی حیات مستعار کو زیادہ سے زیادہ مفید اور نافع بنانے کی کوشش کی، انھوں نے ملک کے متعدد مشہور ومعروف مدارس کی مسند درس وافادہ کو رونق بخشی، مختلف دینی درس گاہوں میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے، اور آخر عمر کے تقریباً اٹھارہ سال مظاہر علوم - سہارن پور - میں شعبۂ تخصص فی الحدیث کے منصب صدارت پر متمکن رہے، اس مدت میں تصنیف وتالیف کے اندر انہماک کے ساتھ تحقیق وتصحیح متون کی طرف بھی ان کی توجہ رہی، اور اسی کے ساتھ علمی وتحقیقی کاموں میں فضلاء کی رہنمائی کے ذریعہ ان کی تربیت کرتے رہے، اس عرصے میں آپ کی محنت وجانفشانی اور توجہ ورہنمائی سے کئی ایک بہت قیمتی علمی وتحقیقی کام انجام پذیر ہوئے، جن میں قابل ذکر کارنامہ حدیث کی مشہور کتاب ''جمع الفوائد'' کی خدمت اور اس کی تحقیق واشاعت مولانا کی سرپرستی ونگرانی ہے۔

وسعت مطالعہ، علمی وتدریسی صلاحیت اور تصنیف وتالیف کے ملکہ کے ساتھ غیر معمولی فہم

وبصیرت اور دقت نظر سے بھی بہرہ مند تھے، مولانا کی دقت نظر کا سب سے اہم ثبوت ان کی تصنیف "المرتضی کا علمی احتساب" ہے۔

۱۹۸۹ء یا اس کے ایک آدھ سال آگے پیچھے کی بات ہوگی کہ ایک موقع پر مولانا مرحوم احقر کے غریب خانے پر تشریف لائے، چائے وغیرہ نوش فرمانے کے بعد راقم سے فرمایا کہ: "بڑے مولانا کے ہاں چلنا ہے، تم بھی ساتھ چلو"۔ میں تیار ہو کر ان کے ساتھ ہولیا، مولانا کے ساتھ کپڑے کا ایک تھیلا بھی تھا، جب بڑے مولانا- حضرت محدث الاعظمی قدس سرہ العزیز- کی خدمت میں پہنچے، تو پرسش احوال کے بعد مولانا نے اپنے تھیلے سے کچھ اوراق نکالے اور یہ کہتے ہوئے حضرت کی خدمت میں پیش کیا کہ: "میں نے 'المرتضی' کا تعاقب کیا ہے، میں چاہتا ہوں کہ آپ اس پر نظر ثانی فرمادیں"۔ حضرتؒ نے بعد میں دیکھنے کے لیے کہہ کر مولانا کا مسوّدہ رکھ لیا، یہی تعاقب بعد میں "المرتضی کا علمی احتساب" کے نام سے چھپ کر شائع ہوا۔

مولانا معروفیؒ نے شیخ سعید سنبل کا رسالہ "الأوائل" پڑھ کر حضرت محدث الاعظمی- نور اللہ مرقدہ- سے حدیث شریف کی سند واجازت حاصل کی تھی، جس مجلس میں مولانا نے حضرت کے پاس "رسالۃ الأوائل" پڑھا تھا، اس میں حضرت مولانا مجیب الغفار صاحب- قدس سرہ- سابق شیخ الحدیث مدرسہ مظہر العلوم بنارس- متوفی ۱۴۳۰ھ = ۲۰۰۹ء- اور مولانا ازہر رشید صاحب فرزند ارجمند حضرت مولانا رشید احمد صاحب الاعظمی- اطال اللہ عمرہما- بھی شریک تھے، اور اوائل کی اجازت حاصل کی تھی، مولانا زین العابدین صاحب نے پورا رسالہ پڑھا تھا اور حضرتؒ نے ان تینوں لوگوں کو سند واجازت سے سرفراز فرمایا تھا۔

حضرت محدث الاعظمیؒ کو اس رسالے کی اجازت آپ کے مشفق استاذ حضرت مولانا عبد الغفار صاحب- متوفی ۱۳۴۱ھ- سے حاصل تھی، مولانا عبد الغفار صاحب کو اس کی اجازت حاصل تھی شیخ الدلائل حضرت مولانا عبد الحق الہ آبادی مہاجر مکی سے، مولانا عبد الحق الہ آبادی کو مولانا محمد قطب الدین دہلوی سے، ان کو مسند الآفاق شاہ محمد اسحاق صاحب سے، ان کو مولانا عمر بن عبد الکریم بن عبد الرسول سے، ان کو اپنے شیخ علامہ محمد طاہر سے، اور شیخ محمد طاہر کو اپنے والد وشیخ علامہ محمد سعید سنبل سے- رحمہم اللہ جمیعاً-، اور شیخ محمد سنبل مکی- متوفی ۱۱۷۵ھ = ۱۷۶۱ء- ہی اس رسالے کے مصنف ومرتب ہیں، جس

میں انھوں نے ہر حدیث کی سند کو اُس کتاب کے مصنف تک ذکر کردیا ہے، جس کتاب سے انھوں نے اس حدیث کو لیا ہے۔ حضرت محدث الاعظمیؒ نے اس رسالے کو ۱۳۸۲ھ=۱۹۶۲ء میں متن کی تصحیح اور ضروری حواشی کے ساتھ مکتبۃ الاعظمي - پٹھان ٹولہ، مئو- سے شائع کیا تھا، اس کی طباعت ندوۃ العلماء پریس لکھنؤ میں ہوئی تھی۔

چونکہ مولانا معروفی کے حضرت محدث الاعظمیؒ سے رسالۃ الأوائل پڑھ کر سند واجازت حاصل کرنے کی بات آگئی تھی، اس لیے یہ مفید معلومات ضمناً ذکر کردیے گئے ہیں کہ

ع: مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات

حضرت مولانا زین العابدین معروفیؒ نے متعدد تصانیف یادگار چھوڑی ہیں، آپ کی تمام تصانیف وتالیفات تو راقم کی نظر سے نہیں گزری ہیں، یہاں صرف ان ہی کتابوں کا ذکر کیا جارہا ہے، جن سے راقم متمتع اور مستفید ہوا ہے۔

ہندوستانی علماء کے حالات میں ایک نہایت اہم کتاب "تذکرۂ علمائے ہند" ہے، اس کے مصنف کا نام مولوی رحمان علی ہے، جن کا سنہ وفات ۱۳۲۵ھ=۱۹۰۷ء ہے، کتاب کی زبان فارسی ہے، علمائے ہند کے تذکروں میں یہ ایک اہم ماخذ ہے، جس سے تاریخ وتذکرہ کا کوئی طالب علم، یا اس میدان میں کام کرنے والا کوئی عالم ومحقق یا اسکالر مستغنی اور بے نیاز نہیں ہوسکتا؛ لیکن چونکہ کتاب کی زبان فارسی ہے، اور فارسی سے مناسبت دن بدن کم ہوتی جارہی ہے، اس لیے اس سے پوری طرح انتفاع واستفادہ اسی وقت ممکن ہے، جبکہ اس کا اردو میں ترجمہ بھی کردیا جاتا۔ اس کا ایک ترجمہ تو پاکستان کے ایک ممتاز اسلامی اسکالر اور نامور مصنف ومحقق جناب محمد ایوب قادری نے کیا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ یہاں کے لوگوں کے لیے اس ترجمے تک رسائی اور اس سے استفادہ آسان نہیں ہے۔

ہندوستان میں ہمارے حضرت مولانا زین العابدین صاحب نے مولوی رحمان علی کی اس اہم کتاب کا نہایت عمدہ اور سلیس ترجمہ کرکے اس سے استفادہ کو سہل اور آسان بنادیا، اس ترجمہ سے صرف یہی نہیں ہوا کہ اس سے استفادہ آسان ہوگیا، بلکہ کتاب جو اب نایاب ہوتی جارہی تھی، طباعت واشاعت سے ہم کنار ہوکر ہر شخص کی دسترس میں ہوگئی۔

دسویں صدی ہجری میں گجرات کے ایک مایۂ ناز اور یگانۂ روزگار عالم ومحدث مولانا محمد طاہر پٹنی

-متوفی ۹۸۶ھ= ۱۵۷۸ء- گزرے ہیں، مولانا پٹنی سرزمین ہند کے مشہور محدث اور صاحب تصانیف بزرگ تھے، زمرۂ محدثین میں آپ کا نام اور مقام بہت اونچا ہے، بہت سی اہم اور مفید کتابوں کے مصنّف تھے، آپ کی متعدد تصانیف کئی سو سال گزرنے کے بعد بھی اہل علم کے لیے مرجع اور ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں اور اہل علم ان سے خوشہ چینی کرتے چلے آرہے ہیں، ان کی مایۂ ناز تصانیف میں ''مجمع بحار الأنوار'' کے نام سے حدیث کا مشہور لغت ہے، جو اپنے موضوع پر بے نظیر تصنیف ہے، اور کسی زمانے میں منشی نول کشور پریس سے اشاعت پذیر ہوئی تھی، بعد میں -۱۳۸۷ھ =۱۹۶۷ء میں- یہ کتاب حضرت محدث الاعظمیؒ کی تحقیق اور تصحیح وتحشیہ کے ساتھ پانچ ضخیم جلدوں میں حیدرآباد سے شائع ہوئی۔

علامہ پٹنی کی کتابوں میں ایک اور اہم کتاب تلخیص خواتم جامع الأصول بھی حضرت محدث الأعظمیؒ کی تصحیح وتحقیق اور حواشی کے ساتھ شائع ہوچکی ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ حضرت مولانا پٹنی -رحمۃ اللہ علیہ- کی ایک بیش قیمت تصنیف ''المغني في ضبط الأسماء لرواۃ الأنباء'' ہے، یہ کتاب پہلی دفعہ ۱۲۹۲ھ میں زیور طباعت سے آراستہ ہوئی تھی، اور مطبع فاروقی سے طبع ہوکر شائع ہوئی تھی، اس کے بعد بھی کئی دفعہ اور کئی جگہ سے یہ کتاب شائع ہوتی رہی، لیکن اس کا کوئی اڈیشن کتابت وطباعت کی اغلاط سے خالی نہیں رہا، حضرت مولانا معروفیؒ نے اس کی طرف توجہ مبذول کی، اور اس کے مختلف اڈیشنوں کے مقابلہ وتصحیح اور مختصر مگر ضروری حواشی لکھ کر نہایت صاف ستھرا اڈیشن تیار کیا، جو نفیس کتابت وطباعت کے ساتھ عمدہ ومعیاری کاغذ پر ۱۴۲۶ھ میں مکتبۂ دارالعلوم بانڈی پورہ کشمیر سے شائع ہوئی۔ اس کتاب کی قدر وقیمت اور اس کی افادیت کا صحیح اندازہ اس کو دیکھنے اور اس کی ورق گردانی کرنے بعد ہی لگایا جاسکتا ہے۔

ان علمی کمالات اور تصنیفی وتالیفی سرگرمیوں کے ساتھ مولانا مرحوم ایک صاحب دل، متقی، پرہیز گار، عبادت گزار، نرم دل اور سنت کے پیروکار بھی تھے، سنت پر عمل کرنے اور محمد رسول اللہ ﷺ کے طریقے کے مطابق زندگی گزارنے کی پوری کوشش کرتے۔ مولانا کی ایک اہم صفت گریہ وزاری تھی، حقیر نے متعدد موقعوں پر آپ کو نہایت تضرُّع اور الحاح وزاری کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں آنسو

بہاتے دیکھا ہے۔

اپنے شاگردوں پر بے حد شفیق ومہربان تھے، ان کی حوصلہ افزائی اور دل جوئی کرتے، علمی کاموں میں ان کی رہنمائی اور مدد کرتے۔ راقم کو آپ سے براہ راست شرف تلمذ تو نہیں حاصل تھا، لیکن ایک شاگرد ہی کی طرح شفقت ومہربانی اور ہمدردی کا برتاؤ کرتے تھے۔

متانت وسنجیدگی اور عالمانہ وقار کے ساتھ سادگی، اور تواضع وفروتنی آپ کی شخصیت کے اجزاء ترکیبی تھے۔ مولانا جب بیمار ہوکر گھر آئے، تو انتقال سے ہفتہ عشرہ پہلے راقم کے خال محترم اور حضرت محدث الاعظمیؒ کے فرزند دل بند حضرت مولانا رشید احمد صاحب، والد مکرم، اور ماموں زاد بھائی مولانا ازہر رشید صاحب عیادت کے لیے مولانا کے گھر گئے، مولانا کا دل بھر آیا، اور آب دیدہ ہوکر مولانا رشید احمد صاحب سے کہنے لگے کہ آپ نے کیوں تکلیف فرمائی، مسعود وغیرہ کو بھیج دیا ہوتا، پھر ان سے فرمایا کہ ہمارے ہم عصروں میں سب سے زیادہ عمر کے آپ ہی ہیں۔

مولانا بہت حوصلہ مند اور صابر وشاکر تھے، چنانچہ اسی علالت میں اس سے کچھ پہلے بھی ایک دفعہ عیادت کے لیے احقر ان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، باوجودیکہ ان کو اپنے خطرناک اور مہلک مرض کا علم تھا، لیکن مرض کی وجہ سے آپ کے چہرے مہرے پر رنج کے آثار نہیں ظاہر ہورہے تھے، اور اس آزمائش کو پورے صبر واستقامت کے ساتھ برداشت کررہے تھے، ان کے اس وصف سے احقر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہا۔

مولانا کی رحلت سے علمی حلقوں میں جو خلا واقع ہوا ہے، اس کا پُر ہونا آسان نہیں ہے، علم وعمل کے ایسے جامع افراد اور اخلاص کے ساتھ علم ودین کی خدمت کرنے والے دن بدن کم ہوتے جارہے ہیں، اور ان کی خالی جگہیں مشکل ہی سے پُر ہوتی ہیں، اب حالت یہ ہے کہ

جو بادہ کش ہیں پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آبِ بقائے دوام لے ساقی

اللہ رب العزت مولانا کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کے علمی فیوض وبرکات کو تادیر جاری وساری رکھے، آمین۔

☆☆☆☆☆

آہ! حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمیؒ

مولانا اشتیاق احمد اعظمی، قاسمی (دارالعلوم مئو)

جب سے ہوش سنبھالا، گھر میں والد ماجد مدظلہ العالی کی زبانی حضرت مولانا مرحوم کا نامِ نامی مختلف مواقع پر سامنے آتا رہا، کبھی مرحوم کی ذہانت وذکاوت کا ذکر ہوتا، کبھی دارالعلوم دیوبند میں دورانِ تعلیم مختلف درجات میں تفوق علمی کا بیان ہوتا، کبھی دورۂ حدیث کے سال فرسٹ پوزیشن حاصل کرنے کا چرچا ہوتا۔

الغرض بچپن ہی سے حضرت العلامؒ کے علمی تفوق کا نقش دماغ پر بیٹھا ہوا تھا، لیکن ملاقات کا اولین شرف کب حاصل ہوا؟ اس کا جواب دینے سے ذہن ہنوز قاصر ہے۔

حضرت العلامؒ کا طرز تدریس اور طلبہ کے اوپر علمی دھاک بیٹھنے کا ذکر خود ان کے بعض تلامذہ سے سننے کو اس وقت ملا جب راقم جامعہ دارالعلوم عمر آباد میں بسلسلۂ تعلیم وتعلم مقیم تھا، جامعہ دارالسلام عمر آباد کا سفر بھی یادگار ہے اور اس کے اصل محرک ڈاکٹر مولانا ابواللیث قاسمی خیر آبادی تھے، موصوف نے دس پندرہ سال مدرسۃ الاصلاح میں تعلیمی خدمات انجام دینے کے بعد مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ لیا تھا، موصوف داخلہ کے سلسلہ میں بارہا دہلی آتے رہتے تھے اور ہر بار دیوبند ضرور تشریف لاتے، ہمارے ساتھ کئی لڑکے خیر آباد کے بھی دیوبند میں زیر تعلیم تھے، موصوف سے علیک سلیک ہوتا اٹھنا بیٹھنا بھی ساتھ ہوا کرتا، اس طرح موصوف سے اچھی خاصی راہ ورسم ہو چکی تھی، جب دیوبند سے میری فراغت ہوئی اور مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ کا شوق انگڑائیاں لینے لگا تو اپنے طور پر دیوبند کے کاغذات مدینہ یونیورسٹی بھیجے، لیکن وہ بلا منظوری ہی واپس آگئے، ڈاکٹر موصوف نے یہ رہنمائی کی کہ اگر آسانی سے مدینہ میں داخلہ چاہتے ہو تو اس کے لیے ایک سال جامعہ دارالسلام عمر آباد میں داخلہ لے کر پڑھ لو اور اچھے نمبرات لانے کی کوشش کرو، ان شاء اللہ وہاں سے داخلہ کی صورت آسانی سے پیدا ہو جائے گی، مولانا ابواللیث مدظلہ کی اسی نصیحت پر بندہ نے پورے طور پر عمل کیا اور الحمدللہ مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ کا خواب جامعہ دارالسلام عمر آباد کے توسط سے شرمندۂ تعبیر ہوا، قصہ مختصر یہ کہ مدرسۃ الاصلاح میں ان کے شاگرد رہ چکے مولانا محمد طاہر مدنی سے ملاقات کر کے ان کے ہمراہ عمر آباد کے لیے عازم سفر ہوا، چند

اور اصلاحی طلبہ بھی ساتھ میں داخلہ کے لیے روانہ ہوئے مولوی قیام الدین اصلاحی، مولوی احسان احمد اصلاحی، مولوی محمد عارف، مولوی سراج وغیرہ وغیرہ، سفر بڑا دلچسپ رہا، عمر آباد میں فضیلت کے سال آخر میں داخلہ ہوا، ہم تین اعظمی لڑکے ایک ساتھ تھے، مولوی قیام الدین، مولوی احسان، اور ناچیز دیگر طلبہ کا داخلہ ایک سال نیچے ہوا تھا۔

جب کسی مطالعہ وغیرہ سے فرصت پا کر کچھ دیگر موضوعات پر تبادلہ خیال ہوتا تو اصلاحی برادران مدرسۃ الاصلاح کے طرز تعلیم، علامہ حمید الدین فراہیؒ کی تفسیر قرآن اور منہج تفسیر کا ذکر و بیان نہایت بسط و تفصیل کے ساتھ کیا کرتے تھے، دیگر اساتذۂ مدرسۃ الاصلاح کا ذکر آ جاتا، یہ طلبہ ہمیشہ حضرت مولانا مرحوم کو ان کا نام لیے بغیر ''حضرت محدث صاحب'' کے لقب سے یاد کیا کرتے، ان کے پڑھانے اور سمجھانے کے طرز کے بے حد مداح، قوت حافظہ پر اعتماد کے متعدد قصے اور واقعے سنایا کرتے، درسگاہ میں حضرت محدث صاحب کا اکڑوں بیٹھ کر سبق پڑھانا پوربی لب ولہجہ میں کبھی کبھار طلبہ کو ڈانٹنا پھٹکارنا اور پھر انہیں چپکارنا یہ سب دل نواز ادائیں اس قدر مزہ لے لے کے ان کے یہ شاگرد بیان کیا کرتے کہ ناچیز کو حضرت کے علوم وفنون اور تدریس کی مشاقی اور قوت حافظہ کا قسام ازل کی طرف سے وافر مقدار میں عطا فرمایا جانا، حدیث وعلوم حدیث میں ان کی مہارت وشیفتگی نے غائبانہ طور پر گرویدہ بنا لیا تھا، مذکورہ بالا طلبہ کے ذریعہ جہاں حضرت محدثؒ کا تذکرہ ہوا کرتا تھا وہیں دوسری شخصیت ڈاکٹر مولانا ابواللیث صاحب خیر آبادی زید مجدہم کا بھی ہوا کرتا تھا، مدرسۃ الاصلاح پہنچ کر مولانا خیر آبادی نے تدریس کے میدان میں طلبہ سے اپنی لیاقت وصلاحیت کا لوہا منوایا اس کا بھی والہانہ تذکرہ کرتے یہ شاگرد تھکتے نہ تھے، دونوں شخصیتوں کے یہ تذکرے جہاں ایک سال تک جامعہ دار السلام عمر آباد کی چہار دیواری میں ہوتے رہے بعد میں یہ ذکر خیر مدینہ منورہ کی سرزمین و چہار سالہ دوران تعلیم میں مزید وسعت کے ساتھ ہونے لگا، کیونکہ یہاں ان دونوں اساتذہ کے کچھ اور شاگرد جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی سے زیر تعلیم تھے اور اب تو مدینہ منورہ میں مولانا ابواللیث خیر آبادی بھی کلیۃ الحدیث سے فارغ ہو کر دراسات علیا کے طالب علم تھے، ماجستیر کی تکمیل کے بعد آنموصوف نے جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ میں دکتوراہ کے لیے داخلہ لے لیا تھا، جس کی تکمیل ہم لوگوں کے کلیۃ الشریعہ سے فراغت کے بعد انھوں نے کی پھر ماشاء اللہ قسمت نے یاوری کی اور آں محترم کو ملیشیا میں الجامعۃ

الاسلامیہ الواملیۃ کے اندر غالباً بحیثیت استاذ مشارک شعبہ حدیث میں برسوں سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔

الغرض حضرت محدث مولانا زین العابدین صاحبؒ سے ملاقاتیں اکثر و بیشتر جناب ڈاکٹر عبدالمعید صاحب زید مجدہم کے دواخانہ واقع کچہری باغ روڈ مئو میں ہوا کرتی تھیں، کیونکہ حضرتؒ جب بھی وطن مالوف پورہ معروف آتے تو ضرور چند گھنٹے مئو میں تشریف رکھتے تا کہ متعلقین سے ملاقاتیں ہوجایا کریں۔

بارہا غریب خانہ پر بھی والد ماجد زید مجدہم العالی سے ملاقات کی غرض سے تشریف آوری ہوئی جب مولانا عبدالباسط قاسمی نے مئو میں ''قاسمی پرنٹ'' نامی دوکان کھولی اور اس کے توسط سے بہت سی کتابیں اور مجلات چھپنے لگے، نوائے دارالعلوم مئو، کی نشاۃ ثانیہ کے بعد اس کے شماروں کی کمپوزنگ اور پرنٹنگ بھی ''قاسمی پرنٹ'' کے توسط سے ہونے لگی، اس سلسلہ میں زیادہ تگ ودو اور آمدورفت ناچیز ہی کو کرنی پڑ رہی تھی اور اب بھی اس ذمہ داری میں کوئی خاص کمی نہیں آئی ہے، جب مجلہ کی طباعت کا مرحلہ درپیش ہوتا تو ہفتوں ''قاسمی پرنٹ'' کی زیارت ہوا کرتی، چونکہ اس کا محل وقوع دارالعلوم روڈ ہی پر تھا جہاں روزانہ گھر سے آنا جانا لگا ہی رہتا تھا، اس لیے جب بھی حضرت مولانا محدث علیہ الرحمۃ واردمئو ہوتے تو ملاقات کا شرف ضرور حاصل ہوتا، ایک وقت وہ بھی آیا کہ مولانا عبدالباسط قاسمی نے اپنا قیمتی وقت نکال کر ایک سال کے لیے دارالعلوم مئو میں تخصص فی الفقہ میں داخلہ لے کر فراغت حاصل کی یہاں سے ہمارے روابط میں اور پختگی آتی گئی، پہلے حضرت مولاناؒ کے صاحبزادے کی حیثیت سے تعلق اور لگاؤ تھا اب تعلیم و تعلم کا تعلق جڑ گیا، اور یقیناً یہ رشتہ کئی اعتبار سے بڑا اہم بھی ہوتا ہے اور دوررس بھی، اب تو مولانا عبدالباسط کے توسط سے حضرت مولانا علیہ الرحمۃ سے فون پر گفتگو بھی ہونے لگی اور بہت سے علمی ذہنی خلجان کو حضرت سے پوچھ کر دور کرنے کے مواقع بھی ملے یہ اپنی محرومی ہی کہی جاسکتی ہے کہ بار بار ملاقات کے باوجود جتنا فیض اٹھانا چاہیے تھا، نہ اٹھایا جاسکا، صحیح بھی ہے کہ زوردار بارش سے بنجر زمین کیا فائدہ اٹھاسکتی ہے اپنی بے بضاعتی اور علمی کم مائیگی کے باوجود حضرتؒ نہ معلوم کیوں راقم پر بہت اعتماد فرماتے تھے، راقم نے جب اپنی کتاب ''اودھ میں افتاء کے مراکز اور ان کی خدمات'' حضرتؒ کی خدمت میں پورہ معروف پہنچ کر پیش کی تو یہ التجا اور درخواست بھی

کی کہ اس پر ناقدانہ نظر ڈالی جائے تاکہ اس کی خامیوں کی تصحیح ہوجائے، بعد میں جب اس سلسلے میں پوچھا تو حضرت نے ایک مقام پر رجال کے قبیل کی نشاندہی فرمائی، کتاب کے شروع ہی میں ایک جگہ ''سعید بن جبر'' چھپ گیا تھا، حضرت نے فرمایا کہ ''سعید ابن جبیر'' ہیں راقم الحروف نے اسے فوراً نوٹ کرلیا اور آج تک یہ بات حاشیۂ دماغ میں محفوظ بھی ہے ان شاء اللہ اگلے ایڈیشن میں اس کی تصحیح ضرور ہوجائے گی۔

مرض الوفات سے پہلے جب بھی ملاقات ہوتی تو فرمایا کرتے کہ عمر طبعی تو کبھی کی پوری ہوچکی ہے اب جو زندگی باقی ہے یہ تو اللہ کا خصوصی فضل وکرم ہے جب بلاوا آجائے، ہمہ وقت جانے کے لیے تیار ہیں جب طویل اور تکلیف دہ بیماری نے اپنا پنجہ گاڑ دیا، تو مختلف اطباء، ڈاکٹر ایلوپیتھ ہومیوپیتھ، علاج کرتے رہے خاص مرض میں کوئی افاقہ نہیں ہورہا تھا بمبئی جانے کے بعد ڈاکٹروں نے کھانا یا مشروبات کو معدہ تک پہنچانے کے لیے بائی پاس سرجری کے ذریعہ اس کی سبیل پیدا کرنی چاہی تو آپ نے فرمایا: اس کی ضرورت نہیں ہے جب اللہ پاک نے مرض چھپا رکھا ہے تو ہم نلکی لگا کر مرض کا مظاہرہ کیوں کریں، اللہ پاک پر غضب کا بھروسہ اور توکل تھا اور مرضی مولیٰ پر ہمہ وقت اور ہر طرح سے راضی تھے، باوجودیکہ اصل مرض کا آپ کو علم تھا لیکن آپ پر نہ اس کا کچھ خوف تھا اور نہ کوئی گھبراہٹ، بلکہ آخر میں تو نگاہیں اٹھا اٹھا کر دیکھا کرتے تھے کہ فرشتوں کی آمد تو نہیں ہورہی ہے مولیٰ سے ملنے کا ایسا اشتیاق کم ہی دیکھنے کو ملا کرتا ہے، اللہ رب العزت مولانا کی مغفرت فرمائے، آمین۔

حدیث کا ایک وسیع النظر عالم نہیں رہا

مولانا عبداللہ طارق دہلوی (ادارہ امور مساجد دہلی)

پوربی یوپی (ہند) میں دریائے ٹونس کے کنارے اعظم گڑھ نامی ایک مشہور شہر ہے جو اسی نام کے ضلع کا صدر مقام بھی ہے، یہ شہر راجپوت خاندان کے ایک فرد اعظم خاں نے سن ۱۰۷۶ھ مطابق ۱۶۶۵ء میں آباد کیا تھا، یہ وہی شہر ہے جہاں علامہ شبلی نعمانی نے دار المصنفین قائم کیا تھا جو شبلی اکیڈمی کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔

اعظم گڑھ کی مردم خیز سرزمین نے مختلف میدانوں میں ملک وقوم کو جو کئی عظیم ہستیاں دی ہیں اور خصوصاً علم حدیث میں جو متعدد با کمال شخصیتیں وہاں سے آئی ہیں اس مختصر مضمون میں ان سب کا بلکہ ان میں سے زیادہ نمایاں شخصیات کا ذکر کرنا بھی مشکل ہے تاہم مولانا حبیب الرحمان اعظمیؒ کے بعد ایک نمایاں نام مولانا زین العابدین صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔

مولانا زین العابدین صاحبؒ پختہ استعداد کے ایک اچھے عالم تھے اور درسِ نظامی میں شامل سبھی علوم پر ان کی نظر گہری تھی لیکن فن حدیث سے ان کو خاص لگاؤ تھا، یہی وجہ ہے کہ مولانا یوپی اور گجرات وغیرہ کے کئی بڑے مدارس میں شیخ الحدیث رہے تھے۔

شوال ۱۴۱۵ھ مطابق ۱۹۹۵ء میں ان کو ایشیا کی عظیم اسلامی درسگاہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور یوپی میں مدعو کیا گیا اور تخصص فی الحدیث کا شعبہ بجا طور پر ان کے سپرد کیا گیا، اس انتخاب کے ذریعہ ذمہ داران مظاہر علوم نے جہاں اپنی جوہر شناسی کا ثبوت دیا وہیں نئی نسل کو ان کے علم سے فیض یاب ہونے کا بھی اچھا موقع فراہم کیا، اس درسگاہ میں انکی خدمات تقریباً اٹھارہ سالوں پر پھیلی ہوئی ہیں۔

مولانا زین العابدین صاحب اعظمیؒ سے میری ملاقات اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے پانچویں تین روزہ فقہی سیمنار میں ہوئی تھی جو سن ۱۹۹۲ء میں مولانا مجیب اللہ ندوی مرحوم کے جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ میں منعقد ہوا تھا، میں نے محسوس کیا تھا کہ ان کے مزاج ولباس کی سادگی ان کے علمی مقام اور ان کی فہم وبصیرت پر ایک بڑا حجاب بنی ہوئی ہے، اور یہی حجاب تھا کہ جب مولانا موصوف نے ہندوستان کی ایک بہت شہرت یافتہ صاحب قلم شخصیت کی ایک واقعی علمی فروگزاشت پر توجہ دلائی تو

اس شخصیت نے اس کو قبول کرکے شکر گزار ہونا تو درکنار مولانا مرحوم کے لیے توہین آمیز الفاظ کہے۔
مولانا اعظمیؒ اس شخصیت کی شہرت ومقبولیت اور اسکے وسیع حلقے سے بالکل مرعوب نہیں ہوئے، اور حقیقت یہی ہے کہ آدمی اگر واقعی تحقیق سے کوئی بات کہہ رہا ہے تو وہ کسی کی بلندیٔ مقام کی وجہ سے اپنی رائے سے ہرگز نہیں ہٹے گا بلکہ اس کی بات کو (یعنی ایک حقیقت کو) تسلیم نہ کرنے والا ہی اس کی نظر میں خود بے وقعت ہو جائے گا۔

سچ یہ ہے کہ (جہاں تک میں جانتا ہوں) کہ ان کے مزاج کی سادگی، یکسوئی اور بے نیازی نے ان کو ایک عرصے تک گوشۂ گمنامی میں رکھا اور زمانہ ان کی صلاحیتوں سے بڑی حد تک نا آشنا رہا، لیکن عطر جب مہکتا ہے، روشنی جب چمکتی ہے، اور چاند جب چڑھتا ہے تو توجہ نہ کرنے والے بھی ان کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

مجھے صفر سنہ ۱۴۲۳ھ مئی ۲۰۰۲ء میں اپنی مادر علمی مظاہر علوم میں حاضری دینے اور استاذ محترم حضرت مفتی مظفر حسین صاحبؒ اور دیگر علمائے کرام کی زیارت کا موقع ملا تو اس وقت مولانا زین العابدین صاحبؒ سے بھی تفصیلی ملاقات رہی، اور انھوں نے تخصص فی الحدیث کے اپنے طلبہ کا جائزہ لینے کی بھی فرمائش کی۔

میں نے مولانا موصوف کی موجودگی میں طلبۂ عزیز سے کئی ایسے سوالات پوچھے جن کے جوابات فن حدیث کے طویل مطالعے اور گہری واقفیت کے بغیر نہیں دیئے جاسکتے تھے، اور انھوں نے اچھے جوابات دیئے میں نے ان سے یہ بھی پوچھا کہ صحابہ وتابعین اور محدثین کے بہت سے اسماء آپس میں بہت مشابہ ہوتے ہیں اور قدیم مخطوطات میں یا طباعت کی لاپرواہی کی وجہ سے نقطے الٹ پلٹ ہو جاتے ہیں ایسے میں اسماء کے صحیح ضبط کے لیے کیا ایسی کچھ کتابیں ہیں جو مددگار ہوسکیں؟ جیسے سَلیم اور سُلیم بُرید اور بَرید، یزید اور بُرید، فُقیر اور فَقیر، سَلام اور سَلّام وغیرہ۔

تو انھوں نے ابن ماکولا (المتوفی ۴۷۵ھ مطابق ۱۰۸۲ء) کی الاکمال اور امام عبدالغنی الازدی (المتوفی ۴۰۹ھ) کی کتاب المؤتلف والمختلف کے نام لیے (یہ دونوں کتابیں میری ذاتی لائبریری میں موجود ہیں) میں نے ان کو ایک دو کتابوں کے نام اور بھی بتائے تھے۔

مجھے خوشی ہوئی کہ مولانا نے ان کو فن حدیث کے ہر پہلو سے روشناس کرایا ہے، واقعہ یہ ہے کہ کسی

طالب علم اور عالم کو اپنے فن کی مددگار کتابوں سے واقف ہونا بے حد ضروری ہے عالم خواہ کتنا ہی بڑا اور اس کا علم کتنا ہی مستحضر کیوں نہ ہو قدم قدم پر اسے تلاش و تحقیق کی ضرورت پڑتی ہے اور اس کے لیے کتابوں کے بغیر چارہ نہیں۔

اس وقت مولانا زین العابدین صاحبؒ ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں لیکن انھوں نے اپنے جواہر ریزے جو اپنے شاگردوں کے سینوں میں محفوظ کئے ہیں اور علم کے جو تخم ان کی زمین دل میں بوئے ہیں دنیا ان سے واسطہ در واسطہ نہ معلوم کب تک محظوظ ہوتی رہے گی، اور یہ مرحوم کے لیے بڑا ذخیرہ آخرت ہوگا، انشاء اللہ تعالیٰ۔

ان کا انتقال ۸۳ رسال کی عمر میں ۱۶ر جمادی الاخریٰ ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۸ راپریل ۲۰۱۳ء کو ان کے وطن ہی میں ہوا، بیمار ہونے کے بعد سہارنپور سے اپنے وطن چلے گئے تھے، ان کے صاحبزادے (مولانا عبدالباسط) اور ان کے تلامذہ و محبین مبارکباد کے مستحق ہیں کہ ان کے حالات اور ان کی خدمات کو منظر عام پر لا رہے ہیں۔

میری ان کی خط و کتابت کم سے کم رہی کبھی جب رابطہ قائم کرنا ہوتا تو میں یا وہ فون ہی کر لیا کرتے تھے، (یہ فون بھی عجیب چیز ہے بڑی سہولت کی اور کام کی چیز ہے لیکن مراسلت کے ذریعہ جو قیمتی چیزیں کبھی کاغذ پر محفوظ رہ جایا کرتی تھیں اب ہوا میں تحلیل ہو جاتی ہیں) تاہم ان کا ایک خط سنہ ۱۴۳۱ھ کا جو میرے پاس محفوظ ہے ان کے صاحبزادے کی فرمائش پر بھیج رہا ہوں یہ خط ان کی علمی مہارت اور حدیثی بصیرت کا ایک زندہ ثبوت ہے۔ غفر اللہ لہ واعلی اللہ مراتبہ، آمین۔

حضرت مولانا زین العابدین صاحب معروفیؒ

کچھ یادیں کچھ باتیں

مولانا خورشید انور اعظمی، صدر المدرسین جامعہ مظہر العلوم بنارس

راقم الحروف کو والد مرحوم حضرت مولانا قمر الدین صاحب رسول پوری کی زبانی اپنے علاقے کے جن اکابر علما کا تذکرہ بار بار سننے کو ملا ان میں ایک نمایاں نام حضرت مولانا زین العابدین صاحب معروفیؒ کا رہا ہے، مولانا کی خداداد ذہانت و استعداد، مثالی محنت و جانفشانی، تدریسی صلاحیت و مہارت اور دارالعلوم دیوبند میں پہلی پوزیشن حاصل کرنے کا ذکر جمیل خدا معلوم کتنی بار سامعہ نواز ہو، اور ہر بار آپ سے ملنے کا اشتیاق دل میں پیدا ہوا، ایک آدھ بار دیکھنا تو یاد ہے، لیکن قریب سے دیکھنے کی سعادت اس وقت حاصل ہوئی جب کہ آپ ۱۹۸۵ء میں جامعہ مظہر العلوم بنارس میں بحیثیت شیخ الحدیث تشریف لائے، اور ۹ رسال تک اپنے گراں قدر افادات علمیہ سے تشنگان علوم کو سیراب کیا، اس طویل عرصہ میں سفر و حضر کا ساتھ رہا، ہر گام پر محسوس ہوا کہ آپ کی عبقری شخصیت میں نبوغ فی العلم کے ساتھ سادگی، تقویٰ و طہارت، اتباع سنت، انابت الی اللہ، کتاب و سنت سے گہری وابستگی، حق گوئی و بیباکی، دنیا سے بے رغبتی، جیسے عالمانہ اوصاف و کمالات پورے رنگ و آہنگ کے ساتھ موجود ہیں۔

فن اسماء الرجال: سچ تو یہ ہے کہ حضرت مولانا زین العابدین صاحب کی امتیازی شخصیت کے خد و خال کو پورے طور پر احاطۂ تحریر میں لانے کے لیے علمی صلاحیت و استعداد اور فنی بصیرت کے ساتھ ساتھ دوررس نگاہ کی ضرورت ہے، جو آپ کی سیدھی سادی بے تکلفانہ زندگی سے بلند ہو کر آپ کے حقیقی حسن و جمال کے تمام گوشوں کا باریک بینی کے ساتھ جائزہ لے سکے، حضرت مولانا دنیائے علم و فن کے شہنشاہ اور میدان تلاش و تحقیق کے شہسوار تھے، جملہ علوم دینیہ پر انہیں کامل دست گاہ حاصل تھی، خصوصاً علم حدیث میں ان کا درجہ بہت بڑھا ہوا تھا، اسماء الرجال جیسا خشک موضوع ان کی دل چسپی کا میدان تھا، کہا کرتے تھے کہ "مجھے اور چیزوں کے سن سال تو یاد نہیں رہتے لیکن رجال حدیث

کے سنین ولادت ووفات بحمد اللہ محفوظ رہتے ہیں،" میرے علم کی حد تک علمائے موجودین میں اس حیثیت سے بہت ہی کم ان کے ہم سروثانی تھے۔

مولانا کا حافظہ بہت مضبوط تھا، جو پڑھتے، مرورِایام کے باوصف وہ ان کے ذھن میں محفوظ رہتا، مراجع پر اچھی گرفت اور مسائل پر گہری نگاہ تھی، جب کوئی حل طلب عبارت، یا کوئی الجھا ہوا مسئلہ، یا کسی دقیق علمی بحث کو ان کے سامنے رکھا جاتا، تو بلا تکلف اس کی گرہ کشائی فرماتے، اور تھوڑی دیر میں الجھی ہوئی گتھی سلجھ جاتی، ایسا صرف علم حدیث ہی کے تعلق سے نہیں تھا، بلکہ دیگر موضوعات پر بھی آپ کا مطالعہ نہایت جامع اور ہمہ گیر تھا، لگتا تھا کہ زبان وادب ،فقہ وفتاویٰ، اور حدیث وتفسیر پر آپ کو یکساں دسترس حاصل ہے۔

اکابر علما کا اعتراف: یہی وجہ ہے کہ آپ کے کمال کا اعتراف آپ کے ہم عصر اکابر علما نے بھی پوری بشاشت قلب کے ساتھ کیا ہے، یاد آتا ہے کہ ماضی قریب کے ایک مستند ومعتبر فقیہ، دنیائے اسلام کے مشہور عالم دین حضرت مولانا قاضی مجاھد الاسلام صاحب قاسمیؒ، ایک مرتبہ مظہر العلوم بنارس تشریف لائے، حضرت مولانا زین العابدین صاحبؒ اس وقت کسی ضرورت سے باہر گئے ہوئے تھے، حضرت قاضی صاحب نے مولانا مرحوم کے بارے میں پوچھا کہ مولانا کہاں ہیں؟ بتایا گیا کہ باہر گئے ہوئے ہیں، بس آتے ہی ہوں گے، حضرت مولانا تھوڑی دیر میں تشریف لائے، حضرت قاضی صاحب سے سلام ومعانقہ اور خیریت وعافیت کے بعد گفتگو شروع ہوئی، حضرت قاضی صاحب نے اپنی ایک علمی الجھن حضرت مولانا کے سامنے یہ کہتے ہوئے رکھی کہ یہ مسئلہ کئی لوگوں کے سامنے رکھ چکا ہوں، مگر ابھی تک حل طلب ہے، آپ ہی ہماری اس الجھن کو دور کرسکتے ہیں، مولانا نے کچھ کہا سنا نہیں، اٹھے اور دو تین کتابوں کے ساتھ واپس ہوئے، اور حضرت قاضی صاحب کے سامنے صفحات کھول کر رکھ دیئے، حضرت قاضی صاحب کی نگاہ جیسے ہی مطلوبہ عبارت پر پڑی مارے خوشی کے مولانا کو گلے لگالیا، یہ نہ صرف آپ کے حافظے کی قوت ،مسائل پر گہری نظر اور علمی استحضار کا بین ثبوت ہے، بلکہ ایک ہم عصر بالغ نظر، محقق عالم دین کی جانب سے آپ کے کمال علمی کا کھلے دل سے اعتراف بھی ہے۔ اس کے باوجود کسی بھی زاویہ سے بڑائی کے

اظہار اور خودستائی کے جملوں سے احتراز کرتے، یاد نہیں آتا کہ انھوں نے مجلس میں دارالعلوم دیوبند میں پہلی پوزیشن آنے کی بات کی ہو یا اپنی دیگر خصوصیات کا تذکرہ کیا ہو۔

وقت میں برکت: آپ کے وقت میں اللہ نے بڑی برکت دی تھی، جو کام بھی شروع کرتے بہت جلد اسے پایۂ تکمیل تک پہنچا دیتے،، جامعہ مظہر العلوم کے زمانۂ قیام میں درس و تدریس، مطالعۂ کتب، اور علمی و دینی اسفار کے ساتھ جب کسی موضوع پر قلم اٹھاتے تو مختصر وقت میں نہایت جامعیت کے ساتھ اسے مکمل فرما دیتے، چنانچہ اس زمانہ میں آپ نے شرح عقائد کا ایک جامع نوٹ مرتب کیا، حضرت علی میاں صاحب ندوی کی تصنیف ''المرتضیٰ'' کا علمی احتساب کیا، امداد الباری شرح بخاری کی تکمیل میں سرگرم عمل رہے، اور جب حاجی صدیق اللہ صاحب گرہست کا ذاتی کتب خانہ جامعہ مظہر العلوم میں منتقل ہوا تو اس کی مفصل فہرست تیار کی، یہ اور اس طرح کے دوسرے علمی کاموں میں پوری گرم جوشی کے ساتھ لگتے اور قلیل مدت میں نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ انجام تک پہنچانے میں شادکام رہتے۔

خیالِ خاطر احباب: حضرت مولانا اپنے متعلقین کا بے حد لحاظ فرماتے، اور جب بھی ملاقات ہوتی پوری بشاشت اور اپنائیت کے ساتھ ملتے، اگر کوئی ان سے ملنے کی غرض سے آجاتا، تو اس کی خاطر مدارات اور راحت رسانی کا بھرپور خیال رکھتے، آپ کے انتقال سے تقریباً چھ ماہ قبل کی بات ہے کہ ہمارے جامعہ نے ۲/دسمبر ۲۰۱۳ء کو ایک عظیم الشان جلسۂ دستار فضیلت کے انعقاد کا فیصلہ کیا، اس تعلق سے اکابر علما کو دعوت دینے کی غرض سے راقم الحروف اور مفتی عبدالباطن صاحب نعمانی کا دیوبند و سہارن پور کا سفر ہوا، مفتی صاحب نے حضرت مولانا کو اپنی آمد کی اطلاع بذریعۂ موبائل دے دی، کہ ہم لوگ فلاں ٹرین سے سہارن پور پہنچ رہے ہیں، مولانا نے فرمایا کہ رات کا وقت ہوگا، مدرسہ کا گیٹ بند رہتا ہے، آپ لوگوں کو پریشانی ہوگی، بہتر ہوگا کہ سیدھے ہمارے یہاں آجائیں، ہم لوگ تقریباً ڈھائی بجے رات میں حضرت کی قیام گاہ پہنچے، دروازہ کھٹکھٹایا، ایسا لگا کہ حضرت سراپا منتظر ہیں، فوراً اٹھے، دروازہ کھولا اور سلام و مصافحہ کے بعد ہم لوگوں کی ضیافت میں لگ گئے، اور ہزار منع کرنے کے باوجود اندرونِ خانہ گئے اور چائے لے کر آئے، جب کہ ان دنوں آپ کے

گھٹنے میں درد تھا، اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، نہایت دشوار تھا، حتیٰ کہ مسجد یا درسگاہ تک جانے کے لیے ''وہیل چیئر'' کا استعمال ہوا کرتا تھا۔

موت کی تیاری: جیسے جیسے آپ کی زندگی کا آخری وقت قریب آتا گیا، آپ کی باطنی خصوصیات لوگوں پر مزید منکشف ہوتی گئیں، اور دنیا نے دیکھا کہ ان کا تعلق مع اللہ کتنا قوی، محبت رسول کتنی مستحکم اور موت کا یقین کس درجہ پختہ ہے، کینسر جیسا مہلک وموذی مرض آخری مرحلے میں ہے، موت کے سارے اسباب جمع ہیں، اس آخری گھڑی میں اپنے معبود حقیقی سے ملنے کا اشتیاق ہے، اور صبر وشکر کے ساتھ موت کے استقبال کے لیے ہمہ تن تیار ہیں، نہ بچوں کی فکر ہے، اور نہ ان کے مستقبل کی، اگر کبھی کوئی فکر آئی تو اپنے ذخیرۂ علمی کی۔

موت تو یقینی ہے لیکن ایک باصلاحیت مدرس، باکمال مصنف، بالغ نظر محدث وفقیہ، اور مردم ساز شخصیت کا دنیا سے چلا جانا اصحاب علم وتحقیق کی نگاہ میں کچھ زیادہ ہی اہمیت کا حامل ہوتا ہے، اس وجہ سے کہ اس کی ضرورت واہمیت کو وہی لوگ محسوس کرتے ہیں جن کی بحث وتحقیق اس کی نگاہ سے گزر کر معتبر قرار پاتی ہے، آج حضرت مولانا ہمارے درمیان نہیں ہیں، ان کے نہ ہوتے کا بے حد احساس ہے، یہ احساس اس وقت اور بھی بڑھتا جائے گا جب کہ کوئی علمی گتھی الجھی ہوئی ہوگی، اور اس کے سلجھانے کی کوئی صورت نظر نہیں آئے گی ؎

مصائب اور تھے پر ان کا جانا
عجب اک سانحہ سا ہوگیا ہے

دعا ہے کہ اللہ تعالی حضرت مولانا کی خدمات جلیلہ کو قبول فرمائیں، آپ کی بشری لغزشوں کو معاف فرمائیں اور اپنے جوار رحمت میں اعلی سے اعلی مقام عنایت فرمائیں، آمین۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆

☆☆☆

صاحبِ دستار

از: جناب کلیم معروفی محلہ حسین آباد پورہ معروف (مئو)

عالمِ دیں دار تھے مولانا زین العابدیں
صاحبِ دستار تھے مولانا زین العابدیں

بخش دے گا آپ کے ہمراہ کتنوں کو خدا
بندۂ غفار تھے مولانا زین العابدیں

اہلِ دنیا کے دلوں میں آپ کی الفت رہی
عاشقِ سرکارؐ تھے مولانا زین العابدیں

ایک پل بھی خوابِ غفلت میں کبھی گذرا نہیں
عمر بھر بیدار تھے مولانا زین العابدیں

پار جس کے کفرو بدعت آنہیں پائے کبھی
ایسی اک دیوار تھے مولانا زین العابدیں

آپ کو کہتی تھی دنیا فخر سے شیخ الحدیث
علم سے سرشار تھے مولانا زین العابدیں

مرتے دم تک آپ کا چہرہ یہ دیتا تھا صدا
علم سے ضوبار تھے مولانا زین العابدیں

آپ کے اخلاق کا شہرہ ا زمانے بھر میں تھا
صاحبِ کردار تھے مولانا زین العابدیں

سامنے دنیا کے اپنا ہاتھ پھیلایا نہیں
کس قدر خوددار تھے مولانا زین العابدیں

جلد ہی لبیک آوازِ اجل پر کہہ دیا
چند دن بیمار تھے مولانا زین العابدیں

ان کی باتوں سے ہمیشہ پھول جھڑتے تھے کلیم
کتنے خوش گفتار تھے مولانا زین العابدیں

سادگی ان کا طرۂ امتیاز تھا

مولانا محمد طاہر مدنی ناظم جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڈھ

حضرت مولانا زین العابدین معروفی رحمۃ اللہ علیہ اس عہد کے بڑے ماہرِ فن علما میں ایک نمایاں مقام رکھتے تھے، علم حدیث سے ان کا خاص لگاؤ تھا اور بطورِ خاص علمِ رجال کے وہ ماہر تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں غضب کا حافظہ بھی دیا تھا، اس لیے رواۃِ حدیث کے بارے میں تفصیلی معلومات ان کے حافظہ میں کمپیوٹر کی طرح محفوظ رہتی تھیں، مجھے مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں ان سے ترمذی شریف پڑھنے کا موقع ملا، بڑی شفقت سے پڑھاتے تھے اور طلبہ سے بڑا تعلق رکھتے تھے۔ درس کے اوقات کے علاوہ صبح کو اپنے گھر پر بھی ہم طلبہ کو استفادہ کا موقع دیتے تھے۔ ان کی مجلس خشک نہیں ہوتی تھی، بلکہ لطائف ونکات کے ذریعہ بڑی دلچسپ بنا دیتے تھے۔ صدر مدرس کی ذمہ داری بھی انہوں نے نبھائی۔ اتفاق سے ان کی ایک آنکھ کی بینائی عرصہ ہوا ختم ہوگئی تھی، وہ بڑے پُرلطف انداز میں کہتے کہ میں تمام طلبہ کو ایک نظر سے دیکھتا ہوں۔

وہ بہترین مدرس، اچھے مربی، عمدہ قاری اور بہت اعلیٰ پایہ کے محقق ومؤلف تھے اور سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ مردم ساز تھے، جہاں رہے بڑی حکمت کے ساتھ افراد سازی کا کام کرتے رہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ اپنے پیچھے مرحوم اپنے شاگردوں کی ایک بڑی ٹیم چھوڑ گئے ہیں۔

سادگی تو ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ اتنے بڑے عالم اور مرجعِ خلائق ہونے کے باوجود اتنی سادہ زندگی اور حتی المقدور اپنا کام خود کرنے کی عادت ان کا نمایاں وصف تھا۔ جامعۃ الفلاح وہ کئی بار تشریف لائے اور اساتذہ وطلبہ کو فیض پہنچایا۔

جب بیماری شدید ہوگئی تھی تو جامعہ کے کئی اساتذہ کے ساتھ عیادت کے لیے حاضری ہوئی۔ انہوں نے بڑی شفقت کا برتاؤ کیا۔ بیماری کی شدت کے باوجود زبان پر کوئی حرفِ شکایت نہ تھا۔ صبر وتحمل اور تسلیم ورضا کے پیکر تھے، ان کی حیات وخدمات پر مشتمل اس کتاب کو اللہ تعالیٰ مقبولیت سے نوازے اور اس کے نفع کو عام فرمائے، آمین۔

☆☆☆☆☆

میرے مربی میرے شیخ

مولانا خالد سعید مبارکپوری، استاذ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

میں اس مضمون کو لکھنے کے سلسلے میں مہینوں متردد رہا؛ لیکن بعض مخلص احباب کے شدید اصرار اور حضرت الاستاذ رحمہ اللہ کی طرف سے خواب میں لکھنے کا اشارہ پا کر اب یہ ناکارہ کچھ لکھنے کی ہمت یہ سوچ کر کر رہا ہے کہ حضرت الاستاذ (رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ) کے فکر، نہج اور معمولات زندگی کا تذکرہ جہاں ہمارے لیے مستقبل میں تذکیر کا سامان ہوگا، وہیں ممکن ہے کہ اس سے دوسروں کو بھی کچھ سیکھنے کا موقع ملے، حضرت الاستاذ رحمہ اللہ کی نوازشات، توجہات اور احسانات اس ناکارہ پر اس قدر ہیں کہ ان سب کو قید تحریر میں لانا مشکل ہے، اس مضمون میں حضرت والا کی شفقت، محبت، عنایت اور تعلق سے متعلق صرف بعض ایسی ہی باتیں ذکر کی جائیں گی جس میں کسی نہ کسی نوعیت سے دوسروں کے لیے بھی دعوت عمل اور نصیحت کا پہلو ہو۔

استاذی واستاذ العلماء حضرت مولانا زین العابدین بن محمد بشیر بن محمد نذیر (رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ) آپ عصر حاضر کے جلیل القدر عالم، عظیم محدث، مشہور محقق اور بے نظیر مربی بلکہ حضرت مولانا محمد سلمان صاحب مدظلہ العالی ناظم جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے بقول "عالم بے بدل" تھے، آپ کو فقہ، حدیث اور رجال حدیث سے خصوصی تعلق اور شغف تھا، اس کے علاوہ دیگر علوم وفنون میں بھی درک اور مہارت حاصل تھی، اس کے باوجود انتہائی سادگی کے ساتھ زندگی بسر کی، آپ کی زندگی زہد وتقوی، خوف وخشیت، عبادت وریاضت، اخلاص وللّٰہیت، اتباع سنت، علمی اشتغال، عملی مجاہدہ، سادگی، قناعت پسندی، دنیا سے بے رغبتی، لوگوں سے استغنا، صبر وشکر، تواضع وانکساری، تعلق مع اللہ اور فکر آخرت سے عبارت تھی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو زہد وتقوی، فضل وکمال، ولایت وبزرگی اور علم وعمل کے انتہائی بلند مقام پر فائز فرمایا تھا، لیکن طبیعت اور مزاج میں ایسی سادگی، تواضع اور نام ونمود سے بے زاری تھی کہ کبھی کسی کے سامنے اپنی بڑائی، بزرگی، رفعت شان اور بلندی مقام کا اظہار نہ ہونے دیتے، اس سلسلے میں آپ نے ہمیشہ اخفاء بلکہ انتہائی اخفاء سے کام لیا، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کو اپنے اس محبوب ومقبول

بندے کی ریاضت ومجاہدہ، عزم واستقلال، صبر وشکر اور ایمان وایقان کی پختگی کی ایک جھلک امت کو بھی دکھانا منظور تھی، چنانچہ اخیر عمر میں بیماری کے ایام میں قریب رہنے والوں نے خوب دیکھا، اور آپ کی عیادت اور زیارت کے لیے جو لوگ آتے تھے جب وہ آپ سے مل کر رخصت ہوتے تھے، تو وہ صبر وشکر، اتباع سنت اور عمل کے ایک خاص جذبہ سے سرشار ہوتے تھے، اور اپنے ایمان میں تازگی محسوس کرتے تھے۔

آپ کے مخصوص تلامذہ، متعلقین اور قریب رہنے والے لوگ جنھوں نے آپ کی زندگی کو بہت ہی قریب سے دیکھا وہ اسی قدر آپ کے زہد وتقوی، پرہیزگاری اور جلالت علمی سے متاثر ہوئے اور برابر ان کی محبت وعقیدت میں اضافہ ہی ہوتا رہا، اور اللہ کے نیک، مخلص اور متقی بندوں کا یہی حال ہوتا ہے کہ دور سے ان کے بارے میں جو کچھ سنا جاتا ہے دیکھنے پر وہ علم وعمل میں اس سے کہیں بڑھے ہوتے ہیں، وہ "وجدناه خيراً مما سمعناه" اور "رأيناه فوق ماسمعناه" کا مصداق ہوتے ہیں، ان کا حال "أن تسمع بالمعيدي خير من أن تراه" (دور کے ڈھول سہانے) جیسا نہیں ہوتا۔

وفات سے تقریباً ایک سال پہلے آپ کا فیضان علم ومعرفت اور بھی وسیع ہوگیا تھا، اور آپ کی مقبولیت کا بھی عمومی ظہور ہونے لگا تھا پھر وفات کا وقت جیسے جیسے قریب آتا گیا علماء ومشائخ اور عوام کا رجوع بھی بڑھتا گیا، میں اس سلسلے میں آپ کے صرف دو علمی ودعوتی سفر کا ذکر کر رہا ہوں۔

سفر سری لنکا: آپ نے ساٹھ سال سے زیادہ عرصہ تک مختلف مدارس میں تدریسی خدمات انجام دی، اس طویل عرصے میں بے شمار لوگوں نے آپ سے استفادہ کیا، آپ کے تلامذہ ومحبین جس طرح ہندوستان کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے ہیں، اسی طرح بیرون ہند خصوصاً سری لنکا میں آپ کے تلامذہ اور محبین ومعتقدین کی ایک اچھی خاصی تعداد موجود ہے جن کی شدید خواہش تھی کہ حضرت والا کے مبارک قدم ان کی سرزمین پر بھی پڑیں اور وہاں کے اسلامی مدارس وجامعات کا دورہ فرمائیں، اور اس غرض سے وہ لوگ میرے علم کے مطابق دسیوں سال سے آپ کے پاسپورٹ کے لیے کوشش کر رہے تھے لیکن اللہ تعالی نے اس کے لیے جو وقت مقدر فرمایا تھا وہ ابھی نہیں آیا تھا اس لیے ان کی کوشش بار آور نہیں ہو پا رہی تھی، بالآخر جب اس کا وقت مقدر آیا تو وفات سے تقریباً ایک ڈیڑھ سال پہلے بڑی سہولت سے آپ کا پاسپورٹ تیار ہوگیا، چنانچہ سری لنکا کے لوگوں نے بڑے

اہتمام کے ساتھ آپ کو دعوت دی، اور اس سرزمین پر آپ کا پرجوش خیر مقدم اور پرتپاک استقبال کیا گیا، آپ نے وہاں کے اہم اور بڑے مدارس وجامعات کا دورہ فرمایا جہاں آپ کے بیانات اور دعائیں ہوئیں، اور وہاں کے علماء، فضلاء، طلبہ اور عوام سبھی نے آپ سے استفادہ کیا۔

سفر گجرات: سری لنکا کے سفر کے کچھ ہی دنوں بعد رجب ۱۴۳۳ھ میں آپ نے گجرات کا سفر کیا، گجرات میں بھی آپ نے تدریس کے سلسلے میں اچھا خاصا وقت گذارا تھا، اس لیے آپ کو ان سے اور ان کو آپ سے خصوصی لگاؤ اور تعلق تھا، خاص طور پر چھاپی اور پالن پور وغیرہ کے علاقے میں آپ کے محبین ومتوسلین اور مخلص وباوفا تلامذہ کی ایک بڑی تعداد موجود ہے، انھیں مخلص احباب کی دعوت پر آپ نے مع اہل وعیال گجرات کا یہ علمی ودعوتی سفر فرمایا، تقریباً دس روزہ اس سفر میں آپ نے متعدد مدارس میں بخاری شریف کا آخری درس دیا اور ایک ایک دن میں کئی کئی جگہ آپ کے بیانات ہوتے تھے، اس طرح سے وہاں کے علما وفضلا اور عوام نے خوب کسب فیض کیا۔

سفر سے واپسی کے بعد حضرت والا نے روداد سفر سناتے ہوئے اس راقم کو بتایا کہ پہنچنے پر استقبال کے لیے اور واپسی میں رخصت کرنے کے لیے سیکڑوں لوگ اسٹیشن آئے، لوگوں کا ایسا ہجوم تھا کہ لگ رہا تھا کہ کسی کا جنازہ ہو (یہ حضرت ہی کے الفاظ ہیں) اور لوگ لائن لگا کر مصافحہ کر رہے تھے، حضرت والا یہ سب واقعات سنا رہے تھے، لیکن ان فتوحات پر خوش ہونے کے بجائے میرے دل کی دھڑکن تیز ہوتی جارہی تھی، حزن وملال کی ایک عجیب کیفیت چھائی جارہی تھی، ایک خاص غم ستائے جارہا تھا، دل باربار یہ کہہ رہا تھا کہ اب نہایت مشفق ومہربان استاذ کی جدائی کا وقت قریب آگیا ہے اور میرے عظیم محسن ومربی کے داغ مفارقت دینے کی گھڑی نزدیک آچکی ہے، اس وقت مجھے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی ایک بات شدت کے ساتھ یاد آرہی تھی جو کبھی میں نے ''آپ بیتی'' میں پڑھی تھی کہ حضرت شیخ الحدیثؒ نے مولانا یوسف صاحب کاندھلویؒ (حضرت جی) کے متعلق لکھا ہے کہ مولانا یوسف صاحب کے اسفار اور دورے، وفات سے تقریباً ایک سال قبل بہت زیادہ ہوگئے، آپ کی پرواز بہت اونچی ہوگئی تھی اور آپ کا فیض بہت عام ہوگیا تھا تو میں سمجھ گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو جب اپنے کسی نیک بندے کو اٹھانا ہوتا ہے تو اس کی مقبولیت ومحبوبیت اپنے بندے کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں اور اس کے فیض کو عام فرما دیتے ہیں، اس لیے میں نے مولوی ہارون (حضرت جی کے صاحب

زادے) کو بلا کر صراحتاً کہہ دیا کہ اپنے باپ کی جتنی خدمت کرنی ہے کرلے یعنی اب وہ بہت زیادہ دنوں تک نہیں رہیں گے۔

حضرت الاستاذ (نور اللہ مرقدہ) کی محبوبیت ومقبولیت اور فیض کے عموم کو دیکھ کر تو آپ بیتی کی مذکورہ بالا بات برابر میرے ذہن ودماغ میں گردش کرتی رہتی تھی۔

نظام الاوقات کی پابندی اور روزانہ کے معمولات: اللہ تعالیٰ نے آپ کو جن اوصاف وکمالات اور خصوصیات سے نوازا تھا ان میں ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ آپ نظام الاوقات اور معمولات کے انتہائی پابند تھے، اور نظام الاوقات اور معمولات کی پابندی ایک ایسا وصف ہے جو تقریباً ہر نمایاں اور بڑی شخصیت کے حالات زندگی میں قدر مشترک پایا جاتا ہے، اور اس وصف کا ان عظیم شخصیات کی تعمیر وترقی میں اہم کردار ہوتا ہے۔

بہر حال آپ زمانۂ طالب علمی ہی سے نظام الاوقات کے انتہائی پابند تھے، طالب علمی کے زمانے سے یہ آپ کا معمول تھا کہ آپ عشاء کے بعد تقریباً دس بجے سو جاتے تھے اور چار بجے صبح اٹھ جاتے تھے اور تہجد وغیرہ سے فراغت کے بعد مطالعہ میں مصروف ہو جاتے پھر فجر کی نماز، تلاوت اور اس کے بعد اسباق میں حاضری دیتے اور طالب علمی کے زمانے میں اور جوانی کی عمر میں دوپہر میں سونے کا معمول نہیں تھا بلکہ اس وقت کو مطالعہ میں صرف کرتے تھے، پھر ظہر کے بعد اسباق، عصر کے بعد ضروریات کی تکمیل، یا اساتذہ کرام کی خدمت میں حاضری، مغرب کے بعد سے دس بجے رات تک مطالعہ ومذاکرہ اور اسی دوران نماز عشاء اور کھانے کا وقفہ، آپ اس معمول پر سردی گرمی پورے سال عمل کرتے تھے، آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ سردی کے زمانے میں دوپہر میں مطالعہ کا وقت کم ملتا تھا لیکن رات میں مغرب کے بعد سے دس بجے تک اور صبح چار بجے سے فجر تک مطالعہ کا خوب وقت مل جاتا تھا، اسی طرح گرمی کے زمانہ میں رات چھوٹی ہو جانے کی وجہ سے رات میں وقت کم ملتا تھا تو دوپہر خوب لمبی ہوتی تھی، جس سے مطالعہ کی کمی کی تلافی ہو جاتی تھی، اسی نظام الاوقات کی پابندی کا نتیجہ تھا کہ کوئی سبق بغیر مطالعہ نہیں پڑھتے تھے اور نہ ہی امتحان کے زمانہ میں پڑھائی کا بھوت سوار ہوتا تھا، یہ تو آپ کی طالب علمی کے زمانے کا معمول تھا۔

راقم کو حضرت کی زندگی کے آخر کے تقریباً تیرہ سال جو ساتھ رہنے کا موقع ملا، اس میں بھی دیکھا

کہ حضرت تقریباً اپنے اسی قدیم معمول پر قائم تھے، عموماً دس بجے کے بعد سوتے تھے، کبھی ساڑھے دس اور کبھی گیارہ بج جاتے تھے اور سونے سے پہلے کوئی نہ کوئی کتاب آپ کے ہاتھ میں ضرور ہوتی تھی جس کا آپ مطالعہ کرتے تھے، اور پھر تہجد کے وقت اٹھ جاتے تھے، تہجد کی نماز ادا کرتے اور تلاوت اور ذکر واذکار وغیرہ میں مشغول ہو جاتے اور نماز فجر سے پہلے ایک کپ چائے اور ابلا ہوا ایک انڈا لیتے تھے اور عموماً اپنے ہاتھ سے ہی چائے وغیرہ تیار کر لیتے تھے اور فجر کی نماز اول وقت میں مسجد بہادران (جو مظاہر علوم دار جدید اور مظاہر علوم وقف کے دفتر کے درمیان لب سڑک واقع ہے) میں ادا کرتے تھے، اور نماز کے بعد اپنی رہائش گاہ پر تشریف لاتے اور اپنے معمولات پورے کرتے اور پھر پیر صاحب (حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب مدظلہ جانشین حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ) کی مجلسِ ذکر میں پابندی کے ساتھ شرکت فرماتے تھے، اور مدرسہ کا وقت شروع ہونے سے چند منٹ پہلے گھر تشریف لاتے اور ہلکا پھلکا ناشتہ کرتے اور عموماً گھنٹہ لگنے سے پہلے ہی اور کبھی گھنٹہ بجتے ہی درسگاہ پہنچ جاتے، اسباق سے فراغت کے بعد کبھی گھر آجاتے اور کبھی درسگاہ میں رک کر ہی کچھ علمی و تحقیقی کام کرتے، مدرسہ کی چھٹی کے بعد تقریباً ایک گھنٹہ مریضوں کے لیے مختص فرما رکھا تھا، جس میں لوگ دعاء، تعویذ وغیرہ کے لیے شہر سے اور دور دراز کے علاقوں سے بھی آتے تھے، اگر مریض کو واقعۃً سحر یا آسیب وغیرہ کا اثر ہوتا تو جانچ کے بعد بتا دیتے اور اس کا علاج کرتے اور اگر کوئی اثر نہ ہوتا تب بھی صاف بتا دیتے کہ کوئی اوپری اثر نہیں ہے بلکہ بیماری ہے، کسی ڈاکٹر سے علاج کراؤ، تعویذ گنڈے والوں کے چکر میں نہ پڑو، یہ کام بھی آپ نے ہمیشہ خدمتِ خلق ہی کی غرض سے کیا، آپ نے اس زمانہ کے نام نہاد عاملوں اور ڈھونگیوں کی طرح دنیا کمانے کا اسے ذریعہ نہیں بنایا، اگر آپ اسے دنیا کمانے کا ذریعہ بناتے تو مدرسہ کی تنخواہ سے کئی گنا زیادہ اس عمل کے ذریعہ کما سکتے تھے، لیکن آپ نے سرکنڈے کے ذریعہ جانچ کی بہت معمولی سی فیس متعین فرما رکھی تھی جو آخر میں بڑھ کر صرف پچیس روپے تک ہوئی تھی، اسی طرح جس مریض کو زعفران سے لکھ کر تعویذ دیتے اس کی معمولی قیمت پانچ یا دس روپے لیتے تھے، اگر کوئی مریض اس متعینہ فیس سے زیادہ دینے کی کوشش کرتا تو منع فرما دیتے، اگر وہ زیادہ اصرار کرتا تو بعض مرتبہ ڈانٹ ڈپٹ کر زائد رقم واپس کر دیتے۔

بعض مرتبہ بعض مریض دور دراز سے آتے اور چاہتے کہ دوپہر کے متعینہ وقت کے علاوہ میں

لاکر تعویذ وغیرہ لے لیں تو آپ سختی سے منع فرمادیتے کہ اس وقت میرا دیگر معمول ہے، تعویذ وغیرہ کے لیے جو وقت متعین کیا ہے اسی وقت میں آؤ تب تمہاری بات سنوں گا۔

کبھی کبھی آپ مریضوں کی نفسیات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ اگر آدمی ڈاکٹر کے یہاں جاتا ہے اور وہ جانچ اور ٹیسٹ کے لیے کہتا ہے اور پھر جانچ میں کوئی بیماری نہیں نکلتی تو لوگ بہت خوش ہوتے ہیں لیکن جب ہم مریض سے جانچ کے بعد یہ بات کہتے ہیں کہ آپ کو کوئی اثر وغیرہ نہیں ہے تو مریض کو وہ خوشی نہیں ہوتی بلکہ اس سے اگر جھوٹ کہا جائے کہ آپ کے اوپر جادو ہے اور اثر ہے اور فلاں ہے اور فلاں ہے تو اس پر وہ خوش ہوتا ہے اور اس کی عقیدت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

لوگوں کی اسی نفسیات کا نام نہاد عاملین اور ڈھونگی بابا لوگ خوب ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں، مگر حضرت بڑی سادگی کے ساتھ مریض کو حقیقت حال سے آگاہ کر دیتے تھے اور اس کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتے تھے کہ اس کی عقیدت میرے ساتھ بڑھے گی یا گھٹے گی، اور یہ کام صرف ایسے ہی بے نفس لوگ کر سکتے ہیں جن کا قلب حب جاہ وحب مال دونوں سے پاک ہو۔

بہر حال دوپہر میں مریضوں سے فراغت کے بعد اگر وقت بچتا تو تلاوت وغیرہ میں مشغول ہو جاتے اور پھر اول وقت میں نماز ظہر ادا کرتے اس کے بعد کھانا تناول فرماتے اور کچھ دیر کے لیے قیلولہ فرماتے تھے، قیلولہ کے بعد اٹھتے، ضروریات اور وضو وغیرہ سے فارغ ہو کر اگر سبق ہوتا تو سبق پڑھاتے اور پھر بخاری شریف کی شرح امداد الباری کی تالیف میں مصروف ہو جاتے اور پھر نماز عصر سے فارغ ہو کر مختلف علمی کاموں میں اذان مغرب تک مشغول رہتے تھے، اس کی تفصیل مزید ان شاء اللہ آجائے گی، اور بعد نماز مغرب درسیات کا مطالعہ فرماتے اور اول وقت میں نماز عشا ادا کرتے، اگر مطالعہ کچھ باقی رہ جاتا یا کسی چیز کی تحقیق ادھوری رہ جاتی تو بعد نماز عشاء اسے مکمل کرتے اس کے بعد کھانا کھاتے، اگر کوئی مہمان ہوتا یا طلبہ وغیرہ آجاتے تو ان کے ساتھ گفتگو فرماتے اور باتوں میں مختلف علمی نکات بھی بیان فرماتے اور طلبہ کو علمی میدان میں مزید آگے بڑھنے کی ترغیب بھی دیتے اور مدرسہ کا گیٹ جو سردی کے موسم میں دس بجے اور گرمی میں گیارہ بجے بند ہوتا ہے اس سے پہلے پہلے طلبہ کو رخصت کر دیتے اور خود کوئی کتاب یا رسالہ لے کر مطالعہ کرتے اور کچھ دیر کے بعد سو جاتے اور حسب معمول پھر تہجد میں اٹھ جاتے تھے، اسی کے ساتھ روزانہ قراءت سبعہ میں قرآن کریم کے کچھ نہ

کچھ حصہ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

اس بڑھاپے اور کبرسنی میں بھی ہمیشہ نشیط اور چاق وچوبند نظر آیا کرتے تھے گھنٹوں گھنٹوں بلا کسی اکتاہٹ کے علمی کاموں میں مشغول رہتے، حتی کہ ساتھ کام کرنے والا بعض مرتبہ تھک جاتا مگر آپ کو علم کی اور دوسروں کو کچھ بنادینے کی ایسی دھن تھی کہ وہاں سستی اور تھکن کا کچھ نام ونشان ہی نہ تھا۔

تلاوت، اوراد ووظائف، مطالعہ، تدریس اور تصنیف وتالیف وغیرہ کے لیے جو معمول تھا اس میں تخلف بالکل برداشت نہ تھا، اور اسی معمول کی پابندی اور ریاضت ومجاہدہ کا نتیجہ تھا کہ اخیر عمر میں جب سخت بیمار ہوئے اور کھانا پینا بھی تقریباً چھوٹ گیا تھا تب بھی نماز باجماعت مسجد میں ادا کرنے کے ساتھ مطالعہ، درس وتدریس، تصنیف وتالیف وغیرہ کسی معمول میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

عصر کے بعد کی مجلس: عصر کے بعد آپ کے یہاں خصوصی علمی مجلس ہوا کرتی تھی، جس میں مختلف کتابیں اور مضامین وغیرہ پڑھے جاتے تھے، اس ناچیز کو تخصص فی الحدیث میں طالب علمی کے زمانے سے ہی پابندی کے ساتھ اس مجلس میں شرکت کی سعادت حاصل رہی ہے اور پھر یہ سلسلہ مدرسی کے زمانے میں بھی باقی رہا اور تقریباً بارہ تیرہ سال تک اس مجلس میں حاضری اور علمی استفادے کا موقع ملتا رہا۔

لوگ آپ کے پاس اپنی علمی کاوشیں، تصنیفات وتالیفات وغیرہ نظر ثانی کے لیے یا مقدمہ وتقریظ وغیرہ لکھنے کے لیے بھیجتے رہتے تھے، ایسی کتابوں میں سے بعض کتابیں آپ عصر کے بعد پڑھواتے تھے، ایسے ہی جن کتابوں پر آپ کو ماہنامہ مظاہر علوم کے لیے نقد وتبصرہ لکھنا ہوتا ان کتابوں میں سے کبھی کوئی کتاب پڑھواتے تھے، چنانچہ ''صحابۂ رسول؛ اسلام کی نظر میں'' مؤلفہ حضرت الاستاذ مولانا نور عالم خلیل امینی صاحب مدظلہ العالی اور ''رحمۃ اللہ الواسعۃ'' مؤلفہ حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہ العالی کو اسی طرح عصر کے بعد پڑھوایا، آپ کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ کتاب پڑھی جاتی اور جہاں جس بات پر آپ کو کچھ کھٹک محسوس ہوتی وہیں فرماتے کہ یہ بات فلاں کتاب میں دیکھو اور اس کتاب میں دیکھنے کے بعد جو کچھ خامی محسوس فرماتے اسے ایک کاغذ پر لکھوادیتے اور کوئی بھی تحقیق طلب بات ہوتی تو اس کی تحقیق کیے بغیر آگے نہ بڑھتے تھے، اس طرح تبصرے کی کئی کتابیں پڑھوائیں اور ان کی خوبی وخامی کو اجاگر کیا؛ آپ کے اس عمل میں بھی آپ کے

پیش نظر ہم خدام کی تربیت ہی تھی اور ہمیں اس سے بہت فائدہ بھی ہوا اور تبصرہ نگاری کی راہیں بھی ہم پر کھلیں اور پھر آپ نے مجھ سے وقتاً فوقتاً مختلف کتابوں پر تبصرے بھی لکھوائے مجھے یاد پڑتا ہے کہ آپ نے سب سے پہلے جدید لغات القرآن مؤلفہ مولانا عبدالوحید النوری تبصرے کے لیے دی، پھر الطیب الذکی، معلومات عامہ وغیرہ کئی کتابوں پر تبصرہ لکھوایا، ایک مرتبہ آپ دیوبند تشریف لے گئے وہاں سے واپسی پر فرمایا کہ مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری نے ''الکلام المفید فی تحریر الاسانید'' مؤلفہ مولانا روح الامین بنگلہ دیشی شائع کی ہے اور ملاقات پر مجھ سے کہا کہ اس کتاب پر آپ ہی تبصرہ لکھیں آپ کے سوا کوئی دوسرا نہیں لکھ سکتا ہے، میں نے کہا کہ کیوں کوئی دوسرا نہیں لکھ سکتا، دوسرے لوگ بھی بالکل لکھ سکتے ہیں، پھر راقم سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے کہ آپ اس کتاب پر تبصرہ لکھیں، میں نے حضرت کے حکم کی تعمیل میں ماہنامہ مظاہر علوم میں تبصرے کے کالم کی گنجائش کو ملحوظ رکھتے ہوئے قدرے تفصیل سے تبصرہ لکھا اور اس تبصرہ کی پسندیدگی کے بعض خطوط بھی اس زمانے میں میرے پاس آئے تھے۔

اور آخر میں کئی سالوں سے آپ کا معمول یہ بن گیا تھا کہ عصر کے بعد تخصص فی الحدیث کے طلبہ کے بحث ؤدراسہ (مقالات) کو جانچنے اور نمبر دینے کے لیے راقم سے وہ مقالات پڑھواتے تھے اور جہاں کہیں کوئی نقص وغیرہ محسوس کرتے اس پر متنبہ کرتے، شروع سال سے یہی معمول رہتا تھا اور جب مقالات کی جانچ سے فارغ ہو جاتے تو پھر باقی سال اس وقت میں مختلف کتابیں وغیرہ پڑھی جاتی تھیں، بعض حضرات آتے تو کہتے کہ آپ اس وقت میں ایسے دماغی اور خالص علمی کام میں لگے رہتے ہیں اس وقت کو فارغ رکھیں یا کوئی ہلکا پھلکا کام کریں، کبھی تو حضرت سن کر خاموش رہتے اور کبھی فرماتے کہ ان کاموں کے لیے ہم الگ سے وقت کہاں سے لائیں۔

یقیناً یہ حضرت کی بہت بڑی قربانی اور مجاہدہ تھا اور حضرت کی برکت سے اس ناچیز کا بھی وقت ضیاع سے بچ جاتا تھا اور ایک ایسی عادت سی ہوگئی تھی کہ حضرت جب سفر وغیرہ میں چلے جاتے تو یہ وقت گذارنا مشکل ہو جاتا تھا، اس مجلس میں راقم کے علاوہ رفیق محترم مولانا عبداللہ خالد صاحب خیرآبادی بھی کئی سالوں تک شریک ہوتے رہے پھر ان کی مصروفیات ومشاغل زیادہ ہوگئے تھے تو نہیں آپاتے تھے، مظاہر علوم وقف کے ایک استاذ بھی ایک دو سال تک پابندی کے ساتھ اس مجلس میں شریک ہو کر مستفید ہوئے اور حضرت سے اصول حدیث اور تخریج حدیث کی بعض کتابیں بھی

پڑھیں۔

کتاب المغنی کی تحقیق: علامہ محمد بن طاہر پٹنی کی مشہور کتاب المغنی فی ضبط الأسماء
ہند اور بیرون ہند سے متعدد بار شائع ہوئی ہے مگر اس کا المیہ یہ رہا ہے کہ ہر طباعت میں اس کی اغلاط
واغلاط میں اضافہ ہی ہوتا رہا، حضرت الاستاذ رحمہ اللہ کے پاس اس کتاب کا قدیم مطبوعہ نسخہ تھا جو بعد کے
مطبوعہ نسخوں کے مقابلے میں زیادہ صحیح تھا، پھر جب اس کتاب کا مخطوطہ آپ کو حاصل ہو گیا تو آپ نے
اس کی تصحیح اور تحقیق و تعلیق کا کام شروع فرمایا، اور اس کام میں اس ناکارہ کو اس طور پر شریک کر لیا کہ جو کچھ
آپ لکھتے اس کا مخطوطہ کے ساتھ مقابلہ کرنے میں ساتھ رکھتے، یہ میرا مظاہر علوم میں مدرسی کا پہلا سال
تھا، میرے پاس من جانب مدرسہ پانچ گھنٹے تھے، چار گھنٹے اسباق کے تو مستقل تھے اور ایک گھنٹہ عارضی
طور پر ترجمۂ کلام پاک کا حضرت مولانا سید محمد شاہد صاحب مدظلہ العالی امین عام جامعہ مظاہر علوم کے حجاز
مقدس کے طویل سفر کی وجہ سے مجھ سے متعلق کر دیا گیا تھا، حضرت نے واپسی کے بعد فرمایا کہ آپ نے
تھوڑے عرصہ میں اچھی خاصی مقدار پڑھا دی ہے اور طلبہ آپ کے سبق کو پسند بھی کرتے ہیں اس لیے
امسال آپ ہی پڑھائیں، یہ حضرت کی ذرہ نوازی اور حسن ظن تھا، اس طرح یہ عارضی سبق بھی پورے
سال رہا اور آئندہ بھی کئی سالوں تک جب حضرت کی مصروفیات اور مشاغل مدرسہ زیادہ ہو جاتے تو
اخیر سال میں یہ سبق میرے ذمہ فرما دیتے، اس کے ساتھ بعد مغرب طلبہ تخصص فی الحدیث کے مطالعہ
کی نگرانی بھی میرے ذمہ تھی، اس لیے دن میں صرف ایک گھنٹہ خالی تھا، حضرت الاستاذ مرحوم نے فرمایا
کہ اسی گھنٹہ میں المغنی کا مقابلہ کر لیا کریں، اس طرح یہ کام شروع ہو گیا، دوران مقابلہ اگر کہیں کوئی چیز
تحقیق طلب معلوم ہوتی تو حضرت خود کتابوں کی نشان دہی فرما دیتے اور کبھی میں از خود اس کے مظان
(ممکنہ جگہ) میں تلاش کرتا اور اس کے بعد اگر کوئی بات مفید مطلب مل جاتی تو اس کو درج فرما دیتے۔

ابتدا میں تو میں نے سمجھا تھا کہ مقصود صرف تصحیح اور مقابلہ ہے لیکن چند ہی دنوں میں یہ بات واضح
ہو گئی کہ حضرت الاستاذ مرحوم کا مجھے اپنے ساتھ رکھنے کا ایک بڑا مقصد تحقیقی کام خصوصاً مخطوطات پر کام
کرنے کی تربیت بھی ہے، اسی وجہ سے اگر میں کبھی کسی ضرورت کی وجہ سے وقت مقرر پر حاضر نہ ہو پاتا
تو آپ بجائے کسی اور کے ساتھ مقابلہ کرنے کے میرا انتظار کرتے یا بعد میں کسی وقت مقابلہ فرماتے،
آپ کا انداز تربیت بھی بڑا عجیب اور نرالا تھا، بہت سی مرتبہ مخطوطہ میں کوئی مشکل بات ہوتی یا کوئی غیر

واضح عبارت ہوتی تو حضرت فرماتے کہ اسے دیکھو تو یہ کیا ہے؟ اگر میں صحیح پڑھ دیتا اور اس کو حل کر لیتا تو حضرت خوش ہو جاتے اور بہت دعائیں دیتے، اگر عبارت حل نہ ہوتی یا الفاظ سمجھ میں نہ آتے تو حضرت خود خوردبین کی مدد سے دیکھتے اور حل کی کوشش کے انداز میں فرماتے کہ یہاں یہ لفظ ہو سکتا ہے کیا؟ اس کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کیا؟ اور عموماً وہی ہوتا بھی تھا جس کو حضرت ''ہو سکتا ہے'' کے لفظ سے بیان فرماتے تھے، یہ آپ کا ایک خاص انداز تربیت تھا، اس طرح سے آپ اپنے شاگردوں کے اذہان کی تشحیذ فرمایا کرتے تھے۔

ابھی آپ نے المغنی کے چند صفحات کی ہی تحقیق فرمائی تھی کہ اسی دوران آپ کو بانڈی پورہ کشمیر کا سفر پیش آ گیا جو دارالعلوم رحیمیہ کے روح رواں اور ملت کا درد رکھنے والے ایک مخلص بزرگ عالم حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کشمیری کی دعوت پر ''رسالۃ الأوائل'' پڑھانے کے لیے ہوا تھا، حضرت الاستاذ رحمہ اللہ کا اس سلسلہ میں کشمیر کا یہ دوسرا سفر تھا اور راقم الحروف بھی اس سفر میں حضرت کے ساتھ تھا، حضرت نے دارالعلوم رحیمیہ میں رسالۃ الأوائل کا درس دیا اور اس کے اچھے خاصے حصہ کی قراءت راقم سے ہی کروائی، اس درس میں دارالعلوم رحیمیہ کے فضلاء کے علاوہ کشمیر کے دوسرے علاقے کے بھی بہت سے علما و فضلا شریک ہوئے، واپسی میں بانڈی پورہ سے سری نگر ایرپورٹ آتے ہوئے راستہ میں المغنی کا تذکرہ چھڑ گیا، حضرت نے اس کتاب کی اہمیت اور اس کی تحقیق و تعلیق کا تذکرہ فرمایا، حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب نے بہت اصرار اور تاکید کے ساتھ فرمایا کہ آپ جتنی جلد ہو سکے اس کام کو مکمل فرما دیں، رسالۃ الأوائل کی طرح اس کتاب کو بھی ہم شائع کریں گے، (حضرت الاستاذ کی تحقیق و تعلیق کے ساتھ ''رسالۃ الأوائل'' کی طباعت اس سے قبل مکتبہ دارالعلوم رحیمیہ بانڈی پورہ سے ہو چکی تھی)

بہرحال سفر سے واپسی کے بعد کام میں مزید تیزی آ گئی اور تقریباً ایک ڈیڑھ سال میں یہ کام مکمل ہوا، اور اس پورے کام میں حضرت الاستاذ مرحوم نے مجھے بھی اپنے ساتھ رکھا، اور پھر دارالعلوم رحیمیہ کے ایک فاضل مولوی سجاد حسین کشمیری (جو اس وقت مظاہر علوم کے شعبہ تخصص فی الحدیث میں زیر تعلیم تھے) کو مولانا رحمت اللہ صاحب نے کمپوزنگ کروانے کا مکلف کیا اور انھوں نے کتابت کے لیے حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب معروفی مدظلہ العالی کو رضامند کر لیا اور اس طرح کتابت کے

ساتھ پوری کتاب آپ کی غائرانہ نظر سے گذرگئی اورآپ نے ایک بیش قیمت مقدمہ لکھ کر کتاب اور تحقیق کی خوبیوں کواجاگر کیا۔

اور پھر کتابت کی تصحیح کا مرحلہ آیا تو اولا راقم نے مختلف لوگوں کے ساتھ مل کر دومرتبہ تصحیح کی اور تیسری مرتبہ تصحیح میں حضرت مولاناؒ بنفس نفیس شریک ہوئے اور آپ کے ساتھ راقم الحروف اور رفیق محترم مولانا عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی شریک رہے۔

اس طرح سے حضرت الاستاذ نے کتاب المغنی کی تحقیق کی ابتداء سے اس کی آخری تصحیح تک راقم الحروف کو اپنے ساتھ رکھا، جس کی وجہ سے راقم کو تحقیق وتعلیق کے کاموں میں بڑا فائدہ پہنچا اور بہت کچھ عملا سیکھنے کا موقع ملا اور یہ حضرت والا کے منجملہ احسانات میں سے ایک عظیم احسان ہے جسے کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا، یقینا یہ اساتذہ کرام کا اپنے شاگردوں کے اوپر بہت بڑا احسان ہے کہ وہ اپنے تحقیقی وتصنیفی کاموں میں طالب علم کو بھی کسی نوعیت سے شریک کرلیں، اور طالب علم کو ہمیشہ اسے اپنی سعادت مندی تصور کرنا چاہئے۔

علم اسماء الرجال سے آپ کا تعلق اور شغف: علم اسماء الرجال سے آپ کو خصوصی تعلق اور شغف تھا اور اس کا اظہار آپ کے درس میں اور خصوصی وعمومی مجلسوں میں بھی نمایاں طور پر ہوتا تھا، اس فن میں مہارت رکھنے والے ملک کے چیندہ اور ممتاز علماء میں آپ کا شمار ہوتا تھا اور ابتدا ہی سے آپ کی توجہ اس فن کی طرف ہوگئی تھی۔

حضرت الاستاذؒ کی عادت تھی کہ اہم اور مفید کتابوں کے مطالعہ کی طرف بھی حسب موقع متوجہ فرماتے رہا کرتے تھے ایک مرتبہ راقم سے فرمانے لگے کہ ''الزام المتعنتین '' (مؤلفہ مولانا عبدالغفار صاحب مئوی) کا مطالعہ کیا ہے؟ میں نے نفی میں جواب دیا، تو فرمایا کہ بہت اچھی کتاب ہے اس کو مطالعہ میں رکھیں۔

پھر فرمایا کہ ہمارے علاقہ میں اسماء الرجال کے فن میں بڑے ماہر اور زبردست علماء پیدا ہوئے ہیں جیسے مولانا عبدالغفار صاحب عراقی مئوی ان کے شاگرد مولانا حبیب الرحمن اعظمی اور مولانا حبیب الرحمن صاحب کے شاگرد مولانا شکر اللہ صاحب اور میں بھی مولانا حبیب الرحمن صاحب کا شاگرد ہوں لیکن میں نے حضرت سے صرف ''اوائل'' پڑھی ہے، اسماء الرجال کی طرف میری توجہ اور اس سے

تعلق اس وقت سے ہوگیا تھا جب سے میں نے علی ابن المدینی کا قول ''معرفۃ الرجال نصف العلم'' پڑھا اور سنا تھا۔

الحمد للہ حضرت کی تربیت، توجہ اور دعاؤں کی برکت سے اس ناکارہ کو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے اس فن سے کچھ اشتغال کی توفیق بخشی ہے، اور اس کا ظاہری سبب بھی حضرت ہی کی ذات گرامی ہے، حضرت الاستاذؒ نے ایک کام میرے سپرد کیا تھا، اس کام کے دوران مجھے امام طحاوی رحمہ اللہ کی مشہور کتاب ''شرح معانی الآثار'' کے رجال سے متعلق ایک کتاب سے سابقہ پڑا جس کو میں نے اپنے موضوع (رجال شرح معانی الآثار) پر لکھی جانے والی کتابوں میں سب سے مفصل، جامع اور انتہائی مفید پایا، لیکن اصل کتاب شرح معانی الآثار کی اسانید میں جس طرح تصحیفات اور سقطات وغیرہ واقع ہوگئے ہیں اسی طرح اس مطبوعہ کتاب میں بھی بہت سی تصحیفات وتحریفات واقع ہوگئی ہیں، کتاب کی اہمیت وافادیت کو دیکھتے ہوئے اس ناکارہ نے اس کی تحقیق وتعلیق کا کام شروع کیا، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ کام تقریباً آٹھ جلدوں میں مکمل ہو چکا ہے، اس کام کو یہ ناکارہ محض اللہ عزوجل کا فضل اور حضرت الاستاذؒ کی صحبت کا فیض، تربیت کا ثمرہ اور توجہات ودعاؤں کا نتیجہ تصور کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے قبول فرمالیں اور حضرت الاستاذؒ کو اپنے شایان شان جزائے خیر عطا فرمائیں، آمین۔

تواضع وانکساری اور ادب: آپ کے رہن سہن، طور طریقے، لباس پوشاک، خورد ونوش غرض زندگی کی ہر ہر ادا سے تواضع وانکساری جھلکتی تھی، آپ ہمیشہ اپنے چھوٹوں کو بھی ''آپ'' کہہ کر ہی پکارتے تھے، ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر آپ اپنے چھوٹوں سے ادب کے ساتھ پیش آئیں گے اور ان کا احترام کریں گے تو وہ بھی آپ کا ادب واحترام کریں گے۔

بعض مرتبہ بعض طلبہ آپ کے جوتے یا چپل کو درسگاہ کے اندر سیدھا کر کے رکھنا چاہتے تو آپ یہ کہہ کر منع کردیتے کہ حدیث شریف کی درسگاہ ہے اس کے اندر چپل اتارنا بے ادبی ہے، اسی طرح مظاہر علوم دارِ جدید کی مسجد سے متصل سہ دری ہے جس میں حفظ قرآن کریم کی تعلیم ہوتی ہے، نماز کے لیے آنے والے بعض طلبہ بلکہ بعض ملازمین وغیرہ بھی اپنی چپلیں مسجد کے باہر عام فرش پر اتارنے کے بجائے سہ دری جو عام فرش سے ذرا اونچائی پر ہے اس کے کنارے پر اپنی چپلیں اتارتے ہیں، آپ کو

اس پر بڑی ناگواری ہوتی تھی کہ اس میں جہاں قرآن کریم کی درسگاہ کی بے ادبی ہے وہیں تکبر کی بھی جھلک پائی جاتی ہے۔

اسی طرح دوران مطالعہ و تحقیق اگر آپ کو کسی کتاب کی ضرورت پڑتی تو خود اپنی جگہ سے اٹھ کر جاتے اور کتاب نکال کر لے آتے اور ضرورت پوری ہونے پر کتاب کو دوبارہ اس کی جگہ پر لے جا کر رکھتے تھے جب کہ طلبہ اسی درسگاہ میں موجود ہوتے تھے مگر آپ کسی سے کتاب لانے کے لیے نہیں کہتے تھے، پیرانہ سالی اور بیماری کے زمانہ میں اگر بعض طلبہ درخواست کرتے کہ آپ کو جس کتاب کی ضرورت ہو ہم سے کہہ دیا کریں تو آپ یہ فرماتے کہ آپ لوگ حدیث شریف کے مطالعہ و تحقیق میں مشغول ہیں، اگر آپ لوگوں سے کہوں گا تو آپ لوگوں کا حرج ہوگا اور میں اسے پسند نہیں کرتا، اللہ اکبر آپ کے دل میں حدیث شریف کی کیسی عظمت تھی اور طلبہ کے اوقات کی کیسی قدر تھی۔

آپ نے دارالعلوم دیوبند میں باضابطہ فتویٰ نویسی کی مشق کر کے اس فن میں ایسی مہارت پیدا کر لی تھی کہ آپ کے استاد حضرت مفتی مہدی حسن صاحب نے دارالافتاء میں آپ کے تقرر کے لیے سفارش بھی کی تھی، اور اسی طرح آپ کو علم قراءت میں بھی کمال حاصل تھا لیکن تواضع کا یہ حال تھا کہ نہ اپنے کو کبھی مفتی لکھا نہ قاری اور نہ ان القاب کو رواج دیئے اور مشہور کرنے کی کبھی کوشش کی، آپ کا یہ عمل بھی ہمارے لیے بڑا عبرت آمیز ہے کہ آج جبکہ لوگ بڑے طمطراق کے ساتھ بقلم خود ایسے القاب لکھتے اور لکھواتے ہیں اور ان القاب و آداب میں اگر کوئی کچھ کمی کرتا ہے تو اس کو اپنی شان میں گستاخی سمجھتے ہیں۔

آپ ہر تعلیمی سال کے شروع میں تخصص فی الحدیث کے اسباق کی افتتاحی مجلس میں طلبہ کو جو نصیحت فرماتے تھے ان میں ایک اہم نصیحت یہ ہوتی تھی کہ آپ لوگ اپنے ذہن میں یہ بات بیٹھا لیں کہ ہم کچھ نہیں ہیں اور ہمیں کچھ نہیں آتا، آپ لوگوں کے ذہن میں یہ بات ہرگز نہ آئے کہ ہم تخصص میں داخل ہو کر محدث بن گئے یا دو سالہ نصاب پورا کر کے بہت بڑے محدث اور شیخ الحدیث کہلائیں گے بلکہ اپنے اندر تواضع پیدا کریں، اساتذہ کا احترام کریں اور اپنے آپ کو مٹائیں تبھی آپ کسی کام کے قابل ہو سکتے ہیں۔

عہدوں سے بے زاری: جس طرح آپ نے نام و نمود اور شہرت کو کبھی پسند نہیں کیا، اسی طرح عہدے اور مناصب سے بھی آپ کی طبیعت ہمیشہ بے زار رہی، اور اپنے متعلقین کے لیے بھی

جو علمی، اشتغال وانہماک رکھتے تھے ان کے لیے انتظامی ذمہ داریوں اور عہدوں کو بالکل پسند نہیں فرماتے تھے بلکہ اس کو علم کے لیے مضر اور نقصان دہ سمجھتے تھے، ایک مرتبہ ایک انتہائی جید الاستعداد عالم کا ذکر آیا جن کو بنارس کے ایک مشہور مدرسے کا صدر مدرس (پرنسپل) منتخب کر دیا گیا تھا حضرت نے فرمایا کہ علمی کاموں میں مشغول اور منہمک عالم کے لیے عہدہ اور منصب خصوصاً انتظامی ذمہ داری مناسب نہیں ہے، اس سے عموماً علمی یکسوئی باقی نہیں رہتی اور علمی ترقیات رک جاتی ہیں، اس لیے میں نے بھی کبھی کوئی عہدہ اور منصب قبول نہیں کیا، یہاں مظاہر علوم میں شعبۂ تخصص فی الحدیث کے اندر میں تنہا تھا، میرے ہی ذریعہ شعبہ قائم ہوا تھا اور یہاں کے ذمہ داران نے مجھے اس کا صدر بنا دیا تو مجھے مجبوراً بننا پڑا، ورنہ عہدے اور منصب کی مجھے کبھی خواہش نہیں ہوئی اور نہ پڑھنے لکھنے والوں اور علمی اشتغال وانہماک رکھنے والوں کے لیے میں اس کو پسند کرتا ہوں۔

حضرت الاستاذ رحمہ اللہ کا طرز عمل اور فکر تمام اہل علم خصوصاً حضرت کے تلامذہ ومتعلقین اور محبین کے لیے کس قدر بصیرت افروز ہے، جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ آج عموماً عہدے اور منصب ہی کی خاطر طرح طرح کے اختلافات ہوتے ہیں، اور عہدے اور منصب کے حصول کے لیے لوگ کیسے کیسے جتن کرتے ہیں اور دوسروں کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کے لیے جواز کی حدود سے تجاوز میں بھی عموماً تامل نہیں ہوتا، اور اس کے نتیجے میں جہاں علمی معیار گھٹتا ہے وہیں آپسی اختلافات، رنجشیں، ایک دوسرے کے ساتھ بدگمانیاں بھی پیدا ہوتی ہیں جو علمی اداروں اور مدارس کے لیے سخت نقصان دہ ہیں۔

آپ کا انداز تدریس: آپ کا درس انتہائی محققانہ ہوتا تھا، درس کی تقریر مختصر اور جامع ہوتی تھی، کتاب کی عبارت خصوصا متون حدیث کی ایسی تشریح فرماتے کہ اس پر وارد ہونے والا اشکال، اختلاف اور تعارض دور ہو جاتا، جو طلبہ مطالعہ کے بعد سبق میں آتے تھے وہ ان باتوں کو نمایاں طور پر محسوس کرتے تھے، اسی طرح دوران سبق حدیث شریف یا کسی دیگر بحث کو اصل مراجع سے نکالنے کا بھی طلبہ کو مکلف کرتے تھے اور اپنے سامنے نکلواتے تھے، تاکہ طالب علم کو تحقیق کا بھی ہنر آئے اور کون سی بات کس کتاب میں مل سکتی ہے یہ بھی معلوم ہو جائے، اور آپ کے سبق کی ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ آپ چھوٹی جماعتوں میں باری باری ہر طالب علم سے سبق کی عبارت پڑھواتے تھے، آپ کا سبق انتہائی دلچسپ ہوتا تھا، دو دو گھنٹے پڑھاتے تھے مگر طلبہ ذرا بھی اکتاہٹ نہیں محسوس

کرتے تھے، آپ سبق کے دوران طلبہ کی اخلاقی تربیت کی طرف بھی پوری توجہ فرماتے تھے اور حسب موقع برجستہ طور پر اشعار بھی سبق میں حسب حال اور استشہاداً بے تکلف پڑھا کرتے تھے، اسی طرح اسباق میں تمام ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین کا بڑے ادب واحترام اور عقیدت کے ساتھ تذکرہ فرماتے تھے اور ان کے علمی احسانات کا بڑی ممنونیت کے ساتھ ذکر فرماتے تھے جس کی وجہ سے طلبہ کے دلوں کے اندر بھی ان کی عظمت وعقیدت بڑھ جاتی تھی۔

سبق میں بعض مرتبہ بعض الفاظ کا ترجمہ ٹھیٹھ پوربی زبان میں بھی کرتے تھے، جہاں اردو کا دامن اس لفظ کی مکمل ترجمانی سے تنگ ہوتا مثلاً حضرت جعفر طیار کے بارے میں ہے کہ له جناحان يطير بهما في الجنة حيث يشاء تو آپ نے جناح کا ترجمہ ڈینا سے کرایا اور کہیں یخر علی وجہہ آیا تو آپ نے اس کا ترجمہ کرایا کہ منہ کے بل بھہرا جائے گا۔

اسی طرح آپ حدیث شریف کے سبق میں امام علی بن المدینی کے قول "التفقه في معاني الحديث نصف العلم، ومعرفة الرجال نصف العلم" کا بھی پورا پورا لحاظ فرماتے تھے، آج جب کہ رجال کی معرفت جسے امام علی بن المدینی نے نصف علم قرار دیا ہے اس کی طرف توجہ کم ہوتی جارہی ہے اور طلبہ کی عدم دلچسپی کی وجہ سے اساتذۂ حدیث بھی عموماً اس سلسلہ میں گفتگو نہیں کرتے بلکہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ بعض علماء اسے فضول اور بے فائدہ سمجھنے لگے ہیں، لیکن آپ نے اس کی کبھی پرواہ نہیں کی کہ طلبہ اس فن سے کم دلچسپی لیتے ہیں اور فنی اور اصولی بحثوں کے بجائے لمبی لمبی اختلافی اور فقہی بحثوں میں ان کی دلچسپی زیادہ ہے، اور ایسے ہی لمبی تقریریں کرنے والے استاذ کے سبق کو زیادہ سراہا جاتا ہے، آپ ان تمام باتوں سے بالاتر ہوکر ہمیشہ اس فن کو بھی زیر بحث لاتے تھے اور آپ کی کوششوں سے بہت سے طلبہ کی توجہ کچھ نہ کچھ اس فن کی طرف بھی ہوجاتی تھی۔

رجال سازی اور مردم گری: رجال سازی اور افراد کار تیار کرنا بھی آپ کا ایک امتیازی وصف تھا، اللہ تعالیٰ نے آپ سے رجال سازی کا ایسا عظیم کام لیا ہے کہ اس قحط الرجال کے دور میں اس کی نظیر بمشکل ہی ملے گی، معمولی سے معمولی صلاحیت والے طلبہ کی بھی آپ کبھی حوصلہ شکنی نہیں کرتے تھے بلکہ ایسے مخلصانہ اور مشفقانہ انداز سے ان کی رہنمائی فرماتے اور ان کی کاوشوں پر ایسی حوصلہ افزائی فرماتے کہ طلبہ کے اندر علم کا شوق اور تحقیق وجستجو کی دھن پیدا ہوجاتی، اور علم وتحقیق کی

مشکل راہیں ان کے لیے آسان سے آسان تر ہوتی چلی جاتیں، الغرض رجال سازی آپ کا نصب العین تھا، اور اس کی فکر ہمیشہ دامن گیر رہتی تھی کہ طلبہ ہمارے پاس سے کچھ بن کر جائیں، چنانچہ مرض الوفات میں جب ڈاکٹر نے پوچھا کہ آپ کسی چیز کا ٹینشن بھی لیتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں صرف ایک چیز کی مجھے فکر رہتی ہے کہ طلبہ اتنا زیادہ پیسہ خرچ کر کے آتے ہیں وہ کچھ بن کر جائیں، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آپ کا تخصص کا پڑھایا ہوا کوئی ایک بھی شاگرد بے کام نہیں ہے، آج آپ کے تلامذہ اور فیض یافتگان ہند اور بیرون ہند میں قابل قدر دینی، علمی، تحقیقی اور تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، یہ سب آپ کے اخلاص کا ثمرہ ہے کہ آپ نے خود کو مٹا کر دوسروں کو چمکایا، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے ان تمام خدمات کو قبول فرمائے اور حضرت الاستاذ رحمہ اللہ کے لیے صدقۂ جاریہ بنائے، آمین۔

حضرت والا کی بعض عنایات کا ذکر

(۱) میں جب دورۂ حدیث شریف سے فارغ ہوا تو چوں کہ عربی ہفتم (مشکوٰۃ کی جماعت) میں اللہ کے فضل سے میری پہلی پوزیشن تھی اور دورۂ حدیث شریف میں بھی امتیازی نمبرات حاصل ہوئے تھے اس لیے دار العلوم دیوبند میں بشمول افتاء کسی بھی شعبہ میں داخلہ ہو سکتا تھا مگر برادر گرامی حضرت مولانا عارف جمیل صاحب استاذ ادب عربی دار العلوم دیوبند نے فرمایا کہ تم نے اتنی تمرین کر لی ہے کہ تکمیل ادب کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے افتا یا تخصص فی الحدیث کر لو اور پھر تخصص فی الحدیث کی رائے قائم ہو گئی اور اس وقت تک دار العلوم میں تخصص فی الحدیث کا شعبہ قائم نہیں ہوا تھا اس لیے مظاہر علوم آ گیا، لیکن چند ہی دنوں کے بعد سخت بیمار ہوا اور علاج معالجہ کے باوجود افاقہ نہیں ہوا، اور اس بیماری کے ساتھ تعلیم کے لیے جو یکسوئی اور محنت درکار ہے وہ نہیں ہو سکتی تھی، جب میں نے دیکھا کہ تعلیم کا جو مقصد لے کر میں آیا تھا وہ مقصد ہی حاصل نہیں ہو رہا ہے تو بادل ناخواستہ چار و ناچار مجھے واپس جانا پڑا جس پر مجھے انتہائی قلق بھی ہوا لیکن اللہ کی مشیت وہی تھی اور اس کی مشیت کے آگے انسان بے بس ہے اور پھر سال کے ختم پر حضرت سے ملاقات ہوئی، حضرت نے برجستہ فرمایا کہ ''تم تخصص پڑھ لو گے''، لیکن میرے گھریلو حالات کچھ ایسے ہوئے کہ میں آگے تعلیمی سلسلہ جاری نہ رکھ سکا اور تدریس میں لگ گیا، اور پھر ایک سال بعد کسی پروگرام میں دیوبند آیا، میرے انتہائی مشفق و مہربان استاذ حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی دامت برکاتہم (اللہ تعالیٰ آپ کے سایہ کو صحت

وعافیت کے ساتھ تادیر قائم رکھے) نے تخصص فی الحدیث پڑھنے کی طرف توجہ دلائی، میں سمجھتا ہوں میرے انھیں دوا کابر اساتذہ کی دعا اور توجہ سے اللہ تعالیٰ نے حالات سازگار کردیئے اور میں بلا وہم وگمان دوبارہ تخصص فی الحدیث پڑھنے کے لیے آگیا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ایک طویل عرصہ حضرت کے ساتھ گزارنے اور بہت کچھ سیکھنے کا موقع عطا فرمایا، اور حضرت الاستاذ مرحوم کے ساتھ رہتے ہوئے اس کا بہت سی مرتبہ مشاہدہ ہوا کہ حضرت کی زبان سے کوئی بات نکلتی، کوئی دعا فرماتے اور اللہ تعالیٰ ویسے ہی اس کو قبول فرمالیتے۔

(۲) یہ ناچیز نہ کسی قابل تھا اور نہ ہے؛ البتہ اساتذہ کرام کی توجہات، دعائیں، ان کا حسن ظن اور اعتماد حاصل رہا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس کی لاج رکھ رکھی ہے، اللہ تعالیٰ اسی کی برکت سے عقبیٰ میں بھی بیڑہ پار لگادیں۔

یہ حضرت الاستاذ مرحوم کا حسن ظن ہی تھا کہ مظاہر علوم میں میری مدرسی کے دو تین ہی سال ہوئے تھے کہ مشرقی یوپی کی ایک نامور مرکزی درسگاہ کے ذمہ داران نے حضرت سے ملاقات کرکے راقم کے متعلق دریافت کیا کہ وہ دورۂ حدیث کی کتابیں پڑھا سکتے ہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ بالکل پڑھا سکتے ہیں، وہ کون سی کتاب نہیں پڑھا سکتے، پھر ان لوگوں نے کہا کہ آپ انہیں ہمارے یہاں آنے کی اجازت دے دیں، آپ نے ان سے فرمایا کہ میں بالکل اجازت نہیں دے سکتا۔ اسی طرح مشرقی یوپی کا ایک بڑا اور قدیم مدرسہ جو ایک صاحب نسبت بزرگ کی زیر سرپرستی تیزی کے ساتھ ترقی کی منازل طے کررہا ہے، وہاں شعبۂ تخصص فی الحدیث قائم کرنے کے لیے وہ لوگ راقم کو لے جانا چاہتے تھے ان لوگوں نے حضرت سے بات کی آپ نے یہ کہہ کر ان سے معذرت کردی کہ مجھے ان کی یہاں زیادہ ضرورت ہے، یہ سب حضرت والا کا اس ناچیز کے ساتھ حسن ظن ہی تھا ورنہ یہ ناکارہ کس شمار اور قطار میں ہے۔

(۳) یکم صفر المظفر ۱۴۴۴ھ شب شنبہ میں حضرت والا نے مجھے بلا کر اپنا ایک گرم جبہ عنایت فرمایا اور اپنے سامنے پہنوایا، راقم کا ارادہ آپ کے ہاتھ پر بیعت ہونے کا کافی زمانے سے تھا مگر امروز فردا پر ٹل رہا تھا، اس وقت میں نے بیعت ہونے کی درخواست کی تو فرمایا کہ آپ لوگوں کو بیعت کی کیا ضرورت ہے بیعت کا جو مقصد ہے تعلق، محبت اور صحبت وہ تو حاصل ہی ہے، اور پھر کچھ دیر کے بعد فرمایا۔

کہ میں یہاں سہارنپور میں بیعت نہیں کرتا، بیعت کا وقت رمضان میں ہے، رمضان میں کسی دن پورہ معروف آجائیں تو بیعت کرلوں گا، پھر ایک ڈیڑھ ماہ بعد حضرت کا وطن کا سفر ہوا، میں بھی سفر میں ساتھ تھا راستہ میں حضرت نے فرمایا کہ رمضان معلوم نہیں ملے گا یا نہیں کل آپ پورہ معروف آجائیں تو بیعت کرلوں گا، بہر حال میں پہونچا اور حضرت نے خلاف معمول غیر رمضان میں بیعت فرمائی، حضرت نے اس بات پر افسوس کا اظہار فرمایا کہ میں بالکل اخیر وقت بیماری کے زمانے میں منسلک ہوا، اور اس سے زیادہ مجھے خود افسوس تھا، مگر حضرت کی غیر معمولی توجہ رہی، جس کی وجہ سے بہت فائدہ پہنچا۔

(۴) مرض الوفات میں سہارنپور سے آپ کی آخری روانگی سے چند دن پہلے کی بات ہے، میں حضرت کے پاس موجود تھا، اس وقت میرے گھر والے مبارک پور گئے ہوئے تھے اور ان کی واپسی میں ہفتہ دس دن باقی تھا حضرت نے اس وقت مجھ سے دریافت کیا کہ کھانا کیسے کھا رہے ہیں؟ مدرسہ سے کھانا جاری کرا رکھا ہے اور کوئی طالب علم بھی ساتھ کھاتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ خود ہی بناتا ہوں کوئی طالب علم ساتھ نہیں ہے، حضرت! میں نے تو آپ کو دیکھا ہے کہ آج سے دو تین سال پہلے تک آپ خود اپنے ہاتھ سے ہی کھانا بناتے تھے، یہ سن کر حضرت آبدیدہ ہوگئے، اور فرمانے لگے کہ علم کی نسبت تو آپ کی طرف منتقل ہوئی ہی ہے عمل کی نسبت بھی منتقل ہو رہی ہے الحمد للہ، اللہ کا شکر ہے اور پھر بہت دیر تک روتے رہے اور دعائیں دیتے رہے، یہ حضرت کا حسن ظن تھا اللہ پاک محض اپنے فضل سے اس کی لاج رکھ لیں ورنہ ہمارے علم و عمل کو آپ کے علم و عمل سے کیا نسبت "این الثریا من الثریٰ" اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ بچوں کے آنے تک اب کھانا میرے یہاں سے جائے گا، میں نے معذرت کرنی چاہی لیکن حضرت نے اصرار کیا، اس کے بعد میں کھانا منگوا لیتا اور کبھی حضرت کسی کے ہاتھ بھجوا دیتے، میں ایک دن شام کو کہیں کسی ضرورت سے گیا مجھے وہاں دیر ہوگئی اور کھانے کے بعد وہاں سے لوٹا بعد میں حضرت سے ملاقات ہوئی تو فرمانے لگے کہ میں دیکھنے گیا تھا تو مکان بند تھا میں تو شرم سے پانی پانی ہوگیا ایسی عظیم شخصیت اور ایسی تواضع اور خورد نوازی اس پر کون نہیں مر مٹے گا، حضرت کی رحلت سے ہم گویا یتیم ہوگئے اور ایسے مشفق و مہربان، خلوص و للہیت اور ایثار کا جذبہ رکھنے والے استاذ سے محروم ہوگئے جو اپنی اولاد کی طرح چاہتے تھے اور اپنے شاگردوں کو علم و عمل میں اپنے سے آگے دیکھنا چاہتے

تھے، حضرت کی زندگی میں قلب کو یہ اطمینان رہتا تھا کہ لکھنے پڑھنے اور پڑھانے میں اگر کوئی مشکل پیش آئی تو حضرت سے رجوع کرلیں گے، اب آپ کے بعد ہم ان علمی مشکلات میں کہاں اور کس کے پاس جائیں جو اسی شفقت ومحبت کے ساتھ الجھی ہوئی علمی گتھیوں کو سلجھادے اور مطمئن کردے، یہ سوچ کر عقل حیران اور دل پریشان ہوتا ہے لیکن اس سے کچھ ڈھارس سی ہے کہ میرے کئی مشفق اور بے لوث اساتذہ ابھی موجود ہیں اللہ ان کو صحت وعافیت کے ساتھ سلامت رکھے۔ اللہ تعالیٰ حضرت الاستاذ مرحوم کو غریق رحمت فرمائے، اور ہم تمام تلامذہ ومتعلقین، اور جمیع اہلِ علم اور مسلمین کی طرف سے بہترین جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔ اور آپ کے وصال فرمانے پر ہمیں جو مصیبت پہنچی ہے اس پر ہم صرف وہی کہہ سکتے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھایا ہے: "إنا لله وإنا اليه راجعون، اللّٰهم اجرني في مصيبتي وأَخلِفْ لي خيراً منها (مسلم) اور "انا لله وانا اليه راجعون، وإنا إلى ربنا لمنقلبون، اللهمَّ اكْتُبه في المُحسِنين، واجْعَلْ كتابَه في عِلِّيين، واخْلُفْ عَقبَه في الآخِرين، اللّٰهم لاتَحرِمْنا اجرَه، ولاتَفْتِنَّا بَعدَه(المعجم الكبيرج ۱۲، ص ۵۹)۔

جو دل پہ گزرے کھینچے کیوں نہ صفحہ پر تصویر

مولانا عبد العظیم مظاہری، استاذ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

ہمارے استاذ حضرت مولانا زین العابدین نور اللہ مرقدہ (جن کو ہم لوگ بڑے مولانا کہا کرتے تھے) کا سانحۂ ارتحال آپ کی علمی اولاد کے لیے اس صدمہ سے کم نہیں جو آپ کی حقیقی اولاد کو پہنچا اور اپنی زندگی میں کچھ خاص کام کر کے جانے والوں کا حال عام طور سے یہی ہوتا ہے اور ہمارے بڑے مولاناؒ کو اللہ تعالیٰ نے ہندوستان میں فن حدیث کے تجدیدی کام کے لیے منتخب فرمایا، اسی وجہ سے آپ کی جدائی کا صدمہ کچھ مختلف ہی قسم کا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ حضرتؒ کو ہماری طرف سے اور پوری امت کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے کہ اپنی جانب سے پوری کوشش کر کے گئے کہ فن حدیث کا یہ کام چلتا رہے، رکے نہیں، اور آپؒ اس کے لیے کتنا بے چین تھے اس کا کچھ اندازہ اس وقت ہوا جب آپؒ اپنے آخری ایام میں بار بار فرماتے تھے کہ اب مجھے اس شعبہ کی طرف سے اطمینان ہو گیا، اب مجھے اس شعبہ کی طرف سے اطمینان ہو گیا، اور اس کے باوجود وفات کے بالکل قریب (جب کہ اپنے وطن میں تھے) فون کے ذریعہ سے فرداً فرداً ہدایات دیتے رہے اور شعبہ کی خیر خبر رکھتے رہے، اللہ تعالیٰ اس شعبہ کے فیوض و برکات کو پورے عالم میں جاری و ساری فرمائے اور حضرتؒ کے لیے صدقۂ جاریہ بنائے۔

ہمارے بڑے مولانا کی ادائیں بھی بڑی دلنواز تھیں، خاص طور پر سادگی، جفاکشی اور بے نفسی ایسی تھی کہ اس کی مثال ملنی مشکل ہے، اسی وجہ سے ان پر ایسے بہت سے کام بہت آسان تھے جو ان سے بہت سے چھوٹے لوگوں پر بھی گراں ہوں گے، کتنی بار ایسا ہوا کہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کتاب میں انگلی سے نشان لگائے بندہ کے پاس خود تشریف لے آئے کہ دیکھنا؟ مولوی عبد العظیم! اس عبارت کا کیا مطلب ہے، گویا کہ ''لا یتعلم العلم مستحي ولا مستکبر'' کی مجسم شرح تھے بلکہ یوں کہا جائے کہ ہمارے بڑے مولانا بے نفسی کے بڑے معلم تھے، تو غلط نہ ہوگا، وفات سے چند روز قبل فون کے ذریعہ جو ہدایات کیں ان میں خاص طور پر یہ کہلوایا کہ ''ہمارے اس شعبہ کی بنیاد اخلاص اور تواضع پر ہے، کوئی کسی پر تعلّی کی کوشش نہ کرے، بلکہ ایک دوسرے کی خیر خواہی کے جذبہ کے ساتھ چلیں''۔

ہمارے بڑے مولاناؒ کا تعلیم و تربیت کا ایسا لطیف انداز تھا کہ سامنے والے کو بالکل محسوس نہیں

ہوتا تھا، یعنی ڈانٹ ڈپٹ سے کم اور توجہ اور دعاؤں سے زیادہ کام لیتے تھے، بلکہ یوں سمجھئے کہ تیرنا سکھانے کے لیے بیٹھا کر تیراکی کے قواعد نہیں سمجھاتے تھے، بلکہ اٹھا کر پانی میں ڈال دیتے تھے کہ "تیرو"، مجھے خوب یاد ہے، جب پہلی مرتبہ تخصص کا سبق میرے پاس آیا اور قفو الأثر میرے ذمہ طے ہوئی تو میں بہت گھبرایا، کیونکہ وہ میں نے پڑھی بھی نہیں تھی، تو میں نے یہ سوچ کر کہ کچھ کتابوں کی نشاندہی کر دیں گے کہ فلاں فلاں کتابیں دیکھو یا اور کوئی رہبری کریں گے میں بڑے مولانا کے پاس گیا کہ حضرت! میں کیسے پڑھاؤں؟ تو بجائے اس کے کہ کوئی رہبری کرتے یوں فرمایا: ہم نے آپ کو کتاب یوں ہی نہیں دی بلکہ آپ پر ہمیں پورا اعتماد ہے، جائیے! پڑھائیے! اس لفظ نے تو گویا سر پر پہاڑ توڑ دیئے، اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کیا گذری، لیکن جب سبق شروع ہوا تو ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے غیبی مدد ہو رہی ہے، اللہ جانے کتنی دعائیں کی ہوں گی۔

سبق پڑھانے کا انداز بھی یہی تھا، سارا سب کچھ خود نہیں کرتے تھے، بلکہ طلبہ سے حل کرواتے تھے، اسی وجہ سے طلبہ بہت جلد فن سے مانوس ہو جاتے تھے۔

مجاہدہ اور جفاکشی کا مزاج ایسا تھا کہ عمر اسی (۸۰) سے متجاوز ہونے کے باوجود اپنے تمام کام خود کرنا چاہتے تھے، ایک مرتبہ خود ہی کپڑے دھو کر خود ہی پھیلا رہے تھے، بندہ نے پھیلانا چاہا تو اجازت نہیں دی۔

حضرت مولانا ارشد مدنی دامت برکاتہم کے صاحبزادے مولوی ازہر مدنی ہمارے ساتھ شعبۂ تخصص میں پڑھتے تھے، مولانا ارشد مدنی صاحب نے خاص طور پر ان کو بھیجا تھا، ہم دونوں کی جگہ بڑے مولانا کے بائیں طرف تھی، کبھی بڑے مولانا کوئی پرلطف بات فرماتے تو مولوی ازہر ہنستے ہنستے میری چٹکی لیتے تھے، ہم سے بڑے بے تکلف رہتے تھے، ایک مرتبہ بڑے مولانا کے ایک عزیز آئے ہوئے تھے، انھوں نے بڑے مولانا سے بتادیا کہ یہ دونوں چھیڑ چھاڑ کرتے رہتے ہیں، بڑے مولانا نے بڑی معصومیت سے فرمایا: بھائی! ہماری تو ادھر کی آنکھ ہے نہیں، ہمیں تو خبر نہیں، اس کے بعد کافی دنوں تک بھائی ازہر اس جملہ کی کسک اپنے دل میں محسوس کرتے رہے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے، مولوی ازہر مدنی نے بڑے مولانا سے پوچھا: حضرت! آپ کو کشف ہوتا ہے؟ تو بڑی سادگی سے فرمایا: نہیں، بھائی! ہم تو لنگی پہن کر سوتے ہی نہیں، ہم تو پائجامہ پہن کر

سوتے ہیں۔ بڑے مولانا کی سادگی مزاج کی وجہ سے ہر ایک کے لیے ان سے استفادہ کرنا بہت آسان تھا، گویا کہ "قریب من الله قریب من الناس قریب من الجنة بعید من النار" کے صحیح مصداق تھے۔

مرض الوفات میں اتنا ہی نہیں کہ اپنی ذات سے مطمئن رہے بلکہ ہم لوگوں کی گھبراہٹ کو محسوس کر کے ہماری تسلی کا کام بھی خود ہی کرتے رہے، ایک مرتبہ فرمایا کہ مولوی عبدالعظیم! کھایا تو کئی دن سے کچھ نہیں لیکن الحمدللہ کمزوری بالکل محسوس نہیں ہو رہی ہے۔

ایک مرتبہ امروہہ سے مفتی ریاست صاحب اور مفتی عبدالغفور صاحب عیادت کے لیے آئے تھے بندہ ان کو لے کر خدمت میں حاضر ہوا تو دورانِ گفتگو فرمایا: اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت تو ضرور دیں گے کیوں کہ اور کوئی چیز ہضم ہو کہ نہ ہو لیکن مچھلی ضرور ہضم ہو رہی ہے، پھر یہ فرما کر مچھلی کا ایک ٹکڑا لے کر ہمارے سامنے تناول فرمایا۔

بمبئی کے آخری سفر میں جب تشریف لے جا رہے تھے تو رخصتی کے وقت کار میں سوار ہوتے ہوتے یہ بات چل رہی تھی کہ اسٹیشن کون کون جائے گا، اسی دوران صاحب زادۂ محترم مولانا عبدالباسط کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: آپ تو اسٹیشن چلیں گے نا؟ سب کو ہنسی آ گئی پھر مجھ کو قریب بلا کر فرمایا کہ مولوی عبدالباسط کچھ زیادہ ہی پریشان ہیں، اس وجہ سے دل لگی کر رہا ہوں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے مولانا کو ہماری طرف سے اور پوری امت کی طرف سے جزائے خیر عطاء فرمائے، اور اپنے علم کے ساتھ ساتھ اپنے عمل سے جو کچھ سکھا کر گئے ہم لوگوں کو اس پر عمل کرنے کی اور اس کو عام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت الاستاذ کے اوصاف و کمالات اور علمی مقام پر روشنی ڈالنا نہ ہم جیسوں کے بس میں ہے، نہ زیبا ہے، الحمدللہ حضرت پر اہل قلم لکھ رہے ہیں اور لکھتے رہیں گے، اور حضرت کے قابل تقلید کمالات کو امت کے سامنے پیش کرتے رہیں گے، یہ چند بے ربط سطور تو صاحبزادۂ محترم کے امتثالِ امر میں لکھ دی گئیں، شاید حضرت والا کے جو حقوق ہم پر ہیں ان میں سے کچھ کی ادائیگی ہو جائے ورنہ اصل بدلہ تو اللہ تعالیٰ ہی عطا فرمائیں گے، تمام لوگوں سے حضرت والا کے لیے ایصالِ ثواب، دعاء و استغفار کی درخواست ہے۔

حضرت شیخ مولانا زین العابدین صاحبؒ چند نمایاں خصوصیات

انصار احمد معروفی، استاذ مدرسہ چشمۂ فیض ادری، مئو

یقیناً مرشدنا وشیخنا مولانا زین العابدین صاحب رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے جامع کمالات بنایا تھا، تعلیم، تدریس، تبلیغ، مجاہدہ، تزکیہ، تصنیف، تواضع وانکساری اور تقریر وتحریر غرض ہر میدان میں انھوں نے دین کی اہم خدمات انجام دیں، ویسے تو ان میں بہت ساری خوبیاں تھیں، لیکن ان میں سے چند خصوصیات قابلِ ذکر ہیں:

(۱) حضرت مولانا زین العابدین صاحبؒ ایک محقق آدمی تھے، کوئی علمی مسئلہ یا موضوع ہو وہ مقلد محض ہو کر سنی سنائی باتوں پر یقین کرنے کے بجائے اپنے طور پر اس کی تحقیق کے قائل تھے، اور اسی بات کی تعلیم وہ اپنے شاگردوں، ہم عصروں اور دیگر لوگوں کو بھی دیتے تھے، وہ وطن جب بھی تشریف لاتے اگر وقت میں گنجائش ہوتی تو ضرور المعارف دار المطالعہ میں آتے، اور فرماتے کہ یہاں آنے کا ایک فائدہ تو یہ ہوتا ہے کہ اکٹھا کئی اہلِ علم سے ملاقات ہو جاتی ہے اور دوسرے یہ کہ علوم ومسائل کی تحقیق بھی کر لی جاتی ہے، اس کے بعد وہ کسی نہ کسی کتاب یا لغت کے حوالے سے مطلوبہ مسئلہ تلاش کرتے، اور شاگردوں کو بھی اس کام میں لگاتے، تاکہ ان میں مسائل کی تحقیق کا جذبہ اور اس کا طریقہ معلوم ہو جائے، کہ کس طرح آسانی سے مختلف کتابوں سے استفادہ کیا جا سکتا ہے؟ اور اس کا کیا طریقہ ہے؟ اور یہ بھی بتاتے کہ اس لغت یا اس کتاب کا کیا نہج اور اسلوب ہے؟ اور کس طرح اس سے اپنا مطلوبہ مقصد حاصل کیا جا سکتا ہے۔

(۲) دوسری خصوصیت ان میں یہ تھی کہ ان میں انکساری کا مادہ بہت تھا، تکبر، بڑائی، تصنع، تکلف اور بناوٹ سے وہ بہت متنفر رہتے تھے، اس لیے ہر ایک سے جھک کر بلکہ بڑھ کر ملتے تھے، وہ ہر ایک سے بے تکلف ہو کر بات چیت کرتے، ان کے یہاں جانے میں کوئی شخص ہچکچاہٹ اور خوف محسوس نہیں کرتا تھا، اہلِ علم میں گھلے ملے رہتے تھے، عام لوگوں کے ساتھ بھی ان کا یہی برتاؤ ہوتا تھا، وہ اجنبیت کے فاصلے کو قربت میں بدل دیتے، جب کوئی ان سے ملتا تو اس پر اپنا علمی رعب نہیں جھاڑتے تھے اور بعض لوگوں کی طرح ملاقات ہونے پر سر جھکا کر خاموش بیٹھے نہیں رہتے تھے، بلکہ کچھ نہ کچھ

باتوں کا سلسلہ جاری رکھتے اور اس کے والدین، گاؤں محلّہ، تعلیم، کاروبار اور اس طرح کی باتوں سے اسے مانوس کر کے اور قریب کر کے اپنا گرویدہ بنا لیتے۔

عید اور بقرعید کے موقعہ پر اپنے مریدین کے یہاں خود ہی ملنے چلے جاتے، اور جا کر اس کی عزت بڑھا دیتے، بعض دفعہ کسی محلّہ میں جا کر الگ الگ سب سے ملتے، اور بعض دفعہ سب کو کسی ایک کے گھر بلا لیتے تا کہ سب سے آسانی سے ملاقات ہو جائے، اور کسی کو شکایت کا موقعہ نہ ملے۔

(۳) جس طرح وہ فنِ حدیث میں ماہر اور اسماء الرجال میں دقاق تھے، اسی طرح وہ گاؤں محلّہ اور عام لوگوں کے خاندان انساب اور قرابت داری وغیرہ کے بارے میں بھی وہاں کے مستقل رہنے والوں سے بھی زیادہ جانکار تھے، انہیں لوگوں کی رشتہ داریوں کے بارے میں بڑی معلومات تھی، بلکہ دوسروں کے کچھ خاندان کے بارے میں انہیں اس خاندان والوں سے بھی زیادہ معلومات حاصل تھی، خاندانی شجرہ کے بارے میں ان کے پاس ان کا لکھا ہوا ریکارڈ بھی موجود تھا، اور اس سلسلے میں بڑوں سے مل کر وہ معلومات بھی حاصل کرتے رہتے تھے، اس سلسلے میں ایک بار وہ ہمارے گھر بھی والدِ مرحوم سے ملنے آئے اور معلومات حاصل کی، فرماتے تھے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ علم الانساب سیکھو، تا کہ اس کے ذریعے تم صلہ رحمی کر سکو، اس لیے کوئی جب ان کے یہاں جاتا تو اس کے والد، دادا، یا عورتوں کے رشتہ کی طرف سے کوئی نہ کوئی ایسی معلومات ضرور فراہم کر دیتے کہ وہ اس پر حیران رہ جاتا، اور بعض دفعہ گمان گذرتا کہ یہ تو میرے خاندان کے بارے میں مجھ سے بھی زیادہ جانتے ہیں۔ وہ اتنی معلومات حدیث پر عمل کرنے اور اس سے اس کے مطابق سلوک کرنے کے لیے کرتے تھے۔

(۴) ان میں ذرہ نوازی بہت تھی، اس لیے ہر ایک ان سے مانوس رہتا تھا، اور یہ سمجھتا تھا کہ مولانا مجھ سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں، اسی وجہ سے مردم سازی کے میدان میں وہ نمایاں حیثیت رکھتے تھے، وہ چاہتے تھے کہ پڑھ لکھ کر اہلِ علم کسی نہ کسی علمی خدمت میں لگ جائیں، اور اس طرح ان کی علمی صلاحیتیں اجاگر ہوں، انہیں ان کی علمی صلاحیتوں کے اعتبار سے کسی مناسب جگہ کی نشان دہی کر کے بھیجتے، اور ضرورت کے مطابق رقعہ لکھ دیتے، یا فون کر دیتے، اور تنخواہ وغیرہ کا سارا معاملہ طے کر کے انہیں تدریس پر لگا دیتے تھے، اس طرح حضرتؒ نے بہت سارے لوگوں کو علمی کام پر لگا دیا، اور ان کی

رہنمائی فرما کر انہیں کسی لائق بنادیا، جب کہ بعض حضرات اس طرح کے جھنجھٹ میں پڑنا نہیں چاہتے۔

(۵) کسی کتاب یا مجلہ کے بارے میں کوئی رائے، تقریظ، اور تبصرہ اس وقت تک نہیں لکھتے تھے، جب تک اسے مکمل طور پر پڑھ نہیں لیتے تھے، بعض حضرات کی طرح کچھ کچھ مقامات سے کچھ حصہ دیکھ لینے، یا ایک نظر ڈال لینے، یا مشہور طنز و مزاح نگار شفیق الرحمٰن کے بقول صرف ٹائٹل دیکھ لینے، اور اسے سونگھ کر تبصرہ لکھ دینے کے وہ بہت مخالف تھے، کیونکہ تبصرہ یا تقریظ درحقیقت ایک گواہی، اور سند ہے کہ یہ کتاب اور اس میں جو کچھ ہے وہ لائقِ اعتماد ہے۔

یہی ماہنامہ ''**پیغام**'' جب پورہ معروف سے نکلنا شروع ہوا، اور اس کا پہلا شمارہ اگست ۱۹۹۶ء میں آیا، جسے فریم میں لگا کر بازار میں آویزاں کیا جاتا تھا، تب وہ بازار میں مرحوم نثار احمد مستری کی دوکان میں موجود تھے، میں نے یہ سوچ کر انہیں دکھایا، کہ شاید ابھی دیکھ کر کہیں گے کہ ماشاء اللہ بڑا اچھا اقدام ہے، مگر وہ ایک نظر دیکھ کر خاموش رہے، جب کچھ نہیں بولے، تو میں نے کہا کہ حضرت ٹھیک ہے نا؟ وہ سمجھ گئے، کہنے لگے کہ یہ تو پورا پڑھنے کے بعد ہی بتاؤں گا کہ ٹھیک ہے یا نہیں۔

(۶) وہ کسی غلط کام کو دیکھ کر خاموش نہیں رہتے تھے، چاہے وہ کوئی ہو، چنانچہ بہت سے جلسوں میں ایسا ہوا کہ ان کے سامنے کسی نے کوئی تقریر کی، اور اس میں کچھ باتیں قابلِ گرفت ہوئیں، لیکن انہیں تقریر کا موقعہ نہیں ملا کہ وہ اس کی تردید کرسکیں، صرف ان سے دعا کرائی گئی انھوں نے اسی دعا میں اجمالی طور پر اس کا اسطرح ذکر کر کے تردید اور تصحیح کردی کہ سمجھنے والے سمجھ گئے، اور کسی منکر پر خاموش نہ

رہنے کی اپنی قوت ایمانی کا ثبوت پیش کردیا، اسی طرح وہ اپنی تقریروں میں بھی ان باتوں کی طرف اشارہ کر کے آگے بڑھ جاتے۔

(۷) ان کی ایک خصوصیت ''پورہ معروف'' اور یہاں کے علمائے کرام سے والہانہ محبت تھی، اسی وجہ سے یہاں کے سارے اداروں اور جگہوں سے انہیں قلبی لگاؤ تھا، پورہ معروف کے اکابرِ علما اور صلحا کا وہ اپنی تقریروں اور نجی باتوں میں بہت تذکرہ کرتے، فرماتے کہ انہی لوگوں کے تقویٰ طہارت اور خشیت کی وجہ سے پورہ معروف کا نام روشن ہے، ہمیں اس راہ پر چل کر اس کی نیک نامی میں اضافہ

کرنا چاہیے، ورنہ کم از کم ان کی قائم کردہ عزت کو باقی رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

جامعہ ام حبیبہ پورہ معروف (۱۹۹۳ء) کے سنگِ بنیاد کے جلسے میں جب حضرت مولانا پیر محمد طلحہ صاحب، مدظلہ تشریف لائے تو دوسرے دن حضرت مولانا زین العابدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولانا مدظلہ کو لے کر یہاں کے سارے تعلیمی اداروں میں گئے، کیوں کہ ہر ایک انہیں اپنے یہاں لے جانے کی خواہش رکھتا تھا، اس لیے حضرت انہیں خود لے کر سارے تعلیمی اداروں میں تشریف لے گئے، اور سب کے دلوں کی اس طرح تمنا پوری کر دی۔

(۸) پورہ معروف میں ان کی وجہ سے خانقاہی نظام قائم ہوا، پورہ معروف جہاں بہت سے علمائے کرام اور پیر و مرشد گذرے ہیں، مگر مستقل طور پر یہاں کسی پیر کے قیام نہ کرنے، اور یہاں کسی خانقاہ کے قیام کے بارے میں کسی وجہ سے نہ سوچنے کی وجہ سے اب تک ارشاد و استرشاد اور اصلاح کا یہاں سے کوئی باضابطہ سلسلہ نہ چل سکا، اگرچہ یہاں کے مرشدین کے ذریعے دیگر جگہوں کے طالبین و مریدین کو کافی نفع ہوا، لیکن یہاں کے لوگ اکثر محروم ہی رہے، اس لیے حضرت نے اس کے بارے میں سنجیدگی سے سوچا اور یہاں ربانی مسجد میں "ربانی خانقاہ" قائم کی اور محض اس نیت سے کہ ہم جہاں کے باشندے ہیں، وہاں کے لوگوں کی اصلاح کا حق بہ نسبت دیگر جگہ کے لوگوں کے زیادہ ہے اور اس سلسلہ میں یہاں بہت سستی اور کوتاہی ہو رہی ہے، اس لیے حضرت نے بہت سی ان جگہوں کی خانقاہ میں قیام و اعتکاف کی پیش کش کو ٹھکرا دیا جہاں پہلے سے خانقاہ بنی بنائی ہوئی تھی، جہاں پہ پہلے سے مکمل نظام چل رہا تھا اور جہاں کے کئی سو مریدین حضرت سے وہاں پر قیام کی درخواست بڑی لجاجت سے کر رہے تھے۔ اس لیے ربانی خانقاہ حضرت نے قائم فرمائی، اور اپنے مریدین کو یہیں آنے کی دعوت دی، چنانچہ آپ کی وجہ سے یہاں ذکر و فکر کی بہار آ گئی اور ایسی جگہ جہاں پیری مریدی کی طرف عوام و خواص، اور علمائے کرام کا کوئی خاص رجحان نہیں تھا، اور ماحول نہ ہونے کی وجہ سے عمومی طور پر تزکیہ و اصلاح کی طرف سے کافی غفلت تھی، حضرت کی فکر اور جاں نثاری کی وجہ سے علمائے کرام اور عوام و خواص میں اس رجحان کی ترقی کی سمت میں کافی اضافہ ہوا، اور خانقاہ تک ہر شخص کی بآسانی رسائی کی وجہ سے خوش گوار ماحول قائم ہوا اور یہاں اللہ کے ذکر کا حلقہ قائم ہوا، انھوں نے اپنے مریدین کی تعداد میں اضافہ کے لیے بعض پیروں کی طرح کوئی جال نہیں بچھایا، بلکہ اگر کوئی

مرید ہونے کے لیے جاتا تو فورا بیعت نہیں کرلیتے تھے، اور اسے غور وفکر کرنے کا موقعہ دیتے، وہ چاہتے تھے کہ مسجد تنگ ہونے کی وجہ سے الگ سے ایک خانقاہ بھی بنجائے تاکہ مریدین کے قیام کے لیے آسانی ہوجائے، یہ ان کی آخری تمنا تھی، جسے اللہ نے پوری فرمائی، اور انتقال سے ایک ہفتہ قبل اس کا سنگ بنیاد رکھا گیا، جس میں حضرت کی دعا شامل رہی، اللہ اسکی تکمیل فرمائے۔

☆☆☆☆☆

جذبات دل

بروفات حسرت آیات حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمیؒ

(ازقلم: مولانا عبدالباسط طارق قاسمی، شعبۂ کتب خانہ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور)

اف کس کے سوگ میں ہے مری چشم اشک بار
یہ کس کے غم میں ہیں مرے قلب وجگر فگار

بے چین و بے قرار ہوں آتا نہیں قرار
بزم جہاں سے اٹھ گیا یکتائے روزگار

دل کا ہرایک زخم عیاں ہوگیا ہے آج
یہ کون زیر خاک نہاں ہوگیا ہے آج

سونی سی ہوگئی ہے مرے دل کی انجمن
دو ہے غم فراق کے ہونٹوں پہ نغمہ زن

دنیائے علم وفن تھی تری ضو سے ضو فگن
تحقیق وجستجو میں رہا کرتا تھا مگن

سب پوچھتے ہیں دل کا سہارا کہاں گیا
جو زیب چرخ تھا وہ ستارا کہاں گیا

امرت کو پی کے جلمۂ ہستی دیا اتار
باغ بہشت کی ہو میسر تجھے بہار

بوئے وفا سے اب بھی زمانہ ہے مشکبار
تھی سرزمینِ علم ترے دم سے لالہ زار

آہستہ برگِ گل بہ فشاں بر مزار او
بس نازک است شیشۂ دل درکنار او

علم حدیث پاک کا دیوانہ چل بسا
روشن تھی جس سے شمع وہ پروانہ چل بسا

ویراں ہے میکدہ خم وپیمانہ چل بسا
جو نازش چمن تھا وہ مستانہ چل بسا

کچھ داغہائے دل ہیں نہاں اندرون دل
وجہ نشاط باعث راحت سکون دل

نالوں کو جوڑ دے مرے یارب! اثر کے ساتھ
پرواز بخش! بھیگے ہوئے بال وپر کے ساتھ

وابستہ میں رہوں گا یونہی تیرے در کے ساتھ
ہو علم و آگہی بھی عطا چشم تر کے ساتھ

آباد تیری یاد سے دل کا چمن رہے
آجائے صبر دل میں نہ رنج ومحن رہے

یاقوت ولعل وگوہر نایاب اس کی ذات
طارقؔ متاع فکر و نظر اس کی بات بات

وہ نازش چمن تھا وہی رشک کائنات
افسوس خشک ہوگیا سرچشمۂ حیات

نالہ دہائی دینے کو پہونچا ہے عرش پر
نعم البدل کی آج ضرورت ہے فرش پر

☆☆☆☆☆

مولانا زین العابدین صاحب اعظمیؒ کی ناقابلِ فراموش یادیں

مولانا ارشاد خلیل، معروفی، صدر ''المعارف دار المطالعہ'' پورہ معروف (مئو)

حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمی نور اللہ مرقدہ کی شخصیت علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں، اللہ نے آپؒ کے اندر کچھ ایسی خوبیاں ودیعت کی تھیں جو قابلِ اتباع ہونے کے ساتھ ساتھ ناقابلِ فراموش ہیں، انھیں میں سے چند کا ذکر کرتا ہوں:

علم میں رسوخ: مولانا ان علمائے ربانیین میں سے تھے جنھیں علم میں کامل رسوخ حاصل تھا، علمِ حدیث تو آپ کا اوڑھنا بچھونا بن گیا تھا، اس کے علاوہ جس فن کی بحث چھڑ جاتی اور مولانا گفتگو شروع کرتے تو ایسا لگتا تھا کہ مولانا کو اس فن میں اختصاص حاصل ہے، عربی ادب ہو یا فارسی اور اردو ادب، منطق وفلسفہ اور ہیئت کے مباحث ہوں یا علمِ معانی وبدیع کے، تفسیر قرآن ہو یا علمِ فقہ وفتاویٰ، ہر ایک میں مولانا کی گرفت بڑی اچھی تھی، فائدہ اٹھانے والوں نے آپ سے خوب فائدہ اٹھایا اور اب مولانا کے اس دارِ فانی سے رخصت ہو جانے کے بعد اپنی علمی پیاس بجھانے کے لئے ترس رہے ہیں۔

لائبریری ''المعارف'' سے آپ کا تعلق: مولانا جب اپنے وطن میں ہوتے تو لائبریری ضرور آتے تھے اور کبھی کبھی بڑی اچھی بات کہتے تھے کہ ''مولویوں کے لئے بازار میں بیٹھنے کی کوئی جگہ نہیں تھی، جب سے لائبریری قائم ہوئی ہے ہم جلیسوں کے لئے بڑی سہولت رہتی ہے کہ چلو بازار میں مولویوں کے لئے ایک ٹھکانہ بن گیا ہے کہ جہاں بیٹھ کر کچھ دیر علمی گفت وشنید کی جا سکتی ہے''۔

پوری زندگی طالب علم بن کر رہے: مولانا نے پوری زندگی اپنے آپ کو طالب علم بنا کر رکھا، جب بھی ''المعارف'' آتے، سلام وکلام اور خیر خیریت کے فوراً بعد کسی نہ کسی چیز کی تلاش کے لئے راقم سے کتابیں منگواتے مل جانے کے بعد ہمیں بھی دکھاتے اور پھر اس کا پسِ منظر وغیرہ سناتے، کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ تلاشِ بسیار کے بعد بھی اگر متعلقہ بحث نہ ملتی تو راقم پوچھ لیتا کہ

مولانا کیا چیز تلاش کرنی ہے؟ فرماتے کہ بابو! فلاں چیز ذہن میں ہے اور یاد آتا ہے کہ اس کتاب میں نظر سے گزری ہے، ذرا دیکھو تو، مجھے مل نہیں رہی ہے، راقم بہت دفعہ تو تلاش کر کے دے دیتا تھا اور کبھی کبھار نہ ملنے کا عذر کر دیتا تھا، بسا اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ مولانا کو کسی اردو یا فارسی شعر کا کوئی ایک مصرع زبان پر ہوتا، دوسرے کی تلاش کے لئے کتاب منگواتے، کتاب نہ ملنے پر راقم ہی عرض کر دیتا کہ حضرت دوسرا مصرع مجھے یاد ہے وہ اس طرح ہے، پھر پڑھ کر سناتا اور اجازت کے بعد ساتھ میں اسی جیسے کئی مصرعے اور سنا دیتا، اس پر مولانا بہت خوش ہوتے۔

منفرد تحقیقی مزاج: مولانا کی ہر بات تحقیقی ہوتی تھی، جو بات بتاتے فوراً اسے کتاب سے کھول کر پڑھواتے اور کہتے کہ صرف میرے بتانے پر اعتماد مت کرو، اسے اپنی آنکھ سے کتاب میں نکال کر دیکھ بھی لو، کبھی کوئی علمی بات چھڑ جاتی تو فرماتے کہ فلاں کتاب رکھی ہوئی ہے اس طرح کا باب دیکھو اور متعلقہ بحث نکالو، پھر اسے پڑھ کر سناؤ، عجیب وغریب اندازِ تحقیق تھا۔

افادہ کے حریص: مولانا "بلغوا عني ولو آية" کے پیشِ نظر افادہ کے بھی بڑے حریص تھے، چاہتے تھے کہ جو بات مجھے معلوم ہے وہ دوسروں تک پہنچ جائے اور اس کے مطابق عمل عام ہو، اس کے لئے ہر ممکن کوشش بھی کرتے تھے اور کبھی اشارہ کنایہ میں اور بسا اوقات صراحتاً فرمادیتے کہ اگر فلاں صاحب مجھ سے یہ چیز حاصل کر لیتے تو کیا ہی اچھا ہوتا۔

ادبی ذوق: مولانا کا ادبی ذوق بھی نہایت ستھرا اور نکھرا ہوا تھا، اساتذہ کے کلام کا ایک معتد بہ حصہ ازبر تھا جس کا اظہار موقع بہ موقع ہوا کرتا تھا، مجھ سے تو بارہا اس کا سابقہ پڑتا تھا، سچ مچ میں آپ سے مل کر دل بہل جاتا تھا، افسوس کہ آپ کے نہ رہنے سے اب آپ کی یاد پر دل مچل جاتا ہے۔

مشکل مباحث میں آپ سے رجوع: حقیقت میں مولانا مرجع خلائق تھے، بڑے مشکل مشکل مباحث، پیچیدہ عبارتیں، لاینحل اشعار، عربی ادیبوں کی تحریریں ہم لوگ آپ کے پاس نوٹ کر کے لے کر پہنچتے تھے اور آپ کے پاس سے انھیں حل کر کے خوش وخرم آپ کی علمی ہمہ جہتی کا گیت گاتے واپس ہوتے تھے، اب ہم یہ لکھنے پر مجبور ہیں کہ ع:

ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے

آپ کی بے پناہ شفقت: مولانا کی شفقت سب پر عام تھی، بڑی تواضع کے ساتھ ملتے تھے، بڑی شفقت فرماتے تھے، کبھی کبھی شفقتاً مادری زبان کے کچھ ایسے الفاظ استعمال کرتے جس سے آپ کی ذرہ نوازی کا فوراً احساس ہوجاتا، اپنے دیار کے چھوٹوں کو" بابو، بابو" کہہ کر مخاطب کرتے تھے، تو واقعی بڑا اچھا لگتا تھا۔

اب جب آپ کی یاد آتی ہے اور آپ کی مشفقانہ ادائیں، متواضعانہ باتیں، محققانہ انداز آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے تو آنکھیں نم ہوجاتی ہیں اور طبیعت پست ہونے لگتی ہے، مگر کیا کیجیے گا، ہر ایک کو اس دارفانی سے جانا ہے، یہی قانونِ قدرت اور قضائے الٰہی ہے، اسی پر ہنسی خوشی راضی رہنے کا حکمِ خداوندی ہے، صبر نہیں آتا، مگر سب کا حکم خدائی ہے، بس یہیں تک میرے قلم کی رسائی ہے۔

اللہ مولانا مرحوم پر رحمت فرما کر ان کی مغفرت کرے اور ہم سب کو صبر جمیل عطا کرے، آمین یارب العالمین۔

آہ! حضرت مولانا زین العابدین صاحبؒ

مولانا محمد رحمت اللہ صاحب کشمیری، مہتمم دارالعلوم بانڈی پورہ، کشمیر

حضرت والا مولانا زین العابدین صاحبؒ کا راقم السطور اور دارالعلوم رحیمیہ سے اتنا قریبی تعلق تھا کہ ان کے انتقال کے بعد مشورہ میں طے پایا کہ حضرت والا کے جنازہ میں شرکت کی جائے، یا کم از کم ان کے یہاں جا کر تعزیت کر لی جائے، جنازہ میں شرکت ناممکن تھی؛ اس لیے تعزیت کے لیے سفر کیا گیا، سری نگر میں ہم لوگ رات کو لحاف اور کمبل میں سو رہے تھے، جب کہ بنارس میں فلائٹ سے اترنے کے بعد معلوم ہوا کہ یہاں چھیالیس ڈگری درجۂ حرارت ہے۔

حضرت مولانا کے دنیا سے رخصت ہوتے وقت جس طرح سے اچانک بغیر کسی پروگرام کے حاضری ان کے وطن میں نصیب ہوئی، بالکل اسی طرح ان کی پہلی ملاقات اور تعارف و تعلق بھی بغیر کسی پیشگی نظام اور پروگرام کے مقدر میں تھا، حضرت مولانا سے نہ ہی زمانۂ طالب علمی میں تعارف تھا، نہ کوئی واقفیت نہ تعلق اور نہ ہی کسی ادارے میں ان سے واسطہ پڑتا تھا؛ بلکہ ان کا نام بھی نہیں سنا تھا؛ البتہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی نسبت سے جہاں بہت سی سعادتیں: مثلاً ان کے تلامذہ وخلفا کا غائبانہ تعارف، ان سے للہ فی اللہ محبت، ان کی جانب سے بغیر ملاقات وتعارف سلام و پیام، یا کتب ورسائل کا ہدیہ میں آنا جانا نصیب ہوئی ہیں، وہیں پر میرا خیال ہے کہ حضرت مولانا زین العابدین صاحبؒ سے تعارف اور تعلق بھی اسی نسبت کی برکت ہے۔

جامعہ مظاہر علوم سہارن پور میں حضرت مولاناؒ کا تخصص فی الحدیث کے شعبہ کا صدر ہونا ان کی علمی حیثیت کے وزن کا بین ثبوت ہے، وہیں اگر یہ کہا جائے کہ مادر علمی دارالعلوم دیوبند کو بھی شعبۂ تخصص فی الحدیث کے لیے نہایت اہم استاذ کی فراہمی میں حضرت مولانا مرحوم ہی کا پورا پورا ہاتھ ہے تو مبالغہ نہ ہوگا، کیوں کہ مولانا مفتی عبداللہ صاحب معروفی دامت برکاتہم بھی مولانا موصوف کے صرف شاگرد نہیں؛ بلکہ معتمد شاگرد ہیں، حضرت مولانا کے تحشیہ پر مشتمل اسماء الرجال کی مشہور کتاب علامہ طاہر پٹنی کی "المغنی" کی طباعت کا جب راقم السطور نے حضرت مولانا سے ارادہ ظاہر کیا تو منظوری

کے بعد اس کا اصل نگراں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا محمد عبداللہ صاحب موصوف کو ہی متعین کیا، جو ان کی نظروں میں مولانا موصوف پر اعتماد کی بڑی دلیل ہے، ورنہ جو حضرات مولانا مرحوم کے علمی تحقیقی مزاج سے واقف ہیں، وہ بخوبی جانتے ہیں کہ اس سلسلہ میں وہ ہر ایک کو کام سپرد نہیں فرماتے، بلکہ اکثر و بیشتر خود ہی بنفس نفیس ملاحظہ کرنے کے عادی تھے، یہ ان کا کمال احتیاط ہی تھا۔

مولانا موصوف دور حاضر کے ان مضبوط اور مستحکم علماء ربانیین میں سے تھے جن کا علم تحقیق اور ٹھوس ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے اندر اس علم کامل کا اثر بھی موجود تھا، چنانچہ بقول امام ہمام مالکؒ جو مرویات اور روایات کے امام شمار کئے جاتے ہیں، "لیس العلم بکثرۃ الروایات انما ھو نور یضعه الله فی القلب" کا آپ بھی ایک مظہر تھے، اکابر علماء محدثین کی طرح حضرت مولانا موصوف کا بھی علم حدیث شریف کے مختلف گوشوں کے ساتھ گہرا تعلق تھا، خصوصاً اسماء الرجال کا فن جو آج کل حدیث پاک کے خوش نصیب درس و تدریس میں مشغول حضرات کے لیے مشکل تصور کیا جاتا ہے، آپ کی دل چسپی اور شوق کا ہی نتیجہ تھا کہ آپ کی صحبت سے فیض پانے والا شخص یا آپ کے تلامذہ کو بھی اس فن سے دلچسپی ہونے لگتی تھی، بلکہ ذوق وشوق پیدا ہو جاتا تھا۔

فیض پہنچایا: اس چیز کو مدنظر رکھ کر جب راقم السطور نے مولانا موصوف کی خدمت میں درخواست پیش کی کہ آپ دارالعلوم رحیمیہ تشریف لادیں، تو اللہ پاک کی ذات سے امید ہے کہ وہاں کے اساتذہ و طالبان علوم نبوت کو نفع ہوگا، تو مولانا نے باوجودیکہ پہلے سے کوئی تعارف بھی نہیں تھا، انتہائی شفقت کا اظہار فرمایا اور نہ صرف یہ کہ خندہ پیشانی سے دعوت قبول فرمائی، بلکہ ہمارے وطن کے خراب حالات کے پیش نظر کسی قسم کی پریشانی سے نہ گھبرانے کی تاکید سے بھی حوصلہ افزائی فرمائی، چنانچہ جب آپ کا پہلا سفر ۲۱ر ستمبر ۲۰۰۱ء کو بانڈی پورہ کے لیے ہوا تو آپ بھی خوب مسرور ہوئے، اور مدرسہ کے شعبۂ حدیث شریف کے اساتذہ اور طلبہ بھی خوب فیض یاب ہوئے، مولانا مرحوم کا حضرت شیخ الحدیث صاحب علیہ الرحمۃ سے بیعت وارشاد کا تعلق بھی تھا، اس لیے خانقاہ میں بھی شائقین کو فیض یاب ہونے کا موقعہ ملا، اور انھوں نے بہت زیادہ اپنائیت محسوس کی، آپ کے

مزاج ومشرب کو دیکھ کر دعوت وتبلیغ کے ساتھی بھی آپ کو اپنے مرکز لے گئے، چوں کہ زمانۂ طالب علمی سے ہی دارالعلوم دیوبند میں آپ کا تبلیغ کے کام سے تعلق رہا، اس لیے وہاں جاکر جب آپ نے اپنے مختصر مگر آسان انداز میں دین کی بات کی، تو حاضرین نے خوشی خوشی تشکیل کے وقت اپنے نام پیش کیے، اس طرح سارے ہی طبقے آپ سے مانوس ہوئے اور یوں آپ کی آمد کا سلسلہ جاری رہا، اور کل ۶ رمرتبہ آپ دارالعلوم رحیمیہ تشریف لائے، آپ کا کشمیر کا آخری سفر ۷ رمئی ۲۰۱۱ء کو ہوا، ہر ہر سفر میں کم وبیش ایک ہفتہ قیام فرماتے رہے، آپ اس وقت بہت مسرور ہوجاتے، جب دورۂ حدیث شریف کے اساتذہ مختلف اسباق یا کتب سے متعلق آپ سے استفسارات کرتے، آپ فرماتے، پڑھنے اور پڑھانے کا یہاں ذوق دیکھ کر مجھے مسرت ہوتی ہے۔

محدث شہیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمیؒ سے چوں کہ آپ کو حدیث کی اجازت اور سند حاصل تھی، اس لیے تقریباً ہر بار آپ نے "رسالۃ الاوائل للشیخ محمد سعید بن سنبل" کا درس دے کر حاضرین کو اجازت سے نوازا، اس درس میں اساتذہ وطلبۂ دارالعلوم رحیمیہ کے علاوہ دیگر حضرات جو دیوبند، سہارن پور، لکھنؤ، گجرات، اور دہلی وغیرہ کے مختلف اداروں سے فارغ التحصیل ہوکر آئے ہوتے، وہ بھی شرکت فرماتے، اور درس میں تقریباً سبھی شرکاء، کتاب کی تھوڑی بہت مقدار کی قرأت کرتے، کئی گھنٹے یہ سبق جاری رہتا، آپ حاضرین سے بعض مرتبہ سوالات بھی کرتے، اور نقد جواب بھی طلب فرماتے، اخیر میں اجازت حدیث سے نوازتے، اس طرح سے روایۃً اور درایۃً حدیث کا یہ فیض اس علاقہ میں منتقل ہورہا تھا۔

مولانا مرحوم کا انتقال جہاں ایک طرف امت مسلمہ میں موجود خدامان حدیث کے خوش نصیبوں کے لیے ایک نقصان ہے وہیں پر جامعہ مظاہر علوم سہارن پور، جہاں آپ شعبۂ تخصص فی الحدیث کے صدر تھے، کے لیے بھی بڑا حادثہ ہے، اسی طرح سے دارالعلوم رحیمیہ جو ان کے لیے علمی وروحانی فیض سے کافی عرصہ سے فیض یاب ہوتا رہا، کے لیے بھی بڑا خلا ہے، اللہ تعالیٰ مرحوم کی خدمات کو قبول فرمائے اور امت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

☆☆☆☆☆

ایک عظیم مربی، ایک مشفق استاذ چند نقوش وتأثرات

مولانا محمد معاویہ سعدی، استاذ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

اس دور قحط الرجال میں ''رجالِ کار'' میں سے ہی کسی کا اٹھ جانا اہل اسلام کے لیے ایک المیہ اور مسلمانوں کے لیے ناقابلِ تلافی نقصان ہے، نہ یہ کہ ''رجال ساز'' افراد میں سے کسی کے فراق کا غم امت کو جھیلنا پڑے اور اس کی مفارقت کے صدمہ سے ملت کو دوچار ہونا پڑے، گذشتہ ۱۶؍جمادی الاولی ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۸؍اپریل ۲۰۱۳ء بروز یکشنبہ دوپہر سوا دو بجے کے قریب، العالم الربانی، المحدث المحقق، مخدومنا وشیخنا، فضیلۃ الاستاذ حضرت مولانا زین العابدین صاحب نور اللہ مرقدہ وبرد مضجعہ کی وفات حسرت آیات سے علمی دنیا، بالخصوص حدیث شریف کے میدان میں جو خلا پیدا ہوا ہے، وہ کچھ اسی نوعیت کا ہے۔

حضرت الاستاذ (جن کو ہم طلبۂ تخصص فی الحدیث ''بڑے مولانا'' کہا کرتے تھے، آپ) کی ذات گرامی میں قسامِ ازل نے علمی گہرائی وگیرائی، عملی استقامت وپختگی، فکری صلابت وسلامتی اور اخلاقی حسن وعمدگی کے ساتھ ساتھ جو سب سے خاص بات ودیعت فرمائی تھی، وہ آپ کا تعلیمی وتربیتی کمال اور مردم سازی کا جوہر گراں مایہ تھا، ویسے تو آپ استاذ بھی تھے مدرس بھی، قاری بھی تھے مجوّد بھی، محقق بھی تھے محدث بھی، مصنف بھی تھے مؤلف بھی، شیخ طریقت بھی تھے پیر ومرشد بھی، مگر بڑی بات یہ تھی کہ آپ اعلی درجہ کے معلم اور انتہائی باکمال مربی تھے۔

آپ کے حالاتِ زندگی تو آپ کے وارثین لکھیں گے، سوانح حیات آپ کے مقربین مرتب کریں گے، بلکہ وہ کیا کریں گے آپ نے تو خود ہی اپنے قلم سے ''اپنی باتیں'' محفوظ ومرتب فرمادی ہیں، جو جلد ہی منظر عام پر آنے والی ہیں، مجھے تو یہاں بس اپنے ان ''نقوش وتأثرات'' کو بیان کرنا ہے جو تقریباً تیرہ سالہ مصاحبت ومؤانست کی بنیاد پر حضرت کی تعلیم وتربیت، شفقت ومحبت، تواضع وفنائیت، سادگی وخورد نوازی، اور علمی فیاضی وعالی ظرفی کے تعلق سے، میرے قلب ودماغ پر ثبت اور شعور واحساس پر مستولی ہیں۔

احقر مشکوۃ شریف تک مدرسہ ریاض العلوم گورینی جونپور میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد

شوال ۱۴۱۹ھ مطابق جنوری ۱۹۹۹ء میں، دورۂ حدیث شریف کی تعلیم کے لیے مظاہر علوم سہانپور حاضر ہوا تھا، یہاں کے شہرۂ آفاق شعبۂ تخصص فی الحدیث الشریف کے صدر نشین، حضرت مولانا زین العابدین صاحب کا نام نامی بہت کچھ کورینی ہی میں سن رکھا تھا، اس لیے یک گونہ عقیدت ومحبت بھی تھی، مگر اپنی کسی غرض کے وابستہ نہ ہونے کی وجہ سے شروع سال کی ایک ملاقات کے بعد ششماہی تک کسی دوسری ملاقات کی نوبت نہ آسکی تھی، مجھے اندازہ بھی نہ تھا کہ حضرت کو میرا نام یاد ہوگا، یا آپ مجھے پہچانتے ہوں گے، امتحانِ ششماہی کے بعد ایک روز (ہمارے تایازاد بھائی اور بہنوئی) برادرِ گرامی جناب مفتی مجد القدوس خبیب رومی صاحب زید مجدہ نے اطلاع دی کہ حضرت مولانا تشریف لائے تھے اور فرمایا کہ معاویہ کا ترمذی شریف کا پرچہ میں نے دیکھا ہے، میرا جی چاہتا ہے کہ آپ ان کو تخصص فی الحدیث کرادیں، مجھے حیرت ہوئی کہ مولانا میرے نام سے واقف کیسے ہیں، یا میرا نام آپ کو یاد کیسے رہ گیا، اور وہ بھی رشتہ اور تعارف کے استحضار کے ساتھ!

اسی درمیان ایک دن مسجد میں از خود مجھے روکا اور فرمایا کہ میں تمہارے بھائی کے پاس گیا تھا اور ان سے یہ بات ہوئی ہے، تمہارا کیا ارادہ ہے؟ میں نے عرض کیا حضرت! میں حضرت الاستاذ مفتی محمد حنیف صاحب مدظلہم سے وعدہ کرکے آیا ہوں کہ دورہ کرنے کے بعد آپ ہی کے پاس آکر افتاء کروں گا، مولانا نے فرمایا: اپنے گھر والوں سے مشورہ کرلو، اور کچھ دن میرے پاس رہ جاؤ، آخر کافی کشمکش کے بعد یہ طے ہوا کہ بغیر داخلہ لیے، ایک سال مولانا کی خدمت میں رہنا ہے، حضرت بخوشی اس پر راضی ہوگئے، اور حسبِ تجویز میں آئندہ سال شوال ۱۴۲۰ھ میں تخصص فی الحدیث الشریف کی سال اول کی جماعت میں "سماعت" کے عنوان سے شامل ہوگیا (اور بعد میں حضرت الاستاذ کی خصوصی سفارش، حضرت صدر المدرسین صاحب کی تائید، اور حضرت ناظم صاحب کی منظوری سے باضابطہ داخل ہوگیا، فجزاہم اللہ تعالیٰ أحسن الجزاء)۔

وہ دن اور مولانا کی وفات کا دن، میرے دوسرے سارے ارادے فنا ہوگئے، میرے اپنے سارے عزائم ٹوٹ گئے، اور اللہ رب العزت نے محض اپنی رحمت اور فضل وکرم سے حضرت الاستاذ کی سعی وکوشش کے طفیل تخصص فی الحدیث الشریف سے ایسا وابستہ فرمایا کہ ۱۴۲۰ھ سے آج ۱۴۳۴ھ تک الحمد للہ ثم الحمد للہ کسی نہ کسی طرح اسی شعبہ سے تعلق ہے۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے میں اپنے بارے میں کسی خوش فہمی میں نہیں ہوں، مجھے اپنی صلاحیت اور حقیقت کا اندازہ دوسروں سے کہیں زیادہ ہے، مجھے تو اپنے اس واقعہ کے بیان کے ذریعہ صرف حضرت الاستاذ کی علمی فیاضی اور ذرہ نوازی کا نمونہ پیش کرنا تھا کہ کیسے حضرت کو ایک بے مایہ وہیچ مداں کے اوپر توجہ ہوئی، اور کیسے حضرت نے اپنے اصول وضوابط تک کو نظر انداز کر کے، کسب فیض کا موقع دیا، اور سچی بات یہ ہے کہ میرے جیسے نامعلوم کتنے لوگ ہیں جن کو حضرت الاستاذ نے اسی طرح اپنے سے لگایا، ان کی علمی وعملی تربیت فرمائی اور پھر آخر آخر تک پوری طرح سے ان کی علمی وتعلیمی سرپرستی فرمائی۔

میں ایک مرتبہ مظاہر علوم ہی کے قدیم فیض یافتہ ایک بزرگ کی خدمت میں گیا، انھوں نے مجھ سے پوچھا: کیا کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ مظاہر علوم کے شعبۂ تخصص فی الحدیث الشریف میں ہوں، فرمانے لگے، بھائی ہمارے زمانہ میں تو کوئی ''تخصص وخصص'' تھا نہیں، ہم لوگ ایسے ہی اپنے اساتذہ سے سیکھ لیتے تھے، میں نے عرض کیا: حضرت پہلے بھی یہ رواج رہا ہے کہ فراغت کے بعد طلبہ کو جس فن سے مناسبت ہوتی تھی، اس فن کے ماہر کے پاس رہ کر خاص خاص فن میں کمال پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے، اب انفرادی طور پر یہ سلسلہ مشکل ہوگیا ہے، اس لیے اہل مدارس نے باضابطہ اس کی سہولت کا انتظام کر دیا ہے کہ ایک ماہر فن کو بٹھا دیا ہے، اب جس کو اس کی صحبت وملازمت اختیار کرنی ہو مدرسہ کے ضابطہ کے تحت یہ فیض حاصل کر لے، وہ بزرگ میرے اس جواب سے بہت مطمئن اور مسرور ہوئے اور فرمایا کہ ہاں اگر یہ مقصد ہو تو بہت بہتر ہے۔

بہرکیف! میں نے ''تخصص فی الحدیث'' میں پہنچ کر، واقعہ یہ ہے کہ پہلی مرتبہ کسی کے علمی وعملی کمالات کا اتنی قریب سے اندازہ اور مشاہدہ کیا۔

(۱) یہاں سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہوا کہ ''تخصص'' کے عنوان کے تحت ہم اعلیٰ درجہ کے علمی کمالات کے باوصف، ایک انتہائی صاحب معمولات بزرگ کی خدمت میں پہنچ گئے، جنھوں نے ۱۳۷۱ھ میں دار العلوم دیوبند میں حضرت مدنی، حضرت مولانا اعزاز علی صاحب، حضرت علامہ بلیاوی اور حضرت مفتی مہدی حسن صاحب شاہ جہان پوری رحمہم اللہ تعالیٰ جیسی نادرۂ روزگار شخصیات سے علوم ظاہرہ کی تحصیل کی تھی، اور اس زمانہ میں دورۂ حدیث شریف میں ایک سو ایک فیصد کے امتیازی اوسط

سے کامیابی حاصل کی تھی، پھر علوم باطنہ میں، حضرت مدنی، آپ کی وفات کے بعد حضرت شیخ الحدیث صاحب، اور آپ کی وفات کے بعد حضرت مولانا عبدالجبار صاحب اعظمی رحمہم اللہ تعالیٰ سے اکتساب فیض کیا تھا۔

اسی لیے آپ معمولات کے بہت پختہ اور پابند تھے، اور ان میں تخلّف آپ کو ذرا بھی گوارا نہ تھا، تہجد کا خاص اہتمام تھا، تہجد کے بعد فجر تک تلاوت کا معمول تھا، فجر کی نماز اور دیگر نمازیں بھی (زیادہ تر، مسجد بہاذران میں) اول وقت ہی پڑھتے تھے، فجر بعد حضرت شیخ الحدیث صاحب کے ''کچے گھر'' میں حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب مدظلہ کے حلقۂ ذکر میں تشریف لے جاتے، پہلے گھنٹہ میں اس وقت ''ہدایہ ثالث'' کا سبق تھا، جو بعد میں تیسرے گھنٹہ کے ''سنن ابن ماجہ'' کے سبق سے بدل گیا تھا، پہلے گھنٹہ کے سبق کے بعد دوسرا گھنٹہ خالی تھا، جس میں ناشتہ کا معمول تھا، تیسرے اور چوتھے گھنٹہ میں تخصص والوں کو سبق پڑھاتے، چھٹی کے بعد گھر جا کر ایک گھنٹہ کے قریب تعویذ وغیرہ کا کام کرتے، پھر اول وقت کی ظہر پڑھ کر کھانا کھاتے اور مدرسہ کے وقت تک آرام کرتے۔

اس کے بعد شام کے پہلے گھنٹہ میں اپنے شیخ حضرت مولانا عبدالجبار اعظمی صاحبؒ کی ''امداد الباری'' کی تکمیل کا کام کرتے، پھر دوسرے گھنٹہ میں تخصص کا ایک اور سبق پڑھاتے، عصر بعد گھر پر مجلس ہوتی، جس میں موقع موقع سے اردو، فارسی اور عربی کے اشعار، ضرب الامثال اور دلچسپ لطائف کے ذریعہ ایک خاص لطف ونشاط پیدا فرمادیتے، مغرب کی نماز اور معمولات سے فارغ ہوکر تخصص کی درسگاہ میں تشریف لاتے اور انتہائی یکسوئی کے ساتھ مطالعہ میں مشغول ہوجاتے، پھر اول وقت کی عشاء پڑھ کر کھانا تناول فرماتے، کچھ ضروری کام باقی رہ جاتا وہ پورا کرتے، مطالعہ ادھورا رہ جاتا اس کی تکمیل فرماتے، کوئی آجاتا اس سے ملاقات کرتے، گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بعد یہ مجلس برخاست ہوتی اور حضرت الاستاذ اپنی چٹائی پر پڑے ہوئے معمولی سے بستر پر آرام فرمانے کے لیے لیٹ جاتے، اپنے کام خود سے کرنے کی عادت تھی جو آخر عمر تک برقرار رہی۔

آپ کے معمولات میں قوانین مدرسہ کی پاسداری کو خاص مقام حاصل تھا، خود بھی اس کا اہتمام فرماتے اور اپنے متعلقین کو بھی تاکید فرماتے، مدرسہ کی تعطیلات کا خیال رکھتے، وقت پر مدرسہ آتے، اور چھٹی کے بعد ہی جاتے، کبھی کوئی عذر پیش آجاتا تو حضرت ناظم صاحب کو براہِ راست اطلاع

فرماتے، آپ کے اس معمول اور وصف کی تعریف حضرت ناظم صاحب مدظلہ نے مجھ سے ذاتی طور پر بھی کی، اور اساتذہ کے اجتماع میں سب کے سامنے بھی کی۔

(۲) یہاں پہنچ کر ایک چیز یہ دیکھنے کو ملی کہ حضرت الاستاذ کے یہاں شعبہ کے لیے انتخاب میں حسنِ استعداد سے زیادہ فکری سلامتی کو ترجیح حاصل ہے، استعداد کی کمی کی تلافی تو حضرت اپنی تعلیم وتربیت، حوصلہ افزائی اور سرپرستی سے کر دیتے تھے، ہم نے پوری ''جمع الفوائد'' حضرت ہی سے پڑھی، اس کے علاوہ بھی اصولِ حدیث، عللِ حدیث اور رجال حدیث کی کئی کتابیں پڑھیں، مولانا کا سبق انتہائی سادہ ہوتا تھا، نہ کوئی تقریر، نہ کوئی دعوی وتعلّی، نہ کسی کی تضحیک وتذلیل ہوتی تھی، نہ تحقیر وتوہین، بلکہ ضیوف الرسول صلی اللہ علیہ وسلم (مہمانانِ رسول) کے ساتھ ''مرحبا بوصیۃ رسول اللہ ﷺ'' کا معاملہ ہوتا، عبارت شروع ہوتی تھی، اگر کوئی نحوی صرفی یا لغوی غلطی ہوتی تو نہایت پرلطف انداز میں اس پر تنبیہ فرماتے۔

(۳) حضرت الاستاذ کے یہاں سب سے بڑی بات یہ تھی کہ آپ طلبہ کے درمیان استاذ سے زیادہ طالب علم بن کر رہتے تھے، اور کمزور سے کمزور لڑکے کو بھی جھڑکنے اور ڈپٹنے کے بجائے، اس کی پوری حوصلہ افزائی فرماتے، اپنے تلامذہ پر پوری نظر رکھتے، اور ہر ایک کے مناسب ذوق اور حسبِ صلاحیت اس سے کام لیتے، مجھے، مولانا خالد سعید صاحب کو اور مفتی بشیر احمد صاحب کو ماہنامہ ''مظاہر علوم'' کے لیے مضمون نگاری کی طرف آپ ہی نے متوجہ فرمایا، اور ابتدائی مضامین اپنی زیر نگرانی لکھوائے۔

(۴) مولانا کے سبق میں طلبہ پر نرمی اور شفقت کا پہلو نمایاں رہتا تھا، ہمت افزا کلمات اور حوصلہ کن انداز رہتا اور عموماً ایسا جملہ کہتے جس سے کلمہ کی اصل اور ضابطے کی طرف توجہ ہوجاتی، ایک مرتبہ میں نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام لانے والوں کے تذکرہ میں ''مَسْلَمَۃ الفتح'' میم اور لام کے فتحہ کیساتھ پڑھا تو فرمایا: ہم تو یہ جانتے تھے کہ اسم فاعل مذکر کی جمع کبھی واحد مؤنث کے وزن پر آتی ہے (یعنی: ''مُسْلِمَۃ الفتح'' ہونا چاہئے تھا)، اب آپ نے کس قاعدے کے تحت پڑھا ہے ہم کو نہیں معلوم؟ ایسے ہی ایک مرتبہ ''شَهر'' (بمعنی: مہینہ) کی جمع کسی عبارت میں آئی، قاری نے اس کو ''اَشْهَر'' بفتح الہاء پڑھ دیا، فرمایا کہ آپ نے ''اَشْهَر'' پڑھا ہے وہ بھی غلط نہیں ہے، مگر اس کے معنی ''زیادہ مشہور'' کے

ہیں، اور یہاں یہ ''مہینوں'' کے معنی میں ہے، اس لیے ''أشہر'' بضم الہاء ہونا چاہئے۔

(۵) مولانا کا ایک خاص تربیتی انداز یہ تھا کہ اگر طالب علم کوئی باریک اور دقیق غلطی کرتا تو آپ بجائے اس کو ٹوکنے کے فرماتے: ذرا اس کو فلاں کتاب میں دیکھو، کیا لکھا ہے، کبھی فرماتے: اس کی تحقیق کرنی چاہئے، حالانکہ مولانا کو اس کی پوری تحقیق مستحضر ہوتی تھی، مگر طلبہ کی حوصلہ افزائی کے ساتھ ساتھ تحقیق وجستجو کا مزاج بنانے کے لیے یہ طرز اختیار فرماتے، اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا کہ متعلقہ کتابوں اور مصادر سے طالب علم کو مناسبت ہو جاتی۔

(۶) طبیعت میں اتقان اور استعداد میں پختگی بہت تھی، اس لیے کسی کمزور حوالہ سے مطمئن نہیں ہوتے تھے، البتہ اکابر کے ادب کا پہلو بہت غالب تھا، اس لیے بارہا دیکھا کہ کمزور بات پر جب تک کسی بڑے ہی کے حوالہ سے تردید نہ مل جائے، اس کی تغلیط نہیں فرماتے تھے، اور اس معاملہ میں آپ کا مسلک کافی حد تک حضرت شیخ الحدیثؒ صاحب والا تھا کہ ''بزرگوں کی الٹی بھی سیدھی ہوتی ہے''۔

(۷) اسی تأدب اور حسن ظن ہی کا ایک اثر یہ تھا کہ ''اختلافِ ائمہ'' کے بیان میں بہت محتاط تعبیر اختیار فرماتے تھے، اور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جن ائمہ جرح وتعدیل نے اکابر احناف کے اوپر جرح فرمائی ہے، وہ اگرچہ بے جا اور ناقابلِ اعتماد ہے، مگر اس کی وجہ سے ان جرح کرنے والوں کے مقام ومرتبہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیوں کہ وہ اہل اجتہاد تھے، لہٰذا ایک اجر کے بہر حال مستحق ہیں۔

(۸) مولانا کا حافظہ بڑے غضب کا تھا، جس کے مظاہر سبق میں تو پیش آتے ہی رہتے تھے، سبق کے باہر بھی آخر آخر تک آپ کا یہ حال تھا کہ جس سے ایک مرتبہ مل لیتے، جس کو ایک بار دیکھ لیتے، بھولنے کا سوال ہی نہ تھا، میں شروع میں اس کو اپنی خصوصیت سمجھا تھا، معلوم ہوا کہ یہ میرا نہیں مولانا کا کمال تھا، مجھ جیسے نہ معلوم کتنے لوگوں کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا، اور یہ سب کچھ اس وقت تھا جب مولانا بکثرت فرماتے رہتے تھے کہ اب میرا حافظہ کمزور ہو گیا ہے، مجھے محدثین کی اصطلاح میں ''اختلاط'' ہو گیا ہے!

(۹) مولانا نے قدیم درسِ نظامی کے مطابق ہر فن کی کتابیں پڑھیں، اکثر فنون کے پڑھانے کا بھی اتفاق ہوا، مولانا کی فطری صلاحیت واستعداد، قوتِ حفظ اور اہلِ کمال سے استفادہ کے مواقع نے اس میں ایسی پختگی پیدا کر دی تھی کہ اس وقت آپ کا شمار قدیم طرزِ تعلیم وتدریس کے منتخب افراد میں

ہوتا تھا، فقہ وتصوف اور تفسیر وحدیث جیسے علوم عالیہ میں کمال سے تو آپ کی شہرت ہی تھی، ساتھ ہی ساتھ صرف ونحو، بلاغت ومعانی، شعروادب، منطق وفلسفہ، ہیئت وریاضی، فلکیات وہندسہ وغیرہ علوم آلیہ سے بھی آپ کو کافی مناسبت اور بعض میں خاصا کمال حاصل تھا، مظاہر علوم جیسے ادارہ میں علومِ نقلیہ وعقلیہ میں رسوخ اور جامعیت کے لحاظ سے آپ کو منفرد مقام ومرتبہ حاصل تھا، گجرات کے کسی عالم نے غالباً فلکیات کے موضوع پر کوئی کتاب لکھی تھی، آپ کے پاس ملاحظہ کے لیے آئی، آپ نے پوری تنقیدی نظر فرمائی اور پھر تقریظ ومقدمہ تحریر فرمایا۔

کئی مساجد کے قبلہ کی تعیین اور تصحیح بھی آپ نے کرائی، فن طب سے بھی آپ کو اچھی مناسبت تھی، اور بہت سی جڑی بوٹیوں کی پہچان اور ان کے خواص کی معرفت آپ کو حاصل تھی، بلکہ دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد، بعض اہل تعلق کا مشورہ آپ کو طب ہی پڑھانے کا تھا، مگر والد گرامی (جو حضرت تھانویؒ کے ارادتمندوں میں تھے) نے فرمایا کہ اپنے بچے کو گھوڑے کی سواری (علم دین) کے بعد، گدھے کی سواری (دنیوی فن) نہیں کراؤں گا۔

(۱۰) مدرسہ میں تنہا آپ کا دروازہ تھا جو علمِ حدیث کے طالبین، علم فقہ کے باحثین صرف ونحو کے شائقین اور دیگر علوم وفنون کے طلبہ ومدرسین کے لیے ہمہ وقت کھلا رہتا تھا، مدرسہ کے کئی اساتذہ اپنی علمی گتھیاں سلجھانے کے لیے آپ ہی سے رجوع کرتے تھے، بعض اساتذہ کے متعلق ایسی کتابوں کی تدریس ہوگئی جو انھوں نے پڑھی ہی نہیں تھیں، مولانا سے ذکر کیا، آپ نے فرمایا کہ: چلو تم نے نہیں پڑھی ہے، میں نے تو پڑھی ہے، پھر آپ ہی کی رہنمائی میں ان حضرات نے اپنی کتابیں پڑھائیں، احقر نے ایک فارسی کتاب کا ترجمہ کیا تھا، اصلاتو اپنے ایک عزیز (مفتی منظرالاسلام صاحب تھانوی) سے حل کرتا تھا، مگر مشکل مقامات میں مولانا ہی سے رجوع کرتا تھا، آپ کی وفات پر اپنے تعزیتی بیان میں مولانا ارشد معروفی نے یہی بات کہی کہ مسئلہ طلبہ کا نہیں ہے کہ اب ان کی مشکلات کون حل کرے گا، ان کے لیے تو الحمدللہ ہم لوگ موجود ہی ہیں، اصل مسئلہ اب ہم لوگوں کا ہے کہ ہماری گتھیاں کون سلجھائے گا؟

(۱۱) عام طور سے علمِ حدیث سے اشتغال رکھنے والوں کو شعروادب سے مناسبت نہیں ہوتی، مگر مولانا کو شعروادب کا بڑا اچھا ذوق حاصل تھا، اردو، فارسی اور عربی کے سیکڑوں اشعار آپ کو محفوظ تھے،

آپ موقعہ موقعہ سے انہیں پڑھا کرتے تھے، جس کی وجہ سے آپ کے درس کا لطف اور علمی مجالس کی قدروقیمت بہت بڑھ جاتی تھی، مجھے یاد ہے کہ ہمارے تخصص کے سال دوم میں مدینہ منورہ سے ایک شامی حلبی عالم شیخ صفوان بن عدنان الداودي تشریف لائے تھے، جو کئی کتابوں کے مصنف اور بڑے ہی جید الاستعداد عالم ہونے کے باوجود صحیح معنی میں ''طالب العلم'' تھے، آپ نے مظاہر علوم میں سترہ روز قیام کرکے مختلف اساتذۂ حدیث سے حدیث کی متعدد کتابیں پڑھی تھیں، ہمارے مولانا سے آپ نے شمائل ترمذی پڑھی تھی، دو ہی چار دن کے بعد مجھ سے فرمانے لگے: ''الشيخ زين العابدين رجل مليء'' (مولانا زین العابدین صاحب کے یہاں گہرائی اور جامعیت ہے)، مظاہر علوم کے امین عام مولانا محمد شاہد صاحب زید مجدہٗ نے اپنے کسی مضمون میں آپ کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے کہ مولانا کی خصوصیت اور پہچان سادگی اور رسوخ فی العلم ہے۔

(۱۲) فن ''اسماء الرجال'' حدیث شریف کا ایک ذیلی فن ہے، مگر اس کو علماء نے اس امت کی خصوصیات میں شمار فرمایا ہے، جس کے تحت صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لے کر اب تک کے ہزاروں (یا شاید لاکھوں) افراد کے حالات زندگی کا اجمالی تعارف ہوجاتا ہے، اس کی افادیت کا ایک بہت مشہور واقعہ مؤرخ بغداد حافظ حدیث خطیب بغدادیؒ کے ساتھ پیش آیا، آپ کے زمانہ میں یہودیوں نے خیبر سے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ایک (جعلی) معاہدہ نامہ حاکم وقت کے سامنے پیش کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ یہ معاہدہ کیا تھا، اس کی رو سے ہمارا یہ حق بنتا ہے، لہٰذا ہمارے ساتھ یہ معاملہ کیا جانا چاہئے، اس معاہدہ پر گواہوں کی جگہ پر حضرت سعد بن مُعاذ انصاری اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے دستخط تھے، اس جعلی دستاویز کے جعل کو ثابت کرنے کے لیے حاکم نے معاملہ علماء کے سامنے رکھا، امام حدیث حضرت خطیب بغدادیؒ نے فرمایا کہ حضرت سعد ابن مُعاذ کی وفات فتح خیبر سے پہلے کی ہے، اور حضرت امیر معاویہ کا اسلام فتح خیبر کے بعد کا ہے، اس لیے اس موقع پر ان دونوں کی شہادت کے کوئی معنی ہی نہیں!

ہمارے اکابر دیوبند و دہلی نے بھی اس فن کی طرف توجہ مبذول رکھی، اور اپنی حدیثی خدمات میں اس کا کافی استعمال کیا، مگر اب اس دور میں یہ فن ہندوستان سے اٹھتا جا رہا تھا، اور خال خال حضرات ہی کو اس سے دلچسپی اور شغف رہ گیا تھا، ہمارے حضرت الاستاذ علیہ الرحمہ نے کم از کم ہندوستان کی

حد تک اس فن کی تجدید کا کام کیا اور مظاہر علوم کے شعبۂ تخصص فی الحدیث میں بیٹھ کر بفضلہٖ تعالیٰ آپ نے بیسیوں ایسے فضلاء تیار کر دیئے جو الحمد للہ اس فن سے اچھی مناسبت اور اشتغال رکھتے ہیں اور کئی علمی و تحقیقی خدمات انجام دے چکے ہیں۔

دار العلوم دیوبند کے تخصص فی الحدیث کے استاذ حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب معروفی مدظلہ اور جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے شعبۂ تخصص فی الحدیث کے تمام ہی اساتذۂ کرام دامت فیوضہم اور دیگر درجات کے بعض ذی علم اساتذہ کرام عمت فیوضہم، نیز جامعہ کے شعبۂ تحقیق کے رفیق اور مرادآباد سے شائع ہونے والی ''سراج القاری لحل صحیح البخاری'' کے محققین، جامعہ اسلامیہ اعظم گڈھ کے بعض محققین حضرت الاستاذؒ ہی کے فیض تربیت کے مظاہر اور پرتو ہیں اور ان کے علاوہ گجرات، بمبئی، بنگال، سری لنکا، انگلینڈ، افریقہ اور امریکہ وغیرہ میں بھی آپ کے تخصص کے تلامذہ کی اچھی خاصی تعداد علمی خدمات میں مصروف ہے، حضرت فرمایا کرتے تھے کہ الحمد للہ میرے شاگردوں کو اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی طرح حدیث کی خدمت میں لگا دیتے ہیں، فللہ الحمد۔

(۱۴) علمی کمالات کے ساتھ حضرت الاستاذ کے یہاں اعلیٰ درجہ کا تدین اور فکری تصلب بھی تھا، اور باتوں باتوں میں اس پہلو سے بھی تربیتی ارشادات فرماتے رہتے، ایک مرتبہ فرمایا: تہجد کی پابندی کیا کرو، اس کا بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ فجر کی نماز باجماعت کا اہتمام ہو جائے گا، کہ اگر کبھی تہجد میں آنکھ نہیں کھل سکی تو فجر تک تو کھل ہی جائے گی، ورنہ تو فجر بھی قضاء ہو جائے گی۔

آپ خود بہت سادہ اور متواضع تھے، اور اپنے متعلقین کے لیے بھی اسی کو پسند فرماتے تھے، مرض الوفات میں کئی مرتبہ فرمایا کہ ہمارا شعبہ (تخصص فی الحدیث) تواضع ہی سے کامیاب ہوا ہے، اور جب تک یہ چیز باقی رہے گی، ترقی ہوتی رہے گی، اسی لیے شعبہ کے طلبہ کا کسی ''انجمن'' میں حصہ لینا، شعبہ کی طرف سے کوئی دیواری پرچہ وغیرہ نکالنا، شعبہ سے متعلق خبروں کو اخبارات میں دینا، آپ کو سخت ناپسند تھا، آپ ان بزرگوں کی صف سے تعلق رکھتے تھے جو کار خیر، اور دینی کام اپنے کو ''بنانے'' اور اللہ سے اپنے تعلق کو سنوارنے کے لیے کرتے تھے، اسی لیے ایسے لوگ بہت کچھ کرنے کے بعد بھی ''چھپنا'' پسند کرتے تھے، آپ ان اہلِ ظاہر میں سے نہیں تھے جو اچھے کام تو کرتے ہیں، مگر اپنی آخرت بنانے کے لیے نہیں، بلکہ اہلِ دنیا کو ''بتانے'' کے لیے، اسی لیے بزرگوں کے مقابلہ میں کچھ نہ

کر کے بھی وہ ''چھپنے'' کے بجائے ''چھپنا'' پسند کرتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں بزرگوں کی مخلصانہ اقتداء اور اتباع نصیب فرمائیں، اور ان ہی کے زمرہ میں حشر فرمائیں، آمین۔

(۱۴) فکری پختگی ہی کا اثر تھا کہ سبق کے دوران کسی مناسبت سے اہلِ تجدد کا ذکر آجاتا تو ان کی بنیادی خرابیوں پر ضرور تنبیہ فرماتے، خصوصاً حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر تنقید کرنے والوں کی تو اچھی طرح خبر لیتے، اور بعض ایسی جماعتوں اور اداروں کا ذکر فرماتے جن کے خمیر میں یہ خرابی موجود ہے۔

(۱۵) جمعیۃ العلماء سے فکری وعملی وابستگی رکھتے تھے، مگر اپنے علمی مذاق ومزاج کی وجہ سے ''جمعیۃ'' کے جن فیصلوں سے آپ کو اتفاق نہ ہوتا تو مناسب پیرایہ میں اس کا اظہار بھی فرمادیتے، ''امیر الہند'' کا مسئلہ ''جمعیۃ'' کے تاریخی فیصلوں میں سے ہے، اس کے پہلے امیر الہند محدث العصر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نور اللہ مرقدہ منتخب ہوئے تھے، ''امیر الہند'' کے حدود واختیارات سے متعلق جمعیۃ کے اعلان سے آپ کو اطمینان نہیں ہوا، آپ محدث العصر کی خدمت میں گئے اور اپنے اشکالات پیش کئے، حضرت الاستاذ پوری طرح سے منشرح ہوئے، ہندوستان کے دوسرے اہل علم نے بھی شرعی اصولوں کی روشنی میں اس فیصلہ کو نا قابل قبول قرار دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی دنوں میں اس فیصلہ پر نظر ثانی کرنی پڑی اور شرعی اصول کی رعایت کے ساتھ، ''امیر الہند'' کے عہدہ کی حیثیت متعین کی گئی۔

(۱۶) بچپن سے اصول ومعمول کی پابندی اور محنت ومشقت کی عادت کی وجہ سے آپ کی صحت بہت اچھی تھی، جسم ہلکا پھلکا ہونے کے باوجود قویٰ بہت مضبوط تھے، دل ودماغ کی کیفیت تو آخری سانس تک ہم جیسوں کے لیے قابل رشک رہی، بیاسی تراسی سال کی عمر میں ہر طرح کا کھانا بے تکلف کھالیا کرتے تھے، ایک مرتبہ کسی نے آپ کی دعوت کی، اور آپ کے ساتھ کسی رفیق کو بھی مدعو کیا، انھوں نے اپنی صحت اور کیفیت کے پیش نظر کھانے میں کچھ پرہیز وغیرہ بتانا شروع کیا، حضرت الاستاذ نے فرمایا کہ بھائی! دعوت کے وقت داعی کے کچھ ارمان اور جذبات ہوتے ہیں، اتنی پابندی لگاؤ گے تو پھر ان کا مزا کرکرا ہوجائے گا، پھر اپنے بارے میں فرمایا کہ میرے لیے جو چاہنا پکانا، ان شاء اللہ سب کھالوں گا۔

آخری بیماری میں گھر جاتے ہوئے راقم کو مخاطب کر کے نصیحت فرمائی کہ کسی بھی کتاب کو آسان

اور ہلکی سمجھ کر مت پڑھانا، ورنہ آزمائش میں پڑجاؤ گے، مشکل سمجھ کر اللہ سے مدد مانگ کر پڑھاؤ گے تو کامیاب رہوگے، یہ بھی فرمایا کہ خود کو کسی کتاب یا عہدے کا مستحق مت سمجھنا، مدرسہ کی طرف سے جو تجویز ہوجائے اسی کو اپنے لئے باعث خیر اور سعادت سمجھنا۔

حضرت الاستاذ کی بیماری کے زمانہ کی کیفیات اور اس میں عزیمت واستقامت کے حالات سے ہر ایک متحیر ومتأثر تھا، میں نے حضرت الاستاذ مولانا محمد عاقل صاحب مدظلہ اور حضرت ناظم صاحب کو مولانا کے اوصاف وکمالات کا معترف اور خصوصاً بیماری کے زمانہ کے حالات پر غبطہ اور رشک کرنے والا پایا، مولانا کے جانے کے بعد میں نے ناظم صاحب مدظلہ سے عرض کیا کہ اس وقت تو مولانا کی عزیمت واستقامت کا حیرت ناک نمونہ سامنے آیا ہے، ناظم صاحب نے فرمایا کہ یہ اچانک نہیں ہوگیا، بلکہ مولانا نے پوری زندگی خود کو اصول وضوابط اور اوقات ومعمولات کا پابند رکھا اور اذکار واشغال کا عادی رکھا تو اس وقت ان سب چیزوں کی برکات اور روحانی ثمرات ظاہر ہورہے ہیں، (واقعی بہت اہم اور قیمتی نکتہ بیان فرمایا، اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو بھی یہ اوصاف عطا فرمادیں، آمین)۔

سالِ وفات ''آہ! محجوب، آفتابِ حدیث مولانا زین العابدین'' (۱۴۳۴ھ) سے برآمد ہوتی ہے۔

اللهم اغْفِرْ له، وارْحَمْه، وعافِهِ، واعْفُ عنه، وأَكْرِمْ نُزُلَه، ووَسِّعْ مُدخَلَه، واغْسِلْه بالماءِ والثَّلْجِ والبَرَدِ، ونَقِّه من الخطايا كما يُنَقَّى الثوبُ الأبيضُ من الدَّنَس. آمين.

☆☆☆☆☆☆☆

ان کے بغیر

از: استاذ الشعراء جناب کوثر معروفی

خاک بھی ملتی نہیں اک مشت قیمت کے بغیر
پھر طلب جنت کی کس منہ سے عبادت کے بغیر

زندگی ملتی ہے تیرے فضل سے ہی اے خدا
موت بھی آتی نہیں تیری اجازت کے بغیر

کس میں ہمت ہے کہ جائے تیری مرضی کے خلاف
کس کو چھٹکارا ہے یارب تیری رحمت کے بغیر
سرکشی پر نفسِ امارہ اتر آئے نہ پھر
جاں پہ بن آئے نہ پھر شیخِ طریقت کے بغیر
چین میں لائے کوئی کیسے دلِ بے تاب کو
کوئی صورت ہی نہیں ہے ان کی صورت کے بغیر
موت عالم کی ہوا کرتی ہے اک عالَم کی موت
آج کچھ ایسا ہی ہے حضرات، حضرت کے بغیر
ایک بھی شام ان کی ذکر وفکر سے خالی نہ تھی
صبح بھی کٹتی نہ تھی کوئی تلاوت کے بغیر
ہم نے ایامِ علالت میں بھی، شیدائے رسول
آپ کا کوئی عمل دیکھا نہ سنت کے بغیر
مسجد و محراب ومنبر، خانقاہ و مدرسے
سب میں سناٹا سا ہے وعظ ونصیحت کے بغیر
یاالٰہی بھیج دے موصوف کا نعم البدل
زندگی بے لطف سی ہے ان کی صحبت کے بغیر
بے سر و سامانی اور امِ حبیبہ کا قیام
کام دیں کے اس طرح ہوتے ہیں دولت کے بغیر
صاحبِ قسمت تھے جو بھی ان سے بیعت ہوگئے
میں ہی کوثرؔ رہ گیا اک ان سے بیعت کے بغیر
نور سے بھردے خدایا قبر کو موصوف کی
آپ ہی سے لاج تھی اس پورۂ معروف کی

☆☆☆☆☆

ہو کر جدا وہ دل میں ہیں اب تک بسے ہوئے

مولانا ابوعبیدہ اعظمی ابن الشیخ مولانا زین العابدین اعظمی رحمہ مہتمم جامعہ ام حبیبہؓ پورہ معروف (مئو)

والد ماجد حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمی نور اللہ مرقدہ کے کچھ احوال لکھنے پر مامور کیا گیا ہوں، حالاں کہ مجھ جیسا کوتاہ علم ان کی رفعت علم وعمل، پختگی فن اور زہد وتقویٰ پر کیا خامہ فرسائی کرسکتا ہے، لیکن دوستوں کی خواہش اور ان کی درخواست پر چند سطور لکھنے کے ارادہ سے بیٹھ گیا ہوں۔

اجازت اوائل سنبل: گو کہ دورۂ حدیث کی دو کتابیں بخاری وترمذی ان سے مکمل پڑھنے کا شرف بندہ کو بھی حاصل ہے اور حدیث کی اجازت بھی حاصل ہے، تاہم ایک مرتبہ ماہ رجب میں سہارن پور پہنچ گیا، تو والد صاحب نے خود دست شفقت رکھ کر فرمایا کہ تم مظہر العلوم بنارس میں مجھ سے حدیث پڑھ ہی چکے ہو اور حدیث پڑھا بھی چکے ہو، تو اب اوائل بھی پڑھ کر مجھ سے سب کتابوں کی اجازت لے لو، چنانچہ رسالہ اوائل سنبل دیا اور کہا اسکی قیمت دیدو اور مطالعہ کرلو، جمعہ کو میرے پاس پڑھ لینا، جمعہ کو اپنی درس گاہ میں پہنچے، پیچھے پیچھے میں بھی پہنچا، دیکھتا ہوں کہ تقریبا ۴۰ رشائقین علم حدیث سے درس گاہ کے سامنے کا برآمدہ اور صحن بھرا ہوا ہے، انتہائی شوق اور پرسکون ماحول میں رسالہ اوائل السنبل کی قراءت شروع ہوئی، عبارت خوانی کا بہتوں کو موقعہ ملا، مجھے بھی یہ سعادت نصیب ہوئی، پھر خود بھی پڑھا اور جگہ جگہ اپنی عادت کے مطابق کلام بھی فرمایا اور دو ڈھائی گھنٹہ کے بعد انتہائی پرسوز دعا پر سبق کا اختتام ہوا، پھر سب کی کتابیں لے کر اس پر اجازت تحریر فرما کر دستخط کی، آج تک وہ منظر آنکھوں میں سمایا ہوا ہے۔

حیدر آباد میں آپ کی رفاقت: حیدر آباد میں تقریبا ۱۴۱۴ھ میں لڑکیوں کے ایک مدرسہ ”جامعہ عائشہ نسواں“ میں تدریس کے لیے میرا تقرر ہوا، پہلے ہی سال میں طحاوی، ابوداؤد، جلالین، شرح نخبہ، الفوز الکبیر وغیرہ ملی، والد صاحب نے کہا کہ یہ سب کتابیں امتحان لے کر کام قرار دینے کے لیے تو نہیں؟ میں نے کہا کہ ابھی تو ناظم صاحب یہ فرمارہے ہیں کہ بخاری شریف کا کچھ حصہ بھی ہم آپ کو دینا چاہتے ہیں، مگر گھنٹیاں سیٹ نہیں ہو پارہی ہیں، فرمایا کہ جا کر ان سے کہہ دو کہ مجھے نہیں پڑھانا ہے، پھر صبح کو فرمایا: کیا کروگے؟ میں نے کہا کہ آپ کے پاس مطالعہ کرکے

پڑھاؤں گا، اتنے دنوں بعد پڑھانے کی جگہ ملی ہے، تو چھوڑنا مناسب نہیں، ابتدائی چند ماہ تو بے حد محنت کرنی پڑی، عصر بعد کتابیں لے کر والد صاحب کے پاس پہنچ جاتا اور رات رات بھر مطالعہ کرتا رہتا اور فجر بعد ایک گھنٹہ سو کر مدرسہ چلا جاتا، مجھے نہ دن کی تمازت کا پتہ چلتا اور نہ رات کی خنکی کا احساس ہوتا، اس دوران کئی بار ابتلا کا دور آیا؛ مگر اللہ نے مدد فرمائی، وہاں جمعہ کو پڑھائی اور اتوار کو چھٹی رہتی تھی۔ بہر حال درمیان سال کے قریب "جامعہ مظاہر علوم" سہارنپور سے ان کو طلب کیا گیا، تو مجھ سے مشورہ لیا، میں نے کہا کہ آپ کا یہاں سے جانا میرے حق میں بہت مضر ہے؛ لیکن میرا مشورہ یہی ہے کہ وہاں ضرور جائیں، چنانچہ سال پورا کر کے سہارن پور تشریف لے گئے؛ مگر مولانا مصطفی مفتاحی صاحب سے بیان کیا کہ میرے اس لڑکے نے اپنے نقصان کو محسوس کرتے ہوئے بھی مجھے مشورہ بالکل صحیح اور مخلصانہ دیا۔

جذبۂ تشکر و احسان مندی: حضرت والد صاحبؒ اپنے محسنین کے ہمیشہ مشکور رہتے تھے، دار العلوم سبیل السلام حیدر آباد کے بانی و ناظم مولانا رضوان القاسمیؒ کی ہمیشہ تعریف کیا کرتے تھے کہ باوجود زبردست عالم ہونے کے اہلِ علم کے قدر شناس اور علم دوست آدمی ہیں، ۱۹۹۴ء میں انھوں نے والد صاحب کو باٹا کا عمدہ جوتا خرید کر ہدیہ دیا، جو اس وقت پانچ سو کا تھا، مجھ سے بار بار فرمایا کہ میں پانچ سو کا جوتا پہنوں؟ مگر ان کا پر خلوص ہدیہ ہے پہننا پڑے گا اور مہینوں ان کے لیے تہجد کے بعد دعا کرتے رہے۔

والد مرحوم پر جس کسی نے احسان کیا، تو احسان مندی کے ساتھ ہمیشہ ان کا تذکرہ کرتے رہے، میرے بچپن میں میری والدہ مرحومہ کی حیات میں نئی بستی کا مکان بنوایا تھا، جس میں ایک سو پچاس روپیہ اپنی ایک رشتہ کی آپا سے قرض لیا تھا، جب کہ والد صاحب کی کل تنخواہ پچھتر روپے تھی، اس خاتون کا احسان مندانہ تذکرہ وقتاً فوقتاً زندگی بھر؛ بلکہ مرض الوفات میں کچھ زیادہ ہی کرتے رہے اور ان کے لیے ہمیشہ دعا بھی فرماتے رہے؛ البتہ خود جو دوسروں پر احسان کرتے، حتی الامکان ان کو بیان نہ فرماتے؛ بلکہ اس قسم کے واقعات کا علم اکثر ہم لوگوں کو دوسروں کی زبانی ہوتا۔

اربابِ "ماہنامہ پیغام" کا شکریہ: یہ تحریر لکھنے کے وقت میری بھی یہ خواہش ہے کہ ماہنامہ پیغام کے ذمہ داروں کو ہدیۂ تشکر و امتنان پیش کردوں کہ آپ لوگوں نے ہمارے

والد صاحبؒ کی یاد میں انتھک جدو جہد کر کے جو خصوصی نمبر شائع کیا اس پر ہم آپ لوگوں کے تہہ دل سے مشکور ہیں، جملہ مضمون نگاران، مدیران ومعاونین اور مجلس ادارت کے تمام اراکین کے ہم شکر گزار ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی محبت اور خدمات جلیلہ کو شرف قبولیت بخشے اور دونوں جہان میں سرخروئی اور کامیابی عطا فرمائے۔

جامعہ ام حبیبہ سے تعلق: جامعہ ام حبیبہ، پورہ معروف (جس کا بندہ خادم ہے، قیام مئی ۱۹۹۵ء) کے سلسلے میں قدم بقدم والد صاحب نور اللہ مرقدہ مختلف مراحل میں تعاون فرماتے رہے، دو مرتبہ گجرات کا سفر کیا، ایک مرتبہ اپنے علاقہ کا دورہ کیا، امتحان، جلسہ اور کتابوں کی شروعات واختتام پر وقتاً فوقتاً تشریف لاتے تھے، رمضان المبارک میں خصوصیت سے اس کے لیے دعا کا اہتمام فرماتے، واردین سے اس کا خصوصی تذکرہ فرماتے تھے۔

آخری ایام اور رحلت: بیماری کا سلسلہ تقریباً سات ماہ پر محیط رہا، مگر آخری ایک ماہ کو چھوڑ کر معمولات زندگی پورے کرتے رہے، تخصص کے درجے، تحقیقات کی نگرانی، ابن ماجہ کا گھنٹہ، تصنیف وتالیف، باجماعت نمازیں، ذکر واذکار بھی کچھ اپنے معمولات کے مطابق رہا، حالاں کہ ضعف بہت بڑھ چکا تھا، ۲۳؍مارچ کو پورہ معروف تشریف لائے، تو ۲۴؍مارچ کو جامعہ ام حبیبہ میں آئے، دن بھر آرام کیا، لیٹے لیٹے ہی ترمذی شریف کا ایک سبق پڑھایا، طالبات اور میری بچیوں کو نصیحت کی، پھر تشریف لے گئے، آخری ایام میں عیادت کی غرض سے اپنے یہاں ہر آنے جانے والے کو عیادت کی دعا اور سنت طریقہ بتاتے، سہارنپور مدرسہ کیا چھوڑ کر آئے، اپنے کمرہ ہی کو مدرسہ اور خانقاہ بنالیا تھا۔

ختم بخاری شریف سے ایک روز پہلے فرمایا کہ آرام کرسی کا انتظام کرلو، تو میں آکر اس پر لیٹا رہوں گا، لیکن اگلے روز ہمت بالکل جواب دے گئی، تو مجھ سے فرمایا کہ موبائل سے وہاں کا پروگرام سنوادو، چنانچہ ایک موبائل لاؤڈ اسپیکر کے پاس مستقل رکھ دیا گیا اور دوسرا ان کے سرہانے، اس طرح ختم بخاری شریف کا آخری پروگرام سنا۔

۲۷؍اپریل کی صبح والد صاحب کرب سے بے چین تھے، سورۂ رعد ویٰسین پڑھی گئی، ڈاکٹر نے انجکشن دیا، کچھ آرام ہوا، اب اصل کینسر کا پھوڑا پھوٹ چکا تھا، تیمم کیا، پھر پانی

میں ہاتھ ڈال کر تین بار چہرہ اور ڈاڑھی پر پھیرا، مسواک منہ میں پھیری، پھر پوچھا کہ کوئی سنت باقی تو نہیں رہ گئی؟ جب جواب ملا کہ سب سنتیں ادا ہو گئیں، تب ان کو اطمینان ہوا، پھر کچھ افاقہ ہوا، مفتی عبداللہ صاحب بھی دیوبند سے آچکے تھے، ۲۸/اپریل ۲۰۱۳ء کو صبح گھر کے ہر ہر فرد کو بلایا، سب کے سر پر ہاتھ رکھا، مصافحہ کیا، سب کو دعا دی اور ظہر کے قریب انتہائی تکلیف کی حالت میں تھے، بار بار کلمہ اور ﴿رب انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین﴾ پڑھتے، ظہر کی جماعت کا وقت قریب تھا، ہم لوگ جب ظہر کی نماز پڑھ کر واپس ہوئے، تو حالت دگرگوں تھی، میں نے بلند آواز سے دوبار کلمہ پڑھا، ان کے ہونٹ نہیں ہل سکے، یا کچھ ہلکی سی جنبش ہوئی، چہرہ پر مسکراہٹ کے آثار تھے، ذکر الٰہی سے معطر؛ ان کی روح جسم خاکی سے جدا ہو گئی، اس وقت گھڑی نے دو بج کر پندرہ منٹ کا وقت بتایا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ ہم لوگوں کو خوب احساس بھی نہ ہو سکا کہ کب روح پرواز کر گئی، اللہ تعالیٰ والد مرحوم کے درجات کو بلند فرمائے اور کروٹ کروٹ انہیں جنت نصیب فرمائے

چھپ گیا آفتاب شام ہوئی
اک مسافر کی رہ تمام ہوئی

یوں تو والد صاحبؒ ادعیہ ماثورہ کا بہت اہتمام کرتے تھے، صبح وشام کی دعاؤں میں سیدالاستغفار "اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لاَ اِلٰـهَ اِلاَّ اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَاعَبْدُکَ وَاَنَاعَلٰی عَھْدِکَ وَوَعْدِکَ مَااسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَاصَنَعْتُ اَبُوْءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ لَکَ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَاِنَّه لاَیَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّااَنْتَ" الخ کا بھی نہایت اہتمام تھا اور سیدالاستغفار کے سلسلہ میں بخاری شریف جلد ثانی، کتاب الدعوات کے شروع میں ایک حدیث میں وارد ہوا کہ جس نے اسے دن میں پڑھ لیا اور شام ہونے سے پہلے اس کا انتقال ہو گیا، تو اس کا شمار جنتیوں میں سے ہوگا اور جس نے شام میں پڑھ لیا اور صبح ہونے سے پہلے اس کا انتقال ہو گیا، تو اس کا شمار جنتیوں میں سے ہوگا؛ اس لئے اللہ کی ذات عالی سے قوی امید ہے کہ والد صاحبؒ اہل جنت میں سے ہوں گے۔

☆☆☆☆☆

اباجانؒ کے نمایاں اوصاف

(مولانا عبدالباسط قاسمی ابن الشیخ مولانا زین العابدین اعظمی، شعبۂ کتب خانہ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور)

"دکھادونگا جہاں کو جومری آنکھوں نے دیکھا ہے"

والد گرامی حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمی نوراللہ مرقدہ وبرد مضجعہ کے حادثۂ وفات پر تقریباً دس ماہ کی مدت گزر چکی ہے، اب تک ان پر بہت کچھ لکھا گیا اور انشاءاللہ مزید بہت کچھ لکھا جائے گا، میں نے بھی ایک تفصیلی سوانحی مضمون لکھا، لیکن یہ احساس اب بھی تازہ ہے کہ بہت سی باتیں جو میں لکھنا چاہتا تھا، تاحال نہیں لکھ سکا، اللہ تعالیٰ مجھے انکی حیات کے ایسے گوشوں پر قلم اٹھانے کی توفیق عنایت فرمائے جو خود میرے لیے اور پوری امت مسلمہ کے لیے نفع اور خیر کا باعث ہو، آمین۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ میرے والد، میرے شیخ ومرشد، یگانہ روزگار تھے، ایسے لوگ کبھی کبھی پیدا ہوتے ہیں، رسوخ فی العلم کے ساتھ ساتھ، اخلاص وللّٰہیت، صبر وشکر، سادگی وتواضع، فروتنی وانکساری، مردم گری وافراد سازی، مروت وشرافت، خورد نوازی وعلم دوستی وغیرہ ایسے اوصاف ہیں جو حضرت والا کی زندگی میں بہت نمایاں تھے، اوران کے بارے میں کچھ لکھنے والا ان سے صرف نظر نہیں کرسکتا، میری عمر اس وقت چالیس برس کے قریب ہے اس مدت دراز کا آنکھوں دیکھا حال اگر لکھا جائے اور چشم دید حالات ومشاہدات کو اگر زیب قرطاس کیا جائے تو دفتر کا دفتر درکار ہے، قصہ مختصر

بہت ہے بہت داستان محبت نہ ہم کہہ سکیں گے نہ تم سن سکو گے

یا پھر کلیم عاجز کی زبان میں ؎

اگر کلیم نہ ہوگا مزا نہ آئے گا جو ہم کہیں گے کسی سے کہا نہ جائے گا

ریاضت ومجاہدہ: والد صاحب کی زندگی کا ایک نمایاں وصف ریاضت ومجاہدہ تھا، میری عمر ابھی نو برس ہی تھی کہ والدہ مکرمہ وفات پاگئیں، وفات سے قبل بھی کئی برس والدہ بیمار رہیں اکثر بیشتر ذہنی توازن بگڑ جاتا تھا، والدہ کی تیمارداری، ہم بچوں کی نگہداشت، گھریلو کام کاج، اور زندگی کے چھوٹے بڑے کام والد صاحب خود ہی انجام دیا کرتے تھے، بچوں سے خدمت لینے کے وہ کبھی عادی نہ رہے، اگر کسی طالب علم نے باصرار کوئی کام کردیا تو کردیا ورنہ وہ اپنے سارے کام مثلاً کھانا پکانا، برتن

مانجھنا، جھاڑو لگانا، بیوی اور بچوں کا کپڑا دھونا خود ہی کیا کرتے تھے، اور یہ تمام کام کر کے وہ عبادات وریاضات میں بھی اسی طرح چاق وچوبند رہتے تھے، مزید یہ کہ پڑھنے پڑھانے اور مطالعہ ومذاکرہ کا جو معمول تھا اس میں بھی کبھی تخلف نہیں ہوتا تھا، ہم تین بھائی بہنوں کو جنرل ڈبے میں لیکر دور دراز صوبہ گجرات کا سفر بھی انتہائی مشقت کا ہوا کرتا تھا والد صاحب پوری بشاشت سے خود تکالیف برداشت کر کے ہمیں راحت پہنچاتے رہے اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائے۔

والدہ مرحومہ کے انتقال کے بعد تو اور زیادہ سخت حالات تھے، والدہ اپنی بیماریوں کے باوجود جو کچھ خدمت اور گھر کے کام کاج کر سکتی تھیں ان کے نہ ہونے سے مزید بوجھ والد صاحبؒ کے کندھوں پر آپڑا، انھوں نے انتہائی شفقت ومحبت کے ساتھ ہمیں پالا، پوسا، پڑھایا لکھایا؛ اور ہماری دلداری ودلجوئی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

میری عمر صرف ۹ ربرس کی تھی جب والدہ کا انتقال ہوا تھا، مجھ سے چھوٹی دو بہنیں بالترتیب ۷ راور ۶ ربرس کی تھیں، والد صاحب سے ہی ہمیں ماں اور باپ دونوں کا پیار ملا، ہمارے کپڑے بھی وہ خود ہی دھویا کرتے، کھانا بھی خود ہی پکاتے اور بہنوں کی کنگھی چوٹی بھی، خود ہی کیا کرتے تھے، ہمیں نہلا دھلا کر وقت سے ناشتہ کرا کے مکتب میں بھیجنے کے بعد وہ مسند تدریس پر جلوہ افروز ہوتے تھے، دوپہر میں ہماری واپسی پر ہمیں کھانا تیار ملتا تھا، گھر سے درسگاہ تھوڑی ہی دور پر تھی، مدھم آنچ پر گوشت وغیرہ رکھ کر وہ پڑھانے میں مصروف ہو جاتے تھے، انہیں اندازہ تھا کہ کتنی دیر میں گوشت گل جائے گا، گھنٹہ ختم ہونے کے بعد وہ اسے چولہے پر سے اتار دیتے، اتنی دیر میں گوشت پک چکا ہوتا تھا، ان کی قوت شامہ بہت تیز تھی، اگر کبھی گوشت جلنے کی سوندھی سوندھی بو آتی تو وہ سمجھ جاتے اور چولہے سے ہانڈی اتار دیتے، چھٹی ہونے کے بعد وہ روٹی پکایا کرتے تھے، مدرسہ سے کھانا خرید کر کھانے سے وہ عام طور سے پرہیز کرتے تھے، یہ بات ۱۹۸۴ء کی ہے جس وقت وہ جامعہ مظہر العلوم بنارس میں شیخ الحدیث تھے، پھر ایک یا سوا سال کے بعد انھوں نے عقد ثانی کیا تب تک بہنیں بھی کچھ بڑی ہو گئی تھیں، اس طرح گھریلو کام کاج کے اضافی بوجھ سے انھیں کچھ راحت ملی، بعد میں کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے "میں نے جتنی مشقت سے بچوں کو پالا ہے، بچوں کے بڑے ہونے کے بعد مجھے اتنی ہی راحت پہنچ رہی ہے"، بلکہ کبھی کبھی تو ہمیں دعائیں دیتے ہوئے آبدیدہ ہو جایا کرتے تھے۔

ایک اور واقعہ بھی سن لیجیے: بچپن میں ہم بھائی بہنوں کا پیشاب بستر پر ہی خطا ہو جایا کرتا تھا، ہمارے پیشاب والے بستر بھی ابا جان خود ہی دھویا کرتے تھے، مزید یہ کہ وہ رات میں کئی بار اٹھ کر ہم بھائی بہنوں کو جگاتے تھے کہ بستر خراب نہ ہو، مجھے یاد نہیں پڑتا کہ والد صاحب نے اس بات پر کبھی ہماری پٹائی کی ہو کہ بستر پر پیشاب کیسے ہو گیا؟ البتہ فکر مند ضرور رہا کرتے تھے اور علاج و معالجہ بھی کراتے تھے، کبھی کبھی خود اپنے ہاتھوں سے تل کا ملغوبہ بنا کر بھی کھلایا کرتے تھے، کہ اس سے مثانہ مضبوط ہوگا اور پیشاب کا عارضہ دور ہو جائے گا، اس سے کچھ نفع ضرور ہوا لیکن مکمل آرام نہیں ہوا، ایک ماہر معالج، مولانا اسرار الحق صاحب خلیفہ اکبر حضرت مولانا عبدالجبار صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے والد صاحب کو بتلایا کہ اس بیماری کا کوئی حتمی علاج نہیں ہے البتہ بلوغ کے ساتھ ہی یہ عارضہ ختم ہو جاتا ہے، حکیم صاحب کی بات درست نکلی، پھر والد صاحب نے علاج و معالجہ سے صرف نظر کر لیا۔

محبت میں اعتدال کا پہلو: بچپن ہی سے والد صاحب مجھ سے بہت محبت کرتے تھے، لیکن اس میں بھی اعتدال کا پہلو ہمیشہ غالب رہتا تھا، محبت کا کھل کر اظہار نہ فرماتے تھے بلکہ ہمارے دلوں پر ان کا رعب اور ان کی ہیبت بہت رہا کرتی تھی، ان کی محبت ''الحب فی اللہ والبغض فی اللہ'' کا نمونہ تھی، اس کا اندازہ اس وقت ہوا جب میں کچھ خراب بچوں کی صحبت میں پڑ کر اور نفس و شیطان کے دھوکہ میں آکر ناپسندیدہ امور میں مشغول ہو گیا، تو ابا جان کی نگاہ کرم یکسر تبدیل ہو گئی، اب نگاہ گرم سے سابقہ پڑنے لگا تھا، خفگی اور ناراضگی کے آثار چہرے سے ظاہر ہونے لگے تھے، لیکن دوسری طرف میرے لیے وہ آہ سحر گاہی اور نالۂ شب گیر میں خداوند قدوس کے سامنے تضرع و انکساری کے ساتھ محو مناجات بھی رہا کرتے تھے، سچی بات تو یہ ہے کہ والد گرامی کی آہ سحر گاہی، مفتی اسرار احمد مظاہری کی پر خلوص رہنمائی اور مولانا عبدالخالق مدراسی کے آہنگ خطابت نے میرے فکر و نظر کے زاویے یکسر تبدیل کر دیئے، ورنہ میں آزادی کی جس راہ پر چل پڑا تھا وہ بڑی پر خطر تھی، والد صاحب کے نالۂ نیم شبی نے کام کیا، اساتذہ و مخلص کرم فرماؤں کی دعاؤں نے یاوری کی، پروردگار عالم نے دستگیری فرمائی، اللہ تعالی اپنے دین پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اگر آزاد ہم ہوتے خدا جانے کہاں ہوتے
مبارک عاشقوں کے واسطے دستور ہو جانا

ایک اور بات: ہم بھائی بہنوں اور والدہ مرحومہ کو ٹرین کے علاوہ بس یا کار وغیرہ کا سفر کبھی راس نہ آتا تھا، چاہے تھوڑی دور ہی جانا ہو، قے ہو جایا کرتی تھی، جن دنوں والد صاحب دار العلوم چھاپی میں استاذ تھے، کبھی کبھار وڈالی ضلع سابر کانٹھا جہاں پر مولانا رفیق احمد صاحب معروفی پڑھاتے تھے جانے کا اتفاق ہوتا تھا، بس کا سفر ایک سو کلومیٹر کے قریب تھا اس کے برعکس ٹرین کا سفر کافی گھوم کر تقریباً دوگنی مسافت پر تھا، والد صاحب محض ہماری رعایت میں لمبا چکر کاٹ کر وہاں پہنچتے تھے، ان کی دلداری کا ادنیٰ سا نمونہ ہے۔

بعض جوابات حکیمانہ ہوا کرتے ہیں: مجھے شوق ہوا کہ زلفیں بڑھالوں، دور طالب علمی میں تو والد صاحب کی سخت گیری کی وجہ سے اس کی ہمت نہ ہوئی، البتہ فراغت کے بعد ایک مرتبہ میں نے اپنے گیسو دراز کر لیے، والد صاحب سہارنپور تھے، میں وطن میں تھا، موقع غنیمت جان کر سنتی بال رکھ لیے، اتفاقاً والد صاحب کا مئو آنا ہو گیا، دیکھ کر فرمایا بابو! تمہارے بال بہت بڑے ہو گئے ہیں، حلق کرالو، گویا انھوں نے میرے ارمانوں پر چھری چلادی تھی، میں نے عرض کیا ابا جان یہ بال سنتی ہیں، انھوں نے فرمایا! تہجد پڑھنا بھی سنت ہے، میں نے جرح کی کہ ”ضروری نہیں کہ ایک سنت چھوٹ رہی ہے تو دوسری سنت بھی چھوڑ دی جائے“ انھوں نے ارشاد فرمایا کہ پہلے تہجد والی سنت پر عمل کرلو جب اس کی پابندی ہو جائے تو بال والی سنت پر بھی عمل کر لینا۔

چنانچہ تعمیل حکم میں میں نے بال منڈوا لیے، اب جو میں نے اپنے دل کو ٹٹولا تو معلوم ہوا کہ میں نے اتباع سنت کے جذبہ سے بال نہیں بڑھائے تھے، بلکہ خوش وضعی مقصود تھی، بعض ارباب مدارس کے حلق راس کے غیر مناسب ضابطوں کے رد عمل کے طور پر میں نے بال بڑھا لیے تھے، میں اس زمانے میں وفرہ، لمہ اور جمہ کی فضیلت اور سنیت پر خوب بحث مباحثہ کیا تھا، اور خاص کر ان مدارس کے سخت ضابطوں کی وجہ سے تو میرے تن بدن میں آگ لگ جایا کرتی تھی جو حلق راس کا قانون وضع کرتے ہیں، اور ان کے حامیوں پر خوب وار کیا کرتا تھا۔

انداز تربیت: مجھے گائے کا گوشت، مرغ کا گوشت، چڑیوں کا گوشت اور بکرے کا گوشت بالکل پسند نہ تھا بھینس کے گوشت ہی سے ہمیشہ رغبت زیادہ رہی، (۱۹۹۲ء) میں ہم حیدرآباد دار العلوم سبیل السلام میں تھے وہاں پر گائے کا گوشت ملتا تھا اسی طرح وہاں کا ایک خاص کھانا

(کھٹا) تھا جو کھچڑی کے ساتھ ملتا تھا، یہ دونوں چیزیں مجھے انتہائی ناپسند تھیں، میں انہیں چکھتا تک نہ تھا، اس موقع پر والد صاحب نے نصیحت فرمائی کہ! بیٹا! جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے چاہے وہ چیزیں ہمیں طبعاً ناپسند ہوں ضرور ان کو چکھ لینا چاہئے، بالکل نہ کھانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام ٹھہراتے ہیں، پھر یہ بھی فرمایا کہ بیٹا! دسترخوان پر جتنی چیزیں ہوں سب کا حق ہے، ان میں تھوڑا تھوڑا ضرور لے لینا چاہئے پھر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ "یاایہا النبی لم تحرم مااحل اللہ لک تبتغی مرضات ازواجک واللہ غفور رحیم" (اے نبیؐ! جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا آپ بیویوں کی خوشنودی کے لئے انہیں حرام کیوں ٹھہراتے ہیں؟ اللہ بہت مغفرت کرنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے۔ الحمد للہ اس کے بعد سے یہ عادت بن گئی کہ ضرور کچھ نہ کچھ کھالیا کرتا ہوں خواہ پسند ہو یا ناپسند۔

سادگی اور فروتنی: والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کھانے پینے، رہنے سہنے، بود وباش اور نشست وبرخاست میں سادگی کو پسند فرماتے تھے، ایسا نہیں تھا کہ وہ صاحب حیثیت نہیں تھے، اور عمدہ چیزیں انہیں میسر نہ تھیں، بلکہ اتباع سنت اور پیروی صحابہ کرامؓ میں وہ ایسا کیا کرتے تھے، کبھی عمدہ قسم کا کھانا وغیرہ اگر کہیں سے آجاتا یا گھر میں پک جاتا تو فرماتے تھے کہ "جتنا عمدہ کھانا کھایا جائے اسکا حق یہ ہے کہ اتنی ہی عمدہ عبادت بھی کی جائے" لباس وپوشاک اور گھر کے برتن وغیرہ بھی سادہ استعمال کیا کرتے تھے، پرانے برتنوں اور سامان وغیرہ کا استعمال عام تھا، میں جب یہ کیفیت دیکھتا تو کبھی کبھار پرانا تولیہ، پرانا کپ، اور پرانے سامان کی جگہ نیا سامان خرید کر چپکے سے رکھ دیا کرتا، اور پرانے سامانوں کو چھپا دیتا، وہ محسوس کر لیتے اور خفگی کا اظہار کرتے تھے، فرماتے کہ یہ ضرور عبدالباسط کا کام ہے، البتہ ہمارا دل رکھنے کے لیے کبھی نظر انداز بھی کر دیا کرتے تھے البتہ کبھی کبھی ان سامانوں کو تلاش بھی کرتے تھے، محض اس لئے کہ کہیں میں نے انھیں پھینک نہ دیا ہو اور کہا کرتے کہ "مومن کا مال ضائع کرنا حلال نہیں ہے"۔

سحر خیزی کی عادت: سویرے سونے اور سویرے اٹھنے کے عادی تھے، سفر ہو یا حضر، گرمی ہو یا سردی، معمولات میں کوئی فرق نہ آتا تھا، بلکہ اگر سونے میں تاخیر بھی ہو جائے تو بھی وقت پر بیدار ہو جاتے تھے، تشجیعاً فرمایا کرتے تھے کہ میں طالب علمی کے زمانے میں رات دس بجے

سوجایا کرتا تھا اور صبح چار بجے بیدار ہوجاتا تھا، اس طرح جاڑے کے دنوں میں مطالعہ کے لیے لمبی رات اور گرمی کے دنوں میں مطالعہ کے لیے لمبی دوپہر مل جایا کرتی تھی، اور صحت وتندرستی کے لیے چھ گھنٹے کی نیند بھی میسر آجاتی تھی۔

جن دنوں میں درجات پرائمری میں زیر تعلیم تھا ہوم ورک وغیرہ خاص کر ریاضی کے سوالات حل کرنے میں دیر ہوجاتی تھی، والد صاحب شفقت کے ساتھ ٹوکتے کہ سویرے سوجاؤ، ان کا یہ جملہ اب تک حافظے میں محفوظ ہے کہ: "سویرے سونا اور سویرے اٹھنا اور سخت محنت کرنا کامیابی کی کلید ہے"۔

فرماتے تھے کہ جو لوگ دن نکلنے کے بعد اٹھتے ہیں ان کے کان میں شیطان آکر پیشاب کردیتا ہے، پہلے تو وہ تھپکی دیکر سلاتا ہے۔

معمولات کی پابندی: وہ اپنے اوقات کے حد درجہ پابند تھے، ان کا ایک نظام الاوقات ہوتا تھا، سفر وحضر میں نظام الاوقات کی پابندی کے ساتھ وقت گزارتے تھے، حضر میں فجر سے بہت پہلے اٹھ کر نہایت اطمینان سے تہجد کی نماز ادا کرتے، پھر الحاح وزاری کے ساتھ دعاء ومناجات میں مشغول ہوتے، پھر ایک ڈیڑھ پارے بروایت حفص تلاوت فرماتے، پھر چند آیات قراءت سبعہ میں تلاوت فرماتے، پھر ایک ابلا ہوا اور کبھی نیم برشت انڈا کھا کر چائے پیتے، پھر فجر کی نماز ادا کرتے، بعد نماز فجر ذکر جہری کرتے، سہارنپور قیام کے زمانے میں پیر طلحہ صاحب کی خانقاہ میں جاکر ذکر کرتے تھے، پھر گھنٹہ لگنے سے دس پندرہ منٹ پہلے درسگاہ میں حاضر ہوجاتے، گھنٹے میں سستی وتساہلی بالکل برداشت نہ تھی، وقت پر پڑھانا شروع کرتے اور گھنٹہ لگتے ہی چھوڑ دیتے، فرمایا کرتے تھے کہ میرے استاذ حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ کا بھی یہی معمول تھا، وہ گھنٹہ بجتے ہی کتاب بند کردیتے تھے، چاہے بحث بھی پوری نہ ہو، یہی وجہ تھی کہ بڑی سہولت کے ساتھ نصاب پورا ہوجاتا تھا اور کتاب کافی مقدار کو پہنچ جاتی تھی۔

طرز تدریس: لمبی چوڑی تقریر کے بالکل قائل نہ تھے، اور اس کو معیوب گردانتے تھے، ترجمہ انتہائی معنی خیز کراتے، جب تک ضمائر کا مرجع متعین نہ ہوجائے اور صحیح ترجمہ نہ ہوجائے آگے بڑھنے نہ دیتے تھے، کسی ضمیر کا ترجمہ اگر رہ گیا تو ڈانٹ پھٹکار ہوتی تھی، جیسا ترجمہ کراتے تھے طلبہ سے ویسا ہی ترجمہ سننا چاہتے تھے، فیشن ایبل اور بالکل آزاد ترجمہ ناپسند کرتے تھے، بامحاورہ ترجمہ کراتے، لیکن

کوشش یہ ہوتی کہ چاہے جملے میں بہت حسن پیدا نہ ہوسکے لیکن کسی لفظ کا ترجمہ رہ نہ جائے، تصحیح عبارت کا انتہائی اہتمام تھا، مجال نہ تھی کہ غلط عبارت پڑھ کر کوئی طالب علم نکل جائے، پہلے سے عبارت پڑھنے کے لیے کوئی متعین نہ ہوتا تھا(۱)، اس کا فائدہ یہ دیکھنے میں آیا کہ مظہر العلوم بنارس، سبیل السلام حیدرآباد، مظاہر علوم سہارنپور وغیرہ میں طلبہ ان کی کتابوں کی عبارت بہت غور سے دیکھ کر اور کمزور بچے اپنے ساتھیوں کی مدد سے عبارت درست کرکے درسگاہ میں داخل ہوتے تھے، غلط یا بغیر سمجھے ہوئے عبارت پڑھنے والوں کو لطائف وظرائف سنایا کرتے تھے، لیکن استہزاء یا تمسخر کا انداز نہ ہوتا تھا، وقف کی غلطیوں پر فرماتے کہ ”اٹھو مت بیٹھو“ کی طرح ہوجائے گا، کہیں ہوں کہہ کر لمبی سانس لیتے تو طلبہ سمجھ جاتے کہ عبارت میں غلطی ہورہی ہے، درسی کتابوں کی اردو شروحات کے قائل نہ تھے، مظاہر علوم کے بعض بڑے اساتذہ کو والد صاحب سے استفادہ کرتے ہوئے اور بعض مسودات کا مراجعہ کرتے ہوئے راقم الحروف کے مشاہدہ میں بھی آیا ہے۔

تحقیق کیسے کی جاتی ہے: اگر کوئی طالب علم یا استاذ کوئی بات پوچھتا تو فوراً نہ بتلاتے بلکہ فرماتے کہ فلاں کتاب نکالو، اس کتاب کے فلاں باب میں تلاش کرو، فلاں لغت میں دیکھو، اگر پوچھنے والا کہتا کہ بعد میں دیکھ لوں گا تو فرماتے ارے بھئی! کتاب تو یہیں موجود ہے، وہاں سے فلاں کتاب اٹھاؤ، میں بھی تمہاری مدد کرتا ہوں اس طرح درپیش مسئلہ چٹکیوں میں حل ہوجایا کرتا تھا، وہ چاہتے تھے کہ طلبہ کے اندر تحقیق وتفتیش کا ذوق پیدا ہو، کبھی کبھار خود بھی بتلادیا کرتے تھے، علم میں گہرائی وگیرائی خوب تھی۔

قوت حافظہ کے کرشمے: قوت حافظہ کے کرشمے بھی وقتاً فوقتاً سامنے آیا کرتے تھے، ایک صاحب نے میرے سامنے پوچھا کہ حضرت ”دِمَیری“ ہے یا تلفظ کچھ اور ہے؟ فرمایا کہ القاموس المحیط للفیروزآبادی میں لکھا ہے کہ دَمِیرہ بروزن سفینہ، پھر القاموس المحیط سے نکال کر دکھلایا۔

---

(۱) مظاہر علوم سہارنپور کے زمانۂ تدریس میں آپ کے یہاں عبارت خوانی کی باری مقرر ہوا کرتی تھی؛ چنانچہ مولاناؒ کے شاگرد مولانا وحید الزماں مظاہری اپنے مضمون میں لکھتے ہیں: ”کتابوں کی عبارت ہر ایک سے دن متعین کرکے پڑھواتے تھے“، نیز مولاناؒ کے تلمیذ خاص مولانا خالد سعید صاحب مبارکپوری، استاذ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور کے مضمون میں ہے: ”اور آپ کے سبق کی ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ آپ چھوٹی جماعتوں میں باری باری ہر طالب علم سے سبق کی عبارت پڑھواتے تھے“، اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ عبارت خوانی کے لئے عدم تعیین کی بات علی الاطلاق نہیں ہے۔ (مرتب)

ایک بار ارشاد فرمایاکہ: ابن حجر مکی الہیتمی ہیں بالتاء المثناۃ، (مولود ۹۰۹ھ وفات ۹۷۳ھ، معجم المؤلفین ۲/۱۵۲) اورنورالدین الہیثمی بالثاء المثلثہ (مولود ۷۳۵ھ وفات ۸۰۷ھ: الضوء اللامع ۵/۲۰۳-۲۰۰) ہیں، لوگ عموماً اس میں دھوکا کھاجاتے ہیں اور ایک کو دوسرے کی جگہ پر بول دیتے ہیں، فرماتے تھے کہ تحقیق کا کام ایسا ہے جیسے چیونٹیوں کی بل سے دانہ دانہ نکال کر جمع کرنا، یہ کام ذیرطلب اوروقت طلب ہے۔

کچھ مفید مشورے: ابتدائی جماعتوں میں اعراب لگی ہوئی کتابوں کے پڑھانے کے قائل نہ تھے، فرماتے تھے کہ اسی وجہ سے طلبہ میں مطلوبہ صلاحیتیں پیدانہیں ہورہی ہیں، بلکہ اس سلسلہ میں وہ جامعۃ الفلاح بلریا گنج اور مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کے طرز تدریس کی حمایت کرتے تھے، کہتے تھے کہ اعراب لگاہوا ہونے کی وجہ سے ذہنوں پر زورنہیں پڑتا، الفاظ کی تلاش وتحقیق نہ کرنے کی وجہ سے صلاحیتوں میں کمی واقع ہورہی ہے۔

ترجمہ قرآن کریم کس طرح پڑھایا جائے: فرماتے تھے کہ پہلے عم یتساءلون پھر تبارک الذی کا پارہ مع تراکیب اعراب اور تحقیق لغات پڑھایا جائے، بچوں کو لغات وغیرہ دیکھنے کا عادی بنایا جائے، تو علم میں پختگی آئے گی، اس لیے کہ قرآن کریم کے اخیر کے پاروں میں لغات بہت زیادہ ہیں، اور تراکیب بھی مشکل ہیں۔

حفظ کیسے کریں؟: حفظ کرنے والے بچوں کے حق میں انکی یہ رائے تھی کہ ان کو پہلے پہل سورۂ ق سے اخیر تک یاد کرادیا جائے، اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر بچہ حافظ نہ بھی ہوسکا تو بھی معتد بہ سورتیں اسے یاد ہوجائیں گی، تراویح اور نوافل وغیرہ میں قرآن پاک پڑھنے میں اسے کوئی دشواری نہ ہوگی، ہرطرح کی چھوٹی بڑی سورتیں یاد ہوں گی، تو نماز پنجگانہ میں قراءت مسنونہ کرنے میں سہولت ہوگی۔

والدصاحب ہمیشہ نمازوں میں قراءت مسنونہ کا اہتمام فرماتے تھے، اگراس کے خلاف دیکھتے اورفتنہ کا اندیشہ محسوس نہ کرتے تو تنبیہ فرماتے اوراگر فتنہ کا خوف ہوتا تو بھی نرمی کے ساتھ کہہ دیا کرتے تھے، ایک بار سہارنپور واطراف کی مساجد کے بارے میں فرمایا کہ اب یہاں بھی قراءت مسنونہ کا اہتمام نہیں رہا، ورنہ اکابر کے زمانے میں اس کا اہتمام ہوا کرتا تھا۔

نمازوں کا حد درجہ اہتمام: اکثر و بیشتر اول وقت میں نماز ادا کیا کرتے تھے، مدرسہ مظاہر علوم کے قریب ایک مسجد بہادران کے نام سے ہے، عموماً نمازیں وہیں ادا کیا کرتے، اول وقت میں نمازوں کا خاص اہتمام اخیر کے دس بارہ برسوں میں زیادہ تھا، میرے ناقص خیال میں وہ ایسا اس لیے کرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ موت آجائے اور تاخیر سے نماز پڑھنے کی وجہ سے کوئی نماز ان کے ذمہ رہ جائے، کہا بھی کرتے تھے کہ میں تو عمر طبعی سے آگے چل رہا ہوں، سفر میں بھی جیسے ہی وقت ہوتا فوراً نماز پڑھ لیتے تھے، ٹرین میں بھیڑ بھاڑ کا عذر کبھی نہیں کیا، مرض الوفات میں بھی جب کہ ناطاقتی حد سے بڑھی ہوئی تھی اس میں کبھی تخلف نہیں ہوتا تھا، شدید سردی کے دنوں میں بھی وہ حسب معمول بیدار ہوتے، جب کمزوری بہت زیادہ بڑھ گئی تو مجھ سے دو ایک بار پانی گرم کرنے کے لیے کہا ورنہ وہ خود ہی اٹھکر ہیٹر لگا دیتے تھے، اور جب تک استنجے وغیرہ سے فارغ ہوتے پانی گرم ہو جاتا تھا، اب ان باتوں کو یاد کرتا ہوں تو آنسوؤں کے سیلاب کو روکنا مشکل ہو جاتا ہے، ان کے ہر کام میں ہمیں اتباع سنت کی جھلک نظر آتی ہے، سفر میں ہمیشہ باوضو رہتے تھے، اور فرماتے تھے کہ سفر کی سب سے قیمتی چیز وضو ہے، اگر وضو ہوگا تو جہاں نماز کا وقت ہوگا نماز فوراً ادا کر لی جائے گی۔

سنتوں کا اہتمام: مرحوم انتہائی درجہ کے متبع سنت تھے، لیکن انھوں نے اس کا ڈھنڈورا کبھی نہیں پیٹا، بات بات میں یہ نہیں کہا کہ یہ سنت ہے، یہ سنت ہے، ہمیشہ خاموشی کے ساتھ سنت نبوی پر عمل پیرا رہے، صبح سویرے تہجد کے وقت وہ آہستہ سے اٹھتے تھے کہ اگر آدمی جاگ رہا ہو تو اٹھ جائے اور اگر گہری نیند میں ہو تو خلل نہ پڑے، ہاں کبھی کبھار شفقت بھرے لہجے میں فرماتے تھے بیٹا! اگر صبح سویرے آنکھ کھل جائے تو دو چار رکعت ہی سہی نفل کی نیت سے پڑھ لیا کرو، اگر تہجد کا وقت ہوگا تو تہجد ہو جائے گی اور اگر وقت نکل گیا تو بھی اللہ کی رحمت سے بعید نہیں کہ اس کی برکت حاصل ہو جائے۔

رمضان المبارک گزرنے کے بعد شوال کے چھ روزے رکھنے کا بھی بہت اہتمام تھا، میں نے ایک بار پوچھا کہ اس میں ترتیب تو واجب نہیں آگے پیچھے کیا جا سکتا ہے، فرمایا کہ ابھی رمضان گزرا ہے، عادت پڑی ہوئی ہے، ابھی رکھنا آسان ہے، دیر ہونے پر خطرہ ہے کہ کچھ چھوٹ نہ جائے۔

ذکر ہمیشہ انگلیوں پر کر کے عقد انامل کی گرہ لگایا کرتے تھے، مجھے بھی دو تین بار سکھایا لیکن اس پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے میں بھول گیا، مولانا اعجاز احمد اعظمیؒ نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے عقد انامل سیکھا

ہوتو مجھے سکھلا دو، میں نے کہا کہ میں بھول گیا، والد صاحب نے مجھے بتلایا ضرور تھا، فرمانے لگے کہ اب تو کوئی سکھلانے والا ہی نہ ملے گا۔

بچپن سے جوانی تک والد صاحب کے ساتھ رہا، کبھی سردی، گرمی اور برسات کا شکوہ کرتے نہ سنا، ان کی مجلسیں عموماً غیبت سے پاک ہوا کرتی تھیں، اگر کبھی کوئی بات کہتے بھی تو نام کی صراحت نہ کرتے اور اشارے کنایے میں بھی نہ بتلاتے، مبادا وہ غیبت کے زمرہ میں آجائے۔

سلام کرنے کے عادی تھے، خندہ پیشانی اور بشاشت کے ساتھ ملاقات کرتے تھے، کوئی غرض مند اگر کسی کام سے آتا تو کوشش یہ کرتے کہ فوراً اس کا کام کردیں۔

شدید بیماری کے زمانے میں جبکہ ۹؍دن تک کوئی چیز بھی حلق کے نیچے نہیں گئی تھی، مریضوں کو دیکھتے رہے، اور دعا وتعویذ کے ذریعہ بندگان خدا کو فیض پہنچاتے رہے، اذکار ومعمولات میں کسی طرح کا کوئی فرق نہ آیا، درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کا کام ہر چند کہ کمزوری حد سے زیادہ بڑھ چکی تھی، معمولات کے مطابق چلتا رہا، میں نے ایک آدھ بار بڑی لجاجت سے منع بھی کیا کہ اس حالت میں مریضوں کو نہ دیکھیں، آپ بہت زیادہ بیمار ہیں، لیکن میری بات سنی ان سنی کرکے وہ مریضوں کو فائدہ پہنچاتے رہے، البتہ اگر بے وقت کوئی مریض آیا تو ڈانٹ پھٹکار بھی ہوئی، اتنا ہی نہیں ممبئی میں جاکر جبکہ ان کی حلق سے ایک گھونٹ پانی اترے ہوئے بھی ۱۲؍دن ہو چکے تھے، ڈاکٹر محمد ارشد اور ان کی اہلیہ کی تشخیص کی اور علاج تجویز فرمایا۔

وہ عزم واستقلال اور صبر وثبات کا پہاڑ تھے، ان حالات میں بھی کھڑے ہوکر نماز ادا کرتے تھے، ہمیں ہر آن یہ خطرہ محسوس ہوتا تھا کہ کہیں ضعف کی وجہ سے گر نہ جائیں، ایک بار میں نے عرض کیا کہ آپ معذور ہیں اور آپ کے لیے بیٹھ کر نماز ادا کرنے کی گنجائش ہے فرمانے لگے کہ صرف تم نے ہی افتاء نہیں کیا ہے، میں بھی مفتی ہوں، اور کھڑے ہوکر ہی نماز ادا کرتے رہے، میں ان کے پاس ہی کھڑا رہتا تھا کہ کہیں ضعف واضمحلال کی وجہ سے گر نہ جائیں۔

اپنے کام خود کیا کرتے تھے: ہم تمام لوگوں کی موجودگی میں بھی وہ چاہتے کہ اپنا کام خود کریں، جس وقت تہجد کے لیے بیدار ہوتے، پانی گرم کرنے کے لیے ہیٹر خود ہی لگایا کرتے، جب تک استنجے وغیرہ سے فارغ ہوتے پانی گرم ہوجاتا، تلاوت سے فارغ ہوکر چائے

بھی خود بناتے، انڈے بھی ابال لیتے، چائے خود بھی پیتے اور جو طلبہ انہیں لینے کے لیے آتے انہیں بھی پلاتے، عمر عزیز اس وقت اسی برس سے متجاوز تھی۔

مہمان نوازی: ہمارے وطن سے مہمان وغیرہ جب بھی آتے عموماً رات کے ۳ر ساڑھے تین بجے بہار نپور پہنچا کرتے، جیسے ہی دروازہ پر دستک ہوتی فوراً دروازہ کھولتے، آنے والا چاہے کوئی شاگرد ہو یا عالی مرتبت شخصیت یا عزیز واقارب، بسااوقات تو ایسا محسوس ہوتا کہ سراپا انتظار ہیں، بیٹھک میں بٹھا کر چائے وغیرہ خود ہی بنا کر لاتے اور ضیافت کرتے، مہمان کی بات تو خیر اور ہی ہے میرے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ کرنا چاہتے تھے، چونکہ مجھے انکا مزاج معلوم تھا اس لیے آتے ہی میں خود مطبخ میں گھس جاتا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ اگر میں استنجاو غیرہ کے لیے چلا گیا تو وہ خود ہی چائے بنانے لگیں گے، اس لیے میں انہیں ایسا کرنے کا موقع نہ دیتا تھا، لیکن اگر کبھی چوک گیا تو وہ فوراً ہی چائے ناشتہ لیکر اندر سے برآمد ہو جاتے، اور یہ رات ڈھائی تین بجے کا عمل ہوتا تھا۔

معاملات کی صفائی: دیانت داری میں بھی وہ بہت نمایاں تھے، اگر کسی سے کوئی معاملہ کرتے تو صفائی معاملات کا پورا خیال رکھتے تھے، مجھے اچھی طرح یاد ہے (بچپن سے لے کر جوانی تک) کہ جب ہمیں کوئی نقد رقم ہدیہ کی شکل میں ملتی تو والد صاحب اسے امانت کے طور پر اپنے پاس رکھتے تھے، اور اپنے پیسوں کے ساتھ انہیں ضم نہ کرتے، ہم تمام بھائی بہنوں کا الگ الگ لفافہ نام لکھ کر رکھا کرتے تھے، جس کی رقم ہوتی اس کے لفافہ میں ڈال دیتے تھے، اور اگر کسی نے کوئی رقم مشترکہ دیدی مثلاً یہ سو روپئے تمام بھائی بہنوں کے ہیں تو پیسے کھلے کرا کے سب کے لفافہ میں الگ الگ رکھ دیا کرتے تھے۔

میرے بچپن میں ہمارے گھر تنگی رہا کرتی تھی، کبھی اگر بہت تنگی محسوس ہوتی تو ہم سے اجازت لے کر کسی بھائی بہن کے لفافے سے کچھ رقم بطور قرض لیا کرتے تھے اور لینے سے پہلے یہ بتلا دیتے کہ اتنی رقم تمہارے لفافے سے لے رہا ہوں اور جب تنخواہ ملے گی یا اللہ پاک کہیں سے بھیج دیں گے لفافے میں رکھ دونگا، یہ صرف احتیاط کا پہلو تھا ورنہ شرعاً ہم سے اجازت لینے کی انہیں ضرورت نہ تھی۔

جب کتاب کی طباعت وغیرہ کا کام مجھ ناچیز سے کراتے تو معلوم کرتے کہ اس میں کتنا خرچ ہے اور پہلی فرصت میں روپئے میرے حوالے کر دیتے، یا فرماتے ابھی اتنا لے لو، اور اتنا طباعت کے

بعد لے لینا، میں ہر چند منع کرتا مگر وہ باصرار عنایت فرما دیتے، اگر کسی کو قرض وغیرہ دے دیتے تو واپسی کا مطالبہ نہ کرتے، چاہے لمبی مدت گزر جائے۔

ھدیہ قبول کرنے میں احتیاط: سال کے شروع میں جن بچوں کو یہاں شعبہ تخصص میں داخلہ لینا ہوتا وہ اگر کچھ ہدیہ وغیرہ لے کر آتے تو بالکل قبول نہ کرتے، دو ایک بار برہم ہوتے ہوئے بھی دیکھا کہ فرما رہے ہیں یہ رشوت ہے، رشوت تم اس لیے لے کر آئے کہ تمہارا داخلہ ہو جائے۔

میرے ایک عزیز کو برسوں پہلے والد صاحب نے قرض دے رکھا تھا، والد صاحب کی بیماری کے زمانے میں ان صاحب نے ایک ہزار پانچ سو روپے ہدیہ میں بھجوائے، والد صاحب نے انہیں بلایا، اور فرمایا کہ بابو! میرا تمہارے اوپر اتنا قرض ہے، تمہیں معلوم تو ہے نا؟ انہوں نے کہا: آپ کا مطالبہ درست ہے، والد صاحب نے فرمایا انشاء اللہ نہ میں اس کا تقاضہ کرونگا اور نہ میری اولاد ہی اس کا تقاضہ کرے گی، جب سہولت ہو دیدینا؛ لیکن تمہارا یہ ہدیہ میں قبول نہیں کرسکتا، میں معذور ہوں، انہوں نے بہت اصرار کیا مگر ابا جان نے قبول نہ فرمایا، اس گنہگار کا خیال ہے کہ والد صاحب نے شبہ ربا کی وجہ سے اسے قبول نہیں کیا، کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ "کل قرض جر نفعا فھو ربا" ہر وہ قرض جس سے نفع حاصل ہو، وہ "ربا" ہے۔

ایک عزیز شاگرد کی حوصلہ افزائی: ایک استاذ کو ایک ایسی کتاب پڑھانے کے لیے ملی جو انہوں نے سرے سے پڑھی ہی نہ تھی وہ بہت فکر مند ہو کر والد صاحب کے پاس آئے کہ حضرت مجھے پڑھانے کے لیے یہ کتاب مل رہی ہے لیکن میں نے اسے پڑھا ہی نہیں ہے، کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں؟ فرمایا کتاب ضرور لیجیے اور فکر نہ کیجیے آپ نے نہیں پڑھی تو کیا ہوا میں نے تو پڑھ رکھی ہے، چنانچہ انہوں نے لے لیا، اور والد صاحب سے پڑھ کر اس کتاب کو بچوں کو پڑھایا، جب ان استاد کے والد صاحب کو یہ بات معلوم ہوئی تو مغلوب الحال ہو کر رونے لگے، اور حیرت سے کہتے تھے، کیا ایسے لوگ اب بھی دنیا میں موجود ہیں؟

اوقات کی پابندی: اوقات کے حد درجہ پابند تھے، جس کام کا جو وقت متعین فرما لیتے تھے وہ کام ٹھیک اسی وقت پر انجام دیتے تھے، مجال کیا تھی کہ تخلف ہو جائے اگر کوئی آگے پیچھے کرتا تو خفگی کا

اظہار کرتے، تقریباً ۱۴ ربرس تک میں ہمیشہ انہیں پورہ معروف سے مئو اور مئو سے پورہ معروف لانے لے جانے کے لیے گاڑی بھیجتا رہا، جو وقت متعین ہوجاتا اس سے دس منٹ پہلے ہی وہ بالکل تیار ملتے تھے، شدید ضعف وبیماری کی وجہ سے آخری بار جب گورکھپور وہ بغرض علاج تشریف لے جارہے تھے تو جو صاحب رفیق سفر تھے وہ پانچ دس منٹ تاخیر سے ہمارے یہاں پہنچے ہم سب لوگ کار میں سوار ہوچکے تھے، اس بیچ والد صاحب کئی بار ان کو فون کر چکے تھے، آنے پر فرمایا کہ بیٹا! تمہاری دلداری کی وجہ سے ہی میں نے گورکھپور کا پروگرام بنایا، اور تم ہی تاخیر کررہے ہو۔

کتابوں کو جس ترتیب سے رکھتے تھے حافظے میں اسی طرح محفوظ رہتی تھی کہ کبھی کبھی اندھیرے میں اندازے سے کتاب نکال لیتے تھے، ہر سامان کے لیے ایک متعین جگہ تھی، وہ سامان ہر حال میں وہیں رکھتے تھے اور ہمیں بھی اس کی تاکید فرماتے، جس کام کے لیے جو وقت متعین ہوتا اس وقت وہی کام انجام دیا کرتے تھے، خود بھی عمل کرتے اور ہمیں بھی اس پر عمل کراتے۔

میں نے فارسی بہت کم پڑھی ہے، آمد نامہ، فارسی کی پہلی اور گلستاں کا آٹھواں باب، وہ بھی اپنے لاابالی پن کی وجہ سے ناغے وغیرہ بہت ہوئے، ہاں فارسی سے تھوڑی بہت مناسبت ضرور تھی اور دل میں یہ خلش رہ گئی تھی کہ کسی صاحب نسبت آدمی سے گلستاں، بوستاں پڑھ لوں، والد صاحب سے میں نے عرض کیا کہ میں آپ سے گلستاں پڑھنا چاہتا ہوں ارشاد فرمایا کہ مجھ سے گلستاں کا مقدمہ پڑھ لو وہ بہت مشکل ہونے کے ساتھ ساتھ فارسی ادب کا شاہکار بھی ہے، بقیہ کتاب مطالعہ سے حل کرلو، جہاں دشواری ہو رجوع کرتے رہنا، چنانچہ میں نے پڑھنا شروع کیا، رمضان المبارک کا مہینہ تھا، نو بجے سے ساڑھے نو بجے کا وقت طے ہوا، پابندی سے سبق چلتا رہا، میرے ساتھ میرے ایک رفیق مولوی سیف الرحمن قاسمی بھی تھے، ابھی یہ چار پانچ برس پہلے ہی کی بات ہے، اتفاقاً ایک روز فجر کے بعد دیر تک سویا رہ گیا، پھر نوافل وتلاوت وغیرہ میں مزید دیر ہوگئی، ساڑھے نو بجے حاضر خدمت ہوا، والد صاحب نے کہا وقت ختم ہوگیا، میں نے اصرار کیا کہ پڑھا دیجئے! لیکن وہ تیار نہ ہوئے، فرمایا کہ جو وقت طے ہوگیا اس کی پابندی کرو، میں نے وہ وقت تمہارے لیے فارغ کر رکھا تھا، تم نہیں آئے اب مجھے دوسرا کام ہے۔

کثرت اسفار سے احتراز: دوران تعلیم اسفار کم کیا کرتے تھے، عموماً پڑھانے کا ناغہ نہ

کرتے، فرماتے تھے کہ ایک دن سبق کا ناغہ کرنے سے چالیس روز کی برکت ختم ہوجاتی ہے، ہم لوگ جب ناغہ کرتے تو وہ ناراض ہوتے تھے، ایک بار میں اپنے بڑے بھائی (مولانا ابوعبیدہ صاحب) کے پاس پونے چلا گیا، یہ ۱۹۹۳ء کی بات ہے، ششماہی امتحان کی چھٹیاں تھیں، والد صاحب سے اجازت چاہی پہلے تو انہوں نے انکار کیا، پھر اجازت دیدی اور کہا کہ ٹھیک وقت پر مدرسہ میں حاضر ہوجانا، اب جو میں حیدرآباد واپس آیا تو تین چار دن کی تاخیر کردی، بہت زیادہ ناراض ہوئے اور ہفتہ عشرہ تک میری طرف نظر التفات بھی نہ کی، فرماتے تھے کہ میرے استاذ نے مجھے نصیحت کی تھی کہ بابو! ایک دن پہلے مدرسہ چلے جانا لیکن ایک گھنٹہ کی تاخیر نہ کرنا میں نے پوری زندگی اس پر عمل کیا ہے۔

ایک بار والد صاحب کو میں نے بنارس سے ٹرین پر بیٹھا کر روانہ کیا، اتفاقاً صبح ۸ ربجے کے قریب میں نے مظاہر علوم فون کیا معلوم ہوا کہ ابھی مولانا نہیں پہنچے، مجھے سخت تشویش لاحق ہوئی، ادھر مدرسہ والے بھی پریشان، اسی پریشانی کے عالم میں ہم نے دسیوں جگہ فون کرڈالے، سبھی لوگ پریشان، دل میں طرح طرح کے وسوسے آنے لگے، کہ شاید راستے میں کوئی حادثہ پیش آگیا، ٹرین تو وقت پر سہارنپور اسٹیشن پر پہنچ کر آگے بڑھ گئی تھی، ساڑھے دس گیارہ بجے مدرسہ مظاہر علوم سے اطلاع آئی کہ مولانا مدرسہ پہنچ گئے، معلوم ہوا کہ نیند ایسی غفلت کی آئی کہ جمنانگر پہنچ گئے، پھر اگلی ٹرین سے سہارنپور کے لیے روانہ ہوئے تو پھر سو گئے اور لکسر پہنچ گئے، پھر وہاں سے لوٹے تو کسی ٹرین سے سہارنپور آئے، صرف چار پانچ گھنٹہ کی تاخیر ہوئی تھی لیکن اعظم گڈھ سے سہارنپور تک لوگوں کی زبان پر صرف ایک ہی بات تھی کہ ایسا تو کبھی نہیں ہوا، ضرور مولانا کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آگیا ہے، جب ہمیں بذریعہ ٹیلی فون اطلاع ملی کہ مولانا مدرسہ بعافیت پہنچ گئے ہیں تب ہماری جان میں جان آئی۔

مروت کی ادا اور دلداری کے ڈھنگ: شدید بیماری کے باوجود صرف اہل تعلق کی دلداری اور دل جوئی کے لئے کئی اسفار کئے جناب عمران احمد ممبر صاحب کوپا گنجی کی بیٹی کی شادی ۱۳ر مارچ ۲۰۱۳ء بروز بدھ تھی جب کہ وہ بہت بیمار تھے، اور جانے کے قابل بھی نہ تھے، لیکن دعوت قبول کرلی اور تشریف لے گئے، عمران بھائی سے کہا کہ میں کھانے پینے سے بالکل معذور ہوں لیکن تم سے محبت کی وجہ سے چلوں گا۔

اسی طرح بتاریخ ۵ر اپریل ۲۰۱۳ء بروز سنیچر مولوی محمد حارث بھیروی متعلم تخصص فی الحدیث کی

بہن کی شادی میں بھی شریک ہوئے، فرمایا کہ تمہارے دادا بھی مرے شاگرد ہیں، اور تم بھی شاگرد ہو، اس تعلق کی وجہ سے ضرور چلوں گا اور تشریف لے گئے، جو کچھ بھی کھاتے تھے قے ہو جاتی تھی اس کے باوجود وہاں آدھے دن کا وقت گزار کر آئے۔

انھیں ایام میں مفتی محمد اسعد کو پا گنجی کے مدرسہ میں بغرض تبدیلی آب وہوا تشریف لے گئے اور پورے قصبہ میں اہل تعلق کو اطلاع کرادی کہ یہیں پر آکر ملاقات کرلیں۔

مولانا انصار الحق صاحب کے مدرسہ مرکز المعہد الاسلامی میں بھی ایک روز قیام کیا، مئو کے علماء و صلحا نے یہیں پر آکر آپ سے ملاقات کی، سخت بیماری کے دنوں میں گورکھپور کا سفر بھی محض ایک عزیز کی دلداری میں ہی ہوا ہے۔

اسی سفر میں مولانا معاویہ سعدی استاذ تخصص فی الحدیث کے گھر پر شدید ضعف واضمحلال کے باوجود کھپے گنج تشریف لے گئے، جب کہ کھانا پینا بالکل بند تھا، چلنے پھرنے کی بھی ہمت نہ تھی، گھر سے تقریباً ایک سو پچاس کلومیٹر جانا اور اتنا ہی واپسی کا راستہ تھا۔

شیخو پور کا سفر مولانا اعجاز احمد اعظمی کی عیادت کے لئے صرف اس وجہ سے کیا کہ وہ چہیتے شاگرد تھے اور شدید بیماری کے باوجود وہ عیادت کے لئے تشریف لائے تھے، حاجی محمد نعمان جو مولانا اعجاز احمد صاحب کے ارادتمندوں میں تھے، وہ والد صاحب کے یہاں مولانا ہی کے حکم سے رات دن حاضر باش تھے، مولانا سے ملنے جانا چاہتے تھے، مگر والد صاحب کی بیماری کی وجہ سے نہیں جارہے تھے، والد صاحب نے پوچھا کہ نعمان بابو! مولانا کے یہاں گئے یا نہیں؟ فرمایا کہ نہیں جاسکا، والد صاحب نے فوراً حکم دیا کہ گاڑی منگاؤ میں بھی نعمان کے ساتھ چلوں گا، ادھر جیسے ہی مولانا کو معلوم ہوا انہوں نے بہت منع کیا کہ حضرت! آپ تکلیف نہ کریں، کل میں خود ہی آجاؤں گا، لیکن والد صاحب نہ مانے، ضعف انتہائی درجہ کا تھا، پھر بھی گاڑی میں سوار کرادیے گئے، جب میں نے ان کی نقاہت دیکھی تو عرض کیا کہ پچھلی سیٹ پر بیٹھ جائیے، انہوں نے کہا کہ اب میں اتر نہیں پاؤں گا، اگلی سیٹ پر ہی لے چلو، چار و ناچار ہم شیخو پور کے لئے روانہ ہو گئے، مقصود تو حاجی محمد نعمان کی دلداری تھی کہ کسی طرح اُن کی مولانا سے ملاقات ہو جائے، دوسری بات والد صاحب نے یہ فرمائی کہ! مولانا تو میری عیادت کو آچکے ہیں، اب مجھے جانا چاہیے، مغرب کی نماز ہم نے راستے میں ادا کی۔

مدرسہ میں پہنچنے کے بعد ہر طرف پروانوں کا ہجوم تھا، خود مولانا اعجاز احمد صاحب سراپا اشتیاق تھے، ملاقات پر خوب روئے، والد صاحب کی حالت بھی قابل دید تھی، باواز بلند عیادت کی دعا پڑھی، آواز تھی کہ کمزوری کی وجہ سے حلق میں گھٹی جاتی تھی، پھر مولانا سے فرمایا کہ آپ بھی دعا پڑھ دیجئے، مزید فرمایا کہ میں تو دنیا سے جارہا ہوں، لیکن آپ پر افسوس ہورہا ہے ابھی آپ کو بہت کام کرنا ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو شفا نصیب فرمائے، والد صاحب کا یہ آخری سفر تھا، تقریباً دس روز کے بعد وہ اس دار فانی سے رحلت فرماگئے، لیکن استاذ وشاگرد کی یہ آخری ملاقات قابل دید تھی۔

کچھ مرض الوفات کے بارے میں: انہیں اپنی بیماری اور اس کی سنگینی کا اچھی طرح علم تھا، لیکن ذرا بھی خوف وگھبراہٹ نہ تھی، بلکہ ہم لوگوں کو تسلی دیا کرتے تھے، ۲۷ر اپریل ۲۰۱۳ء کو طبیعت زیادہ خراب ہوئی، اضطراب اور بے چینی کا عالم تھا، بار بار کراہ رہے تھے، مرغ بسمل کی طرح تڑپ رہے تھے اور مجھ سے فرمایا کہ بیٹا! بہت زیادہ تکلیف ہے، اور ہونٹ پر "اللھم اعنی علی سکرات الموت" اور "اللھم اعنی علی غمرات الموت" کا ورد جاری تھا، میں نے حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر یاد دلایا، کہنے لگے کہ بیٹا! رب انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین برابر پڑھ رہا ہوں، تکلیف میں قدرے افاقہ ہوا تو فرمایا کہ بابو! تیمم کرادو، میں نے جلدی سے تیمم کرادیا، پھر فرمایا کہ مسواک کرادو، مسواک کرادی گئی، پھر طشتری (تسلہ) میں پانی منگایا اور اس میں ہاتھ بھگوکر اپنے چہرہ کو تر کیا، پھر مولوی خالد سعید مبارکپوری، اور مولوی معاویہ سعدی گورکھپوری اور حاضرین سے پوچھا کہ یہ تو بتائیے کہ مرتے وقت کی تمام سنتیں ادا ہوگئیں یا نہیں؟ کہا گیا کہ ادا ہوگئیں، پھر زور زور سے تسبیح وتہلیل میں مشغول ہوگئے، بدقت تمام ظہر اور عصر کی نماز ادا کی، تکلیف کی وجہ سے ذہن حاضر نہ ہو پاتا تھا اور بار بار نیت ٹوٹ جاتی تھی، باوجود بہت کوشش کے مغرب کی نماز ادا نہ کرسکے، مجھ سے روکر کہنے لگے کہ بیٹا! ایک وقت کی نماز رہ جائے گی، اپنے حال پر رونا آتا ہے کہ تمام عمر نمازی رہے اور اخیر وقت میں بے نمازی ہوگئے، میں نے جواب دیا اباجان فکر نہ کیجئے ہم فدیہ ادا کردیں گے۔ جب دو وقت کی نمازیں اُن کے ذمہ ہوگئیں، تو دو انگلیوں کا اشارہ کیا، اسی طرح جب تین نمازیں قضا ہوگئیں تو تین انگلیوں سے اشارہ کیا۔

۲۸ر اپریل ۲۰۱۳ء بروز اتوار جو انتقال کا دن ہے ہمیں اشتباہ ہوگیا کہ وتر کی نماز لے کر تین

نمازوں کا فدیہ دینا ہے، یا چار نمازوں کا، دریافت کرنے پر چار انگلیوں سے اشارہ کیا اور مدھم آواز میں فرمایا کہ چار۔

صبح ساڑھے نو بجے کے قریب ہم تمام بھائی بہنوں، پوتوں، پوتیوں اور نواسے نواسیوں، اپنے بھائیوں اور بھتیجوں سے مصافحہ فرمایا، میں چارپائی پر بیٹھ کر ہاتھ پاؤں سہلا رہا تھا، فرمایا کہ خدمت کا وقت ختم ہوگیا، چارپائی سے اتر جاؤ، بار بار دروازے کی طرف نظر اٹھاتے تھے اور کہتے تھے کہ فرشتوں کے آنے کے لئے راستہ دیدو، اگر کوئی ڈاڑھی منڈا ہوا آدمی دروازے پر کھڑا ہوجاتا تو ہاتھ کے اشارے سے ہٹادیتے اور کہتے کہ رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوں گے، آخری ایام میں داڑھی منڈا ہوئے آدمی کو اور غیر محارم عورتوں کو اپنے پاس نہ آنے دیتے تھے، فرماتے تھے کہ پوری زندگی تو اس پر عمل نہ ہوسکا، کم از کم مرتے وقت ہی اس پر عمل ہوجائے۔

میں نے جنازے کی نماز اور کفن میں احرام کی چادر کے سلسلہ میں پوچھا کہ اگر کوئی وصیت کرنی ہو تو کردیجئے، فرمانے لگے کہ شریعت میں اس کی کوئی حقیقت نہیں، نیا کفن مستحب ہے، اور شامی میں دیکھ لو کہ نماز جنازہ کی امامت کا حق دار کون ہے؟ میں شامی میں تلاش کرنے لگا تو فرمایا کہ کتاب میرے پاس رکھو، پھر انگلی رکھ کر بتایا کہ یہاں سے یہاں تک خوب اچھی طرح مطالعہ کرلو، مرنے کے بعد لوگ طرح طرح کی رائے دیں گے کہ ان سے پڑھوالو، ان سے پڑھوالو، تو ڈٹ کر بات کرنا اور شریعت کے مطابق عمل کرنا، امام جمعہ کے ضمن میں امام عیدین آجائے گا، والد صاحب نے اپنی زندگی ہی میں مولانا رضوان الرحمٰن صاحب کو نائب امام عیدین بنادیا تھا، اور مرض الوفات میں مشورہ کرکے اور تمام ممبران سے دستخط لے کر انہیں امام مقرر کردیا تھا، مزید یہ بھی فرمایا کہ اگر کوئی آدمی کفن میں تعاون کرنا چاہے تو کہہ دینا کہ وہ ربانی خانقاہ میں تعاون کردے، کفن میں تعاون مت لینا۔

قارئین کرام کو معلوم ہونا چاہئے کہ والد صاحب نے زندگی کے بالکل آخری ایام میں ربانی خانقاہ کی بنیاد رکھ دی تھی اور اپنی تمام کتابیں اس پر وقف کردی تھیں اور نقد مال سے ایک تہائی میں اس کی تعمیر کے لئے وصیت کردی تھی اور اس کے ساتھ شعبۂ تخصص فی الحدیث، شعبۂ تخصص فی الفقہ، شعبۂ تخصص فی علوم القرآن قائم کرنے کی وصیت بھی فرمادی تھی اور اس کے لئے شوریٰ بنانے کے ساتھ ساتھ بعض انتہائی ذی استعداد اور قابل اساتذہ کی نشاندہی بھی کردی تھی، بلکہ ان لوگوں سے اس

سلسلہ میں بات بھی کرلی تھی کہ ان کے انتقال کے بعد وہ لوگ اس اہم علمی کام اور روحانی مرکز کا بیڑا اٹھالیں۔

الحمد للہ زندگی ہی میں یہ کام شروع بھی ہوگیا تھا، اس کے لئے لب سڑک ایک وسیع وعریض قطعۂ اراضی بھی تجویز کرلیا گیا ہے، قارئین کرام دعافرمائیں کہ اللہ تعالیٰ غیب سے اس علمی وروحانی مرکز کی ضروریات کی تکمیل فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

یہ ایک پیراگراف تو جملہ معترضہ کے طور پر تھا، آگے کا احوال سنئے! تقریباً گیارہ بجے مجھ سے فرمایا کہ استنجا کرادو، میں نے برتن میں استنجا کرادیا، انہیں طہارت میں کچھ شبہ سا ہوگیا، کہا کہ اپنی والدہ کو بلادو، وہ مجھے پاک کرادیں گی، چنانچہ والدہ نے انہیں پاک کرادیا، والد صاحب ہمیشہ پائجامہ پہنا کرتے تھے، لیکن پاکی کے بعد اہتمام سے لنگی پہنی اور گرہ لگوادی کہ بے پردگی نہ ہو، اور فرمایا کہ لنگی پہننا سنت ہے، میں صرف ستر پوشی کی وجہ سے پائجامہ پہنتا رہا، چاہتا ہوں کہ اس سنت کے ساتھ انتقال ہو، میں پیشاب پھینکنے باہر گیا تو دیکھا کہ پیشاب بہت غلیظ تھا، ایسا محسوس ہوا کہ جسم کا پانی بالکل ختم ہوچکا ہے، پاکی کے بعد جب ہم بیٹھک میں داخل ہوئے تو حالت غیر تھی، البتہ پاس انفاس اور ذکر جاری تھا، طبیعت رفتہ رفتہ بگڑ رہی تھی ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ایمان کی شعاعیں چہرے پر بکھر گئی ہیں، مجھ سے فرمادیا تھا کہ جب انتقال ہوجائے تو دونوں انگوٹھے باندھ دینا، جبڑے کو سر سے باندھ دینا، اور چہرہ قبلہ رو کردینا، شدت اضطراب کی وجہ سے چہرہ قبلہ کی طرف نہیں کرپارہے تھے، میں نے پوچھا کہ تکیہ وغیرہ کے سہارے قبلہ رو کردیا جائے تو فرمایا کہ نہیں مرنے کے بعد قبلہ رو کردینا۔

ظہر کی جماعت کا وقت قریب ہوگیا، ہم لوگ کچھ تردد کرنے لگے کہ یہیں جماعت کرلی جائے، والد صاحب نے ہاتھ کے اشارے سے منع کیا اور اشارہ کیا کہ مسجد چلے جاؤ، میں، بڑے بھائی مولانا ابوعبیدہ صاحب اور چچازاد بھائی مفتی عبداللہ معروفی مسجد چلے گئے، کچھ لوگ دوسری مسجد میں نماز پڑھنے کی نیت سے یہیں رک گئے، ہم صرف فرض نماز پڑھ کر آئے تو جان کنی کا عالم شروع ہوچکا تھا، پاس انفاس جاری تھا، ہوش وحواس درست تھے، محسوس ہوتا تھا کہ سب کو پہچان رہے ہوں، تھوڑی دیر بعد روح جسد عنصری سے پرواز کرگئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

۱۶ر جمادی الاخری ۱۴۳۴ھ/ ۲۸ر اپریل ۲۰۱۳ء بروز اتوار یہ عالم ربانی، محدث جلیل اور مرد باصفا اللہ رب العزت کی بارگاہ میں پہنچ گیا، مجھے یقین کامل ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے اصحاب کا قرب انہیں نصیب ہوا ہوگا، شدید اضطراب کے عالم بھی شوق لقاء دیدنی تھا، وارفتگی کے عالم میں کبھی کبھی پورے جوش کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ اللہ سے ملاقات کے لئے جارہا ہوں اور یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

غداً نلقى الأحبة ☆ محمدًا و حزبة

مرض الوفات میں ابونواس کے یہ اشعار بھی پڑھتے تھے اور محو مناجات رہتے تھے۔

يا ربِّ ان عَظُمَتْ ذنوبي كثرةً ☆ فلقد علمتُ بأن عفوَك أعظمُ

أدعوك رب كما أمَرتَ تضرعاً ☆ فاذا رددتَ يدى فمن ذا يَرحَمُ

ان كان لا يرجوك الا محسنٌ ☆ فمن الذى يرجو و يدعو المجرمُ

ما لى اليك وسيلةٌ الا الرجا ☆ وجميلُ عفوِك ثم أنِّى مسلمُ

کبھی کبھی ہم لوگوں کو شفقت اور حسرت بھرے لہجے میں شاد عظیم آبادی کا یہ شعر سنایا کرتے تھے۔

ڈھونڈو گے ہمیں ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
تعبیر ہے جس کی حسرت وغم، اے ہم نفسو! وہ خواب ہیں ہم

اور ہماری آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی تھی، شعری ذوق اعلیٰ درجے کا تھا، یہ ذوق بھی عجیب چیز ہے، اگر کوئی شعر حافظہ سے نکل جائے تو آدمی بے کل اور پریشان رہتا ہے اور ہر وقت اسی کو سوچتا رہتا ہے، فرمایا کہ ایک مرتبہ مجھے ایک شعر یاد نہیں آرہا تھا اسے تلاش کرنے کے لئے میں نے کتاب الاغانی لابی الفرج الاصفہانی المتوفی ۳۵۶ھ اٹھائی، تلاش کرتے کرتے بارہویں جلد میں جاکر وہ شعر ملا، میں نے سوچا کہ آدھی کتاب تو پڑھ ہی ڈالی ہے، کیوں نہ پوری کتاب ہی پڑھ ڈالوں، چنانچہ بالاستیعاب ستائیس جلدوں کا مطالعہ کرڈالا۔

بیماری کے زمانہ میں تو عشق حقیقی، محبت الٰہی، دنیا کی ناپائیداری اور سلوک ومعرفت کے اشعار بکثرت سنایا کرتے تھے، عیادت کے لئے ڈاکٹر عبدالمعید صاحب آئے تو والد صاحب نے فرمائش کرکے اُن سے یہ غزل سنی۔

تبھی جا کے مکتب عشق میں درس بقاو فنا ملا ☆ جو لکھا پڑھا تھا نیاز نے اسے صاف دل سے بھلا دیا
نہ تو تاب ہے تن زار میں نہ قرار ہے غم یار میں ☆ مجھے سوز عشق نے آخرش یونہی مثل شمع گھلا دیا

ڈاکٹر صاحب نے سوز و گداز میں ڈوب کر یہ دونوں اشعار خوش الحانی کے ساتھ سنائے اور تکرار کرتے رہے، اشعار والد صاحب کے حسب حال تھے، سماں بندھ گیا، حال کی کیفیت طاری ہوگئی، آنسوؤں کا سیلاب تھا کہ تھمنے کا نام نہ لیتا تھا، پھر والد صاحب نے سنایا کہ ؎

چلی سمت غیب سے اک ہوا، کہ چمن سرور کا جل گیا
مگر ایک شاخ نہال غم، جسے دل کہیں سو ہری رہی

ابا جان مثنوی مولانا روم کے شیدائی تھے، شاہنامہ اسلام خود بھی ترنم سے پڑھا کرتے تھے اور ہم بچوں سے بھی (ہمارے بچپن میں) قطار در قطار کھڑا کر کے سنا کرتے تھے، اُن کے جانے سے نہ صرف یہ کہ ایک بالغ نظر عالم دین، ایک محدث جلیل اور ایک نکتہ رس فقیہ سے دنیا محروم ہوگئی بلکہ اردو زبان و ادب کا قدر داں اور قدر شناس بھی سرزمین علم و فن سے رخصت ہوگیا، اردو فارسی اور عربی کے اشعار سمجھنے اور سمجھانے والے لوگ بھی اب خال خال ہی رہ گئے، اشعار کے عنوان سے سخن فہم حضرات کی تعداد دن بدن گھٹتی جا رہی ہے۔

حضرت والد صاحب بحیثیت ادیب اور شاعر: والد صاحب ایک اچھے شاعر بھی تھے، ان کے فارسی کے استاذ مولانا حکیم شبلی شیدا خیرآبادی نے ان کا تخلص رہبر تجویز فرمایا تھا، شاعری کو انہوں نے اپنا مشغلہ نہیں بنایا، اسی طرح انشاء پردازی کو وہ تصنع اور خود نمائی سمجھتے تھے، اسی لئے سادہ اسلوب میں لکھا کرتے تھے، یہ غزل ۱۹۹۰ء کے آس پاس کی ہے۔

اپنوں کی نگہ مجھ پہ ہے یا بد نظری ہے ☆ شیشے میں کوئی دیو ہے اترا کہ پری ہے
پہلے بھی چمن لوٹا تھا گل چین نے ہمارا ☆ اب خضر کی منزل کی طرف راہبری ہے
کھانے کے لئے دوست بنے رہتے ہیں ہردم ☆ محفل ہو کھلانے کی تو آشفتہ سری ہے
ہو آنکھ سے معذور شفا خانے میں پہنچو ☆ ہاں چشم کی جراحی تو اس وقت فری ہے
ہر زخم ترا بھر گیا اے رہبر ناداں ☆ اک شاخ تمنا ہے ابھی تک جو ہری ہے

اچھے شعرا کا کلام توجہ سے سنتے تھے، مظہر العلوم بنارس کے زمانہ میں کبھی کبھی محفل شعر و سخن بھی

منعقد ہوا کرتی تھی، تابش مہدی صاحب، ڈاکٹر عبدالمعید صاحب، ڈاکٹر محمد توحید صاحب، ممتاز احمد سوکھا صاحب اور خود والد صاحب پوری خوش الحانی اور ترنم کے ساتھ ایک غزل گنگنایا کرتے تھے، اتفاق سے میرے حافظے میں اس کا ایک شعر محفوظ رہ گیا ہے۔

غزل کی قدر نہیں، قدر ہے ترنم کی — یہی وجہ ہے کہ ہم آج کل نہیں کہتے

۱۹۹۲ء کی بات ہے مولانا محمد رضوان القاسمی جو خود اعلیٰ درجہ کے انشاء پرداز، سخن فہم اور سخن شناس تھے، انہوں نے دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد میں کلیم احمد عاجز کو دعوت سخن دی تھی، کلیم صاحب ساٹھ سال کی عمر میں ترنم سے سنا رہے تھے، سامعین ہمہ تن گوش تھے، والد صاحب اسٹیج پر تھے، میں بھی سامعین میں تھا، پروگرام ختم ہونے کے بعد مجھ سے پوچھا کہ تم نے کلیم صاحب کی غزلوں کو نوٹ کیا یا نہیں؟ ڈائری وغیرہ لے کر گئے تھے یا نہیں؟ میں نے نفی میں جواب دیا تو بہت ناراض ہوئے، فرمایا کہ اس طرح کے شعراء کا کلام محفوظ کرنے اور انہیں یاد رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں، میں نے حافظے کی مدد سے اُن کی کئی غزلیں اور اشعار سنائے، بہت خوش ہوئے اور حوصلہ افزائی کے کلمات کہے، وہ شاعری کو شجر ممنوعہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ مجھے سبع معلقات، دیوان حماسہ، اور متنبی وغیرہ خود پڑھانا چاہتے تھے، اور مشکل سے مشکل شعر کو بھی چٹکیوں میں حل کر دیا کرتے تھے۔

والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قابل تقلید زندگی کے یہ چند ہی نمونے صفحہ قرطاس پر لائے جا سکے ہیں، جبکہ والد صاحب کی شفقتوں اور بے پناہ محبتوں کی گھنی چھاؤں میں گذرے ہوئے لمحات اور ان کی زندگی سے وابستہ واقعات کا ایک طویل سلسلہ ہے جو روکے نہیں رک رہا ہے لیکن اب قارئین کرام سے یہ شعر کہتے ہوئے رخصت کی اجازت چاہتا ہوں۔

ادا کیوں کر کریں گے چند آنسو، دل کا افسانہ — بہت دشوار ہے جتنا سمجھنا اتنا سمجھانا

☆☆☆

مولانا زین العابدین صاحب علم وعمل کے جامع

مولانا محمد احمد بن نورالحق بنارسی، استاذ جامعہ مظہر العلوم، بنارس

۲۸/اپریل ۲۰۱۳ء بروزِ اتوار، سوا دو بجے دن یہ اندوہناک خبر ملی کہ خطۂ پورہ معروف، ضلع مئو کی عظیم المرتبت شخصیت، عالم باعمل، شیخ طریقت، استاذ العلماء حضرت مولانا زین العابدین صاحب، اس دارِفانی سے دارِ جاودانی کی طرف انتقال فرما گئے، جیسے ہی یہ خبر بنارس پہنچی، لوگوں کے اندر بالخصوص جامعہ مظہر العلوم کے ارکان واساتذۂ کرام اوران کے تلامذہ میں غم واندوہ پیدا ہو گیا، اس چلچلاتی دھوپ کے باوجود ارکانِ جامعہ، اساتذہ، تلامذہ، اور حضرت کے وابستگان کا ایک بڑا قافلہ شیخ کے جنازہ میں شرکت کے لیے روانہ ہو گیا۔

حضرت شیخ علیہ الرحمۃ ۱۹۸۴ء سے ۱۹۹۳ء تک تقریباً دس سال جامعہ مظہر العلوم بنارس میں شیخ الحدیث کے عہدۂ جلیلہ پر فائز تھے، بندۂ ناچیز نے حضرتؒ سے قدوری، ہدایہ سے لے کر بخاری شریف تک مختلف کتابیں پڑھیں، اور حضرت کی نگاہِ شفقت وکرم سے بطورِ خاص تربیت حاصل ہوئی، اگر سفر میں بنارس سے گزرنا ہوتا، تو مجھ کو اکثر مطلع فرماتے، دس سال کے اس طویل عرصے میں تشنگانِ علمِ نبوت کو سیراب کرتے رہے، اور عوام کو بھی اپنے ناصحانہ ومصلحانہ خطاب سے مستفیض فرماتے رہے۔

آپ دارالعلوم دیوبند سے اعلیٰ نمبرات سے کامیاب ہوئے، دارالعلوم سے فراغت کے بعد شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علیؒ نے اکلا خان پور، ضلع میرٹھ میں آپ کو مدرس بنا کر بھیجا، کچھ دنوں بعد آپ نے آسام میں تدریسی سلسلہ شروع فرمایا، وہاں سے آپ مادرِ علمی جامعہ احیاء العلوم میں مدرس ہوئے، اور بارہ سال تک تدریسی خدمات انجام دیں، پھر آپ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر، ضلع اعظم گڈھ، حیثیت شیخ الحدیث آٹھ سال رہے، اس کے بعد تقریباً نصف سال کا عرصہ آپ نے گھر پر گزارا، پھر گجرات کے دارالعلوم چھاپی میں پانچ سال تک رہے۔

اس کے بعد جامعہ مظہر العلوم بنارس، نے حضرت کو بڑے اعزاز کے ساتھ بلایا، حضرت شیخ نے اپنی آمد سے نہ صرف یہ کہ ادارہ کے خلا کو پُر فرمایا، بلکہ اس کو ترقی کی راہ پر مزید گام زن کیا، حضرتؒ نے جامعہ کے ذمہ داروں کو ترغیب دے کر شعبۂ تجوید قائم کرایا، فجزاھم اللہ خیر الجزاء۔

تقریباً دس سال کے اس عرصے میں آپ نے فضلا کی بہت بڑی تعداد چھوڑی، جو مختلف طریقے سے دینی خدمات انجام دے رہے ہیں، حضرت یہاں بھی شیخ الحدیث کے عہدے پر فائز تھے، اور طلبہ کا خوب رجوع ہوتا تھا، یہاں کے بعد حضرت دو سال سبیل السلام حیدرآباد، میں رہے، لیکن آب و ہوا کی ناموافقت کی وجہ سے آپ کو مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، کے لوگوں نے بہ اصرار اپنے یہاں بلالیا، اور ایک نیا شعبہ ''شعبۂ تخصص فی الحدیث'' قائم کر کے آپ کو اس کا صدر بنایا، چنانچہ آپ سے کسب علم کے بعد آپ کے وہی تلامذہ اس شعبہ کو چلا رہے ہیں۔

امانتِ علمی کا یہ حال تھا کہ غلط بات آپ کو ہرگز گوارا نہ تھی، چنانچہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی تصنیف ''المرتضیٰ'' جب منصہ شہود پر آئی، تو اس میں کچھ علمی خامیاں تھیں، حضرت نے اس کی نشان دہی فرما کر مصنف مرحوم کے پاس بھیجیں، اس کے باوجود جب اس میں اصلاح نہیں کی گئی تو آپ نے ایک کتابچہ بنام ''المرتضیٰ کا علمی احتساب'' تحریر فرمایا، جس کا جی چاہے دیکھ لے کہ حضرت نے اس میں کیسی تحقیقی باتیں لکھی ہیں۔

اوصاف وکمالات: حضرت نے اپنی پوی زندگی درس وتدریس میں گزار دی، آنحضرت ﷺ کے ارشادِ گرامی: "لن يشبع المومن من خير يسمعه حتى يكون منتهاه الجنة" کے مصداق تھے، کہ زندگی کے آخری ایام تک شدتِ مرض کے باوجود گھر کے اندر بھی علمی ہی مشغلے رکھتے تھے۔ جلالتِ علمی کے ساتھ ساتھ حضرت نہایت سادہ لوح، منکسر المزاج، متواضع اور رقیق القلب تھے، دورانِ درس احادیث مبارکہ کے مضامین کے اعتبار سے بسا اوقات رقت طاری ہو جاتی، جس کا اثر تلامذہ پر بھی پڑتا تھا، دوستوں میں مزاح بھی فرماتے تھے، خوفِ خدا کا یہ حال تھا کہ ہم لوگ دورہ کے سال میں تھے، اور بخاری شریف ختم ہونے میں کئی پارے باقی تھے، کہ اچانک صدر مدرس صاحب مدظلہ کا حکم ہوا کہ جلد از جلد بخاری کے اسباق ختم کرا دیں، کیوں کہ بڑے مولانا (حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمیؒ) کو بیرون کا سفر درپیش ہے اور بخاری انہی کو ختم کرانا ہے، چنانچہ حضرت نے باوجود گرمی کے شبانہ روز ایک کر کے وقتِ معینہ میں بخاری اختتام تک پہنچا دیا، بخاری کے اسباق بند ہونے کے بعد ہم چند ساتھیوں نے حضرت سے درخواست کی کہ ترمذی کی دونوں جلدیں بھی بحمد اللہ کافی مقدار میں ہوگئی ہیں، اس لیے ہم لوگوں کی خواہش یہ ہے کہ ترمذی شریف بھی ختم کرا دیں، تو حضرت

نے کہا کہ ابھی تو بخاری اتنی محنت سے تم لوگوں نے ختم کی ہے، اب ترمذی پڑھو گے، جاؤ امتحان کی تیاری کرو، لیکن بعد میں حضرت نے مجھے اور میرے ہم سبق چند دوسرے ساتھیوں کو بلایا، اور فرمایا کہ تم لوگ ترمذی ختم کرو گے؟ ہم لوگوں نے کہا جی حضرت، فرمایا دیکھو! میں نے اولاً انکار کر دیا تھا، لیکن بعد میں مجھے احساس ہوا کہ کل قیامت کے دن اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ سے سوال کر لیا کہ طلبہ پڑھنا چاہتے تھے تو تم نے پڑھانے سے انکار کیوں کر دیا؟ تو اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دوں گا؟ اس لیے تم لوگ ترمذی بھی پڑھ کر ختم کر لو، چنانچہ ترمذی بھی حضرت نے ختم کرائی، میری زندگی میں بھی ایک مرحلہ ایسا آیا کہ حضرت کا یہ عمل ہمارے لیے مشعلِ راہ بن گیا۔

بہت ساری ایسی خوبیاں آپ کے اندر پنہاں تھیں جو لوگوں کو اعمال خیر کی طرف دعوت دیتی تھی، علم شریعت کے ساتھ حضرت علم طریقت سے بھی معمور تھے، چنانچہ آپ اپنے شیخ حضرت مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمۃ سے بیعت ہوئے، حضرت مدنیؒ کے انتقال کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی خدمت میں پہنچے، حضرت شیخ الحدیثؒ نے فرمایا کہ تم کو بیعت ہونے کی ضرورت نہیں ہے، جو معمولات حضرت مدنیؒ نے بتلایا ہے اس پر عمل کرو، تاہم آپ حضرتؒ کے یہاں متواتر ہر سال رمضان المبارک میں تشریف لے جاتے، جس سال حضرت شیخ الحدیثؒ کا انتقال ہوا اس سال حاضر نہیں ہو سکے، بعدہ آپ نے اپنے استاذ گرامی حضرت مولانا عبد الجبار صاحبؒ شیخ الحدیث مدرسہ شاہی مرادآباد، سے رشتۂ سلوک جوڑا، شیخ نے آپ کو خلافت عطا فرمائی، اس کے بعد حضرت نے اس روحانی سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے اپنے گاؤں میں خانقاہی نظام قائم فرمایا، لوگوں کا رجحان آپ کی طرف بڑھا، بالخصوص علما کا رجوع آپ کی طرف کثرت سے ہونے لگا، مسجد ربانی کے نام سے ایک مسجد بھی حضرت نے تعمیر کرائی، اسی مسجد سے آپ نے تربیت کا سلسلہ شروع فرمایا، جو تاہنوز جاری ہے، اپنی حیات ہی میں حضرت نے خانقاہ کے لیے الگ ایک زمین خرید کر اس میں سنگِ بنیاد بھی رکھوا دی، دعا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس خانقاہ ربانی کو پایۂ تکمیل تک پہنچنے کا غیب سے انتظام فرما دے، آمین۔

حضرت والا برد اللہ مضجعہ اپنی ذات میں گویا ایک انجمن تھے، جس کی ضیاپاشی سے امت کا ہر طبقہ مستفیض ہو رہا تھا، دعا گو ہوں کہ اللہ رب العزت حضرت والا کی بال بال مغفرت فرمائے، قبر ان کے لیے جنت کا باغ بنائے، درجاتِ عالیہ نصیب فرمائے، جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔

مجموعۂ کمالات حضرت مولانا زین العابدین الاعظمیؒ

مولانا محمد عمر اسلم اصلاحی، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڈھ

مولانا مرحوم کا مدرسۃ الاصلاح سے بڑا قریبی اور گہرا تعلق تھا، مدرسہ کا کوئی استاذ یا طالب علم ان سے ملنے جاتا تو خصوصی التفات فرماتے، مدرسہ کے احوال دریافت فرماتے، اور مجلس میں موجود غیر اصلاحی احباب اور بزرگوں سے مدرسہ کا ایسا تعارف کراتے کہ شرکا کی گردنیں جھک جاتیں، مجھے ذاتی طور پر بھی اس طرح کی بعض مجلسوں میں شرکت کا موقعہ ملا ہے، میں نے ان تمام مجلسوں میں انہیں مدرسۃ الاصلاح کا بہترین ترجمان پایا۔

میں نے اصول حدیث پر ایک کتابچہ ترتیب دیا، تو مولانا سے گذارش کی کہ اسے ملاحظہ فرمالیں، خامیوں کی نشان دہی فرمادیں، اور اگر مناسب سمجھیں تو اس پر مقدمہ بھی تحریر فرمادیں، مولانا نے اسے بہت توجہ سے دیکھا اور اس پر اپنا یہ نوٹ رقم فرمایا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

هذه الرسالة في مصطلح الحديث نافعة جدا، لطالبي الحديث، ولنا فيه ملاحظات كتبناها بالقلم الرصاصي، ليلاحظه المؤلف حفظه الله، ثم يصلح كتابه على ما وافقه.

زين العابدين الأعظمي

الأستاذ المساعد لقسم التخصص في الحديث

بالمدرسة العالية مظاهر علوم بسهارن فور

١٤/ من رجب ١٤١٨ھ

پھر مولانا نے میرے پاس یہ پیغام بھجوایا کہ میں جامعہ احیاء العلوم مبارک پور کے اجلاس صد سالہ میں آرہا ہوں اگر تم بھی آسکو تو وہاں تمہارے کتابچہ پر تبادلۂ خیال ہوجائے، میں مولانا ابو الفیض اصلاحی اور مولانا ابو سعد اصلاحی کے ہم راہ اجلاس میں شریک ہوا، مولانا سے ملاقات کی، اس

وقت ان کے پاس متعدد اہل علم موجود تھے، مولانا نے بہت لپک کر میرا تعارف کرایا، اور فرمایا کہ حدیث کے باب میں آپ لوگ مدرسۃ الاصلاح کے سلسلے میں جو خیال رکھتے ہیں وہ درست نہیں ہے، میں خود وہاں عرصے تک حدیث پڑھاتا رہا ہوں، اور یہ دیکھیے، مدرسۃ الاصلاح کے ایک استاذ ہیں، جنھوں نے اصول حدیث پر باقاعدہ ایک مفید کتاب تالیف کی ہے، جس کا میں آپ لوگوں سے ذکر کر چکا ہوں، اور آپ میں سے بعض لوگوں کو اسے دکھا بھی چکا ہوں۔

پھر مولانا نے فرمایا کہ میں نے پنسل سے کچھ نشانات لگا دیے ہیں، پہلے ان کو دیکھ لیجیے، پھر گفتگو ہو، میں نے دیکھا تو دو جگہوں پر پنسل سے نشان لگا ہوا تھا، ایک جگہ تو انہوں نے فرمایا کہ یہ جملہ اگر اس طرح کرلو، تو زیادہ آسانی سے سمجھ میں آجائے گا، میں نے کہا، مولانا! آپ خود کر دیجیے، انھوں نے فرمایا نہیں، تم خود کرو، میں نے جملہ ٹھیک کر کے ان کو دکھایا تو فرمایا کہ یہ زیادہ مناسب ہے، دوسری جگہ کے بارے میں فرمایا کہ تم نے یہاں بطور مثال وہ حدیث کیوں نہیں پیش کی جسے عام طور سے لوگوں نے پیش کیا ہے، میں نے کہا کہ مولانا! میں نہیں چاہتا کہ ایسی حدیث مثال میں لاؤں جسے کچھ لوگ اپنے مسلک کی تائید میں پیش کرتے ہیں، مولانا نے فرمایا بہت خوب، پھر میں نے عرض کیا کہ اب آپ کی اس مختصر تحریر کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہ گئی، اس لیے اس کے بجائے آپ ایک باقاعدہ مقدمہ تحریر فرمادیں، مولانا نے فرمایا کہ بطور مقدمہ مولانا ضیاء الدین اصلاحی صاحب کی تحریر کافی ہے، اب اگر تم چاہو میرے نام سے اتنا ہی شائع کردو:

هذه الرسالة في مصطلح الحديث نافعة جدا لطالبي الحديث.

لیکن میں نے صرف اس لالچ میں اسے اپنے اس کتابچہ کا حصہ نہیں بنایا کہ شاید فرصت پاکر مولانا کچھ اور تحریر فرمادیں، لیکن ان کی خرابی صحت اور مصروفیت نے اس کی اجازت نہیں دی، یہاں تک کہ وہ اس عالم فانی سے عالم جاودانی کو کوچ کر گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اور اب میرے پاس ان کے اس ایک جملہ کے علاوہ کوئی اور سوغات موجود نہیں ہے۔

شیخ الحدیث مولانا زین العابدین رحمۃ اللہ بڑی خوبیوں اور صلاحیتوں کے مالک تھے، خوش وضع، خوش طبع، خوش مزاج، اور خوش ذوق تھے، مجھے ان کے سامنے باقاعدہ زانوئے تلمذ تہہ کرنے

کی سعادت تو نصیب نہیں ہوئی، لیکن ان کے شاگردوں سے سنا کہ مولانا کا طریقہ تدریس بڑا دلچسپ بھی ہوتا تھا، اور عالمانہ بھی، وہ حل عبارت اور ترجمہ میں مدرسۃ الاصلاح کے طریقۂ تدریس کو پوری طرح برتتے تھے، اور احادیث پر ان کی تقریر بڑی فاضلانہ ہوتی تھی، روایت اور درایت دونوں پہلوؤں سے گفتگو کرتے تھے، احادیث کو مطابق حال کرنے کی بھی بھرپور کوشش کرتے تھے، اور رجال پر تو اس قدر تیار تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ سارے رواۃ پر ان کی نظر تحقیقی ہے۔

خط بہت اچھا ہوتا تھا، عام طور سے امتحانات کے سارے پرچے وہ خود خوشخط لکھتے، اور خود اپنے دیسی پریس سے چھاپتے، طلبہ پر شفقت بھی فرماتے، اور ان کی سخت گرفت بھی کرتے، مدرسۃ الاصلاح میں آٹھ سال رہے، یہاں کے شیخ الحدیث تو تھے ہی، نائب صدر مدرس اور قائم صدر مدرس کے فرائض بھی انجام دیتے۔

☆☆☆☆☆
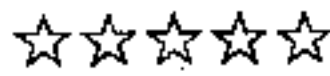
پورۂ معروف کی آبرو

کاوش قلم: انصار احمد معروفی، مدرسہ چشمۂ فیض، اوری (مئو)

آبروئے پورۂ معروف زین العابدیں
علم میں وہ آسماں تھے اور تواضع میں زمیں

ان کے جانے کا بھلایا جا نہیں سکتا ہے غم
تر ہے آنسو سے گریباں اور دونوں آستیں

ان کے حق میں جو ملا پروانۂ محبوبیت
ثبت اس پر مہر تھی من جانب عرش بریں

آنہ پایا ان کے اندر کبر و نخوت اور غرور
ان کی عظمت کے تئیں جھکتی رہی گرچہ جبیں

ضربِ الااللہ کی گونجے صدائے دل نواز
شیخ کامل کے عمل کو آفریں، صدآفریں
تزکیہ، تصنیف ہویافن اسماء الرجال
بے خطر کہتے ہیں ہم ان کا کوئی ثانی نہیں

سونے سونے لگ رہے ہیں ان کے بن دیوارودر
غم زدہ آتے نظر ہیں کیا مکاں اور کیا مکیں
ایسا لگتا تھا کہ ہر گھر میں جنازہ ہے کوئی
بھیگی بھیگی سب کی آنکھیں اورسب کے دل حزیں

ایک چلہ تک رہے وہ کس طرح بے خوردونوش
یہ کرامت ان کی تھی ازفضلِ رب العالمیں
یہ بھی ہے ان کی کرامت ان کے مرض الموت میں
فرض وواجب کیاہے سنت بھی کوئی چھوٹی نہیں

گھرپہ آتے تھے فرشتے بھی عیادت کے لیے
یہ فرشتے ہیں جورب کے حکم کے زیرنگیں
چل دیے لے کرجنازہ ان کا ہم سوئے جناں
ہوگئے ہیں دفن کتنے آسماں زیرِ زمیں

حسنِ اخلاق ان کاایسا جس سے خوش ہوجائے دل
ان کا گویا ہر عمل تھا مظہر دینِ مبیں
گاؤں کو ترجیح دے دی تزکیہ کے واسطے
تاکہ احمد ہوں یہیں کے سب سے زیادہ خوشہ چیں

جامع کمالات شخصیت

مولانا نعیم الدین اصلاحی
استاذ جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڈھ

مولانا مرحوم میرے ان مشفق اساتذہ میں سے ایک تھے جن سے میں نے بھر پور استفادہ کیا ہے اور جن کی توجہ اور عنایتیں آخر دم تک حاصل ہوتی رہیں، مولانا مرحوم علمائے دیوبند میں ان متبحر علما میں سے ایک ہیں جن کو فن تفسیر، فن حدیث، فقہ، منطق، فلسفہ، علم کلام، بلاغت، ادب، فن تجوید وقراءت اور اسماء الرجال میں غیر معمولی مہارت تھی، بالخصوص فن اسماء الرجال میں تو میری نظر میں اس وقت ان کی کوئی نظیر نہیں تھی۔

فن تدریس سے فطری دلچسپی اور لگاؤ تھا؛ اس لئے بڑے اخلاص اور دلسوزی کے ساتھ طلبہ کے اندر اپنی مہارت منتقل کرنے کی کوشش کرتے اور طلبہ کو مستفید کرنے کے لئے مدرسے کے علاوہ خارجی اوقات میں بھی ہر وقت تیار رہتے۔

مولانا کی زندگی صبر وقناعت، توکل، خاکساری، تواضع، حلم وبردباری اور سادگی کا اعلیٰ نمونہ تھی۔

مولانا ان اوصاف حمیدہ کے ساتھ ساتھ وسعت قلب ونظر سے بھی بہرور تھے، ان کے تلامذہ میں مختلف ذوق وجدان، فکر ونظر اور رجحان طبع رکھنے والے طلبہ تھے اور بعض ایسے بھی تھے جو ان کے تبلیغی مشن سے مناسبت نہیں رکھتے تھے؛ مگر مولانا ہر ایک کے ساتھ مشفقانہ اور ہمدردانہ برتاؤ کرتے اور اپنے نیک مشوروں سے برابر نوازتے تھے۔

افسوس ہے کہ ایسی جامع کمالات شخصیت اب ہم میں نہ رہی، اللہ تعالیٰ ان کے حسنات کو قبول فرمائے اور ان کی لغزشوں کو معاف کرے، یہ دنیا فانی ہے، سب کو ایک دن جانا ہے، اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کی تیاری کی توفیق عطا فرمائے۔

ربنا تقبل منا إنك انت السميع العليم.

☆☆☆☆☆

ایک مثالی معلم کی رحلت

مولانا محمد خالد قاسمی، معروفی، استاذ جامعہ اسلامیہ مظفر پورا اعظم گڈھ

۲۸ر اپریل کی تاریخ تھی، قریب ساڑھے تین بج رہے تھے، دوپہر کا وقت تھا، موبائل کی گھنٹی بجی، ادھر سے مولانا عبدالباسط صاحب کی بھرائی ہوئی آواز کانوں سے ٹکرائی، بول رہے تھے کہ والد صاحب کا انتقال ہوگیا ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون، اس حادثہ جانکاہ کی خبر سن کر دل دماغ پر ایسا اثر ہوا کہ اس کیفیت کو الفاظ کے سانچوں میں نہیں ڈھالا جاسکتا، خیر جو ہونا تھا ہوا، اس کے بعد کچھ احباب کو مطلع کر کے آخری دیدار کے لئے ''پورہ معروف'' روانہ ہوا، نماز جنازہ اسی دن ساڑھے نو بجے رکھی گئی، اس تھوڑے سے وقت میں قرب وجوار اور دور دراز کے تقریباً چالیس ہزار لوگ اکٹھا ہو گئے تھے۔

حضرت مولاناؒ کے بارے میں بچپن ہی سے سن رہا تھا اور دیکھ رہا تھا کہ ہمارے خاندان میں ایک بڑے عالم اور شیخ الحدیث ہیں، جامعہ مظہر العلوم بنارس میں وہ شیخ الحدیث تھے اور نو سال تک بخاری شریف اور ترمذی شریف وغیرہ کا درس نہایت محنت اور لگن کے ساتھ دیتے رہے، اس مدت میں جب کبھی بنارس سے گھر تشریف لاتے تو ہمارے گھر پہ دادی مرحومہ سے ملاقات کے لئے وقتاً فوقتاً تشریف لاتے، سلام دعا کے بعد دادی مرحومہ ان سے مسائل پوچھتیں، جوانہوں نے ان کے لیے رکھ چھوڑے تھے کہ مولوی صاحب آئیں گے، تو ان سے پوچھوں گی، دادی مسائل پوچھنے میں لگ جاتیں اور دوسرے چھوٹے بڑے سب لوگ ان کی طرف متوجہ ہو جاتے۔

راقم السطور مدرسہ اشاعت العلوم میں عربی اول، دوم کا طالب علم تھا، مجھ سے صرف ونحو کے متعلق سوالات کرتے، جواب اگر صحیح ہوتا تو بڑی حوصلہ افزائی فرماتے بصورت دیگر اصلاح فرماتے اور آئندہ محنت کرنے کی ترغیب دیتے۔

۱۹۹۱ء کی بات ہے راقم السطور نے جامعہ مظہر العلوم بنارس درجہ موقوف علیہ عربی ششم میں داخلہ لیا، جامعہ مظہر العلوم بنارس میں لائق وفاضل اساتذہ کی ایک ٹیم تھی اور اب بھی ہے، ان حضرات اساتذہ کرام میں حضرت کی شخصیت سب سے زیادہ نمایاں تھی۔

حضرت کے پاس شرح عقائد کی گھنٹی تھی، ہم لوگ شرح عقائد پڑھ رہے تھے، عبارت خوانی بہت زیادہ زور دیتے اور مطلب خیز ترجمہ کراتے، اس کی برکت سے حل کتاب آسان ہوگیا اور اس کتاب سے دوسری کتابوں کو سمجھنے میں مدد ملی۔

دوسرے سال دورۂ حدیث میں بخاری شریف دونوں جلدیں، ترمذی شریف اول آپ کے پاس پڑھنے کا موقع ملا، بلاشبہ فن حدیث میں آپ کو کمال حاصل تھا، اس سال ہم جماعت طلبہ کو حضرت سے اتنی زیادہ مناسبت ہوگئی تھی کہ حضرت جب اشارہ کریں، ہم سب حاضر ہوجاتے۔

آپ بخاری پڑھاتے یا ترمذی، سبق میں بہت لمبی تقریر نہیں؛ بلکہ اختصار کے ساتھ فن سے مناسبت پیدا کرنے کی کوشش کرتے، بخاری کے دوران صحاح ستہ کی ورق گردانی، اسماء رجال لکھوانا روز کا معمول تھا، کتاب المغازی پڑھاتے وقت سیرت ابن ہشام، رحمۃ للعالمین، جزیرۃ العرب اور اصح السیر، یہ سب کتابیں دیکھی جاتی تھیں؛ تاکہ ذوق پیدا ہو، حضرت درس میں اپنے اساتذہ اور اکابر علما کا تذکرہ بڑے والہانہ انداز میں کیا کرتے تھے، بالخصوص حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ کا نام اس محبت وعظمت سے لیتے کہ آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی جاری ہوجاتی، سبق کے دوران ذرا سی بات پر رونا ان کی خاص بات تھی، یہ بات اوروں میں نہیں دیکھی گئی۔

بخاری میں حدیث ام زرع پڑھاتے وقت لوگ ہنستے ہنساتے ہیں؛ لیکن اللہ گواہ ہے، کیا خاص بات تھی کہ اس کے پڑھانے کے دوران آنسوؤں کا سلسلہ رکتا نہیں تھا، کوئی بھی علمی یا دینی مسئلہ درپیش ہوتا تو حضرت کے پاس رجوع کیا جاتا، دارالافتاء میں کوئی ضرورت محسوس ہوتی تو اس کے لئے حضرت سے رجوع کیا جاتا، محکمہ شرعیہ میں بھی کبھی کبھی حضرت بلائے جاتے، الغرض کبھی بھی کوئی علمی اشکال ہوتا تو اس کے حل کے لئے حضرت ہی کی طرف رجوع کیا جاتا۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ہم لوگ مسلم شریف جلد ثانی کتاب التفسیر پڑھ رہے تھے، اس میں یہ حدیث آئی: "أکثر ما کان الوحی یوم توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مسلم شریف، کتاب التفسیر)" "جس دن آپ ﷺ کی وفات ہوئی اس دن کثرت سے وحی نازل ہوئی، اس

سے طالب علمانہ ایک اشکال پیدا ہوا کہ "سب سے آخری آیت، آیتِ دَین ہے جو آپ کی وفات سے نو دن سے پہلے نازل ہوئی، پھر اس حدیث کا کیا مطلب ہوا؟ بظاہر تعارض ہو رہا ہے؟ اس کے حل کی کوشش اس طرح کی گئی کہ وحی کی دو قسمیں ہیں: ایک وحی متلو، دوسری وحی غیر متلو، اس حدیث میں وحی غیر متلو مراد ہے؛ لیکن اس جواب سے اطمینان نہیں ہوسکا، بالآخر حضرت کے پاس یہ سوال پیش ہوا، تو حضرت نے برجستہ فرمایا کہ حدیث میں یوم کا لفظ عام کے معنیٰ میں ہے، بخاری شریف میں اس جگہ "یوم" کا لفظ نہیں ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس سال آپ کی وفات ہوئی اس سال کثرت سے وحی نازل ہوئی یہ اور اس جیسے بے شمار سوالات ہیں جن کے جوابات چٹکیوں میں حل کر دیا کرتے تھے۔

حضرت اتنے بڑے ہونے کے باوجود اپنے چھوٹوں میں ایسا گھلے ملے ہوتے تھے کہ کوئی فصل نہیں ہوتا، سوال و جواب میں کوئی تکلف نہیں تھا، کبھی اردو زبان میں کبھی اپنی مادری زبان میں سمجھا دینا بہت آسان تھا۔

ادھر بیماری کے زمانے میں پڑھنا پڑھانا تو چھوٹ چکا تھا، اس پر بہت افسوس کرتے ان سے کہا جاتا کہ حضرت افسوس کی کیا بات ہے، فیض تو جاری ہے، کل جس کے لئے بساط درس بچھائی گئی اسی کی مرضی سے فیض جاری ہے، اس پر فرمایا الحمد للہ، واقعی بیماری کے زمانے میں بہت سارے لوگوں نے فیض اٹھایا اور سب نے یہ محسوس کر لیا کہ حضرت مولانا بہت بڑے عالم و محدث ہیں۔

آہ وہ ہم میں نہیں رہے، اللہ ان کی قبر کو نور سے بھر دے۔

حضرت مولانا نے اپنے پیچھے دو صاحبزادے اور سات صاحبزادیاں چھوڑی ہیں، اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے اور پس ماندگان کی صحیح تربیت فرمائے اور صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

☆☆☆☆☆

آہ! اے شیخ زماں مولانا زین العابدینؒ

ازقلم: مولانا مطیع اللہ مسعود قاسمی معروفی

میں کہاں ہوں اور کہاں مولانا زین العابدیں
میں زمیں ہوں، آسماں مولانا زین العابدیں

آپ کی رحلت سے ہم تنہا نہیں ہیں سوگوار
ہیں سبھی نوحہ کناں، مولانا زین العابدیں

فقہ وتفسیر وادب اور فن اسماء الرجال
سب میں فائق بے گماں، مولانا زین العابدیں

ناخنِ ادراک سے سلجھادیا کرتے تھے آپ
فن کی مشکل گتھیاں، مولانا زین العابدیں

دیکھ پائیں گے کہاں اب آپ کی تقریریں
علم کی جولانیاں، مولانا زین العابدیں

تشنگانِ علم کی کیسے بجھے گی پیاس اب
آہ! اے شیخ زماں مولانا زین العابدیں

گرچہ دبلے پتلے تھے پر تھے ذہانت کے پہاڑ
عزم وہمت کے جواں مولانا زین العابدیں

کرکے قائم لاج رکھ لی پورۂ معروف کی
محفلِ قدوسیاں مولانا زین العابدیں

ذاکر وشاغل، وشب بیدار، زاہد، متقی
اور ماہر نکتہ داں مولانا زین العابدیں

کہہ رہاہے قاسمی رب سے بنادے آپ کی
قبر کو باغِ جناں مولانا زین العابدیں

میرے استاذ، میرے شیخ

مولانا مطیع اللہ مسعود قاسمی، خازن المعارف دارالمطالعہ، پورہ معروف
واستاذ منبع العلوم، نظام آباد، اعظم گڈھ

علم وعمل کا آفتاب غروب ہوگیا، فکروفن کی دنیا اجڑ گئی، ارباب فضل وکمال رنج والم میں ڈوب گئے طالبان علوم نبوت ایک بہترین مربی کی چشم عنایت سے محروم ہوگئے، یعنی میرے اور مجھ جیسے بہتوں کے پیرومرشد واستاذ وشیخ حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمیؒ رحلت فرماگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ جو سراپا شفقت ومحبت، اخلاق کردار میں ممتاز اور وسعت مطالعہ میں بے مثال تھے، دین وشریعت سے سچی پکی محبت، دینی غیرت وحمیت آپ کے دل ودماغ میں پیوست تھی، علم میں اگر آسمان کی بلندی تھی تو عمل میں سمندر جیسی گہرائی تھی، ایک ایک عمل سنت کے مطابق ایک ایک ادا مزاج نبوی سے ہم آہنگ تھی، گروہ اولیا میں حضرت شیخ بہت سی ممتاز خصوصیات کے مالک تھے، بلا امتیاز ہر کس وناکس سے خندہ پیشانی سے ملنے جلنے والے تھے، اپنی ذات کے متعلق بڑائی کا ذرہ برابر احساس نہیں تھا، دوسروں کو اونچے مقام پر دیکھنا زیادہ پسند کرتے تھے، علمی ذوق غضب کا تھا، مطالعہ وکتب بینی میں ہمہ وقت مشغول رہتے، مطالعہ وکتب بینی میں ہمہ وقت مشغول رہتے، ضخیم سے ضخیم کتابیں ہاتھ لگ جاتیں، تو پوری پڑھ کر ہی دم لیتے اور نہایت گہری نظر سے پڑھتے، جہاں کہیں بات دل کو زیادہ بھا جاتی، اچھل جاتے، زور زور سے پڑھنے لگتے اور سر بھی دھنتے تھے۔

احقر کو جامعہ مظہر العلوم بنارس کے دور طالب علمی یعنی ۱۹۹۱ء میں حضرت کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا، اسی زمانہ میں سیرت ابن ہشام کا اردو ترجمہ ہزاروں صفحات پر مشتمل ضخیم کتاب کی شکل میں منظر عام پر آیا تھا، مولانا نے پڑھنا شروع کیا تو ختم کر کے ہی چھوڑا، حضرت شیخ کے ذمہ اس وقت بخاری شریف، ترمذی شریف اور شرح عقائد نسفی تھی، اسباق سے فارغ ہوتے ہی کتاب اٹھاتے اور پڑھنا شروع کردیتے اور بیچ بیچ میں فرماتے: ”سبحان اللہ، کیا خوب ترجمہ کیا ہے، اپنے مزاج کے مطابق جگہ جگہ حاشیہ بھی لکھتے جاتے تھے، جب کتاب ختم ہوئی تو صدرالمدرسین مولانا عبدالمغنی صاحبؒ کے حوالے یہ فرماتے ہوئے کردیا کہ آپ نے صرف مطالعہ کے لیے دیا تھا، مگر میں نے جگہ

جگہ حاشیہ بھی لگادیا ہے"۔

بحث ونظر: حضرت مولاناؒ تحقیقی مزاج کے آدمی تھے، ہر چیز بنظر غائر پڑھتے اور حتیٰ الوسع اصل اور مرجع سے رجوع کر کے تقابل بھی کرتے تھے اور ہر ہر پیراگراف کو ملاتے بھی تھے، اچھی طرح یاد ہے: الٰہ آباد بورڈ کا امتحان ختم ہوجاتا، تو بچوں سے مولوی، عالم، فاضل وغیرہ کے پرچے وصول کرا کر گہرائی سے پڑھتے، پرچے میں موجود غلطیوں کی اصلاح کر کے بورڈ کو بھیج دیتے، یہ سلسلہ بہت دنوں تک رہا۔

نرالا درس: آپ کا درس نہایت محققانہ ہوتا تھا، ایک عرصہ تک بخاری شریف آپ کے زیر درس رہی، بخاری کے درس میں وہ صرف بخاری نہیں بلکہ صحاحِ ستہ پڑھاتے تھے، حدیث کے رواۃ ومتون پر سیر حاصل گفتگو فرماتے، بخاری شریف میں موجود حدیث صحاح کی اگر دوسری کتب میں بھی موجود ہوتی، تو اس کو صرف بتاتے ہی نہیں؛ بلکہ بچوں سے تلاش کرواتے اور نکلوا کر پڑھواتے، اس کے بعد سبق آگے بڑھتا، ساتھ ہی ساتھ راویوں کے کنی واسما کو زبان زد کراتے تھے۔

ملی جلی نرمی وسختی: مولانا نرم مزاج ہونے کے ساتھ ساتھ سخت مزاج بھی تھے، مگر بے جگہ نہیں ؎

درشتی ونرمی بہم در بہ است
چوں فاصد کہ جراح و مرہم نہ است

کے اصول کے مصداق تھے، ۱۹۹۱ء میں جامعہ مظہر العلوم بنارس، میں مَیں زیر تعلیم تھا، موقوف علیہ کا سال تھا، شرح عقائد حضرت کے پاس تھی، سالانہ امتحان کے موقعہ پر حضرتؒ سے کہا کہ آج شرح عقائد کا پرچہ ہے، امتحان گاہ میں تشریف لائیں گے، حضرت نے فرمایا کہ تمہارا کہنا ٹھیک ہے، میں امتحان ہال میں جاتا نہیں ہوں، اس معاملہ میں بہت سخت ہوں، کسی کو نقل کرتا دیکھ لیتا ہوں، تو پھر یہ نہیں دیکھتا ہوں کہ کون ہے؟ کہاں کا ہے، فوراً مار دیتا ہوں، واقعی مولانا سخت تھے؛ مگر ان کی سختی برائے اصلاح تھی، حضرت تعلیم کے بڑے شیدائی تھے، برابر حصول تعلیم کی رغبت دلاتے تھے، اسی لیے اہل علم سے غایت درجہ محبت رکھتے تھے، طلبہ کے ساتھ پدرانہ شفقت کا معاملہ فرماتے، تعلیم کے معاملے میں کوتاہی اور کجی ہرگز برداشت نہ کرتے تھے، خواہ اس کے لیے جتنی بھی

مشقت اٹھانی پڑے۔

جفاکشی: حضرت ایک وقت کافی پریشانی میں مبتلا تھے، صورتِ حال یہ تھی کہ اہلیہ کا انتقال ہوگیا تھا، چھوٹی چھوٹی بچیاں کئی ایک تھیں، کوئی کھانا پکانے والا نہیں تھا، نہ ان کی دیکھ ریکھ کرنے والا، تنِ تنہا حضرتؒ بطور ذمہ دار، بچوں کو سویرے پڑھنے کے لیے بھیجنا، نہلانا دھلانا، ان کے لیے خود ہی ناشتہ تیار کرنا اور اپنے آپ کو بھی مدرسہ کے متعین وقت سے پہلے تیار کرنا، مطالعہ کرنا، گویا سر پر کاموں کا انبار تھا؛ مگر حضرت سارا کام بڑی خوش اسلوبی سے تنہا انجام دیتے اور کسی کی خدمت لینا گوارا نہ فرماتے، اس کے باوجود آپ کے چہرے پر کوئی شکن نہ کوئی حرفِ شکایت، نہایت خوش اسلوبی سے سارے کام انجام دے رہے ہیں، یہ جفاکشی ایک دو دن نہیں؛ بلکہ ایک سال رہی؛ مگر کیا مجال کہ تعلیم پر اس کی زد پڑے، یا کوئی شکوہ آئے، اصحاب دل اور اولیاء اللہ کی یہی پہچان ہوا کرتی ہے۔

حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کو علم شریعت کے ساتھ علمِ طریقت سے وافر حصہ عطا ہوا تھا، ان میں سے جس مسئلہ پر زبان کھول دیتے بھرپور بحث فرماتے اور مدلل فرماتے۔

المعارف دارالمطالعہ سے تعلق: پورہ معروف میں ''المعارف دارالمطالعہ'' دینی کتابوں کا ایک علمی مرکز ہے، اس کے قیام (۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء) سے انہیں قلبی خوشی ہوئی تھی؛ اس لیے حضرت کو اس سے والہانہ لگاؤ تھا، قصبہ میں اگر موجود ہوتے تو ضرور تشریف لاتے، علمی اور ادبی باتیں ہوتیں، آخری عمر میں جب چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے تھے، تب بھی موٹر سائیکل کے ذریعے آتے اور خدمت کا موقعہ دیتے، گاڑی کا بندوبست اکثر و بیشتر صدر ''المعارف دارالمطالعہ'' مولانا ارشاد خلیل صاحب شیخ الحدیث ہاجرہ گرلس اسکول فرماتے، اس دارالمطالعہ پہ حضرت کی خصوصی توجہ رہی ہے، پورہ معروف کے قیام میں جب بھی اس میں کوئی پروگرام ہوتا تو ضرور شرکت کرتے اور اپنے قیمتی فرمودات سے بہرہ ور کرتے، بارہا کہتے کہ ''المعارف'' ایک معتبر جگہ ہے، اہل علم کے ذوق کے لحاظ سے مختلف عنوان پر خاصی کتابیں مہیا ہیں، یہ بہت بڑا کام ہوا ہے، جس کی اشد ضرورت تھی۔

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباھی: حضرت مولاناؒ صاف گو، وضع

دار، حق کے علم بردار، اور جری و بے باک تھے اور کسی بھی بڑے سے بڑے صاحب جبہ ودستار کے آگے مرعوب ہونے والے نہیں تھے، حق بات کہنے میں جھجھک محسوس نہیں کرتے تھے، دار العلوم کے قضیۂ نامرضیہ کے موقعہ پر حضرت نے بلاخوفِ لومۃ لائم دونوں گروپ کے لوگوں کو خط لکھ کر ان کی کمی وکوتاہی کے ذکر کے ساتھ تمام اختلاف کو ختم کرکے ایک ساتھ کام کرنے کا مشورہ دیا۔

علوم وفنون میں مہارت: حضرت کا علم بہت وسیع تھا فن حدیث واسماء الرجال میں امامت کا درجہ حاصل تھا ہی، دیگر فنون میں بھی پختہ گرفت تھی، جن میں ایسے فنون بھی شامل ہیں جن کی طرف سے لوگ عام طور پر بے اعتنائی برتتے ہیں، بالخصوص علمِ ہیئت، جس کو دار العلوم دیوبند میں مولانا بشیر احمد خاں صاحبؒ سے پڑھا تھا، پورہ معروف اور آس پاس کی مساجد کا قبلہ عموماً آپ ہی سے درست کرایا جاتا تھا، غالباً آپ پورہ معروف میں فردِ واحد تھے جنہیں سمتِ قبلہ پر دسترس حاصل تھی۔

ایک بار کا واقعہ ہے کہ سایۂ اصلی سے متعلق شرح وقایہ کی عبارت حل کرنے حضرت کے پاس گیا، حضرت بہت خوش ہوئے، کہا کہ عبارت سمجھنے آئے ہو؟ فوراً کہنے لگے، تدریس کے ابتدائی دور میں مجھے بھی دقت آتی تھی، میں یہ کام کرتا تھا کہ جو عبارت سمجھ میں نہیں آتی تھی پنسل سے نشان لگا دیتا تھا، شعبان کی چھٹی میں جب گھر آتا تو استاذ محترم مولانا عبد الستار صاحبؒ معروفی سابق شیخ الحدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے اس کو حل کرا لیتا تھا، اچھا تو تم کل زوال سے پہلے آجاؤ، دوسرے دن وقتِ مقررہ پر حاضر ہوا، مجھے مسجد ربانی کی چھت پر لے گئے، کتاب ساتھ تھی، ایک سیدھی لکڑی عین زوال کے وقت کھڑی کرکے سایۂ اصلی کو دکھایا، سمجھایا اور ساتھ ہی ساتھ شرح وقایہ کی عبارت حل کرائی۔

طلبہ کے خیرخواہ: حضرت تعلیم کے شیدائی تھے، تمام تر مصروفیات کے باوجود یہی کوشش رہتی تھی کہ طلبہ کو کتنا پڑھا دوں اور انہیں کیا سے کیا بنا دوں، ۱۹۹۳ء میں احقر کی دیوبند سے فراغت ہوئی، بخاری شریف اور ترمذی جلدِ اول حسبِ معمول ختم ہوگئی تھی، ترمذی جلد ثانی ادھوری تھی اواخرِ شعبان میں حضرت سے کہا کہ ترمذی جلد ثانی مکمل نہیں ہوئی ہے، ہم چاہتے ہیں کہ آپ کے پاس پوری کرلیں، فوراً درخواست منظور فرمائی اور دوسرے دن سے پڑھانا شروع کردیا، مولانا خالد سعید صاحب، استاذ

جامعہ اسلامیہ مظفر پور اور مولوی محمد اظہر بن عبد العظیم معروفی بھی شریکِ درس رہے۔

حضرت سے اصلاحی تعلق: کافی دنوں سے دل میں یہ بات آرہی تھی کہ اصلاحِ باطن کے لئے کسی شیخ سے تعلق قائم کیا جائے اور اس کے دست حق پرست پر بیعت ہوا جائے، بہت غور وخوض کے بعد حضرت مرحوم کی ذات گرامی پر نگاہ جا کر ٹھہری اور وجہ اس کی یہ ذہن میں آئی کہ جہاں آپؒ احسان وسلوک کے بلند مقام پر فائز ہیں، وہیں ایک متبحر عالم دین ہیں، دوسری بات یہ کہ آپ ہمارے قصبہ پورہ معروف کے باشندے ہیں؛ اس لئے آپ سے رجوع کرنے اور آپ کی مجلس میں شرکت کرنے میں سہولت رہے گی، یہ سب سوچ کر ماہ رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ میں حضرتؒ کے ہاتھوں میں ہاتھ دے دیا اور الحمد للہ اس کا بڑا فائدہ سامنے آیا، اللہ استقامت نصیب فرمائے، آمین۔

اللہ تعالیٰ حضرتؒ کی خدمات جلیلہ کو قبول فرما کر اپنے شایانِ شان اجر عطا فرمائے، آمین۔

☆☆☆☆☆
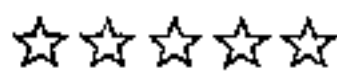
مدرسہ معروفیہ کے جلسہ سنگِ بنیاد (نئی زمین) کے موقعہ پر حضرت مرحوم کے خطاب کا خلاصہ

۲۷ر مئی ۲۰۱۱ء، مدرسہ معروفیہ، پورہ معروف، مئو کی نئی زمین میں بعد نماز جمعہ پیر ومرشد حضرت مولانا زین العابدین صاحب، دامت برکاتہم نے ایک یتیم بچے کو بلا کر اس کے ہاتھ سے اینٹ لے کر، سنگِ بنیاد رکھا، اور پھر اس بچے سے بھی اینٹ رکھوا کر حضرت نے دعا فرمائی، اور نصف گھنٹہ تک آپ نے حاضرین سے خطاب فرمایا۔

حضرت نے اس بات پر اپنی خوشی کا اظہار فرمایا کہ، پورہ معروف کے سب سے قدیم مدرسہ، مدرسہ معروفیہ، جس کی بنیاد ۱۳۲۰ھ میں رکھی گئی، آج اس کی تنگ دامانی کے سبب، نئی زمین میں توسیع کے لیے بنیاد رکھی گئی؛ جس طرح اس کی توسیع کے لیے یہ زمین خریدی گئی اسی طرح ہمارے دلوں میں بھی وسعت ہونی چاہیے۔

مدرسہ معروفیہ کی تاریخ: حضرت نے مدرسہ معروفیہ کی تاریخ بیان کرتے ہوئے کہا کہ ۱۳۳۰ھ سے قبل حضرت مولانا محمد طاہر صاحبؒ المتوفی ۱۲۹۶ھ نے جامع مسجد سے متصل، دالان کے نام سے، مشہور جگہ میں بچوں کی تعلیم کا آغاز کیا، جس میں وہ خود تعلیم دیتے تھے، میری پیدائش ۱۳۵۶ھ کی ہے، میں نے اسی مدرسہ میں تعلیم حاصل کی، مدرسہ معروفیہ کے اساتذہ میں حضرت مولانا محمد شبلیؒ صاحب شیدا خیر آبادی اور حضرت مولانا عبدالحیؒ صاحب مئوی، تھے جو بہت مشہور اور محنتی تھے، پورے علاقہ میں یہی صرف ایک مدرسہ تھا، اور پورہ معروف کے سارے لڑکے اسی میں پڑھتے تھے، اس کے علاوہ قرب وجوار کے بچے بھی یہیں تعلیم حاصل کرنے آتے، مسلم سماج کے علاوہ ہندو مذہب کے بہت سے لڑکے بھی اس میں پڑھنے آتے، حضرت نے بتایا کہ "سیمر" ہندو بڑھئی محلّہ بلوہ ہمارے ساتھیوں میں سے تھا۔

دوسرا مدرسہ کھلا: کچھ دنوں کے بعد کچھ آپسی اختلاف کی وجہ سے جب مدرسہ انصاریہ (اشاعت العلوم) قائم ہوا تو، حضرت مولانا عبدالحیؒ صاحب، وہاں چلے گئے، حضرت مولانا شبلی صاحبؒ خیر آبادی، فارسی کے جید الاستعداد استاذ تھے، ہم لوگوں نے ان سے اخلاق محسنی، انوار سہیلی وغیرہ کتابیں پڑھی ہیں، انھوں نے جس کو پڑھا دیا، اسے چمکا دیا، حضرت مولانا محمد عثمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے خوب فیض پایا۔

علم ادب سے آتا ہے: حضرت مولانا زین العابدین صاحب، مدظلہ العالی نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ: دوستو! علم آتا ہے ادب واحترام سے، کتابوں کے احترام سے، اساتذہ اور تمام اسباب علم کے احترام سے، بغیر ادب واحترام کے علم کا نور نہیں حاصل ہوسکتا، حضرت مولانا محمد طاہر صاحبؒ جمعہ کے بعد بیان فرماتے، اس میں یہ بات اکثر فرماتے تھے کہ باہر سے جتنے علماء آئیں ان سب کا احترام واکرام کرو، مگر وہ جو مسائل بتائیں، اگر وہ میرے بتائے ہوئے مسئلہ کے خلاف بتائیں تو اس پر عمل نہ کرو، مگر پھر بھی ان کا احترام کرو۔

ہمارے بزرگوں نے یہاں کا نام روشن کیا: حضرت نے فرمایا کہ ہمارے یہاں جو علم ہے اور جو یہاں کی شہرت ہے، وہ انہی علماء اور بزرگوں کی وجہ سے ہے، ہم کو یہ سوچنا چاہیے کہ آج جو تعریف ہو رہی ہے وہ کس کی ہو رہی ہے؟ اور کیا ہماری وجہ سے بھی یہاں کے نام کی روشنی میں اضافہ

ہوا؟ لوگوں کی تعریف سے ہمیں خوش نہیں ہونا چاہیے، اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی نے ہوا خارج کی، اور دوسرے نے کہہ دیا کہ اس میں خوشبو ہے، اور ہوا خارج کرنے والا اس کی بات سے خوش ہوکر اُس غلط فہمی کا شکار ہو جائے تو اس کو بے وقوف کے علاوہ اور کیا کہیں گے؟

اسی طرح یہاں کی جو تعریف ہوتی ہے، اُس پر ہمیں اپنا محاسبہ کرنا چاہیے، نہ کہ اس پر اترانے کی ضرورت ہے، شیخ صاحب نے مزید کہا کہ ہمارے یہاں کے لوگوں میں علم و علماء کا بہت احترام تھا، اسبابِ علم کا بھی احترام تھا، تب اللہ تعالیٰ نے ان کو اونچا مقام دیا، اُس وقت لوگ کنڈے کے قلم سے لکھتے تھے، لیکن احترام میں اُس قلم کے تراشے کو بھی اِدھر اُدھر نہیں پھینکتے تھے، بلکہ ادب واحترام میں اس کو ایک جگہ رکھ دیتے تھے تاکہ اس کی بے حرمتی نہ ہو۔

علما سے محبت: حضرت مولانا محمد طاہر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بہت دنوں کے بعد حضرت مولانا محمود صاحبؒ، اور حضرت مولانا شبلی صاحبؒ جب دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوکر آئے، تو لوگوں میں اتنی خوشی تھی کہ گاؤں کے سارے لوگ ان کے استقبال کے لیے گھر سے نکل پڑے، اورندی کے پاس جاکران کا زبردست خیر مقدم کیا کہ اب دو اور عالم تیار ہوکر آگئے ہیں، مگر جب سے دلوں میں اختلاف ہوا، تب سے علم کی برکت اٹھ گئی، عالم تو تیار ہو رہے ہیں، مگر روحانیت اور برکت ختم ہوتی جارہی ہے، حدیث میں ہے کہ تم میں گذشتہ امتوں کی دو بیماری آہستہ آہستہ منتقل ہوتی گئی، ایک حسد، دوسرے بغض۔

فرمایا کہ حسد سے بچو، کہ وہ مونڈنے والا ہے، میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ وہ بالوں کو مونڈتا ہے بلکہ وہ دین کو مونڈتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے، اس لیے ہمیں خوبیوں پر نظر رکھنی چاہیے، اور محسود کی تعریف کرنا اور اس کو ہدیہ دینا حسد کا علاج ہے۔

(مرتب: انصار احمد معروفی، قاسمی)

از: ماہنامہ پیغام، پورہ معروف، ماہِ رجب ۱۴۳۲ھ / جون ۲۰۱۱ء)

حضرت شیخ مولانا زین العابدین صاحب اعظمیؒ

میری یادداشت کی روشنی میں

مولانا محمد عمر مظہری، استاذ مدرسہ "ضیاء العلوم" پورہ معروف (مئو)

حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمی معروفی کا زہد و تقوی مجھ جیسا بے بصیرت شاگرد و مرید کیا بیان کرسکتا ہے، بیان جامعیت کے ساتھ وہی کرسکتا ہے جو حضرت جیسی علمی اور عملی بصیرت کا حامل ہو، یا کم از کم ان کے علوم کا حامل ہو، میں تو ان سب سے تہی دامن؛ لیکن حضرت کے بعض خدام کے تعمیل حکم کی مجبوری ایسی ہے کہ انکار کی گنجائش نہیں؛ لہذا بے بضاعتی کے ساتھ کچھ تحریر کرتا ہوں۔

۱۹۸۵ء میں مدرسہ "مظہر العلوم" بنارس دورۂ حدیث شریف پڑھنے کی غرض سے صرف حضرتؒ کے نام پر گیا تھا اور دل کی آرزو تھی کہ حضرت کے پاس دورہ مکمل کر کے سندِ حدیث آپ ہی سے حاصل کروں، حضرت کے رعب کا یہ عالم تھا کہ باوجود تیاری کے کبھی بھی حضرت کے پاس کوئی سبق نہ پڑھ سکا اور حضرت کے پاس عبارت پڑھنا چھوڑنا پڑا، حالاں کہ بقیہ اور اساتذہ کے یہاں ہر کتاب کی عبارت پوری دلیری کے ساتھ پڑھتا تھا، حضرت کی تواضع اور اپنے اوپر مجاہدہ کا یہ عالم تھا کہ بار ہا تیل لے کر حضرت کے پاس گیا کہ سر پر تیل رکھ دوں، یا پیر دبا دوں؛ لیکن نہ حضرت نے کبھی سر چھونے دیا نہ پیر، صرف ایک روز اتنی اجازت ملی کہ صرف پیر کا پنجہ دباؤ اور بس، حالاں کہ اس وقت آپ پر خدا کی ایسی آزمائش تھی کہ حضرت کی اہلیہ محترمہ جو گھوسی، ضلع مئو کی تھیں؛ پاگل ہوگئیں تھیں، حضرت اپنی حرم محترم کو کمرہ میں بند رکھتے تھے، اگر کبھی موقع ملا تو ہمارے سبق ہی کے دوران کمرہ میں حضرت کے پاس آجاتیں، عقل کے بجھ جانے کی وجہ سے نہ بات کی تمیز، نہ پردہ کا خیال، کبھی کبھی باوجود ہٹانے کے نہ ہٹتیں، تو حضرت کو لے جانا پڑتا اور کھانا بھی پکانے کی صلاحیت نہ رکھتی تھیں؛ لہذا حضرت کھانا خود اپنے ہاتھ سے بناتے تھے، اپنے ہی ہاتھوں روٹی پکاتے، خود ہی سالن و چاول تیار کرتے، کسی طالب علم

سے خدمت نہ لیتے، اس کے باوجود حضرت نے کبھی بھی اتنا بھی شکوہ نہیں کیا کہ حیرانی و پریشانی ہے، یا ہوتی ہے۔

اب سنیں کہ بیوی کا کپڑا، بچے بچیوں کا کپڑا دھونا، ان کی تیل چوٹی کرنا، ان کو نہلانا دھلانا، یہ سب حضرت خود اپنے ہاتھوں کرتے تھے اور درس بخاری کا پورا اہتمام، ساتھ ہی ساتھ چوبیس ہزار کی ایک تسبیح اور ایک تیرہ سوکی، ایک آدھ گھنٹہ کے قریب مراقبہ اور اسی کے قریب قریب پاس ''الحزب الاعظم'' کی ایک منزل اور قرآن شریف کی تلادت کم از کم ایک پارہ اور رمضان میں بیس پارہ تک، یہ سب میں نے حضرت کی زبان سے خود سنا ہے، ان سب کے علاوہ دوسو مرتبہ تیسرا کلمہ، دوسو مرتبہ استغفار اور دوسو مرتبہ درود شریف کم از کم زیادہ کی کوئی حد نہیں اور تہجد کا اہتمام اس قدر تھا کہ سفر یا حضر میں بھی تہجد نہ چھوٹتی تھی۔

آپ کی کچھ خصوصیات :

﴿۱﴾ دنیاوی زندگی کی ایک نعمتِ عظمی اور اللہ کا خصوصی انعام یہ تھا کہ آپ کا ہر قول بولنے سے پہلے اور فعل کرنے سے پہلے اور ہر سزا دینے سے پہلے مدرسہ کے بچے ہوں، یا اپنی اولاد، یہ وزن فرماتے کہ ہمارا یہ قول اور فعل آقا مکی مدنی ﷺ کے قول و عمل کے مطابق ہے یا نہیں۔

﴿۲﴾ ایک امتحان میں حضرت نگراں تھے، ایک طالب علم کو نقل کرتے ہوئے دیکھ لیا، فوراً حضرت نے کاپی پر لال قلم چلادی۔

﴿۳﴾ ایک مرتبہ عید کے دن کسی سخت مجبوری کی وجہ سے عید کے دن کی غسل کی سنت مجھ سے چھوٹ گئی، نیا کپڑا پہن کر، خوشبو لگا کر حضرت کے سامنے جیسے ہی آیا ہوں، حضرت نے چہرہ دیکھ کر فرمادیا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غسل کیے بغیر آگئے ہو۔

﴿۴﴾ ایک مرتبہ ہم لوگ سبق پڑھ رہے تھے، اسی دوران اپنے بچے مولوی عبدالباسط سلمہ کو کسی جرم کی سزا دینی چاہی، اتفاقاً چھڑی تو ملی نہیں، سرکنڈا تو حضرت کے کمرے میں رہتا ہی تھا، اسے مارنے کے لیے اٹھالیا اور کئی بار مارنا بھی چاہا، لیکن سرکنڈے سے نہیں مارا، بعد میں ہمیں بتایا کہ سرکنڈے سے نہیں مارنا چاہئے، ورنہ آج اس کی بہت پٹائی کی ہوتی۔

﴿۵﴾ حضرت کا ایک مشن یہ تھا کہ ہمیں جو بات بولنی ہے، یا جو کام کرنا ہے، اس کو تول لیں کہ

یہ رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل کے مطابق ہے یا نہیں، اگر ہے تو اس کو کر گزریں، چاہے لوگ خوش ہوں یا ناراض، چاہے لوگ تعریف کریں، خواہ شکایت؛ اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے، اس کی بنا پر علما سے اکثر اختلاف ہو جاتا تھا، چوں کہ حضرت انتہائی محتاط طریقہ پر عمل کرتے تھے، جس مسئلہ میں علما یا ائمہ کا اختلاف ہوتا تو اس طرح عمل کرتے کہ سب کے نزدیک عمل ہو جاتا، مثلاً ایک مرتبہ مٹھیا پر جنازہ سے پہلے فرمایا کہ جنازہ میں ہاتھ کھول کر سلام پھیرنا چاہئے، حالاں کہ عمل اکثر لوگوں کا اس کے خلاف ہے، عید الاضحیٰ میں حضرت فرماتے تھے کہ پرانی عید گاہ میں نماز عید الاضحیٰ پہلے ہو، یا کم از کم نئی پرانی عید گاہ میں ایک ساتھ۔

﴿۶﴾ ہمارے یہاں دلہن کو پانی پلانے کے لئے دلہن کے میکے سے لڑکیاں جاتی ہیں، دوسرے دن یا تیسرے دن، یہ کہیں سے ثابت نہیں، ہاں دلہن کا باپ جائے اور سنت کے مطابق وہ عمل کرے، جیسا کہ آقا مدنی ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر دوسرے دن گئے اور پانی مانگا اور کچھ دعائیں پڑھیں اور کچھ پانی پی کر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بدن پر چھینٹیں ماری اور برکت کی دعا کی، پوری روایت میرے سامنے نہیں، الغرض ہمارے حضرت شیخ نے اس پر ہمیشہ عمل کیا اور گھر کی عورتوں کی جگہ خود پانی پلانے گئے، یہ حدیث حضرت نے میرے سوال پر مجھ کو بتلائی کہ پانی پلانے کا طریقہ یہ ہے۔

﴿۷﴾ بعض لوگ ہم لوگوں کو بہت طعنہ دیتے تھے کہ اپنے محلّہ کی مسجد خالی چھوڑ کر دوسرے محلّہ کی مسجد میں اعتکاف کرتے ہیں، میں ان سے کہتا کہ تم سے دو باتیں کہتا ہوں سمجھو! پہلی بات یہ کہ جن کے پاس میں بیٹھتا ہوں وہ مجھ سے علم و عمل میں بہت بڑھے ہوئے ہیں اور مجھ سے کیا، میرے محلّہ والوں سے کیا؛ بلکہ میں تو پورے ایشیاء میں علم و عمل میں ان کو زیادہ سمجھتا ہوں اور وہ جانتے ہیں کہ جس مسجد کا میں مصلی ہوں اس پر کوئی معتکف نہیں، دوسری بات یہ کہ میری اصل غرض اعتکاف کی نہیں؛ بلکہ اصل غرض تو اصلاح کی ہے، ثواب تو کہیں بھی مل جائے گا؛ لیکن اصلاح تو شیخ کے پاس ہی ہوگی، میں نے پھر اپنے اس جواب کو حضرت سے نقل کیا تو حضرت ہنسے اور فرمایا کہ تم نے ٹھیک کہا۔

میں نے حضرت کو علمی اور عملی اعتبار سے ایشیا گیر اس لئے کہا کہ آج سے تقریباً آٹھ سال پہلے کوپا گنج کے ایک صاحب نے مجھ سے مولانا کے بارے میں سوال کیا تھا کہ کیا آپ انھیں جانتے ہیں؟ میں

نے کہا کہ ہاں! کیا بات ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ اخبار میں دیا تھا کہ پورے ایشاء میں سب سے بڑے دو عالم ہیں: ایک پاکستان کے اور دوسرا نام حضرت کا لیا، حسن اتفاق کہ پاکستانی عالم سہارن پور مدرسہ میں مہمان ہوئے اور مسند پر ٹیک لگائے ہوئے اوپر تشریف فرما تھے، بقیہ لوگ نیچے بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں شیخ مولانا زین العابدین صاحب تشریف لائے، تو ہم نے یوں سنا کہ وہ مسند چھوڑ کر نیچے بیٹھ گئے، حضرت شیخ نے اصرار کیا کہ آپ تو مہمان ہیں، مسند پر تشریف رکھیں، تو انھوں نے کہا کہ اگر مجھے مہمان سمجھتے ہیں تو میری عزت اسی میں ہے کہ آپ مسند پر بیٹھیں اور میں نیچے، وہاں موجود لوگ آپ کے مرتبہ کو دیکھ کر ششدرر رہ گئے۔

﴿۸﴾ حضرت کو مروجہ دعوت وتبلیغ سے بھی بہت عقیدت تھی، حضرت مولانا یوسف صاحب رحمہ اللہ کے زمانے میں آپ نے سال لگایا اور اخیر زمانہ تک جماعت سے تعلق رہا اور اسی پر بس نہیں؛ بلکہ بہت سے اشخاص سے حضرت نے اس پر بیعت کی کہ آپ جماعت میں وقت لگائیں گے، جن میں سے دو آدمی کو میرے سامنے جماعت میں وقت لگانے پر بیعت کی، جس میں ایک لیرو کو پا گنج کے حاجی نورالدین صاحب ہیں اور دوسرے محمد مستقیم نئی بستی پارہ ہیں۔

﴿۹﴾ حضرت کے خصوصی مشن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اپنے حسب ونسب کو پہچانا جائے، اپنے رشتہ داروں اور خاندان کے لوگوں کو یاد رکھا جائے اور ان کے آپس کے جو اختلاف تھے اس کے ذکر سے گریز کیا جائے اور ان کو اور ان کے آپسی اختلاف کی کوئی اچھی تاویل کی جائے اور موجودہ لوگوں میں جو آپسی اتفاق کی شکل ہو، اختیار کی جائے اور یہ بارہا دیکھا گیا کہ آپ کے رشتہ یا خاندان کا کوئی بھی کسی محلہ کا ہو، آتا تھا، تو حضرت اس کو اکثر کسی نہ کسی رشتہ سے جوڑ کر کہتے تھے کہ واہ! آپ تو ہمارے فلاں کے فلاں ہیں، آئے آئیے، تشریف رکھئے۔

﴿۱۰﴾ مسائل میں احتیاط کا یہ عالم تھا کہ کوئی بھی مسئلہ بغیر تحقیق کے نہیں فرماتے تھے، اس کی تاکید بھی کرتے تھے کہ کسی مسئلہ میں سننے پر اکتفامت کرو اور مسئلہ اس وقت تک نقل مت کرو جب تک کہ اس کی تحقیق خود نہ کرلو۔

﴿۱۱﴾ امتحان کے پرچے جانچنے میں اس قدر احتیاط کرتے کہ اگر کوئی لڑکا آدھے نمبر سے فیل ہو رہا ہے، تو ہو؛ لیکن اس کو آدھا نمبر زائد دے کر پاس نہیں کرتے تھے، ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر آدھا نمبر

میں نے زیادہ دیا، تو خدا کے یہاں کیا جواب دوں گا؟

﴿۱۲﴾ آپ اپنے اساتذہ کرام کے اسمائے گرامی نہایت ادب اوحترام سے لیا کرتے تھے، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی، حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی، شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب امروہوی، حضرت مولانا فخرالحسن صاحب مرادآبادی وغیرہم کے تذکرے پر آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے تھے اور حضرت مدنی کا نام تو اس قدر عشق ومحبت اور درد کے ساتھ لیتے تھے کہ کبھی آپ کا نام آیا ہو اور آپ پر رقت نہ طاری ہوئی ہو مجھے اس کا علم نہیں، یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنی خودنوشت سوانح میں دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ کرام کے تذکرے میں حضرت مدنی کا تذکرہ سب سے مقدم کیا ہے اور ''شیخ العرب والعجم، سیدی ومرشدی، بیہقی وقت، شبلی زمانہ، ابوحنیفۂ دوراں، غزالی زماں، دودۂ فخر بنی آدم'' کے لقب سے آپ کو یاد کیا ہے اور یہ ایک طرفہ تعلق نہیں تھا؛ بلکہ دونوں طرف سے اسی قدر عقیدت ومحبت کا اظہار ہوتا تھا؛ چنانچہ میں نے حضرت کی زبانی خود ہی سنا ہے کہ حضرت مدنی اپنی وفات سے کچھ پہلے بار بار میرا نام لے کر پکارتے رہے کہ ''زین العابدین'' کہاں ہے؟ زین العابدین کو بلاؤ'' تیمارداروں سے کسی وجہ سے بلانے میں تاخیر ہوئی تو سخت لہجہ میں فرمایا کہ ''اجی! زین العابدین معروفی کو کیوں نہیں بلاتے؟'' لوگوں نے عرض کیا کہ بس آنے ہی والے ہیں، قصہ مختصر یہ کہ مولانا زین العابدین صاحب کے پہنچتے پہنچتے حضرت مدنی کی روح قفس عنصری سے پرواز کرکے بارگاہ قدس میں جا پہنچی اور ہمارے حضرت سے جو راز ونیاز کی باتیں کرنا چاہتے تھے نہ کرسکے، اللہ ہی کو صحیح معلوم ہے کہ حضرت نے کس لئے آپ کو یاد کیا تھا؛ مگر وہاں پر موجود لوگوں کا کہنا ہے کہ بخاری شریف کی تدریس کے لئے کوئی نام تجویز کردینے کی بات چلی تھی تو مولانا کو یاد کیا تھا۔

﴿۱۳﴾ آپ کے تواضع کا یہ عالم تھا کہ آپ ہمیشہ اپنی مجلس والوں کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھ کر خواہ وہ مرید ہوں یا غیر مرید، عالم ہوں یا غیر عالم، اپنے ہوں یا پرائے ایک ہی پلیٹ میں خود بھی کھاتے اوروں کو بھی کھلاتے، مسجد میں رمضان شریف میں افطار میں شرکت کرنے والے پورہ

معروف کے وہ لوگ بھی شرکت فرماتے جو مال ودولت کے اعتبار سے امتیازی حیثیت رکھتے ہیں اور عوام الناس بھی شرکت فرماتے؛ لیکن آپ کو ہم نے اکثر دیکھا کہ عوام الناس کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھ کر افطار کر رہے ہیں۔

اپنے شیخ حضرت مولانا عبدالجبار صاحب اعظمی معروفی رحمہ اللہ سے اجازت حاصل ہونے کے بعد حضرت مئو آئے اور مولانا نذیر احمد صاحب سیٹھ اوران کے ساتھ ایک اور آدمی کو لے کر پورہ معروف آئے اور مولوی محمود صاحب" اسلام پورہ بشارت پورہ کے مکان میں تشریف فرما ہوئے، ناشتہ چائے کا دور چلنے لگا، اسی دوران وہ صاحب جو ساتھ میں تھے، انھوں نے فرمایا کہ حضرت شیخ مولانا عبدالجبار صاحب کا معمول اخیر عشرہ میں اجازت دینے کا تھا؛ لیکن حضور والا کو پہلے ہی عشرہ میں اجازت عطا کردی، معلوم ہو کہ حضرت شیخ عبدالجبار صاحب رحمہ اللہ نے ہمارے حضرت کو بیعت نہیں کیا تھا؛ بلکہ جب ہمارے مولانا نے بیعت کی خواہش ظاہر کی تو فرمایا کہ "آم پک چکا ہے، بس ٹپکنے کی دیر ہے"، بہر حال آپ کو شیخ عبدالجبار صاحب رحمہ اللہ کی طرف سے پہلے ہی عشرہ میں اجازت مل جانے پر مولوی نذیر احمد صاحب نے کہا کہ حضرت پر تو مٹھائی واجب ہوگئی، اس پر مولانا نے پوچھا کہ وہ کیسی؟ تو انھوں نے کہا کہ حضرت آپ کو تو خلافت ملی ہے! اتنا سننا تھا کہ حضرت آگ بگولہ ہوگئے اور سخت ناراض، میں نے محسوس کیا کہ اگر یہ بچے ہوتے، تو پچھاڑ کر مارتے۔

آپ محلہ نیا پورہ مسجد ابوبکر واقع بازار کی جامع مسجد میں ذکر وارشاد کے لیے بیٹھتے رہے اور چاہتے تھے کہ لوگ مجلس میں شرکت کریں اور اپنے قلوب کو اللہ کے ذکر سے منور کریں؛ لیکن وائے محرومی کہ لوگوں نے ایسی شخصیت کی جو علمی اور عملی اعتبار سے پوری ایشیا گیر تھی، ناقدری کی، پھر وہاں سے مایوس ہوکر حضرت محلہ نئی بستی "مسجد حسین" پر اعتکاف کیا اور ذکر وشغل کا انتظام کیا اور پروگرام چلانا چاہا، اور سخت وسست سب سہہ کر اس مسجد میں تین سال چلایا اوران تین سالوں میں صرف تین آدمی تھے۔ اہل گجرات کا کہنا ہے کہ اگر حضرت گجرات میں یہ نظام چلاتے تو تین سال میں آپ کی خانقاہ میں تین ہزار افراد کا مجمع ہوجاتا۔

بہر حال پھر اللہ نے آپ کو مسجد ربانی کی زمین دے دی اور آپ نے ۱۹۹۳ء میں اس کی بنیاد

اور اسی سال سے آپ نے خانقاہی نظام حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ والا چلایا، اس کے بعد پھر اللہ نے آپ کی محبوبیت زمین پر رکھ دی اور لوگ متوجہ ہونا شروع ہوئے، اس مسجد کے اہلیوں نے بھی دامے درمے سخنے ایسی جواں مردی دکھائی کہ زندگی میں بھی اور انتقال کے بعد بھی ہم ان کی مثال دینے سے قاصر ہیں۔

یہ حضرت کی مقبولیت ومحبوبیت ہی کی دلیل ہے کہ گجرات، بہار، نیپال، سری لنکا، کشمیر اور انستان اور قرب وجوار کے اضلاع: بنارس، اعظم گڈھ، بستی، بلیا اور مئو کے بہت سے لوگوں نے آپ سے نسبت قائم کر کے قلبی اصلاح کی فکر کی۔

علمائے کرام کی کثیر تعداد آپ سے بیعت تھی اور علمائے کرام میں وہ علما جو درس وتدریس کی خدمات انجام دے رہے ہیں اور امتیازی حیثیت رکھتے ہیں، اور بہت سے علما جو آپ سے بیعت تو نہیں؛ لیکن آپ کی خدمت میں آمد ورفت رکھتے تھے اور آپ سے علمی وعملی پیاس بجھاتے تھے۔

آپ کی قلبی کڑھن جو پورہ معروف کے بارے میں تھی اللہ نے بارآور کیا اور امیر وغریب، علما حفاظ اور عوام الناس کا آپ کے یہاں ایسا ہجوم ہوتا کہ آپ کے انتقال کے بعد بھی اس سال حضرت کا قائم کردہ خانقاہی نظام اسی آب وتاب کے ساتھ چلا اور ان شاء اللہ آئندہ چلتا رہے گا اور اس کا ثواب آپ کی روح کو مسلسل پہنچتا رہے گا۔

اخیر میں اللہ رب العزت سے دعا گو ہوں کہ اللہ آپ کے درجات کو بلند فرمائے اور آپ کی سیئات کو حسنات سے مبدل فرمائے اور ہم سب کو آپ کے نیک اعمال کا متبع بنائے اور آپ کے بعد ہمیں فتنہ اور گمراہی میں مبتلا ہونے سے بچائے، آمین ثم آمین۔

☆☆☆☆☆
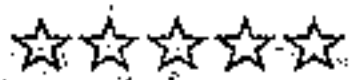
خلاصۂ تقریر موصوف مرحوم بتقریب ختم حفظ قرآن کریم

۳؍جولائی ۲۰۱۱ء مطابق ۳۰؍رجب ۱۴۳۲ھ، صبح ۹؍بجے مدرسہ یتیم خانہ جامع العلوم محسن پورہ، مئو میں ختم ناظرہ وحفظ قرآن ودستار بندی کی تقریب منعقد ہوئی، جس کی سرپرستی نمونۂ سلف حضرت مولانا محمد یوسف صاحب، خلیفۂ حضرت مفتی نظام الدین صاحب اعظمی رح صدر مفتی دار العلوم دیوبند،

نے کی، جو اس مدرسہ کے نائب مہتمم اور صدر مدرس ہیں، پروگرام کی صدارت حضرت مولانا ریاض الحق قاسمی مدظلہ مہتمم مدرسہ ہذا نے کی، نظامت کے فرائض مولانا عبدالودود صاحب اعظمی استاذ مدرسہ ہذا نے انجام دیئے۔

پروگرام کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا، اور پھر نعت شریف پیش کی گئی، مقررین میں جناب اسرار احمد صاحب ضلع افسر اقلیتی فلاح و بہبود، مئو، مولانا کبیر الدین صاحب قاسمی، ناظم جامعہ ربانیہ رشیدیہ، رہتاس، بہار، مولانا ریاض الحق صاحب قاسمی، مولانا انصار احمد معروفی، اور حضرت مولانا زین العابدین صاحب تھے۔

حضرتؒ کی تقریر کا خلاصہ ہدیۂ ناظرین ہے: ''انسان میں اللہ تعالیٰ نے دو قوت رکھی ہے، ایک قوتِ بہیمیہ شیطانیہ، دوسری قوت ملکیہ روحانیہ، قوتِ بہیمیہ کئی طرح کی ہوتی ہے، جس کو حیوانی قوت کہتے ہیں، بعض جانوروں کی عادت یہ ہوتی ہے کہ اس کو اپنے نفع سے کام اور اپنے پیٹ سے مطلب ہوتا ہے، دوسروں سے کوئی مطلب نہیں ہوتا، اپنا پیٹ بھر گیا تو چھوڑ دیا، بعض اس میں ایسے ہیں جنہیں دوسروں کو صرف نقصان پہنچانے سے مطلب ہوتا ہے، اس میں اپنا نفع ہو کہ نہ ہو، جیسے سانپ بچھو، چوہے، جو اکثر گدے لحاف، اور دوسرے کاغذات کترتے رہتے ہیں، ان کو ڈسنے، ڈنک مارنے، اور کترنے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا، مگر دوسرے کو نقصان ضرور پہنچ جاتا ہے، ان کو حدیث میں ''فواسق'' کہا گیا ہے کہ یہ صحیح راستے سے ہٹ گئے ہیں، جانوروں میں بعض وہ ہوتے ہیں، جو دوسروں کو نقصان پہنچا کر اپنا فائدہ حاصل کرتے ہیں، جیسے شیر وغیرہ۔

روحانی قوت: اس کے مقابلے میں انسان میں ایک قوت قوتِ ملکیہ روحانیہ ہوتی ہے، اس کو غذا پہنچانے اور ہوا دینے کی ضرورت ہوتی ہے، اس کی غذا قرآن پاک ہے، قوتِ ملکیہ میں روحانیت اصل ہے، یہ روحانیت قرآن میں ہوتی ہے، جب تک جسم میں روح ہے، تب تک جسم قائم ہے، جسم ہی کے اندر روح رہتی ہے، اس لیے جسم کو باقی رکھنے کے لیے غذا کی ضرورت ہوگی، لیکن جسم اصل نہیں ہے، اصل تو روح ہے۔

جسم کی حفاظت: اس کی مثال ایسی ہے، جیسے آدمی سواری کے لیے گھوڑا پال لے، اور اس

ذریعے اپنی ضرورتیں پوری کرے، اس میں اصل تو آدمی ہے، مگر گھوڑ اسواری کے لیے ضروری اس لیے اس کو بھی غذا کی ضرورت ہوگی، لیکن آدمی کی حیثیت گھوڑے کے مقابلے میں بہت زیادہ جسم تو خراب ہو جائے گا، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ مرنے کے بعد سب سے پہلے آدمی کا پیٹ گا، اس لیے حکم نبوی ﷺ ہے کہ اپنے پیٹ کو حرام غذا سے بچاؤ۔

روح کا سنگار کیجیے: یہ جسم روح کے نکل جانے کے بعد ماؤف ہو جاتا ہے، جیسے آدمی کے بعض حصے میں خون کا دوران بند ہو جاءے تو اس میں جان نہیں رہتی، اور وہ حصہ جسم کا مفلوج ہو جاتا ہے، یہ خون بدن کے ہر حصہ میں دوڑتا رہتا ہے، اسی خون کے ساتھ شیطان بھی رہتا ہے، جس کا حدیث میں ذکر موجود ہے، اس لیے روح کو غذا دینے کی ضرورت ہے، اور روح کی جسم پر، اس لیے جسم کو بھی کھلانے کی ضرورت ہے، جسم بمنزلہ گھوڑا ہے، اور روح سوار ہے، لیکن کو اتنی ہی غذا دینے کی ضرورت ہے، جس سے اس میں طاقت باقی رہے، اس لیے کہ جسم کا اکرام روح کی وجہ سے ہے، تو پھر جسم سے زیادہ روح کے اکرام کرنے، اور اس کو غذا دینے کی ضرورت ہے، اور اس کی غذا قرآن پاک اور اللہ کا ذکر ہے۔

جتنی ضرورت اتنا کام: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جسم کی طاقت کو باقی رکھنے کے لیے اتنا ہی کام کرتے تھے، جتنے کی ضرورت ہوتی تھی، مثال میں ایک صحابیؓ کا واقعہ پیش کرتا ہوں، ایک صحابی ہیں، بھوک لگی ہے، اور پیسے نہیں ہیں، ایک یہودی کے باغ میں مزدوری کرنے کے لیے گئے، وہ کنویں سے اپنی کھجوروں میں پانی دے رہا تھا، صحابی نے اس سے کہا کہ مزدور چاہیے؟ اس نے کہا کہ ہاں! صحابی رسول نے کہا کہ مزدوری کرنے کے لیے میں تیار ہوں، اور ایک ڈول پانی کھینچنے کے بدلے میں ایک کھجور لوں گا، جو ردی نہ ہو، وہ یہودی اس پر تیار ہو گیا، وہ پانی کھینچتے رہے، اور کھجور جمع کرتے رہے، یہاں تک کہ ان کا ایک ہاتھ کھجور سے بھر گیا، اس کے بعد پھر کام بند کر دیا، یہودی نے کہا کہ ابھی اور پانی کی کھیت میں ضرورت ہے، مگر وہ صحابی مزید کام کرنے کے لیے تیار نہ ہوئے کہا کہ میری ضرورت اتنے سے پوری ہو جائے گی، پھر جب ضرورت ہوگی کام کرنے آجاؤں گا۔

معلوم ہوا کہ صحابۂ کرامؓ جسم پر زیادہ محنت نہیں کرتے تھے، بلکہ وہ روح کو زیادہ سے زیادہ فراہم کرنے کی فکر کرتے تھے، کپڑا بدن پر کم ہوتا تھا اور بعض دفعہ میاں اور بیوی کے لیے ایک ہی

کپڑا ہوتا تھا، مگر عبادت زیادہ کرتے تھے، اس ضرورت کے باوجود وہ کسی سے کچھ مانگنے سے بھی بہت احتیاط کرتے تھے۔

جسم کے لیے انتظام: ایک صحابی نے ایک دفعہ حضور اکرم ﷺ سے کچھ مانگا، آپ نے ان سے پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ ہے؟ انھوں نے کہا کہ ایک پیالہ اور ایک ٹاٹ ہے، فرمایا اسے لے آؤ، آپ نے صحابہ میں اس سامان کی نیلامی کرائی، کہ اس کو کون خریدے گا ایک صاحب نے ایک درہم اس کا دام لگایا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی اس سے زیادہ میں لے گا؟ دوسرے صحابی نے اسے دو درہم میں خرید لیا، ایک درہم چاندی، چونی کے برابر ہوتا ہے ایک درہم کے بارے میں آپ نے اس سے کہا کہ اس سے گھر والوں کے لیے کھانا وغیرہ خرید لو اور ایک درہم کی کلہاڑی لے لو، حضرت نے اس کلہاڑی میں اپنے ہاتھ سے لکڑی کا بیٹ لگا دیا اور ان سے فرمایا کہ اس کو لے کر جنگل میں نکل جاؤ، لکڑی کاٹو، اور بیچو، اور میں تمہاری صورت سات دن یا پندرہ دن نہ دیکھوں، یعنی تم مستقل کام کرتے رہو متعینہ دنوں کے بعد وہ صحابیؓ جب آپ کی خدمت میں آئے تو ان کے بدن پر کپڑا بھی تھا اور گھر والوں کے لیے کچھ کما کر بچا بھی لیا تھا، اور کھانے کا بھی انتظام کر لیا تھا، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ بتاؤ، یہ اچھا ہے یا یہ کہ تم لوگوں سے ایک دو پیسہ مانگتے پھرتے تھے، جس نے دیا دیا اور جس نے چاہا معذرت کر دی۔

محتاج نہ بنو: آپ ﷺ جب لوگوں کو بیعت کرتے تھے تو ان سے چپکے سے یہ بھی کہتے تھے کہ "أن لاتسأل الناس شيئا" یعنی لوگوں سے کچھ نہ مانگنا، ایک صحابی کہتے ہیں کہ جن لوگوں کو آپ نے اس بات پر بیعت کی، میں نے ان میں سے لوگوں کو دیکھا کہ وہ کسی سے کچھ نہیں مانگتے تھے، یہاں تک کہ سفر میں سواری سے جب ان کا کوڑا بھی گر جاتا تھا تو کسی سے مانگنے کے بجائے وہ سواری سے اتر کر لے لیتے تھے، آپ ﷺ کے ارشاد پر اتنی سختی سے عمل کرتے تھے، اور اتنا خیال کرتے تھے۔

روح کی غذا قرآن اور ذکر اللہ: روحانیت پیدا کرنے کے لیے سب سے افضل چیز قرآن کریم ہے، جس کے بار بار پڑھنے سے بھی نہ اکتاہٹ ہوگی، نہ اس کے عجائبات ختم ہوں گے، حدیث

میں ہے کہ "لاتنقضی عجائبہ" یعنی اس کے عجائبات ختم نہ ہوں گے، کتنی بار یہ پڑھا گیا، کتنی تفسیریں لکھی گئیں، کتنے لطائف اور نکات نکالے گئے، مگر اس کے عجائبات ختم نہیں ہوتے۔

قرآن کریم کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ نے حفّاظِ کرام کا انتخاب کیا ہے، ان کی ذمہ داری ہے کہ اللہ نے ان کو جو علم دیا ہے اور جو دولت عطا فرمائی ہے، اس کی قدر کریں، اس کا شکر ادا کریں اور روزانہ تین پارے تلاوت کریں، اس سے روحانیت پیدا ہوگی۔

روح کو غذا پہنچانے کے لیے قرآن کریم کی تلاوت کے ساتھ اللہ پاک کا کثرت سے ذکر کریں، ہمارے اسلاف سچ مچ حکیم الأمت تھے، انھوں نے روح کو غذا دینے کے لیے مجموعۂ اذکار میں سے کچھ ذکر کو منتخب کیا ہے، جو بہت زیادہ مفید ہونے کے ساتھ آسان اور جامع ہے، اور وہ ہے صبح وشام تین تین تسبیحات کی پابندی۔

کلمہ کی جامعیت: (ا) تیسرا کلمہ، سو بار صبح، سو بار شام، اس میں اللہ کی پاکی بھی ہے، اور اس کی بڑائی بھی، اللہ تو خود پاک ہیں، ہم اس کی کیا پاکی بیان کریں گے؟ اور ہماری پاکی بیان کرنے سے وہ پاک نہیں ہوگا، بلکہ اس کی پاکی بیان کرنے سے ہم پاک ہوں گے، اور ہماری صفائی ہوگی، اس کلمہ میں اللہ کی تعریف بھی ہے، اور اس کی توحید کا اقرار بھی۔

اللہ کی ایک صفت علم ہے، اس نے علم حاصل کرنے اور اس میں اضافہ کے لئے دعا کرنے کا حکم بھی دیا ہے، اور طریقہ بھی بتادیا کہ یوں کہوں: "ربِّ زدني علما" اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ کیجیے، مگر بڑائی اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے اور اسی کے لئے زیبا ہے جو بندہ بڑائی جتلاتا ہے وہ اللہ کی نگاہ میں نہایت مبغوض ہے، حدیث قدسی میں ہے: "الكبرياء ردائي، والعظمةُ إزاري" یعنی بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میری لنگی ہے یعنی میرے لئے خاص ہے جو شخص اسکی کھینچا تانی کرے گا میں اسکو جہنم میں ڈال دوں گا، (۲) دوسری تسبیح درود شریف کی ہے۔ (۳) تیسری استغفار کی ہے، ان کو صبح وشام پڑھنے سے روحانیت پیدا ہوگی، حضرت شیخ ہی کی دعا پر اس بابرکت اور نورانی مجلس کا اختتام ہوا۔

(مرتب: انصار احمد معروفی، ماہنامہ پیغام، پورہ معروف، شعبان ۱۴۳۲ھ، مطابق جولائی ۲۰۱۱ء)

☆☆☆☆☆

اب انہیں ڈھونڈھ چراغِ رخِ زیبا لیکر

مولانا عبدالمعید فیصل قاسمی، استاذ حدیث جامعہ گلزارِ حسینیہ، اجراڑہ، میرٹھ

یوں تو دن کے بعد رات، صبح کے پہلو میں شام کی افسردگی، بہار کے جلو میں خزاں، انسان کا ایک مشاہدہ ہے، فضل وکمال بھی ایک گلشنِ رنگا رنگ ہے، صبحِ ازل سے شامِ حشر تک افقِ کائنات پر فضل و کمال، دانش وبینش، عبقریت ونابغیت کے نہ جانے کتنے آفتاب وماہتاب طلوع ہوئے اور ہونگے ؛لیکن سورج اور چاند کو بھی بارہا گہن لگا، زمین بھی ان بے شمار نفوس قدسیہ کو اپنے بطن میں لیے ہوئے ہے جو کائنات کا اجالا، دنیا کی روشنی، چمنستان کی بادِ نسیم اور گلشن کے برگہائے گل تھے۔

ایسے ہی ۱۶ر جمادی الاخری ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۸ راپریل ۲۰۱۳ء کی دوپہر کو فلک کا ایک روشن ستارہ ہماری ان گنہگار آنکھوں سے ہمیشہ کے لئے روپوش ہوگیا۔ آج سے تقریباً ۸۳ سال قبل یہ آفتابِ علم ضلع مئو کے مردم خیز قصبہ پورہ معروف میں طلوع ہوا، اور دین ودانش کے وسیع ترافق پر طویل مسافت کے دائرے بناتا ہوا ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔

ہاں! گفتگو اسی عظیم شخصیت کی ہے جس کو زمانہ سادگی کے پیکر، فروتنی کی تصویر، انکسار کے آئینہ، بے نفسی کے مجسمہ کے باوجود علم وفضل کے بحرِ متلاطم کی صورت میں ہمیشہ یاد رکھے گا۔

محدثِ کبیر، ناقدِ بصیر حضرت الاستاذ مولانا زین العابدین اعظمی نور اللہ مرقدہ سے راقم کا تعلق عرصہ دراز سے نہیں بلکہ مولانا کی زندگی کے صرف آخری ڈیڑھ سالہ عرصہ پر محیط ہے، لیکن اس قلیل عرصہ میں مولانا نے لوحِ قلب پر اپنا وہ نقشِ جاوداں ثبت کیا ہے جو مٹائے نہیں مٹتا۔ دنیا میں انسان کو بہت سی چیزیں متاثر کرتی ہیں: پھولوں کا حسن، کلیوں کی چٹک، گلشن کی مہک، ستاروں کی چمک.....، انکا تأثر دائمی نہیں بلکہ عارضی اور وقتی ہوتا ہے، لیکن مولانا کا تأثر آج بھی ذہن ودماغ میں ایسا چھایا ہوا ہے کہ اب ذہن کسی کا تأثر قبول ہی نہیں کرتا؛ یوں تو اور بھی شخصیات کو قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا ،لیکن مولانا کو انتہائی قریب سے دیکھا، شب وروز دیکھنے کا موقع ملا، مولانا کا لمحہ لمحہ ہمارے سامنے تھا، ظاہر وباطن ہمارے مشاہدے میں تھا؛ کہتے ہیں "دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں"، لیکن یہاں معاملہ برعکس تھا؛ دیوبند میں فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی زبانی بارہا

مولانا کا تذکرہ سنا تھا اور ملاقات کا اشتیاق بھی وہیں سے پیدا ہوا، پھر جب مولانا کو قریب سے دیکھا تو اندازہ ہوا کہ واقعی یہ شخصیت اپنے اندر وہ عظمت لیے ہوئے ہے کہ مستفیدین و متوسلین ہی نہیں معاصرین بھی اسکی عظمت کا برملا اعتراف واظہار کرتے ہیں۔

رجال سازی میں مولانا نے جو خدمات انجام دی ہیں ماضی قریب میں اسکی نظیر کم ملتی ہے؛ اس گئے گذرے دور میں جبکہ لوگوں کے پاس بات کرنے کی بھی فرصت نہیں، مولانا نے اپنا پورا وقت ہم طلبہ کے لئے وقف کر رکھا تھا؛ مغرب بعد کا وقت ہو یا عشاء بعد کا، فجر بعد کا ہو یا عصر بعد کا، خواہ مولانا اپنے انتہائی اہم کام ہی میں مصروف کیوں نہ ہوں، اگر ہم طلبہ میں سے کوئی کسی دریافت طلب مسئلہ کو لیکر پہنچ جاتا تو اپنے تمام کام ایک طرف، اب سب سے اہم کام وہ مسئلہ ہوتا، مولانا پوری طرح متوجہ ہوکر اس مسئلہ کو حل فرماتے، طلبہ کی معمولی کمزوریوں پر پوری توجہ اور انہیں اس جانب متوجہ کرنے کا نرالا انداز، ایک روز درسگاہ تخصص فی الحدیث میں بیٹھا مصروفِ مطالعہ تھا کہ مولانا نے آواز دی، دوڑ کر حاضر ہوا، فرمایا: ''بابو! مسلم شریف کے مشہور راوی ابوبکر ابن ابی شیبہ کا نام کیا ہے؟'' عرض کیا: ''حضرت ابھی فی الوقت تو ذہن میں نہیں ہے'' تو مولانا نے خود نام بتایا اور فرمایا جاؤ مطالعہ کرو؛ بات معمولی تھی، لیکن بلا کر بتانے کا انداز نرالا تھا، اب یہ نام قلب پر ایسا جاگزیں ہوا کہ شاید تاحیات نہ بھولے۔ اگر ایک طرف ہماری تعلیم پر پوری توجہ، تو دوسری جانب تربیت میں بھی کوئی کسر نہ چھوڑی، چنانچہ مولانا ہمیں دسترخوان بچھانے، اٹھانے اور برتن دھونے تک کا سلیقہ سکھاتے۔

مولانا کا مطالعہ میں انہماک بھی قابل دید تھا، بڑے بڑے معزز مہمان بھی آکر قریب بیٹھ جاتے لیکن مولانا گردوپیش سے بے خبر مطالعہ میں اس طرح مستغرق رہتے کہ کسی کی موجودگی کا احساس ہی نہ ہوتا، مولانا مسندِ درس پر پوری محدثانہ شان کے ساتھ جلوہ افروز ہوتے؛ لیکن جب گھر میں ہوتے تو ایک عام آدمی کی طرح چھوٹے چھوٹے کام بھی خود اپنے ہاتھ سے انجام دیتے، یہاں بھی سنت نبوی کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیتے؛ چنانچہ صحیح ابن حبان کی روایت ہے: ایک موقع پر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ جب گھر میں تشریف فرما ہوتے تو کیا کرتے تھے، کیا امور انجام دیتے تھے؟ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: ''كَانَ يَخِيطُ ثَوْبَهُ وَيَخْصِفُ نَعْلَهُ، وَيَعْمَلُ مَا كَانَ يَعْمَلُ الرِّجَالُ فِي بُيُوتِهِم'' (صحیح ابن

حبان: ۵۶۷۷) اپنے کپڑے سیتے تھے، جوتے گانٹھ لیتے تھے اور وہ تمام کام کرتے تھے جو (عام طور پر)لوگ گھروں میں کرتے ہیں''، ہم نے حضرت مولانا کو بھی اسی طرح کام کرتے دیکھا۔

استغناء مولانا کے اندر ایک بہت ہی نمایاں وصف تھا، حتی الامکان اپنے تمام کام خود ہی انجام دیتے، جلدی کسی سے خدمت لینا مولانا کو گوارہ نہ تھا، چنانچہ یاد پڑتا ہے: ایک موقع پر ہم طلبہ درسگاہ میں موجود تھے، مولانا کو کسی کتاب کی ضرورت پڑی، تپائی کا سہارا لیکر خود اٹھے، لیکن کمزوری بہت زیادہ تھی، لڑکھڑا گئے اور جلدی سے جنگلے کو تھاما؛ میں دوڑ کر پہنچا اور عرض کیا: ''حضرت! ہمیں حکم دیا ہوتا، اتنی کمزوری میں خود زحمت کی'' فرمانے لگے: ''نہیں بابو! تم مطالعہ میں مصروف تھے، مجھے اچھا نہیں لگتا کہ حدیث کی مشغولیت چھڑوا کر تمہیں اپنے کام میں لگاؤں''، اللہ اللہ!! ایک تراسی سالہ شخص جس کا کھانا پینا بھی کئی روز سے بند ہے، نقاہت حد سے زیادہ بڑھ چکی ہے، اس کے باوجود استغناء کا یہ عالم!!! اللّٰھم ارزقنا صلاحا

ع : ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے

مبدأفیاض نے مولانا کے قلب میں رقت ونرمی بھی کوٹ کوٹ کر بھری تھی، سوز وگداز کے موقع پر موم کی طرح پگھل جاتے، قلب کی آنکھیں بھی اشکبار ہوتیں؛ یہی وجہ تھی کہ ہر خاص وعام مولانا کا گرویدہ تھا، مولانا سب کے دلوں پر حکمرانی کرتے تھے، کبھی کوئی مولانا کی برائی کرتا نہیں نظر آیا۔ معمولات کی پابندی بھی مولانا کے یہاں خوب تھی، لوگ جوانی میں بھر پور طاقت کے باوجود معمولات کی اس طرح پابندی نہیں کر پاتے جس طرح مولانا اپنی پیرانہ سالی میں کیا کرتے تھے؛ چنانچہ بہت مرتبہ دیکھا کہ رات بھر طویل المسافت سفر طے کر کے آتے اور صبح پہلے گھنٹے میں حسب معمول پوری بشاشت کے ساتھ سبق پڑھاتے، سفر کی تکان کا نام ونشان نہ ہوتا، ظہر بعد مولانا کا تکملہ امداد الباری شرح بخاری لکھنے کا معمول تھا، ایک دن مولانا کا بغرضِ علاج ممبئی کا سفر تھا، تین ساڑھے تین بجے مدرسہ سے نکلنا تھا، لیکن سب نے دیکھا کہ مولانا اس دن بھی ظہر بعد انتہائی اطمینان کے ساتھ تکملہ امداد الباری لکھنے میں مصروف ہیں۔ پھر ممبئی گئے وہاں بڑے بڑے ڈاکٹروں نے بھی جواب دے دیا، واپس سہارنپور آئے، یہ واپسی غالباً رات دو ڈھائی بجے ہوئی تھی، صبح پہلا گھنٹہ مولانا کو پڑھانا تھا، ہمیں امید ہی نہیں بلکہ یقین تھا کہ آج مولانا سبق نہیں پڑھائیں گے، بلکہ درسگاہ ہی تشریف نہیں

لائیں گے، کیونکہ تقریباً دو ماہ سے برائے نام ہی غذا اندر جا پاتی تھی، میں بغرضِ خدمت گھر جانے کی سوچ ہی رہا تھا کہ اس وقت حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب دیکھا کہ مولانا وہیل چیر پر ایک خادم کے ہمراہ درسگاہ تشریف لا رہے ہیں؛ آئے، سبق بھی پڑھایا؛ لیکن آج مولانا کے چہرے پر غیر معمولی نورانیت کے سوا جسمانی طاقت بالکل نظر نہ آ رہی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس مہلک مرض نے رگ رگ سے طاقت وتوانائی سلب کر کے باطنی نور کو تمام جسم اور خصوصاً چہرے پر بکھیر دیا ہو، درس میں موسم بہار کا حسین منظر پیش کرتی وہ گل افشانی گفتار بھی نہ تھی، کمزوری بہت زیادہ بڑھ چکی تھی، کھانسی کا عارضہ بھی شدید ہو گیا تھا، کھانسی کے ساتھ معدے کا لعاب بھی آتا جسے مولانا بار بار اگالدان میں تھوکتے جاتے، لیکن اس حالت میں بھی سبق جاری رہا؛ مولانا کی یہ حالت دیکھ کر ہماری آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری تھے، لیکن مولانا فرماتے کہ یہی (پڑھنا پڑھانا وحدیث کی مشغولیت) میری غذا ہے، میں اسے نہیں چھوڑ سکتا، اسی کے ساتھ دنیا سے رخصت ہونا چاہتا ہوں۔ نیز فرماتے کہ مجھے اس حالت میں بھی خدا سے کوئی شکوہ نہیں، بلکہ اس کا بہت شکر واحسان ہے کہ اس نے تراسی سال تک خوب کھلایا پلایا، اب اگر چند دن سے نہیں کھا پا رہا ہوں تو کیا ہوا۔

ع: اب انہیں ڈھونڈھ چراغِ رخِ زیبا لیکر

چند روز سہارنپور میں قیام فرمایا، پھر دیکھتے ہی دیکھتے ۸/ جمادی الاولی ۱۴۳۴ھ کا وہ دن آ گیا جب مولانا کو وطن مالوف روانہ ہونا تھا؛ اہل اللہ کے معاملات بھی عجیب ہوتے ہیں، اگر وہ کوئی بات کہہ دیں تو بارگاہ ایزدی میں وہ رد نہیں ہوتی، مولانا نے ممبئی جاتے وقت مجھ سے فرمایا تھا کہ واپس آ کر سبق پڑھاؤں گا، چنانچہ وہاں سے واپس بھی آئے، سبق بھی پڑھایا، لیکن آج جبکہ گھر جانے والے تھے عصر بعد مجھے کچھ نصیحتیں کیں اور فرمایا: "بابو عبدالمعید! اب میں واپس نہیں آؤں گا" اچانک امڈ آنے والے آنسوؤں کے سیلاب کو ضبط کرتے ہوئے میں نے عرض کیا: "نہیں حضرت! ابھی تو آپ ہماری کتاب پوری کروا کر دعا فرمائیں گے"۔ لیکن مولانا نے پھر فرمایا: "نہیں بابو! اب میں ہمیشہ کے لئے جا رہا ہوں"، پھر وہ جاں گسل لمحہ بھی آ پہنچا، تقریباً دس بجے گاڑی تھی، آج صبح ہی سے مولانا کے گھر پر بکثرت طلبہ و متعلقین کی آمد ورفت تھی، عشاء بعد تو کافی ہجوم جمع ہو گیا تھا، ہر کسی کی نگاہوں میں سوال تھا کہ کیا مولانا ہمیشہ کے لئے جا رہے ہیں؟ مجھ سے پوچھتے تو میں منع کرتا کہ نہیں سب سامان تو یہیں

ہے پھر تشریف لائیں گے؛ لیکن میرے دل میں بھی اِک خلش تھی کہ کیا واقعی ہمارا مخلص مربی ہمیشہ کے لئے ہم سے جدا ہو رہا ہے؟ پھر اسٹیشن پہنچے تو بہت سے طلبہ پہلے ہی وہاں پہنچ چکے تھے، خاصا ہجوم ہو گیا تھا، گاڑی آئی، سب نے دلِ مضطرب وچشمِ نم کے ساتھ مولانا کو رخصت کیا؛ لیکن آہ!!! کسی کو کیا معلوم تھا کہ آج ہمارا یہ عظیم محسن ومربی ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو رہا ہے۔ صبح شعبہ میں آیا، آج شعبہ تخصص فی الحدیث بالکل ویران نظر آ رہا تھا، لیکن کیوں؟ سب کچھ تو وہی تھا، مولانا کے علاوہ دیگر تمام اساتذہ اور انکی پدرانہ شفقتیں، تمام طلبہ، پھر بھی نہ معلوم کیوں در ودیوار پر اداسی چھائی ہوئی تھی، وہی شعبہ تخصص فی الحدیث جسے مولانا نے اپنے خونِ جگر سے سینچا تھا، آج یہ چمن بھی اپنے مالی کا فراق برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔ مولانا کا یہ آخری سفر ثابت ہوا، اور بالآخر محرومیوں کی شب دیجور، نورِ معرفت وتنویرِ عرفاں پر سفاکانہ حملہ میں کامیاب ہوگئی

ع: ڈھونڈھوگے ہمیں ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

واقعی اس طرز کی ہستیاں ہمیشہ پیدا نہیں ہوتیں، بلکہ مبدأ فیاض کبھی کبھی ابرِ نیساں سے قطرات کی بارش کرتا ہے جو انسانی صدف میں سب سے قیمتی موتی بنتے ہیں۔

اخیر میں ملک وبیرونِ ملک پھیلے مولانا کے براہِ راست مستفیدین ومتوسلین سے خصوصاً اور تمام قارئین کرام سے عموماً گذارش ہے کہ حضرت مولانا کو سچی خراجِ عقیدت تب ہی ہوگی جب ہم مولانا کے اِن اوصافِ حسنہ کو خود اپنی زندگیوں میں شامل کریں، کہ مولانا کی زندگی کا ہر پہلو ہمارے لئے مشعل راہ ہے؛ نیز مولانا نے فنِ حدیث، خصوصاً فنِ اسماء رجال کے تعلق سے جو انقلاب برپا کیا، جو مشن لیکر اٹھے تھے اس مشن کو ہم آگے بڑھائیں۔ دعا ہے کہ اللہ رب العزت پسماندگان کو صبر جمیل اور حضرت کو کروٹ کروٹ چین وسکون عطا فرمائے، طاب اللہ ثراہ، و جعل الجنة مثواہ، آمین یارب العالمین.

بھلا سکیں گے نہ اہلِ زمانہ صدیوں تک
تری وفا، ترے عشق وجنوں کے افسانے

☆☆☆☆☆

چند قطرے دل کا افسانہ

مولانا محمد عارف مظہری (اشرف العلوم، آزادنگر کریلی، الہ آباد)

پہلی دید: شیخ صاحب کو زمانہ طالب علمی میں غالباً ۱۹۸۶ء میں مدرسہ قاسم العلوم قاضی پورہ گھوسی مئو، مدرسہ میں پہلی بار ترجمہ قرآن مجید کے آغاز کے موقع سے دیکھا تھا۔ قاضی پورہ مئو گھوسی سے آپؒ کے خاندان کے قدیمی تعلقات کے ساتھ خود آپ کے یکے بعد دیگرے دوسرالی رشتے تھے۔ اور خصوصاً دوسرے رشتہ کے تعلقات اخیر تک اسی الفت ومحبت کے ساتھ قائم رہے۔ جلوت وخلوت، خوشی وغم، رنج وراحت، رہن سہن، لباس وپوشاک، انفرادی واجتماعی زندگی، قدیم رشتوں اور ان رشتوں کی رشتہ داریوں اور قرابتوں کی شوق وذوق سے معلومات اوران کا پاس ولحاظ، اپنوں کی کمیوں کوتاہیوں کا احساس ان کوتاہیوں پران کو تنبیہ، ان کی بے جا طرفداری سے احتراز، مداہنت سے دوری اور ہر عمل کا احتیاط واعتدال کے ساتھ انجام دینا۔ یہ وہ اوصاف تھے، جو میں نے آپؒ کی زندگی میں واضح طور سے محسوس کیا۔

آپؒ کی سادگی: اللہ کے نیک بندے ناز ونعمت والے نہیں ہوتے۔ آپ کی زندگی سادہ، تکلفات سے خالی اور زاہدانہ تھی۔ نام ونمود سے دور رہتے تھے۔ اپنی شخصیت کا استعمال کر کے کسی کو مجبور کرنے اور استحصال کرنے کا مزاج نہ تھا۔ اپنا کام اپنے ہاتھوں کرلیا کرتے تھے۔ مسجد میں بعض دفعہ جھاڑو خود لگا دیا کرتے تھے۔ ایک ادنیٰ طالب علم کی طرح قرآن مجید کی تلاوت انہماک اور اہتمام سے فرماتے تھے۔ لباس میں سادگی کے ساتھ اتباع سنت کا خاص اہتمام فرماتے تھے۔ ٹوپی کے ساتھ عمامہ اور عصاء کے بغیر اپنے لباس کو نامکمل سمجھتے تھے، کفایت شعاری کا مزاج، بظاہر معمولی اور چھوٹی چیزوں کو بھی ضائع ہونے سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے۔ خوش عیش گجرات کے مقابلہ میں دور افتادہ پر مشقت اپنے وطن پورہ معروف کو ہمیشہ عملی طور سے بھی ہر معاملہ میں ترجیح دیتے رہے۔

سب مدرسے اپنے ہیں: رمضان المبارک کے مہینہ میں کسی مدرسہ کا چندہ کر کے واپس آئے ہوئے ایک مولانا صاحب اور نئے جیتے ہوئے پردھان جی آپ کے پاس افطار کے وقت بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے مولانا صاحب سے پوچھا کہ آپ کس مدرسہ کا چندہ کرنے کہاں گئے تھے

اورکب واپس آئے ہیں؟ انہوں نے واپسی کا کوئی دن بتلاتے ہوئے کئی بار کہا کہ اپنے مدرسہ کا چندہ کرنے گیا تھا۔ آپ نے ایک دوبار یہی سوال دہرایا اورانہوں نے وہی پرانا جواب دیا۔ شیخ صاحب نے ان سے فرمایا کہ مدرسے سب اپنے ہی ہیں، ہرمدرسہ کو اپنا ہی مدرسہ سمجھئے اور پردھان جی سے مخاطب ہوکرفرمایا کہ پردھان جی! آپ ان لوگوں کے بھی پردھان ہیں جنہوں نے آپ کو ووٹ دیا اوران کے بھی جنہوں نے آپ کوووٹ نہیں دیا۔ آپ سب کا خیال رکھئے گا۔

چندہ بنام عمرہ: چندہ کو مقصد بنا کر عمرہ کو بطور ذریعہ استعمال کرنے والوں کو آپ بالکل پسند نہ کرتے تھے۔ آپ ایسے لوگوں کو عمرہ جیسی مقدس عبادت کو بدنام کرنے والوں میں شمار کرتے تھے۔

احتیاط کی تعلیم: ایک دفعہ آپ کے گھر کے بعض افراد پر واقعی آسیب یا سحر کا اثر ہو گیا تھا، ایک خصوصی مجلس میں گھر کے تمام افراد موجود تھے۔ اور وہ سب لوگ اس بات پر مصر اور متفق تھے کہ یہ برا کام متعین پڑوسی کا ہے، لیکن حضرت بار باران تمام لوگوں کی اس بات کو رد کرتے رہے اور فرمایا: جب تک آنکھوں سے دیکھا نہ ہو یہ صریح الزام درست نہیں ہے۔

قطع رحمی کا خوف: اس آخری بیماری کے ایام میں ایک دن فجر کی نماز کے بعد برادرم مولانا عبدالباسط صاحب اور احقر آپ کے پاس موجود تھے۔ آپ نے عبدالباسط بھائی سے مخاطب ہوکرفرمایا: بابو! رات سے میرے دل میں یہ بات بار بار آرہی ہے کہ تمام لوگ عیادت کو آرہے ہیں، لیکن محمد عمر، جو میرا چھوٹا بھائی ہے، وہ اب تک نہیں آیا ہے۔ بیٹا جاکر ان سے کہو کہ والد صاحب نے بلایا ہے۔ اپنی طرف سے یہ نہیں چاہتا کہ قطع رحمی کے ساتھ اس دنیا سے جاؤں اور اللہ سے ملوں۔ حاصل یہ کہ ہم دونوں، چچا سے ان کے گھر جاکر ملے۔ ان کے دل میں ان کے خود طلب مزید کے پیدا کردہ کچھ گلے شکوے تھے، جو انہوں نے بیان کئے۔ عبدالباسط بھائی نے ان برادرانہ گلے شکووں کو دور کرنے کا بھروسہ دلایا، دو چار جملے اخیراخیر میں میں نے بھی کہے۔ خیر حضرت کی یہ دلی خواہش پوری ہوئی۔ عمر چچا خود آئے، اپنے لڑکوں کو ساتھ لائے اوران کے گھر کی عورتیں گھر میں آئیں۔ حضرت شیخؒ نے چچا کے سامنے اپنے واجبی حق سے بھی ان کے حق میں دستبرداری کا قولاً بھی اظہار کردیا۔ چچا دیر تک قرآن مجید پڑھتے رہے، روتے رہے اور مسلسل دم کرتے رہے۔ ندامت سے آنکھ سے نکلا ہوا آنسو کا ایک قطرہ بھی دل کی تہہ بہ تہہ بیٹھی ہوئی گندگیوں اور کدورتوں کو اس طرح صاف

کردیتا ہے کہ سمندر کی لہریں مارتی موجیں بھی اس طرح صاف نہیں کرسکتیں۔ان کے جانے کے بعد حضرت شیخؒ نے فرمایا: آج ابھی تک قصبہ سے باہر کا کوئی عیادت کرنے کے لئے نہیں آیا (جیسا کہ عموماً اس طرح کی آمدورفت رہتی تھی) لیکن میرا بھائی آ گیا آج میرا دل بہت خوش ہے۔

معاصرانہ چپقلش سے گریز: محققانہ تنقید کا مزاج رکھنے کے باوجود آہستہ ذکر کرنے والوں پر نقد وتبصرہ کئے بغیر خاص اوقات میں جہر کے ساتھ ذکر کا شغل رکھتے۔بیشتر مریدین کو بھی اس طریقہ پر علاجاً ذکر وتسبیحات بتلاتے علمی یا عملی طور سے حد اعتدال اور مزاج شرع سے ہٹی ہے جا غلو یا ترجیح کی کسی کی کوئی تقریر وتحریر وغیرہ سامنے آجاتی تو اصل مرجع کی وضاحت کے ساتھ اس کو اطلاع دیدیتے،اگر پھر بھی وہ بے جا ضد اور شرع نیز تاریخ کے غیر صحت مند عنصر کو رواج دینے کی جرأت بیجا پر اصرار کرتا تو اس کا علمی احتساب فرماتے۔اپنے بزرگوں کے ساتھ ساتھ اپنے معاصرین کا نام بھی ادب اور عزت واکرام کے ساتھ لیتے،دوسرے مشائخ کے مریدین، متعلقین سے بھی قدردانی بشاشت سے ملتے۔کسی شیخ یا عالم کی برائی،غیبت وبہتان سے حددرجہ احتیاط رکھتے۔معاصرین میں سے کسی عالم کے خانقاہی نظام یا دعوت وتبلیغ سے جڑے نہ ہونے کا (جس کا عموماً علماء میں فقدان ہے، الا ماشاء اللہ) شکوہ کرنے کی کوشش کرتا تو آپ اس عالم کی علمی وعملی بڑائی خوبیوں کا ذکر کرکے خاموش کردیتے،جبکہ آپ کا دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں سال بھی لگا ہوا تھا۔اور المعاصرة سبب المخالفة کا مذاق بھی آج کل عام ہو چلا ہے۔

ایک مجلس میں کسی پان خور صاحب نے پان خوری کو ''سنت محدثین'' کہنے کا کسی کا قول نقل کردیا۔حضرت شیخ بگڑ گئے۔فرمایا کہ اس میں لفظ ''سنت'' کی توہین ہے۔نہ کھانے والوں کی مدح سرائی کرتے،اس کی عادت نہ ڈالنے اور اس سے بچنے کی تلقین بھی کرتے۔

مرجع کی کیفیت: خود کام سلیقے سے کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے چھوٹوں کو کام سلیقے اور قرینے کی قولی وعملی تربیت دیتے۔اصول واوقات کی پابندی کو خاص اہمیت دیتے۔اپنے اوقات کے ساتھ اپنے چھوٹوں کے اوقات اور ان کے جذبات کی بھی رعایت کرتے۔اسمائے رجال کی معرفت کے ساتھ صفات رجال کی بھی اچھی معلومات رکھتے تھے۔باتیں مسلم علمی شخصیات کے حوالوں سے کرتے۔علمی واصلاحی باتوں کو بھی پرلطف واقعات اور مثالوں سے سمجھاتے۔تدریس میں

صحیح عبارت خوانی پر سب سے زیادہ زور دیتے، عبارت خوانی کی غلطی پر سب سے زیادہ ناراض ہوتے، ضمیر، مرجع، موصول، صلہ۔ ہر ایک کے ترجمہ کا لحاظ رکھنے کی تاکید کرتے، مختصر، مفید، واضح، کافی، شافی جملوں سے عبارت کی ایسی وضاحت فرمادیتے، جو بہت سے علمی اشکالات کا جواب ہوجاتے۔ بڑے بڑوں کے بڑے بڑے علمی اشکالات اور الجھی گتھیوں کے سلجھانے میں کمال کا درجہ رکھتے تھے۔ درس وتدریس کے سلسلے میں، جہاں کہیں بھی رہے، وہاں کے اساتذہ کے لئے مرجع کی حیثیت سے رہے۔

بڑوں کے اختلافات: ایک مرتبہ خاندان کے مختلف شاخوں کے چند افراد جمع تھے۔ خاندان کے بڑوں کے اختلافات اور ان کے الگ ہونے کا ذکر آ گیا تو اپنے خاندان کے ایک بڑے کا ذکر کرتے ہوئے حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ "ان کے ایک پوتے نے ان سے پوچھا کہ دادا، بڑے دادا لوگ کیوں الگ ہوگئے، ان کا کس بات کو لے کر اختلاف تھا، تو انہوں نے زندگی کے ہر شعبہ کے لئے کارآمد، اہم اور آب زر سے لکھنے کے لائق نصیحت کرتے ہوئے فرمایا "بیٹا بڑوں کے اختلافات چھوٹوں کو نہیں بتلائے جاتے، کیوں کہ وہ بڑے سب کے بڑے ہوتے ہیں۔

تاکہ کتابوں سے ربط رہے: بعض احباب سے کبھی کبھی علمی اور اس فن سے مناسب سوال کر لیتے، جس میں اس شخص کو خاص تعلق اور ربط ہوتا تھا۔ اس میں دو باتیں خاص طور سے میں نے محسوس کیں۔ پہلی بات تو یہ کہ آپ کا سوال انہیں افراد سے ہوتا، جن سے آپ کو کچھ خاص تعلق خاطر ہوتا۔ چاہے وہ قرابت کا ہو یا تعلیمی یا اصلاحی تعلق ہو۔ اور دوسری اور سب سے اہم بات یہ تھی کہ اس سوال سے احساس دلانے کی کوشش کرتے، بلکہ اکثر اسی مجلس میں اس کا اظہار بھی فرمادیتے کہ زمانہ طالب علمی گذر جانے کے بعد بھی ان کا اس فن اور کتابوں سے طالب علمانہ تعلق باقی رہے۔ اس سے ربط کی ترغیب کے ساتھ اس میں ہو رہی کمی اور انحطاط کا احساس دلانا بھی مقصود ہوتا تھا۔ فرماتے تھے کہ "تدریس سے متعلق کتابیں نہ ہونے کے باوجود فن کی اہم کتابوں کو مسلسل مطالعہ رکھنے کی عادت رکھیں، اگر چہ تھوڑی مقدار ہی کیوں نہ ہو"۔ اپنے معمول کے متعلق ایک بار فرمایا کہ "جس زمانہ میں میں قاعدہ بغدادی پڑھایا کرتا تھا، اس دور میں بھی بخاری شریف روزانہ پڑھا کرتا تھا۔

علاج میں غلو سے احتیاط: غیر فطری علاج معالجہ کی طرف بشاشت سے کبھی آمادہ

نہ ہوئے۔ اعزہ، اقرباء اور احباء کی دلجوئی کے لئے اسے استعمال کر لیتے۔ علاج ومعالجہ میں بھی غلو کے قائل نہ تھے۔ جب واقعی اعتدال پیدا ہوتا ہے تو اس کے اثرات زندگی کے ہر شعبہ میں نظر آنے لگتے ہیں۔ اس اخیر عمر کے سوا دوا کا استعمال کرتے بہت کم دیکھا گیا۔ میت کی عدم منتقلی، جنازہ جلدی پڑھنے اور اسپتال میں داخل نہ کر دینے کی سخت وصیت تھی۔ اسپتال میں داخل کئے جانے والے مریضوں کے حالات درد بھرے انداز میں بیان کرتے اور اسپتال میں داخلہ کی صورت میں اس آخری وقت کلمہ کی تلقین تو دور، کسی مشرع بلکہ مطلق مسلمان کی موجودگی کی بھی ضمانت نہیں لی جاسکتی۔ بحمدللہ آپ کی ان میں سے ہر ایک خواہش بعافیت بفضلہ تعالیٰ بآسانی پوری ہوئی ؎

ہوئے اس قدر مہذب کبھی گھر کا منہ نہ دیکھا
کٹی عمر ہوٹلوں میں مرے اسپتال جاکر

دوسروں کی رعایت: اس آخری بیماری میں آپ کئی بار خود سفر کی مشقتیں برداشت کرکے اپنے وطن تشریف لائے۔ حضرت شیخ نے اس کی وجہ ایک دن فرمایا کہ "میں سفر کرکے اور تکلیف برداشت کرکے اس لئے آجاتا ہوں کہ اپنے خاص لوگ میری بیماری کو سن کر سہارنپور دیکھنے، ملاقات کرنے ضرور آئیں گے۔ اس طرح بہت سے لوگوں کا وقت اور روپیہ دونوں خرچ ہوگا اور بہت سے کمزور اقرباء واحباء چاہ کر بھی وہاں کا سفر نہ کرسکیں گے، اس کا انہیں رنج بھی ہوگا۔ میں اس لئے یہاں آجاتا ہوں کہ سب لوگ بآسانی عیادت کرسکیں اور میری ایک تکلیف سے بہتوں کو ہر طرح راحت مل جائے۔ یہاں وطن عزیز آکر بہت سے لوگوں نے آپ کی عیادت جو کیا سو کیا، اپنے یہاں سے خود جاجا کر لوگوں کی ان کے گھروں اسپتالوں میں بے شمار عیادتیں کر ڈالیں۔ ان میں علماء کرام بھی تھے اور عوام الناس بھی۔ انہیں ایام میں سہارنپور رہتے ہوئے ایک بار آپ کے اہل خانہ کا سہارنپور جانا طے ہوگیا۔ سہارنپور میں بھی آپ کو اس آمد کی اطلاع ہوگئی تھی۔ آپ کے ایک نیک سعید اسم باسمی شاگرد نے عرض کیا کہ حضرت اب اہل خانہ کے آجانے کے بعد آپ کو راحت وآرام زیادہ مل سکے گا، تو حضرت شیخ نے فرمایا "بات تو صحیح ہے مگر میں یہ سوچتا ہوں کہ اگر میرا انتقال سہارنپور میں ہوگیا تو میری اہلیہ کو عدت کے ایام گذارنے کے لئے مجبوراً یہاں زیادہ دنوں تک رکنا پڑے گا۔ اس سے ان کو بہت مشقت اور تکلیف ہوگی۔

دعا لینا: اپنے پاس ہر نئے آنے والے اور غیر متعارف شخص سے اس وقت تک تعارف حاصل کرنے کے لئے مختلف زاویوں سے سوال کرتے رہتے، جب تک اس کا مکمل یا تو کچھ نہ کچھ تعارف حاصل نہ ہو جاتا۔ ایک طالب علم کے سفر سہارنپور میں خدمت کو سراہتے ہوئے فرمایا کہ کچھ لوگ دعاؤں کی درخواست کرتے ہیں اور بعضوں کے حسن عمل سے خود بخود دعائیں دل سے نکلنے لگتی ہیں۔

شک وشبہ کا سدباب: ادھر آٹھ دس سال سے خاص طور سے عید کی رات چاند ہونے کے بعد میری طبیعت خراب ہو جاتی تھی اور بسا اوقات عید کی نماز پڑھانا مشکل ہو جاتا۔ ۲۰۰۹ء کے رمضان المبارک سے قبل ہی میں شدید بیمار ہو گیا تھا۔ گھر کے بیشتر افراد اور دیگر اعزہ کو سحر وغیرہ کا بھی خدشہ تھا۔ بیماری کی اطلاع حضرت کو بھی ملی۔ چند احباب کے ہمراہ گھر تشریف لائے میرے اہل خانہ اور حضرت علیہ الرحمہ کے اہل خانہ کی شدید خواہش کے مطابق آپ کا تشخیص کا پختہ ارادہ بھی تھا۔ گھر تشریف لانے کے بعد جب مرض ہونے کا قطعی علم ہو گیا تو آپ نے اس تشخیص کے عمل کو باوجود گھر کے افراد اور احباب کی خواہش کے ملتوی کر دیا۔ آخری درجہ میں ایک بوتل پانی کے دم کرنے کی گذارش کو بھی یہ کہتے ہوئے رد فرما دیا کہ "اس سے بھی بلاوجہ شک وشبہ پیدا ہوگا۔ پھر مکمل صحت یابی کے بعد ایک مرتبہ حاضری کے موقع سے جب میں بھی تنہا تھا، سرکنڈے سے ناپا، سرکنڈ برابر ہونے جانے کے بعد فرمایا کہ آپ کو خود بھی سحر وغیرہ کا شبہ نہ تھا اور مجھے بھی نہیں، مگر گھر والے برابر تشخیص کے لئے اصرار کر رہے تھے۔ میں نے یہ کام اب کر دیا تا کہ انہیں بھی اطمینان ہو جائے۔ اور آپ نے اس کی اطلاع گھر میں بھی جا کر کر دی۔

ورثاء کا حق: انتقال کے دن دوبار مجھ سے بنیائین اتارنے کا اشارہ کیا۔ میرا دل بھر آیا، آنکھ نم ہو گئی۔ میں نے حضرت کے بے لوث خادم، مزاج شناس بھائی عبدالرحیم کی طرف اشارہ کر کے اس کی وضاحت چاہی۔ انہوں نے اس طرف توجہ نہ دینے اور چھوڑ دینے کا اشارہ کیا۔ وہاں سے ہٹنے کے بعد میرے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ حضرت نہیں چاہتے کہ میرے وفات کے بعد میرے جسم پر ورثاء کے استعمال کے قابل کوئی کپڑا بھی رہ جائے۔

افضل پر عمل: آپ نے گھٹنوں میں شدید تکلیف کے باوجود کبھی بھی نماز کے لئے کرسی کا استعمال نہیں کیا۔ المونیم کی چھڑی کی جگہ لکڑی کے عصاء کو بیشتر استعمال میں رکھا۔ احرام کے

کپڑوں کے بدلے نئے کپڑوں کو کفن کے لئے ترجیح دیا۔ اولیائے اقرب کے بجائے امامت جنازہ کے شرعی مستحق امام عیدین کے لئے (کتابوں کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے) واضح اشارہ کر گئے۔
جنازہ میں شرکت کے لئے لوگوں کے لئے کم وقت ملا، دن کے اجالوں میں آمدورفت کی سہولیات سے خالی، پورہ معروف جیسی دورافتادہ جگہ، تعلیمی اوقات کے شباب پر ہونے کا زمانہ، پھر رات وقت ہونے کے باوجود خلوص ومحبت سے چاہنے والے اہالیان پورہ معروف کے عوام خواص دوسرے مقامات کے نمائندے، خواص اور اخص الخواص کی حیثیت سے شریک مجمع کے ساتھ ساتھ بڑی وقار، باضابطگی اور سلیقگی سے بحسن وخوبی تمام مراحل کی تکمیل اور آپ کی نصیحتیں، وصیتیں قابل غور وتقلید ہیں۔ اللهم اغفرله وارحمه وادخله فی الجنة الفردوس، آمین یارب العالمین۔

ادا کیوں کر کریں گے چندے قطرے دل کا افسانہ
بہت دشوار ہے جتنا سمجھنا اتنا سمجھانا

☆☆☆☆☆

مجالس وملفوظات حضرت مولانا مرحوم

مرتب: انصار احمد معروفی

گاؤں کی اصلاح کی فکر: ۲۷/شعبان ۱۴۲۹ھ کو حضرت نے اپنے گھر پہ موجود ذاکرین وعلما کی موجودگی میں فرمایا کہ رشتہ داری، قیامت کے دن عرش کے دونوں طرف اللہ تعالیٰ سے بالکل قریب ہوگی، اعمال صحیح بھی نکلیں گے تو یہ رشتہ داری اس کو پکڑ لے گی کہ اس نے مجھ کو کاٹا تھا، اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ میں نے اپنے گاؤں کے بارے میں بہت غور کیا کہ اعمال صالحہ تو بہت ہیں، پھر بھی حالات میں سدھار نہیں ہو رہا ہے، اس کی وجہ مجھے یہ سمجھ میں آرہی ہے کہ ہمارے اندر قطع رحمی بہت آگئی ہے، بھائی کا بھائی سے قطع تعلق، بیٹے کا باپ سے ناطہ ٹوٹا ہوا ہے، بہن بھائی سے بگاڑ ہے، وغیرہ وغیرہ، اس لیے اللہ کی رحمت ہم سے دور ہے۔
حضرتؒ نے ذاکرین کے بارے میں فرمایا کہ ذاکرین کا معاملہ بھی ٹرین کی آمدورفت کی طرح ہے، ذاکرین کبھی ذکر میں چلے تو چلتے رہتے ہیں، رُک گئے، تو رُکے رہتے ہیں، ہم کہتے ہیں کہ

اگر ذکر پورا نہ ہوا، اور انقطاع ہوگیا تو پھر اس کو شروع کردو، ترک مت کرو۔

غلط فہمی: حضرتؒ نے رمضان کا (۲۰۰۶ء/۱۴۲۷ھ) پہلا عشرہ مہسانہ، گجرات میں گذارا حضرت نے وہاں جانے سے پہلے اپنی خانقاہ کا تربیتی پروگرام رمضان کے لیے بنایا، عمومی ذمہ داری حضرت حافظ عبداللطیف صاحبؒ پر تھی ہم لوگ اس دن فجر کے بعد حضرت کے یہاں ذکر کے بعد چائے پینے کے لیے موجود تھے، دریں اثناء مولانا عبدالباسط کا مئو سے فون آگیا، حضرت نے موبائل لیا، اور بات کرنے لگے، جس وقت حضرت نے موبائل کان سے لگا کر سلام کا جواب دیا، اسی وقت نئی بستی، کے حافظ محمد ارشد صاحب جو، ان کی مسجد میں تراویح کے ذمہ دار ہیں، سلام کر کے اندر داخل ہوئے، یہ صاحب بھولے بھالے ہیں، سمجھے کہ میرے سلام کا جواب مل رہا ہے، فون پر حضرت نے عبدالباسط سے پوچھا کہ خیریت ہے نا؟ سب لوگ فون سے بات ہونے کی وجہ سے خاموش تھے، یہ صاحب زور سے بولے کہ ہاں الحمدللہ خیریت سے ہوں، اس کے بعد لوگوں نے اشارے سے انہیں متنبہ کرنا چاہا لیکن وہ سمجھ نہ پائے، ہم لوگوں کو چپکے چپکے ان کے جواب پر ہنسی بھی آرہی تھی، اور ان کی سادگی پر قہقہہ لگانے کی، اسی پر بس نہیں، مولانا نے ان سے فون پر پوچھا کہ کب آرہے ہیں؟ اسکا مولانا عبدالباسط نے جو بھی جواب دیا ہو، یہ بول پڑے کہ ابھی آرہا ہوں، اس پر اور ہنسی چھوٹی، کہ الہی! یہ تیرے پُراسرار بندے، مگر وہ ابھی تک نہیں سمجھ پائے، کہ حضرت کس سے مخاطب ہیں، بعد میں جب ان کی لوگوں نے فہمائش کی تو وہ بے چارے بہت شرمندہ ہوئے۔

کام کرنے سے کام ہوتا ہے: ۲۴/اکتوبر ۲۰۰۶ء/۳۰/شوال ۱۴۲۷ھ، بروز جمعرات، حضرت نے اپنے گھر پہ ذاکرین کے سامنے فرمایا کہ حضرت مولانا محمد عثمانؒ صاحب کی اولین تصنیف "حیاتِ طاہر" میں مولانا نے جو یہ لکھا ہے کہ حضرت مولانا محمد طاہر صاحب معروفیؒ محمد آباد گہنہ کے قاضی سلیم صاحبؒ کے نائب (قاضی) تھے اور اس سلسلے میں ان کا ایک خط یا تحریر اس میں دلیل کے طور پر موجود ہے، اس پر ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ نے نقد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ بات صحیح نہیں ہے؛ بلکہ یہ کوئی اور قاضی سلیم صاحب ہیں جن کے نائب قاضی مولانا محمد طاہر صاحبؒ تھے۔

اس نقد پر حضرتؒ نے وہاں موجود علما سے اس کی تحقیق کرنے کے لیے کہا اور یہ بھی کہا کہ اس میں جو فارسی کی تحریر ہے، اس کا ترجمہ ہونا چاہیے، حضرت نے اپنے بڑے لڑکے مولانا ابوعبیدہ سے کہا کہ تم یہ کام اپنے ذمہ لے لو اور بسم اللہ پڑھ کے کام شروع کردو، کام کرنے سے کام کی راہ کھلتی ہے۔

نام زندہ رکھو: حضرت نے اسی مجلس میں یہ بھی کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ جب اس کتاب کے سب نسخے ختم ہو گئے ہیں، تو پھر نئی تحقیق اور ترجمہ کے ساتھ اس کی دوبارہ اشاعت ہونی چاہیے، یہ لوگ ہمارے بزرگ ہیں، اگر ہم ان جیسے نہیں بن سکتے تو کم از کم ان کے نام کو محفوظ کرنے کی کوشش کریں۔

اساتذہ کو خوش رکھو: اسی تاریخ میں حضرت سے ملاقات کرنے اور ان کی دعا لینے کے لیے وہ طلبہ بھی آئے جو پورہ معروف کے تھے، اور یہاں کے مدرسے میں عربی پنجم پڑھ کر اسی دن دیوبند جا رہے تھے، یہ لڑکے رمضان میں بھی افطار کے وقت کی دعا میں حضرت کے یہاں دعا کے لیے آتے تھے، ان سے حضرت نے کہا کہ تم لوگوں نے اپنے اپنے اساتذہ سے دیوبند جانے کے لیے رائے مشورہ کیا ہے؟ اس پر وہ سب خاموش رہے، حضرت نے کہا کہ پہلے اپنے اساتذہ سے رائے مشورہ کر لینا چاہیے، اس کے بعد وہاں جانے کے لیے ٹکٹ بنوانا چاہیے، اس طرح ان کی تم پر زیادہ توجہ ہوگی، اور ان کو خوش کرو گے تو وہ دل سے دعا دیں گے، ان کی دعا زیادہ لگے گی، ٹکٹ بنوانے سے پہلے ان سے مل کر دعا لے لینی چاہیے۔

داڑھی کا ماحول: حضرت نے ۲۸؍شعبان ۱۴۲۹ھ؍یکم ستمبر ۲۰۰۸ء کو اپنی مجلس میں پورہ معروف کے گذشتہ دور کے اچھے ماحول کے بارے میں فرمایا کہ نظام آباد، اعظم گڈھ کے مولانا عبدالحمید صاحب اعظمیؒ کے حوالے سے بتانے لگے کہ ہمارے یہاں کے مولانا نظام الدین صاحبؒ اور ایک مولانا وہاں پڑھاتے تھے، اول الذکر نے وہاں چالیس سال پڑھایا اور وہیں ان کا انتقال ہوا، ان کے یہاں مولانا عبدالحمید صاحبؒ تشریف لاتے تھے، جن کا حضرت شیخ الاسلامؒ سے بھی اچھا تعلق تھا، وہ یہاں آئے، انہوں نے یہاں کا ماحول دیکھ کر کہا کہ کوئی شخص اُس وقت بغیر داڑھی کے ڈھونڈھنے سے بھی نہیں ملا، پھر کچھ زمانے کے بعد یہاں آئے، تو کہا کہ اِکا دُکا لوگ بغیر داڑھی کے نظر آنے لگے، حضرتؒ نے فرمایا کہ اب بغیر داڑھی والوں کی کثرت ہو گئی، جن

میں جاہل اور بعض عالم، حافظ بھی ہوتے ہیں۔

ذکر کرتے کرتے موت آئے: ۱۱ر رمضان ۱۴۲۹ھ، ۱۲ر ستمبر ۲۰۰۸ء، بروز جمعہ حضرت کی مجلس میں دوپہر کی تعلیم میں شریک ہوا، حضرت خود "امداد السلوک" کی تعلیم کررہے تھے اس میں ذکر کا مضمون تھا، اس میں ایک جگہ یہ مضمون تھا کہ سب سے بہتر ذکر یہ ہے کہ موت تک ہو اور ذکر کرتے کرتے موت آئے۔

حضرتؒ نے اپنے پیر ومرشدؒ کا تذکرہ کیا: اس پر حضرتؒ نے اپنے پیر ومرشد حضرت مولانا عبدالجبار صاحبؒ کے انتقال (۱۹۸۹ء) کا تذکرہ دیر تک کیا، کہ کس طرح ان کی موت اللہ کا ذکر کرتے کرتے آئی، حضرت نے بتایا کہ مراد آباد میں حضرتؒ نے "ایک تاریخی جلسے کا اشتہار لگوایا، اس میں حضرت نے مجھے (مولانا زین العابدین) بنارس سے اور حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی کو دیو بند سے خاص طور پر بلایا، حضرت مولانا عبدالحق صاحب کو بھی مدعو کیا، پروگرام میں ہم سب لوگ گئے، حضرت مولانا عبدالجبار صاحبؒ بھی شریک تھے، مجھ سے فرمایا کہ تم پہلے تقریر کرو، حضرت میرے پیر ومرشد، ان کا حکم تھا، اس لیے میں نے تقریر شروع کردی، مجمع بہت تھا، اس دوران مولوی احسان گورکھ پوری، (شاید یہی نام بتایا تھا) حضرتؒ کی خدمت میں تھے انھوں نے بتایا کہ آپ کی تقریر کے دوران ہی مولانا کو درد شروع ہوا، جلسہ میں موجود کچھ ڈاکٹر حضرات کا نام لے کر حضرت کی خدمت میں بھیجا گیا، دوسرے اور لوگوں کو حضرت کی بیماری کی اطلاع ہوگئی، میری تقریر کے بعد حضرت مولانا عبدالحق صاحب اعظمی محدث دار العلوم دیو بند تقریر کے لیے بیٹھے، میں حضرت کی خدمت میں گیا، تو حالت دگرگوں ہوگئی تھی، مولوی احسان نے بتایا کہ حضرت نے ذکر جہری ضرب کے ساتھ "لا الٰہ الا اللہ" نفی واثبات والا تقریباً پندرہ منٹ تک کیا، مرض میں تیزی آتی گئی، حالت بگڑتی گئی، اور آواز، اور نبض اور رفتار میں کمی ہوتی چلی گئی، پھر بھی زبان اور ہونٹ کلمہ کے ورد میں رطب اللسان تھے، اور اسی حالت میں حضرت مولانا عبدالجبار صاحب کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تاریخی جلسہ، تاریخی بن گیا: یہ اندوہ ناک خبر جب جلسہ میں پہنچی، تو کہاں کی تقریر، اور کیسا جلسہ، سب آپ کی طرف لپکے، اور آنا فانا مراد آباد ومضافات میں حضرت کی رحلت کی

خبر پھیل گئی، جس نے جہاں سنا، وہیں سناٹے میں آگیا، جلسہ میں تو خود ہی بھیڑ تھی، سب لوگ جائے وفات کی طرف تیزی سے لپکے، اژدحام بے انتہا ہوگیا، جب حضرت کے غسل کے لیے مشورہ ہوا، تو چھ سات افراد کا نام پیش ہوا، جس میں میرا نام بھی تھا، اور مولانا عبدالحق صاحب کا بھی، مَیں تیار ہوگیا، بلکہ غسل دینے والوں میں مَیں نے اپنا نام کہہ کر رکھوایا، مولانا عبدالحق صاحب کا نام آیا تو کسی نے کہا، ان سے پوچھ لیا جائے، ان سے معلوم کیا گیا، اور دیگر نام بھی انہیں بتائے گئے، تو حضرت مولانا نے میرے کان میں کہا کہ آپ غسل دے لیں گے؟ میں نے کہا ہاں، تو وہ بھی تیار ہوگئے۔

تھوڑی دیر، تدفین کے لیے عام قبرستان، اور جس کمرہ میں انتقال ہوا، اس میں دفن کرنے کے بارے میں اختلاف ہوا، میں نے کہا کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ میت چاہے عالم ہو، یا کوئی ہو، سب کو عام مومنین کے قبرستان میں دفن کرنا چاہیے، مولوی حبیب الرحمٰن کے ہوش وحواس گم تھے، ان سے اور لوگوں نے جہاں انتقال ہوا وہیں دفن کرنے پر رضامندی لے لی، مولانا عبدالباری صاحب نے میری رائے مولوی حبیب الرحمٰن کو بتائی، اور کہا کہ تم اس پر راضی کیوں نہیں ہوتے،؟ تو وہ بھی تیار ہوگئے۔

غسل کے لیے رنگین چادر اوپر سے ڈالنے کے لیے لوگوں نے زور دیا، کہ اس طرح بے پردگی نہیں ہوگی، میں نے کہا کہ سفید چادر کافی ہے، میں نے نیم کے درخت کی ڈالی منگائی اور اس کو دونوں ٹانگوں کے بیچ میں رکھ کر غسل دیا اور اس حکمت سے کوئی بے پردگی نہیں ہوئی، بعد میں لوگوں کو اس حکمت پر تعجب اور خوشی ہوئی، غسل دینے کے بعد اس کمرے اور بھیڑ سے نکلنا بے حد مشکل کام تھا، اس لیے مجھ کو ایک صاحب سیڑھی منگوا کر چھت کے ذریعے پہلے اپنے گھر لے گئے، اور وہاں سے باہر نکلنے کے لیے راستہ آسان کیا، بھوک اور پیاس کا غلبہ تھا، چائے کے لیے آدمی بھیجا گیا، واپس آکر اس نے بتایا کہ دور دور تک کہیں چائے نہیں ملتی، ہاں اسٹیشن پر مل سکتی ہے، مگر میں نے اتنی دور جانے سے منع کردیا، آس پاس کہیں تبلیغی اجتماع بھی تھا، دلی مرکز کے اکابرین بھی اس میں موجود تھے، وہ سب شریک ہوگئے، حضرت مولانا طلحہ صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی، اس طرح حضرت کے عمل سے یہ ظاہر ہوگیا کہ جو شخص ذاکر رہتا ہے، مرتے وقت اس کی زبان پر کلمہ ''لا الہ الا اللہ'' جاری ہوجاتا ہے۔

مارچ ۲۰۱۳ء میں لائبریری المعارف میں تشریف لائے، بیمار تھے، اُس وقت صرف کھچڑی وغیرہ کھاسکتے تھے، مرض میں اضافہ ہورہاتھا، ان کی طبیعت کچھ اداس تھی، مجھ سے کہا کہ مولوی انصار! کچھ سنایئے، ذرا نشاط آئے، ان کی خواہش کے احترام میں، میں نے ایک تازہ حمد باری سنائی، جس میں موت وغیرہ کا بھی تذکرہ تھا، سننے کے بعد انھوں نے ایک جگہ اصلاح بھی فرمائی، جس میں شجر وحجر وغیرہ کا لفظ تھا، انہیں شعروشاعری کا ذوق تھا، اور سخن فہم تھے، اسی طرح وفات سے تین دن قبل (۲۶راپریل) انھوں نے ربانی خانقاہ کے سنگِ بنیاد کے موقع پر نظم لکھنے کا حکم دیا، دوبارہ خود فرمایا اور مولانا عبدالباسط کے ذریعے بھی کہا، چنانچہ میں نے بعجلت ایک نظم لکھی، میں نے اس میں ایک جگہ یہ لکھا تھا

روحانی مرض کے لیے بنتی ہے خانقاہ۔

بعد میں دوسرے دن انھوں نے ایک صاحب سے وہ نظم سنی، پھر مجھ سے بھی سنی، مجھ سے کہا کہ مرض کو آپ نے راء کے جزم سے استعمال کیا ہے، جب کہ وہ راء کے زبر سے ہے، میں نے کہا کہ آپ نے صحیح فرمایا ہے، مرزا علی اکبر مضطرب نے ایک جگہ کہا ہے۔

وصالِ یار سے دونا ہوا عشق
مرَض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

انھوں نے اسے تسلیم کیا اور فرمایا کہ وہ تو ٹھیک ہے، لیکن دیکھیے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اسے راء کے زبر سے استعمال کیا، چنانچہ ارشاد ہے: "فی قلوبھم مرَض"، ان کی اس اصلاح پر میں نے پھر اسے یوں لکھا: ع: امراضِ روح کے لیے بنتی ہے خانقاہ حضرت نے فرمایا کہ اس میں مقطع بھی لکھیے کیوں کہ اس میں مقطع نہیں ہے، میں نے پھر یہ مقطع لگایا:

احمد نے حکمِ شیخ سے لکھ دی ہے نظم یہ
حضرت کی اک توجہ سے ملتی گئی ہے راہ

☆☆☆☆☆

استاذ الاساتذہ حضرت مولانا زین العابدین اعظمیؒ

مولانا سید اسرار الحق سبیلی، لکچرر حیدرآباد

ماہر اسماء الرجال وعلم حدیث، شارحِ علمِ کلام، تحقیق، تنقید، ادب وانشاء پردازی کے میدانِ کار شیخ الحدیث، حضرۃ الاستاذ مولانا زین العابدین اعظمی، فاضلِ دارالعلوم دیوبند سے ہلکا سا تعارف ۱۴۱۰ھ، مطابق ۱۹۹۰ء میں حضرت مولانا محمد مصطفیٰ مفتاحی صاحب کے ذریعے ہوا تھا، جب میں جماعت پنجم کا طالب علم تھا، استاذ مفتاحی صاحب حضرت شیخ کے شاگرد تھے، انھوں نے بتایا کہ میرے استاذ مجھے اس وقت تک کافیہ کا درس نہیں دیتے تھے، جب تک میں کافیہ کی شرح تحریر سنبٹ، سوالِ کابلی، اور جوابِ باسلی کا مطالعہ کر کے نہیں جاتا تھا۔

مفتاحی صاحب کے اس بیان سے اندازہ ہوا کہ ان کے استاذ بڑے شفیق، حد درجہ مخلص، محنتی، اور فن کا حق ادا کرنے والے تھے، پھر جب مفتاحی صاحب نے ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۳ء میں افتتاحِ بخاری شریف کے جلسہ میں اسی بیان کو دہرایا تو مجھے پتہ چلا کہ مفتاحی صاحب کے یہ وہی استاد ہیں جن کا ذکر میں پہلے سن چکا ہوں اور اب وہ میرے بھی بخاری شریف کے استاد بننے والے ہیں، یہ بات میرے لیے کسی اعزاز سے کم نہ تھی، کہ مجھے استاذ الاساتذہ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد سے بخاری پڑھنے کا شرف حاصل ہو رہا تھا۔

حیدرآباد میں: دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد کو علم حدیث میں ماہر اور تجربہ کار شیخ الحدیث کی ضرورت تھی، مولانا اس وقت بنارس میں استاد تھے، اور مدت تدریس کی تکمیل پر سبک دوش ہونے والے تھے، سبیل السلام کا ماحول حضرت کو شاید پسند آیا، کیوں کہ وہ حیدرآباد میں تشریف لا چکے تھے، اس جامعہ میں ان کی اچھی پذیرائی ہوئی، جامعہ کے ناظم حضرت مولانا محمد رضوان القاسمی، علیہ الرحمۃ کی علم پروری کشادہ قلبی، وسیع النظری، تواضع اور ضیافت سے وہ ضرور متاثر ہوئے ہوں گے، تب ہی تو انھوں نے ایک مرتبہ بیان بھی فرمایا کہ اور بھی کئی جگہوں سے شیخ الحدیث کے عہدہ کی پیش کش کی گئی تھی، لیکن سبیل السلام والوں نے زیادہ دل چسپی و مستعدی دکھائی اور مسلسل رابطہ میں رہے، اس لیے میں نے سبیل السلام کو ترجیح دی۔

حوصلہ افزائی ومردم سازی: سبیل السلام میں ان کے پہلے شاگرد ہم اور ہمارے ساتھی تھے، افتتاحِ بخاری کی شام میں، محمد مظفر حسین سبیلی اور چند ساتھی حضرت شیخ الحدیث صاحب کے کمرہ میں ملاقات کے لیے گئے، آپ نے ہمیں سند متصل کے ذریعے بخاری پڑھنے کا طریقہ بتایا، پھر پوچھا ''تم میں سے حافظ کون ہے؟ میں نے اپنے بارے میں بتایا، آپ نے مجھ سے چند آیات پوچھیں، پھر فرمایا حفظ کر کے عالم کرنے والوں کا علم پختہ ہوتا ہے'' میں سمجھتا ہوں کہ یہ بات محض حوصلہ افزائی کے طور پر فرمائی ہوگی، ورنہ قرآن مجید کا حفظ اور قرآن وحدیث وغیرہ کا علم دوالگ الگ ریاضت ہے۔

اس کے بعد حضرت شیخ الحدیث صاحب علیہ الرحمۃ ہمیں بخاری شریف جلد اول اور ترمذی شریف جلد ثانی، پڑھانے لگے، حضرت شیخ تدریس کے ساتھ تحقیق کے بھی آدمی تھے، دوران تدریس دوسری کتابوں سے مراجعت کرواتے، حوالے تلاش کرواتے، خود بھی تلاش کرتے، دوران تدریس بخاری ایک دن آپ کو یہ بتانا تھا کہ محدثین کا طریقہ یہ ہے کہ کتاب کے ختم ہونے پر مثلاً آخر کتاب الصلوٰۃ لکھتے ہیں، اس کو آپ کتاب سے ڈھونڈھ کر بچوں کو بتانا چاہتے تھے۔

ہم نے ابوداؤد شریف کتاب الزکوۃ سے شروع کی تھی اور اس سے پہلے یہ تحریر آخر کتاب الصلوٰۃ نظر سے گزری تھی، میں نے اور غالباً مظفر نے بھی فوراً ابوداؤد شریف کا وہ صفحہ کھول کر دکھادیا، حضرت شیخ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ یہ بچے تو مجھ سے جلدی حوالہ تلاش کر لیتے ہیں، یہ بھی ان کی حوصلہ افزائی تھی، اس میں ہمارا کوئی کمال نہیں تھا، یہ تو صرف ہمارا اور مظفر کا چلبلا پن تھا، اسی چلبلے پن میں ہم دونوں زیادہ سے زیادہ عبارت کی خواندگی کرتے، اس سے ہمارے چلبلے پن کی تسکین بھی ہوجاتی، اور استاذ محترم کی نگاہ میں بھی، ہمیں امتیاز حاصل ہوجاتا۔

شفقت: ایک سال تک مسلسل ہم نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، آپ ایک شفیق مخلص اور ہمدرد استاذ کی حیثیت سے ہمیشہ پیش آتے، آپ اپنے طلبہ کو آزادی کے ساتھ اعتراض، بحث، اور تحقیق کا موقعہ دیتے، طلبہ کے اعتراض کو توجہ سے سنتے، اعتراض پر کبھی ناراضگی کا اظہار نہیں فرماتے، اس لیے سبھی طلبہ بلا روک ٹوک اپنے اشکالات پیش کرتے، اور آپ بڑی محبت سے ان کا جواب دیتے۔

آپ مجھ سے ذاتی طور پر بھی محبت اور خلوص کا معاملہ فرماتے، دورۂ حدیث کے زمانے میں ایک مرتبہ میں نے اپنی ہم شیرہ کا مسئلہ آپ کے سامنے پیش کیا، چوں کہ آپ روحانی علاج بھی فرمایا کرتے تھے، اس لیے میرے ساتھ شعبان میں آسنسول ہوتے ہوئے بنارس جانے کو تیار ہو گئے، لیکن کسی وجہ سے یہ سفر نہ ہوسکا، ورنہ مجھے آپ کا رفیقِ سفر بننے کا شرف بھی حاصل ہو جاتا، البتہ حیدرآباد میں مجھے آپ کے ساتھ دائرۃ المعارف العثمانیہ، کتب خانہ آصفیہ، اور دارالعلوم الرحمانیہ جانے کا شرف ہوا ہے، آپ نے کتب خانہ آصفیہ سے مصر کے نامور اور متنازعہ ادیب ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی کتاب ''الادب الجاہلی'' کی فوٹو کاپی حاصل کی، اس سے عربی ادب وتنقید سے آپ کی غیر معمولی دل چسپی کا اندازہ ہوتا ہے۔

فن اسماء الرجال: فن اسماء الرجال سے آپ کو عشق کی حد تک شغف تھا، آپ دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد کی تدوین کردہ رجال کی کتابیں مہنگی قیمت پر خریدتے، آپ کے حجرہ کی الماری میں سب سے زیادہ کتابیں رجال سے متعلق موجود رہتی تھیں، بعد مغرب ہم لوگ آپ کے مکان میں جا کر بخاری شریف کا درس لیتے، دورانِ تدریس آپ بعض رجال کی تحقیق کے لیے رجال کی کتابیں نکلواتے، اور طلبہ سے بھی تلاش کرواتے، آپ ہی کی وجہ سے ہمیں فن اسماء الرجال کے بارے میں معمولی سی واقفیت ہوئی، ورنہ ہم اس فن میں بالکل کورے ہی رہتے۔

ہم نے امام ترمذی کی کتاب ''العلل'' بھی آپ سے پڑھی ہے، اور تخصص فی الفقہ کے زمانے میں عارضی طور پر چند دن ''در مختار'' بھی پڑھی ہے، حدیث اور فن حدیث ورجال سے شغف کے باوجود آپ ہر فن مولا تھے، آپ نے درس نظامی کی تمام کتب کی تدریس از اول تا آخر نہایت محنت، لگن اور توجہ سے انجام دی تھی، فن تجوید وقرأت کا درس بھی آپ نے ابتدائی زمانہ میں دیا تھا، شرح عقائد نسفی کی عربی شرح آپ نے کی تھی، اس بناء پر آپ کی خاطر حضرت مولانا محمد رضوان القاسمی بانی وناظم دارالعلوم سبیل السلام، حیدرآباد نے نصاب میں ترمیم کر کے شرح الفقہ الاکبر کی جگہ شرح عقائد نسفی رکھی، آپ جماعت ہفتم والوں کو شرح عقائد نسفی کا درس دیا کرتے تھے۔

قرآن پاک سے آپ کو غیر معمولی شغف تھا، دورانِ تدریس بخاری میں جہاں آیتِ قرآنی کا حوالہ آیا، زیادہ تر آپ ہی پہلے مکمل آیت پڑھ کر سناتے، میں نے سمجھا کہ شاید آپ حافظ بھی

ہیں، میں نے آپ کے قدیم شاگرد محمد ہارون سے پوچھا کہ کیا حضرت شیخ حافظ بھی ہیں؟ اس نے کہا حافظ تو نہیں ہیں، لیکن حافظ سے بڑھ کر آپ کو آیتیں یاد ہیں، اور یہ کثرتِ تلاوت کا نتیجہ ہے۔

سبیل السلام میں آپ کا قیام صرف دو سال رہا، تاریخی جامعہ مظاہر علوم سہارن پور سے صدر شعبۂ تخصص فی الحدیث کے عہدے کی آپ کو پیش کش کی گئی تھی، آپ نے جامعہ مظاہر علوم کے تاریخی پس منظر اور افادۂ عام کی وجہ سے مظاہر علوم کو ترجیح دی۔

ربط وتعلق: ۱۹۹۵ء میں تخصص فی الفقہ کے تمام ساتھیوں کے ساتھ مجھے علی گڑھ میں فقہی سیمینار میں شرکت کا موقعہ ملا علی گڈھ سے دیوبند ہوتے ہوئے ہم لوگ مظاہر علوم گئے، جامعہ میں آپ سے ملاقات ہوئی، بڑی محبت سے پیش آئے، چائے سے ضیافت کی، اور پھر گھر میں ہم سب ساتھیوں کے کھانے کا اہتمام فرمایا، ۱۹۹۸ء میں قصص حدیث پر روزنامہ "منصف" کے لیے سلسلہ مضامین ترتیب دے رہا تھا، اس سلسلہ میں مجھے چند احادیث کی تخریج اور اس موضوع پر مزید چند احا دیث کی تلاش تھی میں نے بذریعہ خط آپ سے مراجعت کی، آپ نے رہنمائی فرمائی اور دعاؤں سے نوازا۔

اس کے بعد آپ سے براہِ راست ربط ختم ہوگیا لیکن ربط وتعلق کا ایک خوش گوار موڑ آیا، وہ یہ کہ میرے خاص مخلص دوست مفتی محمد عارف مظہری جو مجھے اپنے دل سے بہت قریب رکھتے ہیں اور ہر موقعہ پر مجھے یاد کرتے ہیں، حضرت شیخ کی صاحب زادی سے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوئے اور حضرت شیخ صاحب کی خیر وعافیت سے واقفیت اور بالواسطہ سلام وکلام کا سنہرا موقعہ مل گیا، نیز آپ کے فرزند مولانا عبدالباسط صاحب سے بھی تعلق میں اضافہ ہوگیا، عارف بھائی کے واسطے سے ہم شیخ الحدیث صاحب علیہ الرحمہ کے تمام افرادِ خاندان سے قلبی لگاؤ محسوس کرتے ہیں، اور دور رہ کر بھی دکھ درد میں شریک سمجھتے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کے سانحۂ ارتحال کی خبر مجھے روزنامہ منصف حیدرآباد سے ملی، مجھے حیرت ہوئی کہ عارف بھائی مجھے ہر موقعے پر فون کرتے ہیں، اس خاص موقعہ پر کیوں بھول گئے؟ فون کرنے پر انھوں نے بتایا کہ وہ مولانا شمسیر عالم (سبیل السلام) کو سب کو اطلاع کرنے کی ذمہ داری سونپ چکے تھے، لیکن کم سے کم وہ مجھ کو استثناء کر سکتے تھے

یہ قصہ وہ نہیں جس کو کہ قصہ خواں سے سنو

مرا فسانۂ غم خود مری زباں سے سنو

اگر حضرت شیخ صاحب کا کچھ کام ادھورا ہو تو اس کی تکمیل کی کوشش کی جائے، اور ان کے غیر مطبوعہ مسودات کو طبع کرانے کا اہتمام کیا جائے، ہمیں امید ہے کہ حضرت کے اخلاف ان کے اونچے خوابوں اور تمناؤں کو ضرور پورا کریں گے، اور دینی، علمی، تحقیقی اور روحانی سلسلہ کو تقویت دیتے ہوئے دین کی ''امانت'' کو آئندہ نسلوں تک پہنچائیں گے۔ اور اس آیت کے مطابق حضرت شیخ صاحب کی آنکھ کو ہمیشہ ٹھنڈک پہنچائیں گے، ﴿ ربنا هب لنا من ازواجنا وذرياتنا قرة أعين﴾ اے ہمارے رب! ہماری ازواج اور ہماری نسلوں کو آنکھوں کی ٹھنڈک بنا۔

اللہ تعالیٰ حضرت شیخ صاحب علیہ الرحمۃ کی علمی، دینی اور تحقیقی کاوش وجد وجہد کو شرفِ قبولیت عطا کرتے ہوئے شایانِ شان بدلہ برزخ وحشر میں عطا فرمائے اور ان جیسے مخلص، محنتی، سادگی پسند، علم وادب اور تحقیق وتنقید سے حد درجہ شغف رکھنے والے افراد سے امتِ مسلمہ کے دامن کو بھر دے، آمین۔

☆☆☆☆

مولانا مرحوم کی یاد میں مدرسہ معروفیہ کی طرف سے تعزیتی جلسہ

مدرسہ معروفیہ، پورہ معروف (جہاں مرحوم نے تعلیم حاصل کی تھی) کے زیر اہتمام محدثِ جلیل مولانا زین العابدین صاحب معروفیؒ کی یاد میں ایک پروگرام محلہ بلوہ، املی باغ میں یکم مئی ۲۰۱۳ء بروز جمعرات منعقد ہوا، جس کی صدارت مولانا انیس الرحمٰن صاحب، استاذ مدرسہ معروفیہ نے کی اور نظامت کے فرائض مولانا عیاض احمد قاسمی استاذ مدرسہ معروفیہ نے انجام دیے۔

قراءت ونعت کے بعد مولانا نسیم احمد معروفی استاذ ''بیت العلوم'' سرائے میر، اعظم گڈھ، نے اپنی تقریر میں کہا کہ موت ایک یقینی اور متفقہ مسئلہ ہے، احقر نے مظاہر علوم کے شعبۂ تخصص فی الحدیث میں دو سال رہ کر حضرتؒ سے استفادہ کیا، حضرت نے ہمیں اس فن میں بچوں کی طرح انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا ہے، مولانا مطیع اللہ مسعود قاسمی (تلمیذ مرحوم) استاذ منبع العلوم نظام آباد، اعظم گڈھ، نے اپنی تقریر میں کہا کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ ہم سب پر بے انتہا شفقت فرماتے تھے اور تعلیم کے میدان میں وہ کسی قسم کی غفلت گوارا نہیں کرتے تھے، مولانا محمد شاکر عمیر معروفی استاذ دار العلوم

زکریا، مرادآباد نے کہا کہ ہم نے حضرت سے بہت کچھ حاصل کیا، ان کی عظمت کا یہ حال ہے کہ انھوں نے شعبۂ تخصص فی الحدیث میں میرے داخلہ کے لیے ہمارے گھر آکر والد صاحب سے مجھے مانگا، والد صاحب کی طرف سے صرف ایک سال کی اجازت ملی؛ مگر جب انھوں نے فائدہ دیکھا تو دوسرے سال کی بھی اجازت مل گئی اور میں نے دوسالہ یہ کورس پورا کرلیا، میرے اوپر ان کے اور بھی احسانات کے علاوہ یہ سب سے بڑا احسان ہے۔

مولانا ابوعبیدہ، مہتمم جامعہ ام حبیبہ نے اپنی تقریر میں کہا کہ والدمرحوم علم وعمل میں بہت اونچے مقام پر فائز تھے، مولانا عبدالباسط صاحب معروفی نے اپنے والدمرحوم کے مرض کی پوری تفصیل سنائی اور بتایا کہ ان کے ذریعے امت کے ہر طبقہ کو فائدہ پہنچا ہے، مولانا محمد احمد صاحب بناری استاذ جامعہ مظہر العلوم بنارس نے حضرت مرحوم کی شفقتوں کا ذکر کیا اور بتایا کہ انھوں نے اپنے پیچھے صدقۂ جاریہ کے طور پر اولاد صالح، علم نافع کے طور پر کتابیں اور مسجد وخانقاہ چھوڑی، مفتی اسعد قاسمی ناظم انوار العلوم، کوپاگنج نے فرمایا کہ حضرتؒ کی ہم پر بے انتہا شفقت یہ تھی کہ وہ محبت میں ہمارے مدرسہ میں ازخود چلے آتے اور کچھ وقت گذار کر دعا دے کر چلے جاتے، وہ ہمارے یہاں مدرسہ بننے سے پہلے بھی آئے اور وہاں دیر تک دعا فرمائی، مولانا انصار احمد معروفی نے بتایا کہ حضرتؒ نے تبلیغی جماعت میں اُس وقت ایک سال (۷؍چلہ) لگایا، جب ابھی اِس علاقہ کے لوگوں کے لیے چار ماہ اور چلہ بھی لگانا دشوار تھا اور ابھی یہ کام اتنا ادھر معروف نہیں ہوا تھا، مولانا رضوان الرحمن صاحب، ناظم مدرسہ معروفیہ نے فرمایا کہ مولانا مرحوم کو مدرسہ معروفیہ سے بے انتہا محبت تھی اور فرماتے تھے کہ اِس کی بنیاد اخلاص اور تقوی پر رکھی گئی ہے، مولانا خورشید احمد مئوی استاذ دارالعلوم زکریا، مرادآباد نے کہا کہ مولانا نے سفر میں ایک بار مجھ سے پوچھا کہ جانتے ہو سفر کی سب سے قیمتی چیز کیا ہے؟ میں نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں ہے، انھوں نے فرمایا کہ وہ وضو ہے، ڈاکٹر عبدالمعید صاحب بربڑادی، مئو نے کہا کہ علم حدیث سے شغف کی وجہ سے صحابیت کی شان پیدا ہوتی ہے، جو ان میں موجود تھی، ناظم مدرسہ کی دعا پر جلسہ ختم ہوا، جلسہ میں مدرسہ کے اساتذہ، ممبران کے علاوہ گاؤں کے خاص وعام نے شرکت کی۔

(انصار احمد، ماہنامہ پیغام، مئی ۲۰۱۳ء)

آہ بڑے مولانا!

مفتی بشیر احمد سہارنپوری، استاذ و معین مفتی جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

قرآن وسنت میں دنیا کے زوال وفنا کے جو اسباب بیان کئے گئے ہیں ان میں ایک ''رفع علم'' بھی ہے، قیامت سے پہلے دنیا میں دین وشریعت سے جہالت اور ناواقفیت عام ہوگی، حتی کہ ایک شخص بھی ایسا نہیں ہوگا جو خدا کو جاننے اور یاد کرنے والا ہو، ''رفع علم'' کی صورت یہ ہوگی کہ اہل علم دنیا سے اٹھتے چلے جائیں گے اور دنیا والوں پر یکے بعد دیگرے علم کے دروازے بند ہوتے جائیں گے، جس کے نتیجہ میں جہالت ولاعلمی کا وہ اندھیرا ہر سو پھیل جائے گا کہ اس کے بعد علم کا سورج دوبارہ نمودار نہ ہوگا، ''موت العالِم موت العالَم'' کے قائل نے اسی پس منظر میں یہ مقولہ کہا ہے۔

چند ماہ پیشتر استاذ محترم حضرت مولانا زین العابدین صاحب رحمہ اللہ استاذ حدیث ورئیس شعبۂ تخصص فی الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کی وفات حسرت آیات سے مسلمانان ہند پر علم کا ایک اور باب بند ہوگیا، زوال پذیر دنیا کی عمارت کی ایک اور اینٹ زمین بوس ہوگئی اور آسمان علم وعمل کا ایک اور ستارہ ٹوٹ گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

معقول ومنقول علوم کے جامع، حدیث وعلوم حدیث کے شناور، رسوخ فی العلم کے حامل، بالغ نظر محقق، وسیع النظر مورخ، جوہر شناس مربی، مردم گر ورجال ساز استاذ، بے مثال ناقد ومبصر، حق گو وحق پسند، مسجد میں باجماعت نماز کے پابند، کثیر الصیام، داد ودہش کے عادی، رجوع وانابت الی اللہ کی دولت سے مالا مال، سنت کے متبع، اکابر کے پیرو، اوقات اور معمولات پر سختی سے کاربند، درویش صفت، سادہ طبیعت، متواضع وبے نفس، زاہد ومستغنی، قانع مزاج، راضی برضا، صبر واستقامت کے پہاڑ، اسباب شہرت سے طبعی طور پر نفور، خدمت دین اور خدمت خلق کے جذبہ سے سرشار، خورد نواز، باہمت وحوصلہ مند، چھوٹی بڑی نعمت کے قدر دان، ان اوصاف سے مزین شخصیت کا تصور کیجئے اور اس کی جبیں پر کندہ کر دیجئے: حضرت مولانا زین العابدین صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

نمایاں ترین کارنامہ: یوں تو اللہ تعالیٰ نے آپ سے اپنے دین کی خدمت ہر طرح سے لی، آپ نے قاعدہ بغدادی سے لے کر بخاری ومسلم تک کا درس دیا، مکتب کے معلم بھی بنے اور جامعہ مظاہر علوم

کے شعبۂ تخصص فی الحدیث کے صدر نشین بھی، علوم نقلیہ کا بھی درس دیا اور علوم عقلیہ کا بھی، مسند تدریس کو بھی زینت بخشی اور تصنیف وتالیف کا منصب بھی سنبھالا، خانقاہ میں رہ کر قلوب کا تزکیہ بھی کیا اور جماعت تبلیغ میں جاجا کر اصلاح وتربیت کی سعی بھی کی، مدارس کی چہار دیواری میں شرعی علوم کی پاسداری کا فریضہ بھی انجام دیا اور جمعیۃ علماء ہند سے وابستہ ہو کر ملت اسلامیہ ہند کی نگرانی اور رہنمائی بھی فرمائی۔

مگر آپ کا سب سے عظیم الشان اور نمایاں کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے جامعہ مظاہر علوم کے شعبۂ تخصص فی الحدیث کی آبیاری فرمائی اور اس کو اوج ثریا پر پہنچایا، اس عالمی ادارہ میں جب اس شعبہ کے قیام کی تجویز ہوئی اور اس کی سرپرستی وناخدائی کے لیے کسی ایسی شخصیت کی تلاش وجستجو ہوئی جو حدیث اور علوم حدیث سے گہری مناسبت اور ان پر کامل عبور رکھتا ہو اور اس شعبہ میں داخل ہونے والے طلبہ کی علمی وعملی تربیت کرسکتا ہو تو مظاہر علوم کے ارباب حل وعقد کی نگاہِ انتخاب آپ پر جاکر ٹھہری اور آپ کو اس عظیم شعبہ کا ناخدا اور روح رواں بنادیا گیا، اس شعبہ کی نگرانی وسرپرستی جہاں علم حدیث کی شرافت وعظمت، مصدرِ شریعت ہونے کی بناء پر اس کی اہمیت اور اس کے متنوع وکثیر الجہات فن ہونے کی حیثیت سے نہایت اہم اور گراں بار تھی، وہیں اس لحاظ سے بھی عظیم تھی کہ یہ ہندوستان میں اپنی نوعیت کا پہلا شعبہ تھا اور پورے ہندوستان میں پہلی مرتبہ اس شعبہ کا قیام عمل میں آرہا تھا، جس کی بناء پر اس شعبہ کو چلانے کے لیے کوئی عملی نمونہ اور مثال سامنے نہیں تھی، لیکن توفیق الٰہی کی یاوری سے آپ نے اس گراں بار ذمہ داری کو سنبھالا اور پھر ایسا نبھایا کہ آپ کے اخلاص وللّٰہیت، رسوخ فی العلم، علوم حدیث میں درک ومہارت، طلبہ کے ساتھ شفقت وخیر خواہی اور اصول وضوابط پر سختی کے ساتھ کاربند ہونے کے پیش نظر بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ آپ سے بہتر کوئی اور نہیں نبھا سکتا تھا، اس شعبہ کے نصاب ونظام کے حوالہ سے اپنے علم وتجربہ کی روشنی میں رہنما اصول مرتب کیے اور مدرسہ کی انتظامیہ کو قابل قدر مشورے دیئے، جنہیں وسیع النظر انتظامیہ نے بسر وچشم قبول کیا، اور اپنی شبانہ روز کوششوں وکاوشوں سے اس کو اس مقام تک پہنچایا کہ وہ مظاہر علوم کا وقار واعتبار اور ملک وبیرون ملک کے دیگر اداروں کے لیے لائق تقلید بنا اور انھوں نے اس چراغ سے روشنی حاصل کی، حتی کہ دارالعلوم دیوبند میں بھی اس کے بعد جب یہ شعبہ قائم ہوا تو اس نے یہاں کے نصاب ونظام کے ساتھ ساتھ یہاں کے رجال کار سے بھی استفادہ کیا۔

اس شعبہ میں بیٹھ کر آپ نے بے شمار طلبۂ حدیث کی تربیت فرمائی، علم حدیث کے بارے میں ان کی نظر وفکر کو شعور اور وسعت عطا کی، تحقیق حدیث کے لیے اس کے معنی ومفہوم کی تعیین اور حل سے ماوراء دیگر قابلِ غور اور حل طلب امور کی جانب توجہ مبذول کی اور اس کا طریق کار بتلایا، اصول حدیث، علل حدیث، فن جرح وتعدیل، فن اسماء رجال، تخریج حدیث اور دراسۃ الاسانید جیسے اہم فنون پر مشتمل کتابوں کا نہ صرف یہ کہ درس دیا؛ بلکہ عملی تربیت دیکر اپنے تلامذہ وشاگردوں کو ان کا رمز آشنا بنایا؛ چنانچہ آپ کی زیر نگرانی بے شمار طلبہ اس شعبہ سے تربیت حاصل کر کے ملک اور بیرون ملک علم حدیث کی قابل قدر خدمات انجام دے رہے ہیں، اپنی نگرانی میں طلبہ سے الگ الگ موضوعات پر تحقیقی مقالات لکھوائے جن میں سے چند مقالات مظاہر علوم کی جانب سے شائع ہوئے اور قدر ورشک کی نگاہوں سے دیکھے گئے، مختلف کتابوں کی تحقیق وتخریج پر طلبہ کو مامور فرمایا، علامہ محمد بن محمد بن سلیمان المغربی (متوفی ۱۰۹۴ھ) کی ''جمع الفوائد'' (جو احادیث کا ایک مختصر انسائیکلو پیڈیا ہے) کی تمام تر تحقیق وتخریج آپ کے زیر نگرانی عمل میں آئی، پھر بعد میں مولانا محمد معاویہ سعدی اور مولانا محمد طارق صاحبان نے آپ ہی کی زیر نگرانی اس کی مزید تہذیب وتعلیق کا کام آٹھ ضخیم جلدوں میں مکمل کیا، جس کو عالم عرب میں بھی پذیرائی حاصل ہوئی، مولانا سخاوت علی صاحب جونپوریؒ کا دلائل احناف پر مشتمل مجموعہ ''القویم فی احادیث النبی الکریم'' اور فقہ حنفی کا مستند ترین ذخیرہ ''المبسوط'' کی احادیث کی تحقیق وتخریج، سنن ابی داؤد کی وہ احادیث جن پر انہوں نے سکوت اختیار کیا، ان کی اسنادی حیثیت کی تعیین، اور رجال طحاوی شریف پر مظاہر علوم کے سرپرست جناب مولانا حکیم محمد ایوب صاحبؒ کی کتاب ''تراجم الاحبار فی رجال شرح معانی الآثار'' کی تحقیق وتعلیق وغیرہ، یہ وہ کچھ نمایاں خدمات ہیں جو آپ کی سرپرستی وماتحتی میں اس شعبہ سے انجام پائیں، جن میں سے ہر ایک آپ کی علم حدیث میں جلالتِ شان کا آئینہ دار ہے، اس کے علاوہ یہیں رہ کر آپ نے اپنے شیخ مولانا عبدالجبار صاحب اعظمی کی بخاری کی شرح ''امداد الباری'' کی تکمیل کا کام بھی شروع کیا، اس کی بھی کئی ضخیم جلدیں اشاعت پذیر ہوئیں اور وفات سے چند ایام پہلے تک یہ سلسلہ جاری تھا، سالہا سال تک ماہنامہ مظاہر علوم کا ''انوار حدیث'' کا کالم آپ سے متعلق رہا، جو آپ بہت پابندی کے ساتھ تادمِ وفات تحریر کرتے رہے۔

اس شعبہ کی خدمت اور نشو ونما میں آپ نے اپنا لہو نچوڑ کر رکھدیا، ہمہ وقت اور ہمہ تن آپ اس کی

ترقی اوراس میں داخل طلبہ کی بھرپور علمی وعملی تربیت کے لیے کوشاں رہتے، جواساتذہ آپ کی زیرنگرانی اس شعبہ میں کام کرتے ان کی بھی مکمل رہنمائی اورتربیت فرماتے، مرض الوفات میں بھی آپ نے اپنی وفات کے بعداس شعبہ کوچلانے اوراس میں داخل ہونے والے طلبہ کی تعلیم وتربیت کرنے کے سلسلہ میں اساتذہ کو ہدایات دیں، ان کو باہمی اتفاق واتحاد کے ساتھ کام کرنے کے تلقین کی، مدرسہ کی انتظامیہ کومشورے دیئے، اورآئندہ شعبہ کے اپنے مقررکردہ نہج پرکام کرتے رہنے کا پورے طور پر اطمینان کرلینے اور بالفاظ دیگراس کوخود کفیل بنادینے کے بعدآپ سفرآخرت پرروانہ ہوئے، فاللہ تعالی أجزل مثوبته مناسبا لشانه الکریم.

مردم گر ورجال ساز استاذومربی: آپ کاایک امتیازی وصف جوآپ کواپنے اقران ومعاصرین میں ممتاز کرتاتھا وہ افرادسازی اورطلبہ کی استعداد وصلاحیت کی جلاکاری تھا، آپ کے پاس جوطلبہ رہتے تھے آپ ان سے اس طرح کام لیتے تھے کہ ان میں تحقیق وجستجو کا ذوق پیدا ہوجاتا،فن اورکتاب سے مناسبت اورمصادرتک رسائی آسان ہوجاتی، دوران سبق کتاب میں تحریف وتصحیف کاشبہ ہوجاتاتوازخودصحیح بتانے کے بجائے اصل مصادر سے مراجعت کراکرتصحیح کراتے، ''جمع الفوائد'' کے سبق میں حدیث کے تمام حوالے طلبہ سے الگ نکلواکران کاباہم موازنہ وتقابل کراتے، جس سے حدیث کے تمام طرق اوران کاباہمی فرق بھی واضح ہوکر سامنے آجاتا اورطلبہ کوغوروفکر کی راہ ملتی اور''بات کی تہہ تک پہنچنے'' کا مزاج بنتا، اگرکوئی غلط پڑھتا یا عام گفتگو میں غلط بول پڑتا تو براہ راست غلطی پرتنبیہ کرنے کے بجائے اس کی غلطی کی کوئی علمی توجیہ وتاویل فرمادیتے، جس سے غلطی کرنے والے کودوگنا فائدہ حاصل ہوتا، ''جمع الفوائد'' اور''مبہمات تقریب التہذیب'' کے سبق میں طلبہ کے لیے یہ بات لازم تھی کہ پہلے سے احادیث کی تخریج اورمبہمات کی تفاسیر حوالہ کے ساتھ اپنی کاپیوں میں لکھ کرلائیں، جب طالب علم حوالہ بتلاتا تو آپ اس کی تحقیق کے لیے کہ حوالہ ازخود تلاش کیا ہے یاکہیں سے نقل کیاگیاہے؟ متعلقہ حوالہ طالب علم سے اپنے سامنے تلاش کرواتے، پہلی صورت میں وہ مرجع تک آسانی سے پہنچ جاتا اوردوسری صورت میں اس کوورق گردانی کرناپڑتی، جس پرآپ کی جانب سے سخت ناراضگی کااظہار ہوتا، اس لیے ہرطالب علم نقل پراعتماد کرنے کے بجائے اصل مصادر کی مراجعت کااہتمام کرتاتھا، جوطالب علم امورمفوضہ درست اور بروقت انجام دیا کرتا آپ اس کی

حوصلہ افزائی میں کسی قسم کے بخل سے کام نہ لیتے، جس سے طالب علم میں ایک اعتماد اور حوصلہ پیدا ہوتا، حدیث میں اگر کوئی اخلاقی وتربیتی مضمون آتا تو طلبہ کو اس کی جانب متوجہ فرماتے، اس کی وجہ سے بسا اوقات آپ پر گریہ طاری ہوجاتا جو مضمون کی تاثیر کو دوآتشہ کر دیتا، طلبہ کو وقفہ وقفہ سے علم حدیث اور شعبہ تخصص فی الحدیث کی اہمیت اور وقت کی قدردانی کا احساس دلاتے رہتے، آپ خود باوجود پیرانہ سالی کے مطالعہ درس وتدریس، تصنیف وتالیف یا دیگر ضروریات کی تکمیل میں لگے رہتے، اور ہر وقت کے لیے آپ کے یہاں ایک کام مقرر تھا، جو بجائے خود طلبہ کے لیے ایک سبق اور ایک نصیحت تھا، طلبہ کی نگرانی وتربیت کی وجہ سے آپ زیادہ تر وقت شعبہ میں گزارتے، جس کی وجہ سے تمام طلبہ وقت کو ضائع کرنے سے گریز اور احتیاط کرتے، الغرض حدیث کی روحانیت ونورانیت، آپ کی دلآویز شخصیت اور آپ کی پُر تاثیر تربیت کی وجہ سے شعبہ کا تمام تر ماحول میں علمی وعملی رنگ نمایاں اور غالب رہتا، اور ہر طالب علم پر اس کی صلاحیت واستعداد کے مطابق وہ رنگ ضرور چڑھتا، آج تقریباً آٹھ سال گزر جانے کے بعد بھی اس ماحول کی خوشبو سے مشامِ جان معطر ہے۔

آپ کے اس وصف کا ایک مظہر یہ بھی تھا کہ آپ کی تربیت کے نتیجہ میں جن طلبہ میں کام کرنے کا کچھ سلیقہ پیدا ہوجاتا تو آپ ان کو کہیں نہ کہیں ''کام'' میں لگاتے تاکہ نہ اپنی محنت ضائع ہو اور نہ طالب علم کی صلاحیت، نیز دین کی خدمت ہو، مولانا عبداللہ صاحب معروفی استاذ شعبہ تخصص فی الحدیث دارالعلوم دیوبند، مولانا محمد یوسف صاحب سورتی، ومولانا عبدالعظیم صاحب بلیاوی، مولانا خالد سعید صاحب مبارکپوری، مولانا محمد معاویہ سعدی صاحب، مولانا محمد طارق صاحب اساتذہ ورفقاء شعبہ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور، مولانا خورشید احمد صاحب مئوی جو مرادآباد میں تحقیقی کام کررہے ہیں اور مولوی رضوان احمد بنارسی جواب ''جامعہ ہدایت'' جے پور راجستھان میں استاذ حدیث ہیں، وغیرہ وغیرہ آپ کے متعدد تلامذہ ہیں جن کو آپ نے از خود تراشا، تربیت کی اور پھر ان کو ان جگہوں پر ''کام'' کرنے کے لیے بٹھادیا، راقم سطور کو بھی اس کے نااہل اور کم سواد ہونے کے باوجود ''تحقیق اہل بیت'' نامی مقالہ لکھنے پر مامور فرمایا، جس میں فرقۂ ضالہ شیعہ کے اہل بیت ہونے کے پہلوے کا ایک علمی جائزہ لیا گیا ہے، نیز دکتور ابواللیث خیرآبادی کی حجیت حدیث کے سلسلہ میں قابل مطالعہ کتاب ''اتجاہات فی دراسات السنۃ قدیمہا وحدیثہا'' کا اردو ترجمہ کرنے کا حکم دیا، جو بندہ نے

''حجیت حدیث..... قدیم وجدید مکاتب فکر'' کے نام سے تحریر کیا۔

اورصرف اسی پر بس نہیں! بلکہ ''کام'' میں لگانے کے بعد بھی آپ اپنے تلامذہ کی نگرانی اوران کی رہنمائی کرتے، رابطہ میں رہنے کی تلقین کرتے، اور رابطہ نہ رکھنے سے ناراض ہوتے؛ ازخود پوچھتے رہتے کہ کیا کر رہے ہو؟ اور کیسے کر رہے ہو؟ جب بندہ سے ''شرح تہذیب'' کا سبق متعلق ہوا تو ایک مرتبہ بلاکر فرمایا کہ: اس کے لیے کیا دیکھتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ: تحفۂ شاہجہانی دیکھتا ہوں، فرمایا کہ: میرے پاس اس کو لے کر آنا، میں بتلاؤں گا کہ اس کو کیسے دیکھا جاتا ہے۔

آپ کے شاگردوں میں سے کسی کا کوئی علمی کام سامنے آتا تو اس پر خوشی کے اظہار کے ساتھ اس کی اشاعت کی جانب متوجہ اور کبھی ازخود کوشش بھی فرماتے، جس کا ایک واقعہ بندہ کے ساتھ پیش آیا کہ میں نے آپ کے حکم کے مطابق شیعہ فرقہ کی تردید میں ''تحقیق اہل بیت'' نامی مقالہ لکھا تھا، جو مدرسہ مظاہرعلوم کے ماہنامہ میں کئی قسطوں میں شائع ہوا، حضرت مولانا نے اس کو کتابچہ کی شکل میں شائع کرنے کی خواہش ظاہر کی اور فرمایا کہ: اس کو یکجا مرتب کر کے میرے پاس لاؤ، میں نے حکم کی تعمیل میں ایسا ہی کیا، اسی دوران حضرت مولانا عبدالعلیم صاحب فاروقی مدظلہ، جو شیعہ مذہب پر گہری نظر رکھتے ہیں، سہارنپور تشریف لائے اور آپ سے ملاقات کی، آپ نے وہ مقالہ ان کو دکھایا، انہوں نے بھی اس کو پسند فرمایا اور کہا کہ: یہ میری لائن کی چیز ہے، میں اس پر پیش لفظ کے طور پر کچھ تحریر کروں گا، یہ کہہ کر وہ مقالہ اپنے ساتھ لے گئے، مگر ایک طویل عرصہ گزر جانے کے بعد بھی ان کی تحریر دستیاب نہیں ہوسکی اور اس طرح وہ مقالہ اشاعت پذیر نہ ہوسکا، حضرت مولانا وقفہ وقفہ سے اس کے بارے میں دریافت کرتے رہتے اور اس کی اشاعت کے بارے میں فرماتے رہتے، ایک مرتبہ مرض الوفات سے کچھ قبل بلاکر حکم فرمایا کہ اس کو دوبارہ مرتب کر کے لاؤ، میں اس پر تقریظ لکھوں گا، اور اگر تم شائع نہیں کرا سکتے تو میں ازخود اس کو شائع کراؤں گا، بندہ نے پھر ماہنامہ مظاہرعلوم کی فائلوں سے اس کو یکجا کیا اور ایک دن مدرسہ کی چھٹی کے بعد اس کو خدمت میں پیش کیا، باوجودیکہ مولانا کی طبیعت ناساز تھی اور کئی دن سے کچھ کھایا نہیں تھا، پانی کا گھونٹ بھی حلق جانے سے مانع ہو رہا تھا، مگر فوراً بیٹھ گئے اور قلم برداشتہ دوڈھائی صفحہ کی تقریظ اس پر قلمبند فرمادی، اور فرمایا کہ: اس کو جلد شائع کرو، اور مجھ سے جو تعاون چاہیے وہ مجھے بتاؤ! یہ واقعہ آپ کی خوردنوازی اور تربیت سازی کا اندازہ کرنے کے لیے کافی ہے!

علمی گیرائی وگہرائی: اللہ تعالیٰ نے آپ کو جملہ علوم وفنون سے مناسبت اور ان میں کامل بصیرت عطا فرمائی تھی اور آپ کو رسوخ فی العلم کے مقام سے نوازا تھا، اس لیے نہ صرف یہ کہ طلبہ آپ سے فیض حاصل کرتے تھے بلکہ مدرسہ مظاہر علوم کے چھوٹے بڑے اساتذہ بھی آپ سے استفادہ کرتے تھے، مظاہر علوم وقف اور دیگر اداروں میں تدریسی وتحقیقی کام کرنے والے افراد بھی آپ سے مسلسل مستفیض ہوا کرتے تھے اور آپ بھی اپنی فیاض طبیعت کے پیش نظر ان کی بھرپور رہنمائی فرماتے تھے اور کسی قسم کا کوئی بار محسوس نہ فرماتے، اور نہ اپنی علم دانی کا احساس ہونے دیتے۔

یہ بات قارئین کے لیے بڑی اجنبی محسوس ہوگی کہ مولانا عظیم محدث ہونے کے ساتھ ساتھ عظیم قاری بھی تھے، اور آپ کو فن تجوید وقراءت میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا، قراءت سبعہ اور عشرہ کی کتب کا آپ نے درس بھی دیا، ایک مرتبہ مدرسہ کی مسجد میں نماز پڑھ کر تشریف لاتے ہوئے فرمایا کہ: ان قراء کو خوش الحانی کا بڑا شوق ہوتا ہے ﴿ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ، الم یجدک یتیماً فاویٰ﴾ میں "فترضیٰ" پر وقف ہوگا مگر یہ قراء مد کے شوق میں وقف نہیں کرتے اور کھینچتے چلے جاتے ہیں (اس نماز میں امام نے ایسا ہی کیا تھا جس پر آپ نے یہ تنبیہ فرمائی)

طرز تدریس: بندہ کو آپ سے شعبۂ تخصص فی الحدیث کے اسباق کے علاوہ ہدایہ ثالث اور ابن ماجہ پڑھنے کا بھی شرف حاصل ہوا، آپ اپنے درس میں غیر متعلقہ اور طویل بحثیں بیان کرنے سے گریز کرتے تھے، بقدر ضرورت کتاب کی شرح اور اس کی افہام تفہیم پر توجہ مرکوز رکھتے تھے، جس کی بنا پر آپ کا سبق کافی تیزی کے ساتھ آگے بڑھتا تھا، ابن ماجہ کے سبق میں بھی آپ صرف حدیث کی ضروری تشریح پر اکتفاء فرماتے اور شرح حدیث کے ساتھ سند حدیث پر فن اسماء رجال کی روشنی میں کلام فرماتے، سند میں وارد اسماء کے صحیح ضبط، اسماء کے کنیٰ، کنیٰ کے اسماء، مؤتلف ومختلف اسماء کی وضاحت فرماتے، اتصال سند کی وضاحت کے لیے رواۃ کے سنین ولادت ووفات ذکر فرماتے، جرح وتعدیل کے اعتبار سے راوی کا مقام اور حدیث کی اسنادی حیثیت متعین فرماتے، گاہے گاہے طلبہ سے بھی رواۃ کے بارے میں سوالات کرتے اور جو طالب علم صحیح بتلاتا اس پر نہایت مسرت کا اظہار فرماتے، آپ کے اس طرز کی وجہ سے باذوق طلبہ نے آپ سے سن سن کر رواۃ کے اسماء، کنیٰ اور ان کے سنین ولادت ووفات کو کاپیوں میں جمع کر رکھا تھا، بندہ نے بھی ایک چند ورقی کاپی اس طرح کی الف بائی ترتیب

کے اعتبار سے تیار کی ہوئی تھی، صحاح ستہ کے ایک راوی ابو معاویہ، جن کا نام محمد بن خازم ہے، ان کا نام ایسا ذہن نشین ہوا کہ بارہا یہ اتفاق ہوا کہ مولانا نے دوران درس ان کا نام پوچھا تو میں نے برجستہ بتادیا، ایک مرتبہ تخصص فی الحدیث میں داخلہ کے بعد سبق میں ان کا نام آیا تو مولانا نے طلبہ سے ہنستے ہوئے فرمایا کہ: جلدی بتلاؤ ان کا نام کیا ہے؟ ورنہ مولوی بشیر بتلادیں گے............اس طرح آپ کا درس لطائف وظرائف کا حامل ہوتا، جس سے مجلس درس باغ و بہار بنی رہتی، اور طلبہ کو کسی قسم کی اکتاہٹ نہ ہوتی۔

اصول وضوابط کی پابندی: آپ اصول وضوابط کے حددرجہ پابند تھے، اور جس طرح خود با اصول اور با مقصد زندگی بسر فرماتے دوسروں سے بھی اسی کے طالب رہتے، خلاف ضابطہ کام سے آپ بہت بار محسوس کرتے، اصول وضوابط کے معاملہ میں آپ کسی بڑی سے بڑی شخصیت کو بھی خاطر میں نہیں لاتے، جس کام کے لیے جو وقت اور جتنا وقت مقرر تھا اس میں وہی کام کرتے، چھٹی کے بعد ایک گھنٹہ دم اور تعویذات کے لیے مقرر کر رکھا تھا، اس میں جو مریض آتا اس کو دیکھ لیتے، اس کے بعد اگر مریض آتا تو آپ اولا نرمی سے منع کردیتے کہ وقت ختم ہو چکا، آئندہ آنا، اگر وہ کچھ پس وپیش کرتا تو پھر سختی سے جھڑک دیتے خواہ وہ کتنی بھی دور سے آیا ہو۔

شعبۂ تخصص فی الحدیث میں ضابطہ کے برخلاف کسی کا داخلہ نہیں لیتے تھے، بسا اوقات حضرت ناظم صاحب مدظلہ یا صدر مدرس صاحب بھی کسی کی سفارش فرماتے تو ضابطہ کا حوالہ دے کر انکار فرمادیتے، آپ کی اس اصول پرستی کا بندہ بھی ''شکار'' ہوا، واقعہ یہ پیش آیا کہ دورہ سے فراغت کے بعد بندہ ایام داخلہ میں مدرسہ میں حاضر ہوا، حضرت مولانا تشریف لائے، اور فرمایا کہ: تمہارے نمبرات کا اوسط عمدہ ہے اور سہارنپوری طلبہ تخصص فی الحدیث نہیں کرتے، تم میرے پاس اس شعبہ میں داخل ہوجاؤ، میں اس وقت کشمکش میں تھا کہ کیا پڑھوں؛ یہ سوچ کر کہ عربی زبان پر عبور حاصل ہوجانے کے بعد مطالعہ کی کلید حاصل ہوجائے گی، جی یہ چاہتا تھا کہ عربی ادب کے شعبہ میں داخلہ لے لوں، مگر اس وقت تک مظاہر علوم میں یہ شعبہ قائم نہیں ہوا تھا، ''افتاء'' کی گراں بار ذمہ داری کے پیش نظر اس میں داخلہ لینے کو جی نہ چاہتا تھا، اور شعبہ تخصص فی الحدیث میں دوسالہ مدت طویل معلوم ہوتی تھی اس لیے طبیعت اس میں داخلہ لینے پر آمادہ نہیں ہوتی تھی، ان سب باتوں کی وجہ سے ذہن کسی ایک جانب

مائل نہیں ہوسکا، ادھر حضرت مولانا سے والد صاحب کا بھی تعلق و نیاز تھا، انہوں نے والد صاحب سے بھی فرمایا کہ اس کو میرے پاس داخل کردو، حضرت مولانا کے فرمان اور والد صاحب کی اجازت کے بعد میرا بھی کچھ رجحان تخصص فی الحدیث میں داخلہ لینے کی جانب ہوگیا، مگر اتفاق یہ ہوا کہ اس سال عام سالوں کے برخلاف تخصص فی الحدیث میں داخلہ لینے والے طلبہ کا انتخاب چند ایام قبل ہوگیا، اور میں اس وقت تک داخلہ کی درخواست بھی پیش نہ کرسکا تھا، جب میری درخواست مولانا کے کہنے کے باوجود اس میں نہیں پہنچ سکی، تو مولانا بہت سخت ناراض ہوئے، میں نے عذر بھی پیش کیا اور داخلہ کی خواہش بھی ظاہر کی، مگر مولانا نے انکار فرمادیا کہ اب انتخاب عمل میں آچکا ہے، اب خلاف ضابطہ تمہارا داخلہ نہیں ہوسکتا، بندہ نے حضرت ناظم صاحب اور والد صاحب سے بھی سفارش کرائی مگر مولانا نے ضابطہ کا حوالہ دے کر انکار فرمادیا، چنانچہ پھر مجھے چاروناچار "شعبۂ افتاء" میں داخلہ لینا پڑا، آئندہ مزید تعلیم حاصل کرنے کا خیال نہیں تھا، مگر والد صاحب نے اصرار کیا کہ تخصص فی الحدیث ضرور پڑھنا ہے، لہٰذا میں پھر حضرت مولانا کے پاس آیا اور کہا کہ حضرت ایک سال کی سزا کافی ہوچکی ہے اب داخلہ لینا چاہتا ہوں، مولانا نے ہنستے ہوئے فرمایا کہ: ہاں! اب تمہارا داخلہ ہوجائے گا، چنانچہ پھر بندہ نے حسب ضابطہ داخلہ لے کر تخصص فی الحدیث کی تکمیل کی۔

اصول وضوابط پر کاربند رہنے کا ایک مظہر یہ بھی تھا کہ ہمیشہ شوال میں تعطیل مکمل ہونے سے ایک دو روز پہلے مدرسہ پہنچنے کا معمول رہا، اس سال کے آغاز میں مدرسہ کی افتتاحیہ مجلس میں حضرت مولانا کے بارے میں ان کے اصول وضوابط کی پابندی کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت ناظم صاحب مدظلہ نے فرمایا کہ: ۱۹؍سال کے قریب مولانا ہمارے مدرسہ میں رہے، مگر ہمیشہ معمول رہا اور اس میں کبھی تخلف نہ ہوا کہ جب کوئی سفر درپیش ہوتا تو پہلے مجھ سے مشورہ کرتے، اور سفر کی اجازت کے بعد پھر درخواست لکھ کر اس کو ازخود داخل فرما کر پھر سفر میں تشریف لے جاتے اور پھر خواہ کیسے بھی حالات ہوں مدرسہ وقت پر ہی پہنچتے۔

تواضع وانکساری: مثل مشہور ہے کہ "پھل دار ٹہنی ہمیشہ جھکی رہتی ہے" اسی کے مطابق علم وفضل میں کمال رکھنے کے باوجود آپ کو نہایت متواضع، بے نفس اور مسکین صفت انسان پایا گیا، پوشش وپوشاک بھی سادہ زیب تن فرماتے اور بود و باش بھی نہایت سادہ رکھتے، تکبر و تعلی اور پندار و افتخار کا

آپ کے یہاں گزر بھی نہیں تھا، آپ کی رہائش گاہ کو دیکھ کر کوئی اندازہ بھی نہیں کرسکتا تھا کہ علم حدیث کا امام، ملک وبیرون ملک کے ممتاز ترین علماء میں سے ایک عالم اور جامعہ مظاہر علوم کے شعبہ تخصص فی الحدیث کے رئیس وصدر کی رہائش گاہ ہے، اپنے تمام کام ازخود انجام دینے کی عادت تھی اور حتی الامکان طلبہ کی خدمت واعانت سے گریز کرنے کا مزاج تھا، اگر کبھی کسی مسئلہ کو دریافت کرنے کے لیے دارالافتاء تشریف لاتے تو حضرات مفتیان کے سامنے عام سائل کی طرح آکر بیٹھ جاتے اور بلاتکلف فرماتے کہ فلاں مسئلہ معلوم کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں حضرت مفتیان اپنی نشست پر بیٹھنے کے لیے کہتے مگر آپ انکار فرمادیتے۔

صبرواستقلال: صبرواستقامت اور رضاء بالقضاء کی دولت سے آپ مالامال تھے، آپ کے یہاں علم وفضل کی خوب فراوانی اور وسعت تھی مگر مالی فراخی اور آسودگی حاصل نہ تھی، ایک مرتبہ فرمایا کہ: مولوی کی تعریف جانتے ہو؟ ہم نے کہا کہ: حضرت آپ بتلادیجیے، فرمایا کہ: مولوی اس کو کہتے ہیں جس کے پاس روپیہ پیسہ نہ ہو، ابتداء میں تو آپ کو کافی معیشت کی تنگ دامانی کا سامنا تھا، اور گھریلو طور پر بھی مختلف حوادثات پیش آتے رہے مگر آپ نے کبھی صبرواستقلال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور آپ باوجویکہ طلبہ کے ساتھ بڑے بے تکلف تھے اور ہر قسم کی گفتگو ان سے فرماتے لیکن کبھی اس بارے میں کوئی شکوہ اور شکایت آپ کی زبان سے نہیں سنا گیا۔

مرض الوفات اور اپنے آخری ایام میں تو آپ نے ''کوہ استقلال'' ہونے کا ثبوت پیش کیا جس کا تذکرہ ہر خاص وعام کی زبان پر سنا گیا، معدہ میں زخم کی وجہ سے غذا نہیں پہنچ پارہی تھی، نہ خشک اور نہ سیال، ۱۷ روز تک آپ کے حلق سے کوئی چیز نیچے نہیں گئی، مگر آپ کے کسی معمول میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں آیا، نہ درس وتدریس میں اور نہ تصنیف وتالیف میں، نہ مدرسہ کی آمدورفت میں اور نہ مسجد کی باجماعت نماز کے اہتمام میں اور پھر جب ڈاکٹر نے غذا کی رسائی کے لیے حلق کے بجائے کوئی دوسرا راستہ بنانے کی تجویز رکھی تو اس کو یہ کہکر انکار فرمادیا کہ ''آج تک اللہ تعالیٰ اس فطری راستہ سے کھلاتا پلاتا رہا، اب اگر اس کو اس راستہ سے کھلانا منظور نہیں ہے تو ہم اس کے فیصلہ پر راضی ہیں، لہذا کوئی

غیر فطری طریقہ غذا کی رسائی کے لیے اختیار کرنا ہمیں منظور نہیں ہے'' یہ واقعہ آپ کی غیر معمولی ہمت وحوصلہ کا ثبوت ہے، چند سال قبل مسجد سے تشریف لاتے ہوئے راستہ میں آپ کے گھٹنوں نے جواب دیدیا اور آپ راستہ میں گر گئے، ہاتھوں پر اٹھا کر آپ کو رہائش گاہ لایا گیا، اندازہ تھا کہ اب آپ کے لیے آئندہ چلنا پھرنا نہایت دشوار ہوگا، مگر کچھ دن معمولی علاج ومعالجہ کے بعد آپ پھر بدستور چلنے پھرنے لگے، اور بحمداللہ اخیر عمر تک اپنے پاؤں چل کر مدرسہ آنے جانے اور سیڑھیاں چڑھنے کا معمول رہا، آپ مرض کو نہ زیادہ اہمیت دیتے اور نہ اس کی وجہ سے اپنے معمول میں کوئی فرق آنے دیتے۔

موت کا اندازہ: آپ کو اپنی عمر مستعار کی تکمیل کا اندازہ ہوگیا تھا، چنانچہ آپ نے اپنا اخیر وقت اور مرض الوفات کاموں کے نمٹارہ میں گزارا، جب مرض کی شدت بڑھ گئی اور مظاہر علوم سے اپنے وطن جانے کا فیصلہ ہوگیا، تو تخصص فی الحدیث کا آئندہ کا نظام طے کیا، اسباق تجویز کئے، شعبہ کے تمام اساتذہ ورفقاء کو آئندہ شعبہ چلانے کے سلسلہ میں ہدایات اور زریں نصائح سے نوازا، حضرت ناظم صاحب سے اس بارے میں گفتگو اور رائے مشورہ کیا، اسی دوران بندہ کو بلا کر ''تحقیق اہل بیت'' نامی مقالہ پر تقریظ لکھی، امدادالباری اور دیگر تصنیفی کام متعلقہ لوگوں کے حوالہ کئے، اور پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی وصیت کی، پھر گھر تشریف لے جاکر بہت سے گھریلو معاملات انجام دیئے، علاقہ کے بہت سے ملی مسائل حل فرمائے، خانقاہ ربانی ودارالمطالعہ کے نام سے ایک علمی مرکز کا سنگ بنیاد رکھا، وفات سے عین قبل توبہ فرمائی، اور تمام حاضرین سے معلوم کیا کہ مرتے وقت کی تمام سنتیں ادا کر چکا ہوں یا نہیں؟ اگر کوئی رہ گئی ہو تو اس کو بتلاؤ تاکہ اس پر بھی عمل ہوجائے حاضرین نے کہا کہ تمام سنتیں ادا ہوچکیں، اس کے بعد آپ کو اطمینان ہوا اور پھر آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

اللہ تعالیٰ آپ کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، اور ہم تلامذہ کو آپ کے نقش قدم کی پیروی کی توفیق عطا فرمائے۔

ایک محدث گر کی موت

مولانا محمد پرتاپ گڈھی، استاذ عربی مدرسہ فیض العلوم نیرل، ممبئی

یاد پڑتا ہے کہ بچپن میں تکمیل حفظ کے بعد جب ہم نے درجۂ عالمیت کی ابتدائی کتابیں برادر اکبر مولانا محمد امین صاحب کے پاس شروع کیں تو بندہ، بھائی مولانا حسین احمد اور بھتیجے مولانا فیصل تینوں ساتھ تھے، اگلے سال بھائی حسین نے بڑے بھائی مولانا محمد صغیر استاذ حدیث جامعۃ الامام انور دیوبند کے ہم راہ دارالعلوم دیوبند کے امتحان داخلہ میں شرکت کا فیصلہ کرلیا، اور ہم لوگوں کو چھوڑ کر دیوبند چلے گئے، بعد میں خبر آئی کہ یہ حضرات مظاہر علوم سہارن پور چلے گئے ہیں اور بڑے بھائی مولانا صغیر صاحب نے "محدث" بننے والے شعبہ میں داخلہ لے لیا ہے، یہ "محدث" بنانے والا بھلا کون سا شعبہ ہوتا ہے؟ اس میں کیا پڑھاتے ہیں کہ آدمی محدث بن جاتا ہے؟ اس ذہنی استفسار کی گتھیاں سلجھانے میں اس وقت ذہن ودماغ بڑا الجھا رہتا تھا، سنتا تھا کہ اس شعبہ میں پڑھنے کے بعد آدمی کو "علم حدیث" میں اتنی مہارت حاصل ہوجاتی ہے جتنی کہ ایک کہنہ مشق عمر دراز محدث کو ہوتی ہے۔

اس وقت تک یہ شعبہ دارالعلوم دیوبند میں قائم نہیں ہوا تھا، ہندوستان میں پہلی مرتبہ یہ شعبہ مظاہر علوم جدید میں حضرت مولانا زین العابدین اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی سرکردگی میں شروع ہوا تھا، ذہن میں آتا کہ جب اس شعبہ کے طالب علموں کو اتنی مہارت حاصل ہوجاتی ہے کہ وہ ایک محدث کے ہم پلہ ہوجاتے ہیں، تو اس شعبہ کے شیخ اور استاذ کا علمی مقام کیا ہوگا؟ وہ کتنے بڑے محدث اور کتنے بڑے علم والے ہوں گے؟ اسی سال ماہ رجب میں برادر اکبر مولانا محمد امین صاحب کے ہمراہ پہلی مرتبہ جب دیوبند جانا ہوا تو سہارن پور بھی حاضری ہوئی، بلکہ ان کی محبتوں اور عنایتوں سے لطف اندوز ہونے کا موقعہ بھی ملا۔

حضرت مولانا ایک محدث ہی نہیں بلکہ محدث گر تھے، وہ نہ صرف ناقد، اصولی اور فن اسماء الرجال کے ماہر تھے، بلکہ ہندوستان میں علم حدیث کے اس فنی اور تحقیقی نشاۃ ثانیہ کے امام اور قائد تھے، ان کے اس تجدیدی کارنامے کو دنیائے علم حدیث کبھی فراموش نہیں کرسکتی، ان کی سادگی، بے نفسی، کو دیکھ کر کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ وہ دریائے علم کے اتنے بڑے شناور اور فضل وکمال کے اتنے بڑے

پیکر ہیں، سنا ہے کہ زمانۂ طالب علمی میں مولانا کے ذوق مطالعہ کا یہ عالم تھا کہ جمعہ کے دن آپ نے ناظم کتب خانہ سے معاہدہ کرر کھا تھا جس کے تحت وہ آپ کو صبح سویرے کتب خانہ کے اندر داخل کرکے باہر سے دروازہ بند کردیتے تھے، اور صرف نماز جمعہ کے لیے دروازہ کھولا کرتے تھے۔ اس علمی انہماک کی وجہ سے آپ پیچیدہ سے پیچیدہ علمی مبحث کو چٹکیوں میں حل فرمادیتے تھے۔

بڑے بھائی مولانا صغیر صاحب، حضرت علامہ انور شاہ کشمیری صاحبؒ کی ''عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام'' کی ترجمانی کا کام کررہے تھے، اس وقت مشکل مباحث کا حل حضرت مولانا زین العابدین صاحب کے پاس ہی ملتا، حضرت مولانا کتاب کو صرف ایک نظر دیکھتے اور فوراً پوری بحث کا خلاصہ بتادیتے۔

حضرت مولانا کی پوری زندگی جہد مسلسل سے عبارت تھی، مشکل سے مشکل احوال میں رہ کر دینی خدمت انجام دینا اور علوم اسلامیہ کی حفاظت کے لیے کمربستہ رہنا مولانا کا خصوصی امتیاز تھا، ایسا نہ تھا کہ دینی و علمی تعلیم وتدریس میں ان کی مشغولیت کسی مجبوری کا نتیجہ تھی، بلکہ ان کے خاندان میں نہایت عمدہ ''بنارسی ساڑیاں'' بنانے کے کارخانے تھے مگر آپ نے ان بکھیڑوں سے یکسو ہوکر لیلائے علم کے گیسو سنوارنے کے لیے اپنے آپ کو وقف کرر کھا تھا، میرے والد ماجد مولانا محمد یار صاحب ان کے درسی ساتھی نہ تھے، لیکن چونکہ دونوں کا زمانۂ طالب علمی ایک ہی تھا اور دونوں ہی میکدۂ مدنی کے قدح خواروں میں تھے، علاوہ استاذی وشاگردی کے رشتہ کے، کچھ اس وجہ سے بھی کہ بھائی مولانا صغیر صاحب، حضرت کے الطاف وعنایات کے خاص مورد تھے، چنانچہ حضرت مولانا دیوبند تشریف لاتے، تو بھائی کے مکان پر قیام فرماتے، وہ بڑے اصول پسند تھے، ان کا ہر کام منضبط، اور مرتب ہوا کرتا تھا، اس سلسلے میں وہ انتہائی حساس بھی تھے۔ حضرت والا دارالعلوم دیوبند میں منعقدہ ''دہشت گردی مخالف کانفرنس'' میں شرکت کی غرض سے دیوبند آئے ہوئے تھے، قیام بھائی کے گھر پر ہی تھا، اختتامی اجلاس کے بعد آپ کو اپنے گھر ''مئو'' جانا تھا، مہمانوں کی کثرت کی وجہ سے بھائی صاحب حضرت کو رخصت کرنے کے لیے اسٹیشن نہیں جاسکتے تھے، تو حضرت نے مجھے خود حکم دینے کے بجائے بھائی صاحب سے فرمایا کہ تم محمد سے کہو کہ مجھے اسٹیشن تک چھوڑ دے، پھر فرمایا کہ تم میرے شاگرد ہو، اس وجہ سے تمہیں تو حکم دے سکتا ہوں، مگر اس کو نہیں۔ علم حدیث کا یہ نیر تاباں یون صدی

تک علم حدیث کی عظیم ترین خدمات انجام دینے اور آسمان علم کو اپنی ضوفشانیوں سے منور کر کے قصبہ پورہ معروف کے شہر خموشاں میں ہمیشہ ہمیش کے لیے روپوش ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون، اللھم برد مضجعہ ووسع مدخلہ وادخلہ فی فسیح جناتہ۔

☆☆☆☆☆

مولانا مرحوم کی وفات پر پورہ معروف میں مختلف تعزیتی جلسوں کی رپورٹ

۲۹؍اپریل ۲۰۱۳ء بروز دوشنبہ، محدثِ جلیل حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمی، معروفی کے سانحۂ وفات پر پورہ معروف میں تین تعزیتی جلسے منعقد ہوئے۔

پہلا تعزیتی پروگرام "المعارف دارالمطالعہ" پورہ معروف بازار میں عصر کے بعد لائبریری کی جانب سے ہوا، جہاں حضرت مولاناؒ برابر آتے تھے، دوسرا تعزیتی جلسہ قدیم عیدگاہ، محلّہ پراناپورہ میں ہوا، جہاں کے آپ امام تھے، تیسرا پروگرام مولانا مرحوم کے محلّہ، نئی بستی میں ہوا جہاں آپ کا گھر مسجد اور خانقاہ ہے، ان تینوں پروگراموں کی مشترکہ رپورٹ یہاں شائع کی جارہی ہے۔

مولانا مطیع اللہ مسعود قاسمی نے اپنے استاذ و پیرومرشد صاحب مرحوم کی شان میں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ حضرت الاستاذ بڑی خوبیوں اور اوصافِ حمیدہ کے مالک تھے، وہ درس و تدریس کے فن میں بڑی مہارت رکھتے تھے، طلبہ کے ساتھ بڑے مہربان تھے، اور طلبہ کو علم کے میدان میں آگے بڑھانے کے لیے ہمیشہ فکرمند رہتے تھے، انہیں فراغت کے بعد تدریس کے لیے جگہوں کی بھی نشان دہی کرتے، رہنمائی فرماتے، اور اپنی معرفت انہیں وہاں بھیجتے۔

مولانا انصار احمد قاسمی مدیر پیغام نے کہا کہ حضرتؒ کے اندر ذرہ نوازی بہت تھی اور وہ اپنے متعلقین کو کام میں لگا کر بہت خوش ہوتے تھے، ماہنامہ مظاہر علوم سہارن پور، میں مدیر کی خالی جگہ کو بھرنے کے لیے انھوں نے میرے نام کی تجویز وہاں کے ذمہ داروں کے سامنے رکھی جو قبول ہوئی، مگر کچھ گھریلو مجبوریوں کی وجہ سے میں وہاں نہ جاسکا، حالاں کہ کبھی میں نے ان سے اس سلسلے

میں کوئی بات نہیں کی تھی، بعد میں مؤرخ اسلام مولانا محمد عثمانؒ صاحب معروفی نے اس جگہ کو پُر کیا جس کی ادارت کے دَران ہی ان کی وفات ہوئی، اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔

ہمارے پیرو مرشد حضرت مولاناؒ کو اللہ تعالیٰ نے علم وتقویٰ کی وجہ سے عوام وخواص میں بے پناہ محبوب بنایا تھا، اور ان کی مقبولیت حقیقت میں عند اللہ محبوبیت کی علامت تھی، حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت فرماتے ہیں تو جبرئیل علیہ السلام سے کہتے ہیں کہ مجھے فلاں بندہ سے محبت ہے، تم بھی اس سے محبت کرو، پھر آسمان پر درجہ بدرجہ اس کی محبت اتار دی جاتی ہے، اور وہی محبوبیت پھر دنیا میں رکھ دی جاتی ہے۔

ان کی عوام وخواص میں مقبولیت کی علامت ان کے جنازہ میں بے تحاشہ لوگوں کی شرکت ہے، ان کی وفات کی خبر پورے علاقہ میں ایسی پھیلی کہ قرب وجوار کے مشہور علاقہ کے علاوہ بلیا، جون پور، اعظم گڈھ، گورکھ پور، دیوریا، اور بنارس، غازی پور کے علماء کرام کثیر تعداد میں جنازہ میں شریک ہوئے، حالاں کہ پورہ معروف آمد ورفت کے اعتبار سے عدمِ سہولیت میں مشہور ہے، اس کے علاوہ جنازہ بھی رات میں تھا، مگر پھر بھی دور، دراز کے حضرات بھی اپنی اپنی سواری کا انتظام کر کے جنازہ میں شریک ہوئے، اور حضرت مولانا کے آخری دیدار سے بہرہ ور ہوئے۔

مولانا محمد شاکر عمیر معروفی استاذ دار العلوم زکریا مراد آباد نے اپنے خطاب میں کہا کہ استاذنا المکرّم حضرت مولانا زین العابدین صاحب علیہ الرحمہ تواضع وانکساری کے پتلے تھے، ان کی ذرہ نوازی وتواضع کی دلیل یہ ہے کہ وہ مظاہر علوم سہارنپور کے شعبۂ تخصص فی الحدیث میں میرے داخلے کے لئے میرے والد صاحب سے بات کرنے کے لئے میرے گھر تشریف لائے، ضرورت میرے داخلے کی تھی، مگر حضرت نے مجھ پر مہربانی فرماتے ہوئے رات کو اپنے گھر سے میرے گھر آنے کی زحمت فرمائی اور مجھے والد صاحب سے وہاں داخلے کے لئے مانگا، پہلے تو والد صاحب نے بمشکل صرف ایک سال کے لئے اجازت دی، مگر انھوں نے ایک سال کے اندر جب اس کا فائدہ محسوس کیا، تو خوشی سے دوسرے سال کی تکمیل کی بھی اجازت دیدی، حضرت ہمیں بے انتہا شفقت اور محبت سے پڑھاتے تھے، اور حدیثوں کی تخریج وتحقیق کا طریقہ بڑے سہل انداز میں سکھاتے تھے، حضرت بتاتے تھے کہ خوب محنت کیا کرو، اور علم کے میدان میں مقلد نہ بنو یعنی کسی سے کوئی بات صرف سن کر اس پر اعتماد نہ

کرو، بلکہ خود اس کی تحقیق کرلیا کرو، پھر اس کو بیان کرو، حضرت کے علمی تفوق کی دلیل تکملۂ امداد الباری، المغنی کی تحقیق، اور دوسرے علمی کام ہیں، جسے انشاء اللہ میں اپنے مضمون مین ذکر کروں گا۔

حدیث میں ہے کہ جب انسان مر جاتا ہے تو اسکا عمل منقطع ہو جاتا ہے مگر تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا اجر وثواب مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے، صدقۂ جاریہ، اولا د صالحہ، اور ایسا علم جس سے نفع اٹھایا جائے۔

اس حدیث کی روشنی میں غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؒ نے اپنے پیچھے ماشاء اللہ تینوں چیزیں چھوڑی ہیں اولاد صالحہ بھی ہیں، جو عالم ہیں، صدقۂ جاریہ کے طور پر ربانی مسجد، مدرسہ وخانقاہ کی تعمیر ہے، اور علمِ نافع کے طور پر آپ کی تصنیفات، مختلف مضامین، اور تلامذہ ہیں، جو ان شاء اللہ حضرت کے لیے ذخیرۂ آخرت بنیں گے۔

مولانا نوشاد رمضان قاسمی نے اپنی مختصر مگر جامع تقریر میں کہا کہ حضرت مولانا مرحوم کا علم بہت گہرا تھا اور وہ علم وعمل کے زیور سے آراستہ تھے، حدیث کے فن میں وہ ملک کے ممتاز ترین لوگوں میں بھی اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔

استاذ شاعر محترم کوثر معروفی صاحب نے منظوم خراجِ عقیدت پیش کیا:

خاک بھی ملتی نہیں اک مشت قیمت کے بغیر
پھر طلب جنت کی کس منہ سے عبادت کے بغیر
موت عالم کی ہوا کرتی ہے اک عالَم کی موت
آج کچھ ایسا ہی ہے حضرات، حضرت کے بغیر
مسجد ومحراب ومنبر، خانقاہ و مدرسے
سونے سونے لگ رہے ہیں آج حضرت کے بغیر
ایک بھی شام ان کی ذکر وفکر سے خالی نہ تھی
صبح بھی کٹتی نہ تھی کوئی تلاوت کے بغیر

حضرت مولانا محمد ارشد صاحب اعظمی، (استاذ حدیث جامعہ مظہر العلوم بنارس) نے اپنے خطاب میں کہا کہ آج ہم ایک بہت ہی عظیم شخصیت، اور ان کی شفقت سے محروم ہوگئے ہیں، اب ان

جیسی محبت اور شفقت ہمیں کہاں مل سکے گی؟ حضرت مولانا زین العابدین صاحب کی وفات کا صدمہ صرف ان کے اہلِ خانہ، یا تلامذہ و مریدین کے لیے نہیں، بلکہ تمام علمی دنیا کے لیے عظیم خسارہ ہے، اور ہم سب گویا تعزیت کے مستحق ہیں۔

حضرت مولانا مرحوم علم و عمل کی خوبیوں سے لبریز تھے، انہیں علم کے میدان میں جو ترقی حاصل ہوئی وہ فضلِ الٰہی کے ساتھ ان کی شبانہ روز کی جدو جہد کا نتیجہ تھی، انھوں نے اس کے لیے کڑی جدو جہد اور شب بیداری کی تھی، حضرت مولانا ان لوگوں میں سے تھے، جن کی وجہ سے پورہ معروف کا نام دور دور تک روشن ہے، حضرت مولانا محمد طاہرؒ صاحب معروفی، حضرت مولانا محمد یٰسین صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالستارؒ صاحب، حضرت مولانا عبدالجبارؒ صاحب، قاری ظہیر الدینؒ صاحب، حضرت مولانا امانت اللہؒ صاحب اور حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب مدظلہ، وغیرہ وہ برگزیدہ علمی ہستیاں ہیں جن کے علم و فضل، تقویٰ طہارت اور ان کی دینی خدمات سے علاقہ کا نام روشن ہے، اور جن پر اہالیانِ پورہ معروف کو بجا طور پر فخر ہے۔ آپ نے پورہ معروف میں ربانی مسجد میں جو ذکر کا حلقہ قائم کیا اور جس میں قرب و جوار کے علاوہ دور دور کے حضرات بھی شریک ہوتے تھے، وہ بلاشبہ ایسا کارنامہ ہے جسے آپ کی حیات کا روشن باب کہا جائے گا۔

اپنا کام اپنے ہاتھ سے: مولانا خالد سعید صاحب مبارک پوری استاذ شعبۂ تخصص فی الحدیث سہارن پور نے فرمایا کہ حضرت مولاناؒ علم و عمل کی جامعیت سے لبریز تھے، وہ علم میں اونچے مقام پر فائز ہونے کے باوجود کبر و غرور سے دور، اور تواضع و انکساری کا مجسمہ تھے، مولانا مرحوم ہمارے ساتھ ہی کھانا کھاتے تھے، کھانا ہم لوگ اپنے ہاتھ سے بناتے تھے، اس میں مولانا پوری طرح شریک رہتے تھے، حتیٰ کہ روٹی بھی اپنے ہاتھ سے اکثر وہی پکاتے تھے، کسی کام کی ضرورت ہوتی، تو وہ کسی طالب علم کو زحمت دینے کے بجائے خود ہی پورا کرنے کے لیے تیار رہتے تھے، ہم لوگ کہتے بھی کہ حضرت ہم یہ کام کر دیتے ہیں، آپ کیوں زحمت فرما رہے ہیں؟ فرماتے کہ آپ لوگوں کا علمی حرج اور نقصان ہوگا، آپ لوگ حدیث کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں، میں نہیں چاہتا کہ اس کے لیے آپ کے کام میں خلل ڈالوں! اور رکاوٹ بنوں، حالاں کہ ان کا کام بھی کتابوں اور علم کی خدمت کے ہی تعلق سے ہوتا تھا، انہیں الماری سے کتاب نکالنے اور مراجعت کی ضرورت ہوتی، اور وہ کافی ضعیف

بھی ہو گئے تھے، لیکن کسی کو اپنی خدمت کے لیے استعمال کرنے کے بجائے خود اٹھ کر وہ کام کر لیتے۔
کنویں سے پانی کھینچنا: مولانا نے کہا کہ حضرت جب ہمارے یہاں مبارک پور میں پڑھاتے تھے، تو وہاں بھی اپنا سارا کام خود انجام دیتے تھے، اس وقت پانی لینے کے لیے کنویں کا رواج تھا، مولانا تہجد کے وقت فجر سے بہت پہلے ہی دن بھر کا پانی کنویں سے جا کر بھر لیا کرتے تھے، تا کہ کسی کو زحمت نہ دینا پڑے، اور پھر عورتوں کا سامنا نہ ہونے پائے، کیوں کہ فجر کے وقت عورتیں اپنے گھر کے لیے پانی مٹکے میں بھرتی تھیں، وہ عورتیں اپنے گھر کے مَردوں سے کہتیں کہ آپ لوگ کیوں نہیں کنویں سے پانی بھرلاتے؟ جیسے مولانا اتنے بڑے عالم ہو کر خود اپنے لیے پانی بھرلاتے ہیں، اور آپ لوگ کچھ نہیں کرتے۔
مولانا محمد معاویہ صاحب گورکھ پوری استاذ شعبۂ تخصص فی الحدیث، سہارن پور نے اپنی تقریر میں کہا کہ حضرت مولانا مرحوم نے ہمیں علم وتحقیق کے میدان میں اس طرح چلنا سکھایا جس طرح کسی بچے کو اس کے گھر والے انگلی پکڑ کر چلنا سکھاتے ہیں، مولانا نے ہمیں حدیث کے میدان میں تحقیق وتخریج کے فن کے رموز سے آگاہ کیا، آپ کے ہمارے اوپر جتنے احسانات ہیں ہم اس کا بدلہ نہیں اتار سکتے، اللہ تعالیٰ ہی انہیں اپنی طرف سے بہترین بدلہ عطا فرمائیں۔
سفر کی قیمتی چیز: مولانا خورشید احمد مئوی، استاذ دار العلوم زکریا، مراد آباد نے تقریر میں کہا کہ ایک بار سفر میں حضرتؒ نے مجھ سے پوچھا کہ جانتے ہو سفر کی سب سے قیمتی چیز کیا ہے؟ ہماری لاعلمی پر انہوں نے بتایا کہ وہ وضو ہے، یعنی وضو کی حفاظت، اور ہر وقت باوضو رہنا ہے، مولانا کا اندازِ تربیت بھی عجیب تھا، کسی طلبہ یا استاذ کی کسی بات پر متنبہ کرنا ہوتا تو اس کی اصلاح سے متعلق حدیث نکلواتے، اور وہ اصلاحی جملہ بار بار اس سے پڑھواتے، اور جب انہیں احساس ہو جاتا کہ اب اصلاح ہو گئی ہے، اور وہ سمجھ گئے ہیں، تب آگے بڑھتے، اس طرح چپکے چپکے اصلاح ہو جاتی، اور کام ہو جاتا۔
مکمل رہ بری: حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب معروفی استاذ حدیث شعبۂ تخصص فی الحدیث، دار العلوم دیوبند نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ بڑے ابا مرحوم نے ہمیں علم کے میدان میں آگے بڑھایا اور پڑھنے کے زمانے سے لے کر دار العلوم دیوبند کی تدریس تک ہر موڑ پر رہنمائی فرمائی، ان کے احسانات ہم پر بے شمار ہیں، انھوں نے مجھے مظاہر علوم کے شعبۂ تخصص فی الحدیث میں تدریس

کے لیے جامعہ اسلامیہ بنارس سے بلایا، اور پھر اپنے ساتھ رکھ کر ہر طرح کی رہبری فرمائی، ان کے احسانات ہم پر بے شمار ہیں، اس کے بعد دارالعلوم میں جب اسی شعبہ میں جگہ نکلی تو میں انہی کے مشورے سے وہاں گیا، بنارس کی تدریس (سرکاری) چھوڑنے پر یار لوگوں نے مالی نقصان بتایا، مگر حضرت کی دوراندیشی کی داد دینی پڑے گی کہ ان کا فیصلہ کتنا صحیح تھا "قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید"۔

آج الحمدللہ سہارن پور، اور پھر اس کے بعد دیوبند تک رسائی اور ترقی یہ سب حضرت کے دوراندیشانہ فیصلے اور دعا کا نتیجہ ہے، کیوں کہ وہاں مجھے الحمدللہ ہر قسم کی عزت وغیرہ سب نصیب ہوئی۔

صبر و ہمت: حضرت کے چھوٹے صاحب زادے مولانا عبدالباسط صاحب نے اپنی تقریر میں کہا کہ ابا مرحوم نے اپنی طویل بیماری میں جتنے صبر سے کام لیا، وہ ان ہی کا حصہ ہے، کہ انہوں نے ۸/ ماہ کا طویل عرصہ بغیر روٹی کھائے گزار دیا، صرف کھچڑی اور اسی طرح سیال چیزوں پر قناعت کی، کیوں کہ اس کے علاوہ کوئی چیز ان کے حلق سے نیچے نہیں اترتی تھی، مگر کبھی جزع فزع نہیں کیا بلکہ اگر ہم لوگ اس پر افسوس کرتے تو تسلی دیتے ہوئے کہتے کہ آپ لوگ اتنے ہی پر گھبرا گئے، حضرت مولانا قاسم نانوتوی تو چالیس دن تک بغیر کھائے پیئے گذار دیا، جب ان کا ایک پنڈت سے بھوکے رہنے پر مناظرہ ہوا تھا، مگر پنڈت بھاگ گیا تھا۔ ہم لوگ ابا مرحوم کو اپنی کوتاہ بیں نظروں سے جس درجہ کا سمجھتے تھے، وہ ہماری کوتاہی تھی، ابا مرحوم کے کمالِ تقویٰ کا اندازہ ان کی بیماری میں ہوا کہ وہ تصوف وتزکیہ کے کتنے اونچے درجہ پر فائز تھے، تہجد بلا ناغہ سفر وحضر میں ادا کیا کرتے تھے، اور تلاوت وذکر کے معمول میں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا، ممبئی میں علاج کے دوران انہوں نے وصیت نامہ تحریر کر دیا تھا، جس میں ایک یہ بھی تھا کہ اگر میرا یہیں انتقال ہو جائے تو یہیں کے عام قبرستان میں جتنی جلدی ہو سکے دفن کر دیا جائے، ابا کو خانقاہ کی تعمیر کی بڑی فکر تھی، حتیٰ کہ مرض الموت میں انہوں نے اس کی سنگِ بنیاد کا پروگرام رکھا، اور ضعف کی وجہ سے وہاں تک نہ جا سکے، مگر اینٹ پر دعا کر کے اسے وہاں بھجوایا۔

اس کے علاوہ اور بھی حضرات نے مختصر تقریر کی، اور حضرت کی حیات وخدمات پر روشنی ڈالی۔

(مرتب: انصار احمد معروفی)

افسوس! گلشنِ تدریس کا گلِ تر پژمردہ ہو گیا

فیلسوفِ عصر مولانا ارشاد حسین معروفی، ممتاز الافاضل لکھنو
وسابق استاذ درجات عالیہ مدرسہ باب العلم، مبارک پور، اعظم گڈھ

علم اور علما کی فضیلت اور مجالس علما کی افادیت سے کون واقف نہیں، ابرِ کرم جب برستا ہے تو قحط زدہ زمین کو سرسبز و شاداب کر دیتا ہے اور روح کی تشنگی جب انسان کو مضطرب کرتی ہے، تو وہ ایسے چشمے تک رسائی حاصل کر لیتا ہے، جس سے اس کی تشنہ روح کو سیرابی نصیب ہو سکے، طبعی عمل کا یہ سلسلہ مشیتِ الٰہی کے تحت ہمیشہ جاری رہتا ہے۔

فقیہ کا وجود بھی مشیتِ الٰہی کا دوسرا نام ہے، مرسلِ اعظم ﷺ کا فرمان ہے: "من یرد اللہ به خیرا یفقهه فی الدین" (بخاری، مسلم) اللہ جس بندے سے خیر کا ارادہ رکھتا ہے، اسے دین کا فقیہ بنا دیتا ہے اور فقیہ کی عظمت کیا ہے؟ اسے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: "فقیه واحد أشد علی الشیطان من ألف عابد" (ترمذی، ابن ماجہ) یعنی شیطان کے لیے ایک فقیہ کو برداشت کرنا ہزار عابد سے زیادہ سخت ہے۔

الحمد للہ پورہ معروف علما اور فقہا کے اعتبار سے بڑی زرخیز بستی ہے، یہاں متعدد علوم و فنون کے مخصص پیدا ہوئے، حضرت مولانا عبد الجبار صاحبؒ، حضرت مولانا عبد الستار صاحبؒ، حضرت مولانا امانت اللہ صاحبؒ، حضرت مولانا زین العابدین صاحب رحمہم اللہ اور حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب مدظلہ، وغیرہم بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی نعمت تھے اور ہیں، ان کے بیشمار شاگرد نہ صرف ملک کے طول و عرض میں بلکہ دنیا کے ایک وسیع خطے میں علمِ دین کی روشنی پھیلانے میں مصروف ہیں، اللہ ان کے درجات کو بلند کرے اور ہم سب کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

قوم و ملت کی مایۂ ناز شخصیت، علم و عمل کا پیکر، محدثِ عصر، حضرت مولانا زین العابدین صاحب (طاب ثراہ) کی ذاتِ گرامی ایک حسین گل دستہ تھی، جن میں مختلف علوم و فنون کے خوشبودار پھول موجود تھے؛ مگر حدیث کا گلاب سب پر حاوی تھا، یوں تو ان کی فقہی شان و شوکت اور علمی جلالت وعظمت کے سبھی معترف ہیں؛ مگر جس نے ان سے کسبِ فیض کیا ہے، اس پر یہ حقیقت روزِ روشن کی

طرح عیاں ہے، عام مجالس میں تو وہ کسی قدر بے تکلف ہو جاتے، مگر خاص نشستوں میں ان کے سامنے کسی کو لب کشائی کی جرأت نہ ہوتی، اگر کسی کے لبوں کو جنبش ہوتی تو زبان پر کوئی سوال ہوتا، یا انالاانلدری کے کلمات ہوتے، وہ ایک فقرہ میں درپیش مسئلہ کو اس طرح حل کر دیتے کہ حاضرین دنگ رہ جاتے، ان کے فرمودات جواہرِ عالیہ کی طرح تاجِ فکر کو زینت بخشتے، تو زواہرِ غالیہ کے مانند مشامِ نظر کو معطر رکھتے، اگر وہ ارشادات ضبطِ تحریر میں آجائیں تو بلاشبہہ خاص وعام کے لیے ایک علمی ذخیرہ ثابت ہوں گے۔

ہمارے والد جناب شمش الدین مرحوم سے ان کے بڑے اچھے روابط تھے، ایک بار وہ مجھے مولانا کی خدمت میں لے گئے، حضرت نے مجھ سے سوال کیا کہ بتاؤ! اسمائے ستہ مکبرہ کا اعراب کیا ہے؟ میں نے اعراب بتایا تو اپنے مخصوص انداز میں فرمایا کہ میاں! مکبرہ کا مطلب بھی سمجھتے ہو؟ میں نے کہا جی ہاں، جو مصغرہ نہ ہو، یہ سن کر مولانا نے میری پشت تھپتھپائی اور میرے لیے دعائے خیر کی، اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر کہ اس نے حضرتؒ کی دعا کو شرفِ قبولیت عطا کیا۔

حسنِ اتفاق کہ جب میں ۱۹۶۱ء سے ۱۹۶۵ء تک مدرسہ باب العلم میں زیرِ تعلیم تھا، حضرت مولانا اس دوران مدرسہ احیاء العلوم میں فریضۂ تدریس انجام دے رہے تھے، کچھ والد صاحب سے ان کی قربت، کچھ وطن کی محبت، کچھ طلبِ علم کا شوق مجھے ان سے ملاقات پر آمادہ کرتا، میں وقت نکال کر کبھی کبھی ان کی زیارت کو جاتا اور ان کے چشمۂ علم سے فیض یاب ہوتا۔

صد حیف! وہ شاہکارِ تدریس، جس کی متاعِ زیست کا نفس نفس تشنگانِ علومِ دینیہ کے لیے وقف تھا، آج زندگی کی آخری سانس لے کر مسندِ درس سونی کر گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون، ایسے عدیم النظیر عالم کی موت دراصل عالَم کی موت ہوتی ہے، جو فضائے کائنات کو سوگوار بنا دیتی ہے۔

آج وہ ہمارے درمیان نہیں رہے، مگر ان کی تصنیفات وتالیفات، دیگر تخلیقات وعلمی آثار اور شاگردوں کی کثیر تعداد خیر جاری کی شکل میں ہمیشہ ان کی زندگی کی ضمانت رہے گی، خداوند کریم ان کے درجات کو بلند کرے اور ان کے فرزندان وجملہ پس ماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے، آمین۔

میرے ساتھ مولانا مرحوم کی جو محبت وشفقت تھی اسے میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا، سورۂ فاتحہ کی شکل میں ہمیشہ ان پر عقیدت کے گوہر نثار کرتا رہوں گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

زین الزاہدین حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمیؒ

مولانا خورشید احمد اعظمی، مئوی، استاذ جامعہ قاسمیہ دار العلوم زکریا، مراد آباد

یہ کون اٹھا محفلِ ہستی سے عزیزو؟
خورشید جہاں تاب بھی خونابہ فشاں ہے

عالی مرتبت، عالی مقام، عالی صفات، محدث عصر، رہبر کامل، ناقد بصیر، نمونۂ سلف، فنا فی اللہ، زہد فی الدنیا کے عملی پیکر، جامع کمالات وصفات حمیدہ، ولی باصفا حضرت اقدس مولانا زین العابدین صاحب اعظمی نور اللہ مرقدہ ۱۶ر جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ، مطابق ۲۸ر اپریل ۲۰۱۳ء بروز اتوار، بوقت ظہر؛ اس دارِ فانی سے دارِ بقا کی طرف رحلت فرما گئے اور ہم پس ماندگان کو روتا چھوڑ کر مولائے حقیقی سے جا ملے، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون. إنما أشکو بثي و حزني إلی اللہ۔

اے خطۂ فردوس کے راہی تو پلٹ آ
رحلت پہ تری غلغلۂ آہ و فغاں ہے

قصبہ پورہ معروف ضلع مئو کی زرخیز علمی سرزمین سے اٹھنے والی اہم عبقری علمی شخصیات؛ جنھوں نے اپنے علم وفن کا دنیا سے لوہا منوایا اور میدان علم وعمل میں رہتی دنیا تک کے لئے گہرے نقوش چھوڑے اور خود کو زندہ جاوید کر گئے، انھیں شخصیات میں سے ایک اہم اور نمایاں شخصیت، ہم سب کے محسن ومربی، محدث کبیر حضرت اقدس مولانا زین العابدین صاحب اعظمی نور اللہ مرقدہ وبرد مضجعہ کی ذات گرامی ہے، جو اپنے اندر علمی گہرائی وگیرائی اور نور ونورانیت کا عمیق سمندر لئے ہوئے تھی، آپ کے علمی وروحانی فیوض وبرکات سے تاریخ کے اوراق ہمیشہ روشن ومعطر رہیں گے، آپ علم وفضل کے آفتاب جہاں تاب بن کر اپنی پوری تابانیوں سے چمکے اور اپنے نورانی علمی فیض سے دنیا کو فیضیاب کر گئے۔ آپ کی زندگی سراپا طہارت وپاکیزگی اور سادگی کا پیکر تھی، آپ اصول وضوابط اور نظم وترتیب کے حد درجہ پابند تھے، سفر وحضر میں ذکر وشغل اور معمولات میں کبھی کوئی فرق نہیں آیا، زندگی کے آخری ایام میں آپ نے خود فرمایا کہ بلوغت کے بعد سے اب تک میری کوئی نماز قضا نہیں ہوئی۔

حضرت والا بندہ کے میدان تعلیم وتربیت کے روح رواں ہیں، احقر نے کم وبیش زندگی کی پندرہ بہاریں

حضرت والا کے بارآور گھنے علمی شجر کے سایۂ عاطفت تلے گزاری، سفر وحضر میں ساتھ رہنے اور علمی فیضان سے فیضیاب ہونے کا بیش بہا قیمتی موقع پایا، حضرت والا بے پناہ محبت فرماتے تھے، دوران سفر ایک مرتبہ حضرت فرمانے لگے کہ بتاؤ سفر میں سب سے قیمتی چیز کیا ہوتی ہے؟ میرا ذہن روپیہ پیسہ اور سامان کی طرف گیا کہ شاید اس کے متعلق کچھ کہنا چاہتے ہوں، میں نے جواب دینے میں توقف کیا؛ تو خود ہی فرمایا کہ سفر کی سب سے قیمتی چیز "وضو" ہے، اگر وضو ہوگا، تو کوئی نماز قضا نہیں ہوگی، نماز پڑھنے کی کہیں نہ کہیں جگہ مل ہی جائے گی۔

حضرت کا تربیت کرنے کا بڑا عجیب اور نرالا انداز تھا، اکثر تنبیہ کے موقع پر کوئی قصہ اور واقعہ سناتے کہ کسی کو احساس بھی نہ ہوتا اور سمجھنے والا سمجھ جاتا کہ حضرت کیا کہنا چاہ رہے ہیں۔

بیماری کے شروع کے ایام جب بیماری میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا اور ڈاکٹروں کی تشویش بڑھتی جارہی تھی، ایک مرتبہ حضرت کسی ڈاکٹر کا نام لے کر فرمانے لگے کہ وہ مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ حضرت! آپ کا الارم بج گیا ہے، میں نے کہا کہ یہ بات آپ آج کہہ رہے ہیں؛ جب میری عمر بیاسی تراسی سال کی ہو چکی ہے، میرا الارم تو اسی وقت بج گیا تھا، جب میری زندگی کے ساٹھ سال پورے ہو گئے تھے، کیوں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری امت کی عمر ساٹھ سے ستر کے درمیان ہے، اللہ نے آج یہ بیماری دی ہے، تو اس سے کیا گھبراؤں، کیوں پریشان ہوں، اتنے دنوں تک تو اس نے صحت وعافیت کے ساتھ رکھا اور اب بھی مجھے کوئی تکلیف یا کوئی پریشانی نہیں ہے؛ بس یہ ہے کہ میں کوئی چیز کھا نہیں پاتا ہوں، اللہ نے اتنے دنوں تک اپنے دین کا کام لیا، اگر اللہ کو اور کام لینا منظور ہوگا، تو لے گا؛ ورنہ اپنے پاس بلا لے گا۔

آج حضرت ہمارے درمیان نہیں رہے، موت سے کسی کو مفر نہیں، موت وحیات کا چولی دامن کا ساتھ ہے، ازل سے موت وزیست کا کھیل جاری ہے، ہر چیز کا وجود اس کے عدم اور فنا کا متقاضی ہے، لیکن

ع: موت ایسی ہو کہ دنیا دیر تک ماتم کرے

آج علم وعمل کا یہ درخشندہ وتابندہ ستارہ اپنا علمی فیضان چہار دانگ عالم میں بکھیرتا ہوا نظروں سے دور محبوب حقیقی سے جا ملا اور یہ علمی چراغ ہمیشہ کے لئے گل اور قبر کی خاک تلے روپوش ہو گیا۔

اللہ پاک حضرت کے فیض کو تا قیامت جاری وساری رکھے اور اس کے اجر جزیل سے حضرت کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے اور ہم پس ماندگان کو ان کا نعم البدل عنایت فرمائے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے، آمین یارب العلمین۔

جانے والوں کی یاد آتی ہے

مولانا محمد حمران قاسمی، معروفی، ریسرچ اسکالر مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسیٹی، حیدرآباد

۲۹؍اپریل ۲۰۱۳ء کی تاریخ تھی، شام کے چار بج رہے تھے، حیدرآبادی دھوپ اور گرمی پورے شباب پر تھی، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسیٹی، حیدرآباد کے وسیع وعریض دارالاقامہ میں طلبہ اور ریسرچ اسکالر اپنے اپنے بستر ے پر آرام فرمارہے تھے، جب کہ کچھ طلبہ اور اسکالر اس کڑی دھوپ میں بھی آجارہے تھے، ان طلبہ کی علمی پیاس کی شدت بجھانے میں دھوپ اور گرمی مانع نہیں بن رہی تھی، انہی طلبہ میں ایک میں بھی تھا۔

یونیورسیٹی کے شعبۂ اردو میں، میں اپنے نگراں استاد سے ملاقات کرکے تیز تیز قدموں سے ہاسٹل کی طرف آرہا تھا کہ اچانک مولانا طارق کوپاگنجی، طالب علم شعبۂ ترجمہ مولانا نیشنل اردو یونیورسیٹی، حیدرآباد سے ملاقات ہوئی، حسبِ معمول علیک سلیک کے بعد کچھ دیر باتیں ہوئیں، دورانِ گفتگو میں نے حضرت مولانا زین العابدین صاحب (جن کو اب ''رحمۃ اللہ علیہ'' لکھتے ہوئے بدن کانپ رہا ہے) کا تذکرہ کیا اور ان کی طویل بیماری پر اپنے رنج وغم اور افسوس کا اظہار کررہا تھا کہ اچانک مولانا طارق نے میری گفتگو توڑ دی اور ایسی خبر سنا کر مجھے سکتے میں ڈال دیا کہ تھوڑی دیر اس کی تصدیق سے دماغ رکا رہا، اس لیے کہ اس سے پہلے حضرت مولاناؒ کی علالت کی تفصیلات بذریعۂ فون کئی لوگوں نے مجھے بتائیں، مگر اس اندوہ ناک اور کرب ناک حادثہ کی خبر کسی نے بھی نہیں سنائی، حتیٰ کہ میرے والد صاحب نے بھی اس کی اطلاع نہیں دی، حالاں کہ میں اپنے والد صاحب کو اس معاملہ میں بہت مستعد پاتا ہوں، کسی بھی عزیز کی خوشی ہو، یا غمی، والد صاحب اس کا ذکر بذریعۂ فون ضرور اور بروقت کرتے ہیں اور میں جسمانی نہ سہی، ذہنی اعتبار سے شریک ہوجاتا ہوں۔

بہرکیف! مولانا طارق کوپاگنجی نے کہا کہ ''مولانا آپ کو معلوم نہیں کہ جن کی علالت اور بیماری کا تذکرہ آپ کررہے ہیں، وہ اس دنیا سے رخصت ہوگئے'' فوراً میری زبان سے: انا للہ وانا الیہ

راجعون نکلا اور یہی شریعت کا حکم بھی ہے، میں نے مولانا سے مختصر سی تفصیل معلوم کی اور ہم دونوں نے اپنے رنج وغم کا اظہار کیا اور بے اختیار میری زبان سے نکلا، حضرت مولانا کی وفات سے ایک بہت بڑا علمی اور عملی خلا پیدا ہو گیا جس کا بظاہر مستقبل قریب میں پُر ہونا نظر نہیں آتا ہے۔

حضرت مولانا زین العابدین صاحبؒ جو رہنے والے تو ہمارے آبائی وطن قصبہ پورہ معروف، ضلع مئو، اتر پردیش، کے تھے، لیکن جب سے میں نے ہوش سنبھالا، مولانا کو پورہ معروف سے دور اور بہت دور مدرسہ مظاہر علوم، سہارن پور کے ایک ممتاز استاذ کی حیثیت سے جانتا تھا، حضرت مولانا جب بھی پورہ معروف میں ہوتے، اپنے اعزہ واقارب سے ملنے کے لیے ہاتھ میں چھڑی لیے، سر پر عمامہ، سفید کرتا، پائجامہ میں ملبوس، مختلف محلوں کا دورہ کرتے تھے، اور اپنے عزیزوں اور دوستوں کی خیریت معلوم کیا کرتے تھے، اس سلسلے میں میرے دادا حافظ نصیر الدین صاحب مرحوم کے چھوٹے بھائی معین الدین شاکر صاحب مرحوم کے گھر بھی آیا کرتے تھے، والد صاحب کو جیسے ہی مولانا کی تشریف آوری کی اطلاع ملتی، وہ بھی حاضر ہوتے، اور کبھی کبھی ان کے پیچھے پیچھے میں بھی پہنچتا اور وہاں ان کی گفتگو بڑے انہماک، دھیان اور توجہ سے سنتا تھا، ہمارے دادا اور والد صاحب مولانا سے بے شمار سوالات پوچھتے، اور حضرت مولانا ان کا جواب دیتے، میں اس وقت کم عمر تھا، مجھے یاد نہیں کہ سوالات کس نوعیت کے ہوا کرتے تھے، مگر اتنا ضرور یاد ہے کہ عموماً وہ نماز، روزہ، حج، اور زکوۃ وغیرہ سے متعلق ہوتے تھے۔

حضرت مولاناؒ کی ایک خوبی جو مجھے بہت اچھی اور پیاری لگتی تھی، وہ یہ تھی کہ ہر کس وناکس سے ملتے تھے، اور خوب ملتے تھے، سلام ومصافحہ کے بعد خیریت پوچھتے اور ملنے والے کے ذاتی احوال جاننے کے لئے بے تاب رہتے تھے، ایسا ہی اتفاق بلکہ بارہا اتفاق ہوا کہ ہم لوگ المعارف دار المطالعہ پورہ معروف میں بیٹھے ہوئے ہوئے ہیں کہ اچانک حضرت مولانا تشریف لاتے، سلام ومصافحہ ہوتا پھر مولانا ہر ایک کے ذاتی احوال مختصراً معلوم کرتے مولانا کا یہ انداز

بڑا ہی اچھا اور پیارا لگتا، اس لئے کہ اس زمانہ میں ہم نے بڑے بڑوں کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے چھوٹوں کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے، جس سے ہم اصاغر کی دل شکنی ہوتی ہے، مگر مولانا اس قدر خورد نواز، اور متواضع تھے کہ جب ہم چھوٹوں سے مولانا خیریت پوچھتے، نام دریافت کرتے، مصروفیت ومشغلہ معلوم کرتے، بعدہ اپنے مفید اور قیمتی آراء سے نوازتے، تو طبیعت مچل اٹھتی، اور ہم آپ کے مزید گرویدہ ہوجاتے، میں جب دارالمطالعہ سے گھر جاتا اور اپنے والد صاحب سے اس خورد نوازی کا تذکرہ کرتا تو والد صاحب، مولانا کے بارے میں مزید تفصیل سے بتاتے، اور حضرت مولانا کی علمی وعملی خدمات کا تذکرہ کرتے، جس سے آپ کی قدر ومنزلت میرے دل میں راسخ ہوجاتی، اور میں بہت خوش ہوتا، والد صاحب کی زبانی ہی معلوم ہوا کہ مولانا مرحوم ہمارے رشتہ دار بھی ہیں۔

حضرت مولانا سے براہِ راست مجھے استفادہ کا موقعہ تو نہیں ملا، ہاں ان کی تحریروں کو جو تسلسل کے ساتھ ماہنامہ ''مظاہر علوم'' سہارن پور میں شائع ہوتی تھیں، پڑھتا تھا اور مولانا کے تبحر علمی سے فائدہ اٹھاتا تھا، حضرت مولانا کے بارے میں مشہور ہے اور حقیقت بھی ہے کہ مولانا جو بھی لکھتے یا کہتے ہیں تحقیق کے بعد ہی منظر عام پر لاتے ہیں، لہٰذا مجھے جہاں کہیں بھی حضرت مولانا سے منسوب کوئی مضمون یا کتاب ملتی، میں اس کو ایک معتبر اور مستند تحریر کا درجہ دیتے ہوئے پڑھتا تھا، اور اپنے ظرف کے مطابق اس تحریر سے مستفید ہونے کی بھرپور کوشش کرتا تھا، حضرت مولانا کتنے بڑے عالم باعمل تھے، اس کا صحیح اندازہ تو وہی لوگ کریں گے جو لوگ حضرت مولانا کے بہت قریب تھے، اور حضرت مولانا کے بحر ذخار سے بیش بہا موتی چنتے تھے۔

یہ میری چند حقیقی تصورات تھے، جن کو میں نے مولانا انصار احمد صاحب ایڈیٹر ماہنامہ پیغام پورہ معروف کی تحریک پر تحریر کردیا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کو اپنے شایانِ شان بدلہ عطا فرمائے، اور ان کے تمام پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین۔

☆☆☆☆☆

یادوں کے منتشر اوراق

مولانا نوشاد رمضان قاسمی، معروفی، استاذ مدرسہ عربیہ منبع العلوم خیرآباد

اس دنیا کا ہر مسافر ایک متعین مدت اور ایک مقرر وقت کے لیے، کوئی اس کی شاندار شاہ راہوں پر، تو کوئی اس کی ناہموار پگڈنڈیوں پر، کبھی خوشی و مسرت کی پُر بہار ہواؤں اور فضاؤں میں، کبھی رنج و غم کی پُر خطر وادیوں اور گھاٹیوں میں، اپنی مستعار زندگی کے شب و روز گزارتا ہے، اور وقت متعین اور مدت مقرر کے بعد راہی ملک عدم ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس میں کسی دو کا بھی اختلاف نہیں ہے۔ ان جانے والوں میں کچھ ایسی عالی مقام اور بلند کردار شخصیتیں ہوتی ہیں جن کے انتقال سے ایک عالم سوگوار ہوتا ہے، شہری، قصباتی، عالم، جاہل، چھوٹا، بڑا، امیر، غریب ہر ایک اس کی موت پر گریہ کناں ہوتا ہے۔ جس کا فیضان عام و تام ہوتا ہے لوگوں کا میلان اس کی طرف ہر چہار جانب سے ہوتا ہے۔ جس کا ہر عمل اخلاص وللہیت سے معمور ہوتا ہے اس کی محبوبیت اور مقبولیت کا دائرہ بے پناہ وسیع ہوتا ہے، فیضان کا عموم اور عمل کا خلوص انسان کی ذات کو رشک ملائک بنا دیتا ہے۔

''پورہ معروف'' اور اس کے آس پاس کے معتبر اور معیاری مدارس میں علمی، فکری اور روحانی غذا حاصل کرنے کے بعد، جب مولانا زین العابدین ''سرمایہ ملت اسلامیہ کے نگہبان'' دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے تو اپنی کتابی صلاحیت اور علمی لیاقت کو خوب پروان چڑھایا، فطری ذہانت کو علوم اسلامیہ کی تحصیل میں لگایا اور شبانہ روز کی محنت کے بعد، جب امتحان کا مرحلہ آیا تو نہ صرف یہ کہ انہوں نے اول پوزیشن پر اپنی نشست بنالی؛ بلکہ امتیازی نمبرات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے، کتابوں کے متعین ۵۰ سے زائد نمبرات دے کر ان کے ممتحنین نے ان کی علمی برتری اور تفوق پر مہر ثبت کردی۔

معاشی دشواری اور اقتصادی زبوں حالی کے باوجود، مدارس کی چہار دیواری میں، طلبہ کی مقدس جماعت کے درمیان، کتابوں کے پڑھنے اور پڑھانے میں، ۶/دہائی سے زائد اپنی زندگی کا عرصہ گزار دیا اور اس شان کے ساتھ کہ اشیائے خورد و نوش کے انتظام سے پہلے کتابیں خریدتے، مطبوعہ شکل میں اگر کتاب کی حصول یابی مشکل ہوتی تو اس کی زیروکس کراتے، مطالعہ کرنے کے دوران حاصل مطالعہ قلم بند فرمالیتے، ذاتی کتاب ہوتی تو اس کے ابتدائی صفحات پر اس کتاب کی اہم باتیں

نوٹ کر دیتے، تعلیمی اوقات کی بے پناہ رعایت کرتے، بڑی تعطیل کے بعد مدرسہ کھلنے سے ایک روز پہلے ہی مدرسہ پہنچ جاتے، ان کا یہ ایک ایسا معمول تھا جس میں تا دم حیات کبھی تخلف نہیں ہوا، گھنٹے سے پہلے درس گاہ میں موجود ہوتے، اور انتہائی شفقت، بڑی محبت، اور بہت ہی پیار اور لگاؤ کے ساتھ سبق پڑھاتے۔ اور صرف اسی پر اکتفا نہ کرتے کہ درس گاہ میں موجود طالب علم کو کتاب سمجھادی اور اپنے آپ کو تدریسی فرائض کی ادائیگی سے سبکدوش کرلیا؛ بلکہ اب زندگی بھر اس طالب علم کی خبر گیری کرتے، کہاں ہے؟ کس حالت میں ہے؟ اخلاقی بلندیوں پر کیسے فائز ہو؟ ذکر کے حلقوں میں آمد ورفت ہے؟ علمی مشاغل میں مصروف ہے؟ کتابوں کی تدریس میں کیا پریشانی ہے؟ کس کتاب کے لیے کون سی معاون کتاب زیر مطالعہ رکھے؟ ان کی اسی توجہ کا ثمرہ تھا کہ ان سے متعلقین طلبہ، اساتذہ، اور علماء پیش آمدہ مسائل کو اپنے نوٹ بک میں لکھتے، اور ملاقات پر یا بذریعہ خط وکتابت ان کا حل معلوم کرتے، مولانا ایسے علم دوست صاحبان کو بے حد عزیز رکھتے، ان کی خوب حوصلہ افزائی فرماتے۔

حوصلہ افزائی! جی ہاں: حوصلہ افزائی! ان کے یہاں حوصلہ شکنی کا کوئی گزر نہیں تھا، کلمات کے خلوص، انداز کی عمدگی، بیان کی سادگی، اور جذبہ درد دل سے کتنے ہی مایوس اور ناامید طلبہ کی امیدیں جگا دیں، اور ان کو علم وعمل کا سچا پکا شیدائی بنا دیا۔ واردین وصادرین میں سے ہر ایک خود کو بہت قریب، عزیز سمجھتا اور یہ محسوس کرتا کہ مولانا اس پر سب سے زیادہ شفیق اور مہربان ہیں۔ ان کی محفل میں پڑھنے پڑھانے، سیکھنے سکھانے، علم وعمل، ذکر وفکر کی باتیں ہوتیں، عام طور پر مجلسیں اور محفلیں جن آلائشوں سے آلودہ رہا کرتی ہیں بڑی صفائی اور ذمہ داری کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ مولانا کی ہر نشست اس سے پاک اور صاف رہتی تھی۔ ممکن ہے کسی کو یہ انداز بڑا عجیب وغریب لگے، مگر یہاں تو روزمرہ کا یہی معمول تھا۔ نامناسب حرکتوں پر مناسب تنبیہ کرتے، ہمیشہ خیر خواہی مدنظر رکھتے، تربیتی پہلو غالب ہوتا، غلطی کرنے والے کو پوشیدہ رکھتے ہوئے اس سے حفاظت کا طریقہ سب اہل مجلس کو بتاتے۔ ان کی کن کن خوبیوں کا تذکرہ کیا جائے، اور کن کن اداؤں پر سر دھنا جائے۔ بات بالکل واضح ہے کہ اگر آدمی کے دل میں خیر خواہی، خلوص، اپنائیت اور للہیت ہوگی تو اس کی ہر بات اور اس کا ہر عمل اس کی تصدیق وتوثیق

کرے گا۔

انہوں نے درس نظامی کی بیشتر کتابیں پڑھائیں، کبھی کبھی بڑے والہانہ انداز میں فرماتے کہ مجھے قاعدہ بغدادی سے لے کر بخاری شریف تک تقریباً ہر کتاب پڑھانے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ ہندوستان کے مختلف علاقوں کے مدارس میں انہوں نے کامیاب تدریسی خدمات انجام دیں، اور ہر جگہ انہوں نے اپنا ایک بلند مقام اور نمایاں پہچان بنائی، اس خطے اور اس علاقے کے لوگوں نے مولانا کی خدمت میں ان کی علمی خدمات، روحانی ترقیات اور کمال اخلاق کی بناء پر اپنی محبتوں کا نذرانہ پیش کیا ہے اور عقیدتوں کا وافر حصہ عطا کیا ہے۔

متعدد وقیع اور گراں قدر تصانیف کے علاوہ ان کی زندگی کا بے حد قیمتی پہلو اس وقت سامنے آیا جب مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ کی تجویز پر مظاہر علوم سہارن پور میں حدیث اور علوم حدیث میں اختصاص پیدا کرنے کے مقصد سے ''شعبہ تخصص فی الحدیث'' کا قیام عمل میں آیا، اور مظاہر علوم کے ذمہ داروں نے آپ کی ذات کو مناسب سمجھ کر اس شعبہ کا صدر نشین بنادیا۔ آج جب کہ اس شعبے کے قیام کو کئی دہائیاں گذر چکی ہیں اور مدارس کے ماحول میں اس طرز اور نہج پر اس جیسے شعبوں کے قیام کا تسلسل جاری ہے اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس نومولود شعبہ کو حدیث اور علوم حدیث کے شیدائی، کتب احادیث پر کامل دسترس رکھنے والے، علم دوست اور محنتی معلم محدث خبیر، ناقد بصیر حضرت مولانا زین العابدین صاحبؒ نے اپنے خون جگر سے سینچ کر کس قدر قابل نمود، کتنا نافع اور مقبول شعبہ بنادیا ہے۔ یہاں پہنچ کر آپ کی شان عبقریت نمایاں ہوجاتی ہے اور بجا طور پر یہ محسوس ہوتا ہے کہ آپ صرف ایک عظیم محدث ہی نہیں؛ بلکہ ایک عظیم محدث گر بھی تھے۔ آپ صرف زین العابدین ہی نہیں؛ بلکہ زین المحدثین بھی تھے۔

اسی شعبے سے تعلیم حاصل کرکے آپ کے طالب علموں نے لگن، شوق، دلجمعی، فرائض کی ادائیگی اور تحقیق وتدقیق کے ساتھ ملک کے خطے خطے میں حدیث اور علوم حدیث کی خدمت کو اپنا مشغلہ حیات بنالیا ہے اور جہاں بھی ہیں، اپنی علمی استعداد کی پختگی کے باعث نیک نام اور اپنے استاذ کے لیے بہترین آئینہ ہیں۔

☆☆☆☆☆

موت العالِم موت العالَم

مفتی ابوالمکارم معروفی، استاذ مدرسہ ریاض العلوم، گورینی، جون پور

یہ لکھتے ہوئے جگرشق اور صدپارہ ہوا جارہا ہے کہ مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور کے صدر شعبۂ تخصص فی الحدیث حضرت مولانا زین العابدین صاحب الاعظمی، المعروفی عالمِ آخرت کے سفر پر روانہ ہوگئے ہیں۔ حضرت موصوفؒ کی شخصیت اوران کے اخلاقِ کریمانہ، اور راقم کے ساتھ شفقت ومحبت اور ذرہ نوازی دل ودماغ سے اترنے کا نام نہیں لیتی۔

حضرت مولاناؒ گوناگوں صفات کے حامل تھے، اخلاق وکردار کے لحاظ سے پیکر مجسم، شفقت ومروت کے لحاظ سے بے مثل تھے، بڑے ہی خلیق، متواضع اور منکسر المزاج تھے، طلبہ کے حق میں نہایت مہربان اور شفیق تھے، ان کا ذہن ہمیشہ طلبہ اور اہل علم کے فائدے کے لیے متفکر رہتا تھا، ذرہ نوازی اور افراد سازی ان کا خاص وصف تھا، معمولات کے بہت پابند تھے، جو پابندی انھوں نے کی وہ اب کم نظر آتی ہے، چھٹی کے بعد مدرسہ کھلنے سے ایک دن قبل اپنے استاذ ''حافظ عبدالقادر صاحب مرحوم'' کی نصیحت کے مطابق مدرسہ حاضر ہوجاتے تھے، اور دوسرے اہل علم اور طلبہ کو بھی اس کی تاکید فرماتے تھے ایک دوبار کسی وجہ سے تخلف ہوا، ورنہ پوری زندگی ہی ان کا یہ معمول برقرار رہا، حضرت مولانا کا خاص فن؛ فن علم حدیث، اور اسماء الرجال تھا، اس میں انکو کامل ملکہ اور عبور حاصل تھا، فن حدیث کے تعلق سے آپ کے کلام کو علمی حلقوں میں استنادی حیثیت حاصل تھی، اس لیے بجا طور پر آپ کو محدث اور حجت کے لقب سے موسوم کیا جاسکتا ہے۔

فن تجوید وقراءت آپ نے شیخ القراء حضرت قاری ظہیرالدین معروفی علیہ الرحمہ سے حاصل کیا، اس فن میں آپ کی نگاہ دقیق تھی، اور اس فن کے ساتھ قلبی شغف تھا، فخر القراء حضرت مولانا قاری محمد اسماعیل مدظلہ کے بقول آپ قراءت سبعہ میں قرآن کریم کی تلاوت فرماتے تھے۔

فن فقہ وفتاوی سے بھی آپ کو خصوصی شغف تھا، زمانہ اعتکاف کے معمول میں تصوف کی تعلیم کی

طرح ایک گھنٹہ مسائل فقہیہ کی تعلیم کے لیے مقرر تھا، جس میں عام طور پر بہشتی زیور سامنے ہوتی تھی اور وقتاً فوقتاً شامی وغیرہ دیگر کتب فقہیہ کی مراجعت کی جاتی تھی۔

آپ کے اندر جرأت و بے باکی نمایاں تھی، بڑے سے بڑے آدمی کے سامنے حق بات کہنے میں جھجک محسوس نہیں کرتے تھے، اور مخاطب چاہے جس قدر صاحبِ جاہ و منصب ہو، بے خوف اور بے باک ہو کر اپنی بات کہہ جاتے تھے۔ ع:

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

اللہ پاک پس ماندگان کو ہمیشہ عافیت سے ہمکنار کرے، صبر جمیل عطا فرمائے اور دنیا اور آخرت میں سرخروئی کا سامان عطا کرے۔

ابرِ رحمت تیرے مرقد پر گہرباری کرے
حشر تک شانِ کریمی ناز برداری کرے

☆☆☆☆☆

پورہ معروف کی قدیم عیدگاہ میں مولانا مرحوم کے بیان کا خلاصہ

۱۰/ ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ، عیدگاہ میں حضرت مولانا زین العابدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے موقعہ کی مناسبت سے بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ حج میں جانے والوں کے حج کو قبول فرمائے، پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں قربانی کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا، بلکہ اخلاص اور تقویٰ پہنچتا ہے، اس لیے قربانی بہت اخلاص اور خوش دلی سے کرنی چاہیے، قربانی کا جانور بہت محترم ہوتا ہے، اور وہ شعائرِ اسلام میں سے ہے، اس لیے اس کی وہ چیزیں جو ہمارے لیے استعمال کے قابل نہ ہوں، وہ بھی محترم ہیں، اسے ادھر ادھر پھینکنے کے بجائے عزت و احترام کے ساتھ کہیں زمین کھود کر دفن کر دینا چاہیے۔

ہمارے پورہ معروف میں بڑے بڑے علما گذرے ہیں، جن کے برابر آس پاس اور دور تک کے علاقے میں علما اور بزرگ نہیں تھے، انھوں نے بڑی محنت اور کوشش سے اس کا نام روشن کیا، اور صفائی و ستھرائی کی یہ روایت ان ہی بزرگوں سے چلی آ رہی ہے، اور جو چیز توارثاً آباء

جداد سے چلی آرہی ہو اس کو ضرور باقی رکھنا چاہیے، اور اس روایت کو آگے بڑھانا اور دوسری نسلوں تک پہنچانا چاہیے، بزرگوں سے چلی آرہی روایت بڑی اہمیت رکھتی ہے، ہمیں اس کی حفاظت کرنی چاہیے، جیسے ہمارے یہاں قبرستان میں لوگ جوتے چپل پہن کر نہیں جاتے، کہ اس سے قبر کی بے حرمتی ہوتی ہے، اس لیے لوگ قبرستان کے دروازے پر چپل اتار دیتے ہیں، حالاں کہ بعض جگہ لوگ اسکا لحاظ نہیں کرتے اور سیدھے قبر تک جوتے چپل کے ساتھ چلے جاتے ہیں۔

تیس سال پہلے یہاں قربانی کا جانور بیچنے بنجارے آیا کرتے تھے، اور بقرعید کے ایک ڈیڑھ مہینہ پہلے لاتے، لوگ اس کو خرید کر پالتے، اس کی دیکھ ریکھ کرتے، تو اس سے لگاؤ اور محبت ہو جاتی، قربانی جس جانور کی کی جائے، اس سے محبت ہونی چاہیے، اب تو بالکل وقت پر قربانی کا جانور خریدا جاتا ہے، اور اسے دیکھ ریکھ کرنے والا بھی کوئی نہیں ہوتا، اس سے محبت بھی نہیں ہو پاتی۔

دوسری چیز جو مجھے کہنی ہے وہ یہ کہ آپ لوگوں نے اپنی مسجد میں نماز عید کے طریقے کے بارے میں سنا ہوگا، اس میں مجھے دو چیز اور بتانا ہے، جس کا شاید اب سے پہلے بیان نہیں ہوا ہوگا، وہ یہ کہ اگر کسی وجہ سے تاخیر ہو جائے، اور آدمی اس وقت پہنچے کہ امام رکوع میں ہو، تو اب اسے تین تکبیر کھڑے ہو کر کہہ لینا چاہیے، اور اگر رکوع کے چھوٹنے کا ڈر ہو تو امام کے ساتھ اسے فوراً رکوع میں چلے جانا چاہیے، اور رکوع میں تسبیح کے بجائے تین تکبیر کہنا چاہیے، اور اگر پوری رکعت چھوٹ جائے، اور دوسری مل جائے، تو وہ جب چھوٹی ہوئی رکعت پوری کرے تو تین تکبیر زائد جو قراءت سے پہلے تھی وہ اب قراءت کے بعد کرے، اور اگر امام کو سہو ہو جائے اور وہ تکبیر کے بغیر رکوع میں چلا جائے تو مقتدی کو بھی چلے جانا چاہیے، اور اگر سہو ہو جائے تو اس میں سجدۂ سہو نہیں ہے۔ ایک جگہ ایسی غلطی ہوگئی تو وہاں کے لوگوں نے سجدۂ سہو کر لیا تھا، ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

(مرتب: انصار احمد معروفی، ماہنامہ پیغام پورہ معروف، محرم ۱۴۳۲ھ، دسمبر ۲۰۱۰ء)

☆☆☆☆☆
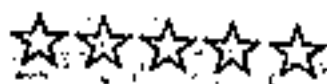
محدث عصر

حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمیؒ

مفتی محمد صادق مبارکپوری، استاذ حدیث جامعہ عربیہ احیاء العلوم، مبارک پور، اعظم گڈھ

حضرت مولانا زین العابدین صاحب ”زندگی بھر تعلیم وتدریس سے وابستہ رہے، جو ۶۲ر سال سے سند تدریس کو سجا رکھا تھا اور علم وفن کے موتی برسا رہا تھا، جس کی زیر تربیت کتنے بنے اور سنورے، مطالعہ وتحقیق کا سلیقہ سیکھ کر علم وفن کے گیسوؤں کو سنوارا، جس کی حرارت علم وتحقیق سے کتنوں میں علم وتحقیق کا جذبہ اور ذوق وشوق پیدا ہوا اور کتنوں نے اسے اپنا مشغلۂ حیات بنایا۔

۱۳ر محرم الحرام ۱۳۷۸ھ کو مادر علمی جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور، ضلع اعظم گڈھ میں آپ کو بہ حیثیت مدرس عربی آمد کی دعوت ملی، مادر علمی کی دعوت تدریس کو کیسے رد کر سکتے تھے، تشریف لائے، بیشتر ایام تو جامعہ میں قیام رہا، کچھ عرصہ مع اہل وعیال پورہ دولہن کی قدیم جامع مسجد کے متصل ایک مکان میں قیام رہا۔

جن ایام میں آپ کا قیام جامعہ میں تھا، ان ایام میں ہمارے گھر کو ایک وقت آپ کی ضیافت کا شرف حاصل ہوتا رہا، یہ ہمارے گھر کی خوش بختی کی بات تھی، آپ دوپہر میں تشریف لاتے تھے، والد صاحب جامعہ میں مدرس تھے، دیگر کتب کے درس کے ساتھ والد گرامی سے شرح جامی کی تدریس بھی متعلق تھی، مولانا دوپہر میں کھانے میں مصروف ہوتے، ادھر والد صاحب شرح جامی لے کر بیٹھ جاتے، اس دوران آپ مشکل مقامات حل بھی فرماتے تھے اور اشکالات رفع فرما کر والد صاحب کو تسلی دلا دیتے تھے۔

آپ کی ضیافت تو ہمارے لئے شرف تھی، مگر آپ اس کو احسان سمجھتے تھے، اس لئے تاحیات اس کا پاس ولحاظ کرتے ہوئے ہمارے گھر پر توجہ وکرم کی بارش فرماتے رہے، گھر کے بڑوں سے تعلقات تو تھے ہی، اس حقیر اور چھوٹے پر ان کی شفقت وکرم کی بارش ہوتی رہی۔

جب ہمارے قصبہ میں چند افراد مصیبت کے وقت قنوت نازلہ پڑھنے کو بدعت وناجائز کہنے

لگے، کئی مساجد سے قنوت نازلہ پڑھنا اس وقت بند بھی ہوگئی، تو راقم نے اس موقع پر ایک رسالہ "قنوت نازلہ منسوخ ہے یا محکم؟" کے نام سے مرتب کیا، آپ نے بڑی تحقیق وتدقیق کے ساتھ اس کی تصحیح فرما کر تقریظ رقم کرنے کی بھی زحمت گوارا فرمائی۔

اسی طرح جب احقر نے شب برات کے موضوع پر ایک رسالہ مرتب کیا اور آپ کے پاس تحقیق وتقریظ کے لئے بھیجا، اس وقت آپ بہت عدیم الفرصت تھے؛ مگر آپ نے اس حقیر پر کرم فرماتے ہوئے تحقیق وتصحیح کے ساتھ ایک شاندار تقریظ بھی لکھنے کی تکلیف گوارا فرمائی۔

جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور میں آپ کے زیر درس کون کون سی کتابیں تھیں، اس کا بتانا مشکل ہے، ہاں چند درج ذیل کتب کے متعلق صراحت ملتی ہے کہ آپ سے متعلق تھیں:

نحو میر، مقامات حریری، ترجمہ کلام پاک (عربی چہارم)، ہدایہ ثانی، سلم العلوم۔

سبق کی تشریح مختصر الفاظ میں کرتے؛ مگر بہت جامع کرتے، مولانا کا رعب طلبہ پر بہت تھا، سبق کا ناغہ کبھی نہ ہوتا، بہت اہتمام سے مطالعہ کرتے اور دل چسپی سے پڑھاتے تھے۔

جن دنوں آپ کا قیام یہاں تھا، یہاں کے طلبہ عزیز اور عوام الناس کو لے کر تبلیغی جماعت میں نکلتے تھے اور تبلیغی سرگرمیاں مسلسل جاری تھیں۔

پھر کچھ ایسے حالات بنے کہ جامعہ سے علیحدہ ہو کر ایک سال کے لئے تبلیغی دورہ پر روانہ ہوگئے، ملک کے مختلف خطوں کا دورہ فرمایا، واپسی پر ۱۳۹۰ھ میں مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، ضلع اعظم گڈھ میں بہ حیثیت شیخ الحدیث تقرر ہوا اور آٹھ سال نہایت شان سے اعلی کتب کا درس دیتے رہے، پھر پانچ سال دار العلوم چھاپی، گجرات اور دو سال دار العلوم سبیل السلام، حیدر آباد میں محفل درس سجائی، آخر میں مظاہر علوم، سہارن پور بلائے گئے اور شعبہ تخصص فی الحدیث کے نگراں اعلی کی حیثیت سے زندگی کے آخری ایام تک خدمات مفوضہ انجام دیتے رہے۔

اللہ تعالی نے آپ کو فتوی نویسی کی صلاحیت سے بھی نوازا تھا، اب خدمات افتا بھی ملاحظہ فرماتے چلیے: ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۹۵۱ء میں تعلیم فنون وفتوی نویسی کی مشق کے دوران حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب شاہ جہاں پوری رحمہ اللہ کی زیر نگرانی بہت سے فتاوی ارقام فرمائے، جو حضرت مفتی مہدی حسن صاحب کی تصدیق کے ساتھ حضرات مفتیان کرام کو ارسال کیے گئے۔

۱۳۷۹ھ مطابق ۱۹۵۹ء سے ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۹۶۵ء تک جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور میں فقیہ العصر حضرت مولانا محمد یسین صاحب مبارک پوری نور اللہ مرقدہ کے عہد افتا میں فتوی نویسی کی خدمت انجام دی، ان میں سے کئی ایک مشکل سوالات کے جوابات راقم الحروف کی نظر سے گزرے۔

اسی طرح مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڈھ میں فتوی نویسی کا بھی معمول رہا۔

اب آپ سے متعلق نقوش وتاثرات اور دیگر حالات واوصاف رقم کیے جارہے ہیں:

آپ وقت کے بڑے پابند تھے، ان کا سونا جاگنا پابندی وقت کے ساتھ تھا، دس بجے رات میں سوتے اور صبح چار بجے بیدار ہوجاتے، زمانۂ تدریس میں آپ پر بڑی آزمائشیں آئیں؛ مگر سب کا خندہ پیشانی کے ساتھ استقبال کیا، زندگی کے آخری ایام میں فرمایا کہ میری کوئی نماز قضا نہیں ہوئی، جن دنوں میں آسام میں تدریس پر مامور تھا، اس دور میں آمدورفت میں ٹرین پر جو نماز قضا ہوئی، ٹرین سے اترنے کے بعد سب سے پہلے جو مسجد پڑی، اس میں نماز قضا کی، روزانہ ایک پارہ قرآن کریم کی تلاوت فرماتے اور رمضان المبارک میں تین پارہ تلاوت کا معمول تھا۔

نہایت متواضع، سادگی پسند اور ہر خاص وعام سے ملتے تھے، ان کی گفتگو علم وتحقیق کی گفتگو ہوتی تھی، ان کی ہر ادا سے عالمانہ شان ٹپکتی تھی، ان کی درس گاہ سے بہت سے علما وفضلا نکلے، جو دینی وعلمی حلقوں میں نمایاں خدمات کی انجام دہی میں مصروف ہیں، ان کے تلامذہ کی فہرست کو پیش کرنا باعث طوالت ہوگا۔

زندگی کے آخری لمحات تک تحصیل علم اور تحقیق مسائل کا جذبہ سینے میں موجزن تھا، اہل علم حاضرین سے فرماتے تھے کہ فلاں کتاب اٹھاؤ، اس مسئلہ کو دیکھو۔

مولانا کی بیماری اور وطن واپسی کی اطلاع ملی، تو راقم الحروف کی یکم فروری ۲۰۱۳ء مطابق ۱۹؍ربیع الاول ۱۴۳۴ھ جمعہ کو والد گرامی حضرت مولانا جمیل احمد صاحب قاسمی مدنی مدظلہ العالی کے ہمراہ مولانا کے دولت کدہ پر بہ سلسلۂ عیادت حاضری ہوئی۔ آپ چار ماہ سے علیل تھے، علالت کی ابتدا یہ ہوئی کہ کھانا پینا حلق سے نیچے جانا بند ہوگیا، شدید کمزوری کا احساس ہوا، بغرض علاج ممبئی لے جائے گئے؛ مگر تمام اسباب بے کار ہوگئے، ڈاکٹروں نے جواب دے دیا، ہومیو پیتھک دوا وعلاج ایک ماہر ڈاکٹر کا سہارن پور میں چلتا رہا، کچھ افاقہ ہوا، پھر مہینہ قبل سے طبیعت نڈھال ہوتی رہی، راقم والد گرامی کی

یت میں وفات سے ایک روز قبل عیادت کے لئے حاضر ہوا، بستر پر بے سکت پڑے تھے، مگر ہوش و اس درست تھے، قریب میں سورہ یسین پڑھی جارہی تھی، واپسی کے دوسرے دن بعد نماز ظہر یہ روہناک خبر ملی کہ اپنے رب حقیقی سے جا ملے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

جامعہ عربیہ احیاء العلوم، مبارک پور کے ناظم اعلی حضرت مولانا عبدالمعید صاحب القاسمی دامت ہم کی زیر قیادت جامعہ کے اساتذۂ کرام کا ایک موقر وفد مولانا کے وطن پورہ معروف، ضلع مئو پہنچا نماز جنازہ میں شرکت کی، اس میں یہ راقم بھی شامل تھا، نماز جنازہ میں بے پناہ ازدحام تھا، علما، فضلا، بہ اور عوام الناس ضلع مئو اور پڑوسی اضلاع سے اُمڈ پڑے تھے، ہر طرف سفید پوش انسان ہی انسان آتے تھے، پھر اس خزانۂ علم وعرفان کو سپرد خاک کردیا گیا۔

جس نے درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور تحقیق وتدقیق کے لئے اپنی زندگی وقف کردی تھی اس راہ میں بہت سی مشکلات وتکلیفات کا سامنا کیا تھا، اب اس عالم میں پہنچ گیا، جہاں ان تمام روفیات سے رخصت مل گئی۔

اللہ تعالی ان کی لغزشوں پر عفو کا قلم کھینچ دے، ان کی خواب گاہ کو انوار و برکات سے مملو ومشحون ادے اور جنت الفردوس سے انھیں نوازے، آمین۔

☆☆☆☆☆

حضرت مولا مرحوم کی چند تقریریں اور کچھ ملفوظات

المعارف دارالمطالعہ سے مولانا کا گہرا تعلق تھا، وہ جب بھی پورہ معروف آتے، ضرور اس بریری میں تشریف لاتے، اور مطالعہ کی اہمیت، اس دارالمطالعہ کے قیام کی ضرورت، اور اس سے لتفادہ کے طریقے کے بارے میں ارشاد فرماتے، اس لائبریری کے قائم ہونے سے انھیں بہت تھی، ہم لوگ کسی پروگرام میں شرکت کے لیے انھیں جب بھی دعوت دیتے، ضرور شرکت تے۔

عید کی چھٹی کے موقعہ پر "المعارف دارالمطالعہ" پورہ معروف میں ۵ر شوال ۱۴۳۱ھ، مطابق تمبر ۲۰۱۰ء بروز چہارشنبہ کافیہ کی شرح "حاویہ" مصنفہ مولانا حبیب الرحمن صاحب

حروفی، استاذ جامعہ مظہر العلوم بنارس، کی رسمِ اجراء کی تقریب منعقد ہوئی، جس کی صدارت مایۂ ناز محدث حضرت مولانا زین العابدین صاحب، صدر شعبۂ تخصص فی الحدیث، مظاہر علوم بنارس نے کی اور نظامت کے فرائض مولانا نوشا رمضان دقاسمی نے کی اور ابتدا میں کتاب کا مختصر تعارف کرایا، عزیزم محمد خزیمہ کی تلاوت اور احقر انصار احمد معروفی کی نعت سے بزم کا آغاز ہوا۔

دو ماہی مجلّہ ''الشارق'' اعظم گڈھ کے نائب مدیر، جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڈھ کے استاذ مولانا خطیب الرحمٰن صاحب، مولانا محمد ارشد صاحب، مظہر العلوم بنارس، مولانا محمد اسلم صاحب مقیم ممبئی، صاحبِ شرح مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے تقریر کی اور احقر نے ایک تہنیتی نظم پیش کی، آخر میں صدرِ بزم مولانا زین العابدین صاحب نے خطاب کیا، یہاں ہم صرف شیخ صاحب کی تقریر ہدیۂ ناظرین کر رہے ہیں۔ اس کی روداد بہت طویل ہے، پوری رپورٹ ماہنامہ پیغام پورہ معروف، اکتوبر ۲۰۱۰ء میں ملاحظہ فرمائی جائے۔

مولانا زین العابدین صاحب نے تفصیل سے خطاب کیا، ان میں سے اہم باتیں یہ ہیں :

فرمایاکہ: تقسیم ہند کے بعد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ پاکستان چلے گئے اور وہاں دار العلوم دیوبند کی طرح، دار العلوم کراچی، کی بنیاد رکھی، اور بڑا مدرسہ قائم کیا، وہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اور زبردست عالم تھے، پاکستان جانے سے پہلے وہ دار العلوم دیوبند کے استاذ اور مفتی تھے، پاکستان میں بھی بڑے بڑے مدارس قائم ہوئے، اور بڑے بڑے کتب خانے کھلے، جہاں سے عمدہ عمدہ کتابیں شائع ہوئیں۔

حضرت مفتی صاحبؒ سے ہم نے نہیں پڑھا ہے، البتہ ہم سے پہلے والی جماعت میں مولانا محمد عثمان صاحبؒ تھے، انھوں نے حضرت سے موطا پڑھی ہے، مفتی صاحب نے وہاں جا کر اپنے شیخ حضرت تھانویؒ کی کتاب ''امداد الفتاویٰ'' بہت اچھے کاغذ پر خوب صورت انداز میں شائع کی، اور اس کا ایک نسخہ مظاہر علوم، سہارن پور میں بھی تحفۃً بھجوایا، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ انتقال فرما چکے تھے، حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ موجود تھے، حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ اس وقت ناظم تھے، ناظم صاحب وہ کتاب لے کر حضرت شیخ الحدیثؒ کے پاس تشریف لے گئے، اور کہا کہ مفتی شفیع صاحبؒ نے حضرت تھانویؒ کی کتاب ''امداد الفتاویٰ'' بڑے اہتمام سے

چھپوا کر ہمارے مدرسہ میں بطور ہدیہ بھیجا ہے، اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

اکابر کے مشورے سے یہ طے ہوا کہ جب انھوں نے یہاں ہدیہ کے طور پر بھیجا ہے، تو ہمیں قدر دانی کے طور پر اس کتاب کا دو نسخہ خرید نا چاہیے، کیوں کہ طباعت، کتابت، اور پھر اس کو بھیجنے میں ان کا پیسہ خرچ ہوا ہے، اس لیے اس کی قدر کرنی چاہیے، چنانچہ شکریہ کے طور پر پہلے قبولیت کا خط لکھا گیا، اور پھر دو نسخے خریدے گئے۔

میرا ابھی یہی معمول ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی کتاب بھیج کر میرا اکرام کرتا ہے، تو میں بھی اس کی کتاب خرید کر اس کی مدد کر دیتا ہوں، اور آپ سے بھی بطور مشورہ یہی کہتا ہوں کہ اسی طرح مصنفین کی ہمیں عزت افزائی کرنی چاہیے اور آج جس کتاب کا اجراء ہو رہا ہے، اسے خریدنے کے لیے اپنا اپنا نام اور آرڈر لکھوانا چاہیے، چنانچہ حضرت کی تحریک پر پندرہ نسخہ کا آرڈر ملا اور فی نسخہ سَو روپے میں تقسیم ہوا۔

ایک بات اور کہنا ہے کہ کسی کی تعریف کرنے پر ہمیں خوش ہونے کے بجائے اپنا محاسبہ کرنا چاہیے کہ اسے میرے اندر کے اوصاف رذیلہ کا علم نہیں ہے، اس لیے یہ تعریف کر رہا ہے، اگر اللہ تعالیٰ میرے عیوب نہ چھپاتا تو یہ لوگ مجھ سے نفرت کرنے لگتے، جب میرے پاس اس کتاب کا مسودہ آیا تقریظ کے لیے، تو میں نے ازخود ان کے نام کی طرف منسوب کرتے ہوئے اس کا نام ”حبیبیہ“ تجویز کیا تھا، میں نے کئی جگہ سے اسے پڑھا ہے، الحمد للہ اسے نافع پایا ہے، میں نے تقریظ میں مصنفِ کافیہ کی کچھ تاریخ بھی لکھ دی ہے۔

اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے، اور اسے نفع بخش بنائے، حضرت کی دعا پر یہ پروگرام ختم ہوا۔

(مرتب: انصار احمد معروفی، ماہنامہ پیغام پورہ معروف، اکتوبر ۲۰۱۰ء، ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ)

ایک بار فرمایا کہ ہمارے شیخ حضرت مولانا عبد الجبار صاحب معروفی کے جو مریدین، حضرت کے انتقال کے بعد میرے یہاں آئے، وہ خلافت پانے کے اہل تھے، چنانچہ میں نے جن تین آدمیوں کو خلافت دی ہے، وہ تینوں حضرات مولانا سے ہی بیعت تھے، جیسے حافظ عبد اللطیف صاحب بانسہ، قاری عبد الستار صاحب گجرات، اور جناب ممتاز احمد صاحب پہلوان، کوریاپار، میرے جو مریدین ہیں، وہ ابھی اس لائق نہیں ہوئے ہیں اور اصل چیز خلافت نہیں بلکہ معرفت الٰی

اللہ ہے۔

مجلس میں ایک مولوی صاحب سے حضرت نے پوچھا کہ آپ کے نام کے اور کوئی مولوی یہاں ہیں؟ انھوں نے تھوڑا سا غور کیا، پھر بعض لوگوں نے کہا کہ ان کے نام کے مولوی تو یہاں نہیں ہیں، البتہ حافظ ہیں، اس پر ایک دوسرے صاحب نے یہ جان کاری دی کہ محلہ پارہ پر ان نام کے عبدالملک ہیں، حضرت نے فرمایا کہ محدثین میں بھی ایک نام کے کئی محدث ہوتے ہیں، ان میں تمیز ان کے والد کے نام سے ہوتی ہے، اور بعض محدثین کے نام اور والد کے نام بھی یکساں ہوتے ہیں، عرض کیا گیا کہ پورہ معروف میں بہت سے لوگوں کے اور والد کے نام میں بھی مطابقت ہوگئی ہے۔

حضرت مولانا نے فرمایا کہ محدثین میں بہت سے نام ایسے ہوتے ہیں جو لکھنے میں تو یکساں ہوتے ہیں مگر پڑھنے میں الگ الگ ہوتے ہیں، جیسے یہاں محلہ پارہ پر ایک صاحب: "زُھَیر" ہیں جس کا وزن "بُشَیر" ہے، جب کہ عام طور پر وہ نذیر کے وزن پر "بَشِیر" رکھا جاتا ہے، بہت سے نام ایسے ہوتے ہیں جو لکھنے اور پڑھنے میں بھی یکساں ہوتے ہیں، اس کی وضاحت کے لیے "فن اسماء الرجال" میں مؤتلِف اور مختلِف کے نام سے ایک کتاب ہے، جس میں اس کی وضاحت کی جاتی ہے کہ یہاں کون سے محدث اور راوی مراد ہیں؟ حضرت نے اس سلسلے میں دیر تک وضاحت کی۔

فرمایا کہ "دارالعلوم دیوبند" وغیرہ میں تخصص فی الحدیث شعبہ کے قائم ہونے سے بہت سے فوائد ہیں، ایک مرکزی جگہ کے ایک اہم استاذ کا نام لیے بغیر حضرت نے کہا کہ انھوں نے "المؤتلف والمختلف" اصطلاح کو بفتح اللام پڑھا، جب کہ نخبۃ الفکر میں بکسر اللام کی وضاحت ہے، جب اصطلاحی نام بھی ہم صحیح نہیں لے پاتے تو اور باریک باتوں کے بارے میں کیسے جان پائیں گے؟

(مرتب: انصار احمد معروفی، از: ماہ نامہ پیغام پورہ معروف، جنوری، ۲۰۱۱ء/ صفر ۱۴۳۲ھ)

☆☆☆☆☆

گھوسی لوک سبھا حلقۂ انتخاب کے مشہور اور بہادر امیدوار جناب مختار انصاری

صاحب M,L,A, مئو کی جانب سے اس خصوصی شمارہ

بیادگار حضرت مولانا زین العابدین صاحب معروفیؒ کے لیے نیک تمنائیں،

مبارک باد اور

پیغام

حضرت مولانا جیسی عبقری اور مردم ساز شخصیت صدیوں میں پیدا ہوتی ہے، ہمارے پروانچل کا علاقہ اگرچہ دیگر علاقوں کے مقابلے میں نہایت پس ماندہ، اور پچھڑا ہوا ہے، مگر علمی اور دینی خدمات کے مقابلے میں بہت سے دیگر ترقی یافتہ علاقوں کی بہ نسبت کہیں زیادہ آگے ہے، ہمیں فخر ہے کہ ہمارے حلقۂ انتخاب میں ایسی ایسی مشہور اور محبوب ہستیاں پیدا ہوئیں جنھوں نے اپنی پاکیزہ زندگی، علمی وعملی کمالات، اور حدیث کے میدان میں قابل قدر کارنامے انجام دیکر صرف پروانچل اور صوبہ ہی نہیں بلکہ ہندوستان کا نام روشن کیا، اور علمی دنیا میں اس علاقہ کا سر فخر سے بلند کر دیا، مولانا مرحوم انسانیت نواز، اور مشہور صوفیانہ خیالات کے علم بردار تھے، ان کی وجہ سے انسانیت زندہ تھی، انھوں نے ظلم وستم کے خلاف ہمیشہ آواز بلند کی، اور انھوں نے جیل سے ہماری رہائی کے لے بطور امامِ عیدین کئی بار دعائیں فرمائیں، اور لوگوں کے سامنے ہمارا پیغام پڑھ کر بھی سنایا، اللہ پاک ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

ہمیں اپنے گھوسی لوک سبھا حلقۂ انتخاب کی عوام، اور خاص طور پر پورہ معروف کے لوگوں پر فخر ہے کہ انھوں نے ہمیشہ ہمارا ساتھ دیا، اور اپنی دعاؤں میں ہمیں یاد رکھا، اور الیکشن کے موقعہ پر انھوں نے ہمارے لیے جدوجہد کر کے ہم سے اپنی دیرینہ محبت اور تعلق کا ثبوت دیا، اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی حیات وخدمت کو اجاگر کرنے والے اس مجلہ کو قبول کرے، اور مولانا مرحوم کی خدمات جلیلہ کو صفات قبولیت سے آراستہ فرمائے۔

ہمارے استاذ حضرت مولانا زین العابدین صاحبؒ
اور حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئیؒ

مولانا خبیب احمد محمود آبادی، صدر مدرس دار العلوم الابرار، کاس گنج

جس وقت احقر شعبۂ تخصص فی الافتاء (۲۰۰۱ء) مظاہر علوم سہارن پور میں طالب علم تھا، اس وقت کی بات ہے کہ ایک روز جمع الفوائد کے گھنٹے کے بعد حضرت علامہ زین العابدین صاحب نے احقر کو بلایا اور فرمایا مولوی خبیب! حضرت مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئی سے ملاقات کا جی چاہتا ہے، تم فون کر کے حضرت والا سے اجازت لے لو، اور پھر ہردوئی کا ریزرویشن نکلوالو! احقر نے اسی روز بعد عشاء ہردوئی فون ملایا، گھنٹی بجی اور فون اٹھا، آواز آئی میں ابرار الحق بول رہا ہوں، اشرف المدارس ہردوئی سے، احقر نے جواب کے بعد حضرت والا ہردوئی سے خیریت دریافت کی، اور اس کے بعد عرض کیا کہ ہمارے استاذ اور شعبۂ تخصص فی الحدیث کے صدر جناب حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمی آپ سے ملاقات کے متمنی ہیں، اور ہردوئی آنا چاہتے ہیں، حضرت والا نے خوشی کا اظہار فرمایا، اور اجازت مرحمت فرمادی، دوسرے دن احقر نے ۲۸ رجمادی الاول ۱۴۲۲ھ کو اپنا اور علامہ کا ٹکٹ نکلوالیا۔

اشرف المدارس ہردوئی پہنچ کر احقر نے ایک درخواست حضرت ہردوئی کی خدمت میں بھجوائی، جس میں حضرت علامہ اور اپنے آنے کی اطلاع اور تین روز قیام کی اجازت لی، مدرسہ کے چھ نمبر کے خصوصی مہمان خانہ میں حضرت علامہ کا قیام ہوا، حضرت علامہ، حضرت والا ہردوئی کی خصوصی قیام گاہ میں تشریف لائے، اور حضرت والا ہردوئی سے سلام، مصافحہ ومعانقہ کیا، اس کے بعد حضرات شیخین باہم گفتگو فرمانے لگے، تھوڑی دیر کے بعد حضرت علامہ نے عرض کیا کہ میں کچھ ہدیہ پیش کرنا چاہتا ہوں، اگر اجازت ہو تو لے آؤں، حضرت ہردوئی نے مجھے حکم دیا کہ تم لے آؤ، احقر مہمان خانہ میں آیا، اور سیب کی تھیلی لا کر علامہ کو دی، حضرت علامہ نے حضرت ہردوئی کو پیش فرمادی، حضرت نے اپنے نواسۂ محترم مولوی انس کو بلایا اور فرمایا کہ اپنی امی جان سے کٹوا کر لے آؤ، سیب کھا کر علامہ نے حضرت ہردوئی سے فرمایا کہ حضرت میں تین

دعائیں کروانے کے لیے آیا ہوں!

(۱) بخاری شریف کی جو شرح میں لکھ رہا ہوں، وہ پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے، (۲) ایمان پر خاتمہ ہو (۳) ہمارے شعبۂ تخصص فی الحدیث سے جو طلبہ فارغ ہوں، خداتعالیٰ ان کو دین کی خدمت کے لیے قبول فرمائیں۔

یہ کہتے ہوئے حضرت علامہ کی آواز بھرا گئی، اور آنکھ سے آنسو گرنے لگے، اور کچھ دیر کے لیے بالکل سناٹا چھا گیا، حضرت ہردوئی نے اپنی آنکھیں بند فرمائیں، اور کچھ دیر کے بعد ہوں، ہوں کہہ کر آنکھ کھولی، اور فرمایا ٹھیک ہے ٹھیک ہے، اتنے میں عصر کی اذان ہوگئی، نماز کے بعد پھر چائے ناشتہ ہوا، حضرت ہردوئی نے آہستہ سے مجھ سے کہا کہ بھائی مولانا کے پیچھے گاؤ تکیہ لگادو، اور مولانا کی چارپائی ہمارے قریب کردو، اس روز مجلس کا عجیب وغریب و دلکش منظر تھا، ایک چارپائی پر حضرت والا ہردوئی ایک چارپائی پر حضرت قاری امیر حسن صاحبؒ، اور ایک چارپائی پر حضرت علامہ نوراللہ مرقدہٗ جلوہ افروز تھے، اور حضرت والا ہردوئی بیان فرمارہے تھے، اس روز حضرت والا ہردوئی نے حضرت علامہ سے فرمایا کہ آج کے دن مسجد حقی میں بیان ہوتا ہے، احقر کی خواہش ہے کہ آج آپ بیان فرمادیں، جتنی دیر انبساط ہو، علامہ نے قبول فرمالیا اور نمازِ مغرب سے فراغت کے بعد فضیلت علم پر پون گھنٹہ بیان فرمایا، تین دن تک آپ اشرف المدارس میں رہے، حضرت والا آپ کا خصوصی خیال فرماتے رہے، اور بعض دعاؤں پر علمی تحقیق کا سلسلہ چلتا رہا، رخصتی کے وقت حضرت ہردوئی نے حضرت علامہ کو ایک بند لفافہ، اور ایک عطر کی شیشی پیش کی، اور ان کے ساتھ کتب خانہ میں تشریف لائے، اور فرمایا کہ آپ کو جو کتابیں پسند ہوں وہ میری طرف سے نکال لیں، چنانچہ حضرت علامہ نے بہت سی کتابیں کتب خانہ سے پسند فرما کر نکال لیں، پھر آپ کے لیے حضرت نے گاڑی منگوائی اور بعض طلبہ کو ساتھ لگا کر آپ کے ہمراہ اسٹیشن بھیجا، اور فرمایا کہ حضرت کو ٹرین میں بٹھا کر آنا، پھر حضرت علامہ نے حضرت ہردوئی سے مصافحہ ومعانقہ کیا اور رخصت ہوئے۔

ہمہ صفت موصوف

زین المحدثین حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمیؒ

مولانا محمد شاکر عمیر معروفی، رفیق شعبۂ تحقیق وتصنیف جامعہ قاسمیہ دارالعلوم زکریا، مراد آباد

دیر سے بیٹھا ہوں ہاتھوں میں لئے اپنے قلم
کیا لکھوں کیسے لکھوں دل پر ہے طاری شامِ غم

عالمِ ربانی، مؤیدِ مذہب نعمانی، شریفِ خاندانی، پیشانی پر سجدہ کی نشانی، چہرہ پر نورِ خدا کی تابانی، عہدِ کہولت میں بھی شباب کی سی جولانی، عزم وحوصلہ میں جواں مردوں کی جوانی، ملاقات پر اظہارِ خندہ پیشانی، پھر خدا کی یاددہانی، ان کی زیارت باعثِ شادمانی، سراپا سنت کی نشانی، اپنے شاگردوں کی کرتے تھے بہترین نگہبانی، سب پر رکھتے تھے نظرِ یکسانی، تھی عام ان کی مہربانی، حاصل تھی ان کو بہت سی نیک نامی: دیوبند میں اول پوزیشن کی کامرانی، ''پورہ معروف'' میں ''جامعہ ام حبیبہ للبنات'' اور ''ربانی خانقاہ'' کے بانی مبانی، شارحِ بخاری بہ نام تکملہ امداد الباری، رہتی تھی اس کی تکمیل کی بے قراری، مگر نہ تھی اس پر رضائے باری، پس باقی رہ گئی غالباً چھ پارے کے بعد ساری، اصل میں تھا یہ کام بھی بڑا بھاری، لگ جاتی اس میں عمر ڈھیر ساری، ان شاء اللہ رہے گا اس کا ثواب ہمیشہ جاری، دیکھتے ہیں آتی ہے تکمیل کی کس کی باری، علاوہ ازیں بہت سے کام ہیں یادگاری، ان شاء اللہ ذکر آئے گا ان کا باری باری۔

نہ کرتے تھے کسی کی دل آزاری، آتی تھی ان کو دل ربائی، تعویذ ودعا دے دے کر مرض سے رہائی، پسند تھی ان کو مٹھائی اور بمبئی کی نان کھٹائی، مچھلی کے ذکر پر نہ تھی کسی کی شنوائی، اس قدر پسند تھی اس کی فرائی کہ اپنے ہاتھوں ہی کرلیا کرتے اس کی بھنائی، کہتے تھے ہم سے کیا تم نے دیکھی ہے خدا کی کھدائی؟ پھر جواب میں کہتے ''ندی وسمندر کی کھدائی''، غضب تھی ان کی رسائی، کرتے تھے دلوں کی صفائی، آتی نہ تھی ان کو اپنی بڑائی، گھرانے میں تھی ان کے غربت وبے نوائی، ہوتی تھی بنائی، کی میں نے ان پر یہ خامہ فرسائی۔

جامعہ مظاہر علوم میں شعبۂ تخصص فی الحدیث کے بانی کار، اسلاف کی روایات کے علم بردار، زندگی ان کی زہد وتقویٰ کی آئینہ دار، ابوالابرار شیخ عبدالجبار کے خلیفہ و رازدار، رحمت نازل ہوان پر بار بار، بڑے حلیم و بردبار، ملنسار، باوقار، عزت دار، مالداروں سے بیزار، شب بیدار، تہجد گزار، قربان کئے کتنے لیل ونہار، عمدہ تھے ان کے افعال وکردار، دعاؤں میں روتے زار وقطار، ماحول بنا رکھا تھا بڑا سازگار، حج کئے تھے ایک بار، سب کے تھے غمخوار، تھے بہت تجربہ کار، محدث تھے بڑے شاندار، بحر ناپیدا کنار، میدانِ علم وفضل کے شہسوار، تحقیق میں تھا ان پر مدار؛ اس لئے بن گئے تھے مطمحِ انظار، سب تھے ان پر جاں نثار، سب کو تھا ان کی بڑائی کا اقرار، خلافت میں سخت تھا ان کا معیار؛ اس لئے ان کے خلیفہ ہوئے بس دو چار، اخیر عمر میں ہوگئے تھے زار و نزار، پھر بھی نہ چھوڑی ایک بھی سنت سید الانبیاء و الابرار، معمولات تھے برقرار، انتقال پر ان کے ہوئے سب بے قرار، پورا محلّہ تھا سوگوار، پورہ معروف تھا ان کا دیار، سب نے غم کا کیا اظہار، چھوڑ گئے ہم سب کو بے یار و مددگار، تدفین میں تھے لوگ بے حد وشمار، کتنی آنکھیں تھیں اشکبار، مغفرت کرے ان کی پروردگار، چھوڑ گئے بہت سی یادگار، کس لقب سے یاد کرے ان کو بندۂ عاجز وخاکسار۔

استاذ المحدثین کہے یا صدر المدرسین، عمدۃ المحققین سے پکارے یا ناقدِ بصیر سے؛ مرجع المصنفین سے یاد کرے یا منبع الطالبین سے؛ فقہ وفتاویٰ سے باخبر شخصیت کہے یا قراءت سبعہ کا ماہر قاری؛ زبدۃ السالکین کہے یا ماویٰ الزاہدین؛ عبادالرحمٰن کے اوصاف کی حامل زندہ تصویر کہے یا فنافی اللہ اور عارف باللہ جیسے القاب سے موسوم کرے

اے تو مجموعۂ خوبی بچہ نامت خوانم؟

یوں تو آپؒ کی حیات اور آپ کی زندگی میں اس قدر تنوع اور علم وعمل کی جامعیت تھی کہ آپؒ کی حیات کا ہر گوشہ اور ہر پہلو قابلِ قدر اور لائقِ تحریر ہے، آپؒ کے حالات پر کچھ لکھنے کے ارادہ سے بیٹھا ہوں، مضامین کی کثرت آمد ذہن ودماغ میں؛ بلکہ قلم کے نوک پر آکر مجھے پہلے مجھے پہلے رقم کرنے کی دستک دے رہی ہے۔

بہر حال میں نے آپ (نور اللہ مرقدہ وبرد مضجعہ) کو بہت ہی قریب سے دیکھا اور جانا؛ بلکہ برتا ہے، مجھے آپؒ کے تبحرِ علمی؛ خصوصاً حدیث اور علومِ حدیث میں درک کا اندازہ ہے؛ کیوں

کہ مجھے مسلسل دو سال تک باضابطہ ”جامعہ مظاہر علوم“ کے شعبۂ تخصص فی الحدیث سے منسلک رہ کر آپ کے مائدۂ علم وعمل سے خوشہ چینی کا متبرک شرف حاصل رہا ہے، اس دوران آپ کی جلوت وخلوت پر بھی آگہی واطلاع حاصل ہوئی ہے اور اس کے بعد جب تک آپ بقید حیات رہے، بار بار آپ کی خدمت میں حاضر ہونا میرے نصیب میں آیا؛ اسی کی روشنی میں کچھ باتیں عرض ہیں:

اپنی بدقسمتی: میں نے میدانِ علم وعمل میں جن لوگوں کا گہرا اثر قبول کیا ہے اور جن کے رنگ میں تھوڑا بہت رنگا ہوں، ان میں ایک نمایاں اور سرفہرست شخصیت آپ کی تھی؛ تاہم مجھے اس کا اعتراف ہے کہ اپنی حرمان نصیبی اور افتادِ طبع کی وجہ سے آپ کی مجلسِ ذکر سے کما حقہ فائدہ نہ اٹھاسکا؛ لیکن وقتاً فوقتاً عام طور پر ماہِ رمضان میں عصر بعد آپ کی مجلسِ ذکر ودعا میں حاضر ہوتا تھا اور دل کی سردی کو ذکر اللہ کی حرارت سے گرم کرلیتا تھا۔

مقبولیت ومحبوبیت: آپؒ کے ولی اللہ ہونے کا یقین تو بچپنے سے ہمارے سرپرستوں اور گھر والوں نے ہمارے قلوب میں بٹھادیا تھا؛ مگر جیسے جیسے آپؒ سے قریب ہوتا گیا اور عمر بڑھتی گئی اس عقیدت؛ بلکہ حقیقت میں روز بروز اضافہ اور آئے دن ترقی ہوتی گئی، رفتہ رفتہ ایک دن ایسا بھی آیا کہ نہ صرف یہ کہ شنیدہ؛ دیدہ میں تبدیل ہوا؛ بلکہ آپؒ کے حدیث اور فنِ حدیث کے سلسلہ میں بحر زخار اور اتھاہ سمندر اور علم وعمل کی جامع شخصیت ہونے کا میرے ذہن ودماغ پر اس قدر گہرا اثر پڑا کہ آپ أنعم اللہ علیہ کا ادنیٰ ہی سہی؛ شاگرد بنے بغیر رہا نہ گیا، غرضیکہ آپ ایک عالم باعمل تھے، جس کی بدولت اللہ نے لوگوں میں محبوبیت ومقبولیت عطا فرمادی تھی، مقبولیت؛ ہاں مقبولیت؛ محبوبیت؛ ہاں محبوبیت؛ آپ سوچتے ہوں تو سوچیں اور خوب سوچیں؛ کیوں کہ یہی چیز ہے سوچنے کی، غور کرنے اور سمجھنے کی، آپ کو سابقہ کس سے پڑتا ہے؟ کس سے آپ کا سامنا ہوتا ہے؟ معاملہ کس سے بنتا اور بگڑتا ہے؟ ٹکراؤ کس سے، کب اور کہاں ہوتا ہے؟ انہیں پڑوسیوں سے، رشتہ داروں سے، محلہ والوں سے، مسجد میں آمد ورفت رکھنے والوں سے، محلہ کے دکانداروں سے، راستہ میں بھیڑ لگائے ہوئے محلہ کے نوجوانوں سے، اگر ان کی نظر میں آپ اچھے ہیں، ان کی گواہی آپ کے حق میں ہے، ان کے دلوں میں آپ کے لئے جگہ ہے، ان کو آپ کے جانے سے دکھ ہوا ہے، ان کی زبان پر آپ کا ذکرِ خیر ہے تو واقعی آپ اچھے ہیں، اب نہ آپ کو کسی سند کی ضرورت ہے اور نہ کسی کی گواہی کی، یہ

اللہ کے نزدیک قبولیت کی علامت ہے

ع: زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

آپ کی وفات پر اظہارِ ملال: آپ کی وفات کے دن؛ بلکہ اس کے کئی دن بعد تک ہمارے دیار میں اس طرح کی صدائیں بلند تھیں کہ محلّہ کی رونق چلی گئی، برکت اٹھ گئی، بہار رخصت ہوگئی، یہ سانحہ صرف حضرت کے گھر کا نہیں؛ بلکہ ہمارے گھروں کا ہے، نقصان صرف آپ کا نہیں ہم سب کا ہے، یہ ایسی شخصیت تھی جس سے ہم مل کر دعائیں لے لیا کرتے تھے، ان کی ذکر کی مجلس میں بیٹھ کر قلب کو منور کرلیا کرتے تھے، ہر بات میں ان سے مشورہ لے سکتے تھے، اپنے مسائل ان کے سامنے رکھ سکتے تھے، دکھ درد کہہ سکتے تھے، وہ ہر بات توجہ سے سنتے، مسکرا کر "بابو، بابو" کہہ کر جواب دیتے اور اس کا بہترین حل بتادیا کرتے تھے، ساتھ ساتھ ڈھیر ساری دعاؤں کے ساتھ واپس فرماتے تھے۔

بہرحال آپ کی وفات پر ہر حلقہ میں اس طرح کی پذیرائی کی گئی، لوگوں نے راہ چلتے ہوئے، مسجد سے گھر اور گھر سے مسجد آتے جاتے ہوئے، عورتوں نے گھروں میں، بچوں نے گھر کے باہر دروازوں پر، علمائے کرام نے تعزیتی جلسوں میں، قلم کاروں نے اپنی تحریروں میں، شاعروں نے اپنے اشعار میں، مدرسین نے اپنے اسباق میں، معلمین نے تعلیم گاہوں میں، دکانداروں نے اپنی دکانوں پر، مریضوں نے بستر علالت پر، غرض یہ کہ ہر ایک نے اپنے اپنے انداز میں آپ کے محاسن ومحامد، خصائل وشمائل، اطوار وعادات، گفتار وکردار کا تذکرہ کیا اور کئی دنوں تک مسلسل افسوس کرتے رہے۔

مظاہر علوم کے دو یادگار سال: آپؒ کی پدرانہ شفقتوں کے سایۂ عاطفت اور آپ رحمہ اللہ کی خصوصی نگرانی وتربیت میں رہ کر میرے نصیب میں جو کچھ بھی آیا؛ یقیناً میری پوری زندگی کے لئے علمی اور تحقیقی میدان میں مشعلِ راہ ہے، میرا مزاج تحقیقی نہ تھا؛ بلکہ مصادرِ اصلیہ اور امہات الکتب میں سے بہت سی کتابوں سے یکسر ناواقفیت تھی، کتبِ عربیہ مطالعہ کرنے کا چنداں ذوق نہ تھا؛ بلکہ ایسی کتابیں جو کئی کئی جلدوں میں ہیں، انھیں دیکھ کر ایک طرح کا ڈر اور وحشت محسوس ہوتی تھی اور انہیں اپنی سمجھ سے بالاتر تصور کرتا تھا، کبھی بھولے سے انہیں کھولنے کی بھی نوبت نہ آئی تھی اور نہ ہی کبھی ان سے استفادہ کا خیال دل میں گزرا تھا، حقیقت تو یہ ہے کہ تاریخ دمشق، تاریخ ابن عساکر، وفیات الاعیان لابن خلکان، تاج العروس، تحفۃ الاشراف، الکفایۃ، مجمع بحار الانوار، اور اس جیسی بہت

سی کتابوں کا نام تک نہ سنا تھا، اس شعبہ سے جڑ کر اور آپ علیہ الرحمۃ کے زیر تربیت رہ کر ساری ہی کمیاں دھیرے دھیرے جاتی رہیں اور جہالت کی تاریکی سے نکل کر علم کی روشنی کی طرف دن بدن بڑھتا رہا ؎

جب سے آباد ہوا عشق ترا سینہ میں
نئے جوہر ہوئے پیدا میرے آئینہ میں

مظاہر علوم کے شعبۂ تخصص فی الحدیث کے پہلے مدرس؛ بلکہ صدر المدرسین جنہوں نے کم و بیش ۱۹/ برس تک اس شعبہ کی پوری دیانت داری کے ساتھ کما حقہ ذمہ داری نبھائی اور اس راہ میں جس طرح کی جو بھی مشکل پیش آتی، نہایت سنجیدگی کے ساتھ اس کا حل فرماتے رہے، اس درمیان آپ نے بڑے بڑے جید الاستعداد اور ممتاز فضلا تیار کر دئے، جنہیں اپنی جگہ خود بڑے ہونے کی حیثیت حاصل ہے، مولانا نے "مظاہر" کی جس کلی کو اپنے خونِ جگر سے سینچ کر باغ و بہار اور سجا ہوا چمن بنایا تھا اس کی علمی حالہ آبادی و شادابی کی فکر یقینی تھی؛ چنانچہ اپنی نجی اور ذاتی مجلسوں میں اس کے بارے میں فکر کا اظہار کرتے تھے، پھر توکل علی اللہ کا غلبہ ہوتا تو اسے فراموش کر جاتے، پھر یاد آنے پر سوچتے کہ اگر کچھ خطوط متعین کر دوں اور شعبہ کے سلسلہ میں حضرت ناظم صاحب مدظلہ سے کچھ بات کروں تو کہیں نظام میں خلل اندازی کا تخیل ذہن میں گردش نہ کرنے لگے؛ اس لئے ہر بار حضرت ناظم صاحب مدظلہ سے اس سلسلہ میں گفتگو کے ارادہ کو دفع کرتے رہے؛ مگر اپنی مخصوص محفلوں میں کئی بار ترتیبِ نظام کے متعلق اپنا اظہارِ خیال کیا اور فرمایا کہ اس ترتیب پر ان شاء اللہ شعبہ اپنی سابق پرواز کے ساتھ رواں دواں رہے گا اور مولانا مرحوم کی اس ترتیب سے حضرت ناظم صاحب دامت برکاتہم وعمت عنایاتہم مطلع بھی ہیں؛ اس لئے امید ہے کہ یہ چمن سدا بہار رہے گا اور پوری آب و تاب کے ساتھ علمی حالہ برقرار رہے گا اور اس کا نفع امت کو پہنچتا رہے گا اور مولانا کے لئے صدقہ جاریہ کا کام دیتا رہے گا۔

تصنیفِ رجال: رب کائنات نے مولانا کے اندر اپنے بندوں کی تربیت کا خاص سلیقہ ودیعت کیا تھا، وہ تا عمر انسانوں کے بنانے، سنوارنے اور نکھارنے کا فریضہ انجام دیتے رہے، ذہن و دماغ کو صیقل کرنے اور فکر و نظر کو جلا دینے کی ہر وقت کوشش کرتے رہتے، ساتھ ہی ساتھ تصنیفی و تحقیقی میدان کو

بھی گرم کرتے رہے، آپ کی قابلِ رشک ذات کے تصنیفی وتعمیری کارناموں کو دیکھ کر حسن البنّا کے اس قول:"أنا أُصَنِّفُ الرِّجالَ لا أُصَنِّفُ الكِتابَ" (یعنی میرا کام تصنیفِ کتاب کے بجائے تصنیفِ رجال ہے) کو ادنیٰ تغیر کے ساتھ آپؒ کے لئے مستعار لیتا ہوں اور "أنا أصنف الرجال مالا أصنف الكتاب" (یعنی میری حیات کا بیشتر وقت تعمیر رجال میں گزرتا ہے بہ نسبت تصنیفِ کتاب کے) کو آپ کی زبان حال سے نکلے ہوئے کلمات سمجھتا ہوں، آپؒ کے فیض تربیت نے آدمیوں کو انسان اور انسان کو رشک ملائکہ بنادیا آپؒ کی قیمتی نصیحتیں، گراں قدر ارشادات اور پاکیزہ خیالات؛ طلبہ کی زندگی کی راہیں دور دور تک روشن کر دیتیں اور ان کے سارے کہرے صاف کر دیتے، نیز شاہراہ زندگی پر تیز گام چلنے کا حوصلہ بھی فراہم کرتے، ان سب چیزوں پر مستزاد آپؒ کا اخلاص اور درد تھا جس کی وجہ سے ہر کس وناکس نے ان سے کچھ نہ کچھ ضرور نفع اٹھایا، آپؒ اپنے شاگردوں کو ہی نہیں؛ بلکہ ہر ایک کو اپنے سے اونچی پرواز کرتا ہوا دیکھنا صرف پسند ہی نہیں کرتے؛ بلکہ اس کے لئے ہر ممکن کوشش بھی کیا کرتے تھے اور موقع بہ موقع حوصلہ افزائی فرماتے اور تشجیعی کلمات سے نوازتے اور جب ضرورت ہوتی بھرپور مدد کرتے تھے اور وقتاً فوقتاً اس کے احوال وکوائف بھی دریافت فرماتے اور فرماتے کہ "علمی میدان میں جو رکاوٹ آئے گی اس کے حل کے لئے بابو! ہم لوگ ہیں نا"، اس طرح نہ جانے کتنے نامور تلامذہ پیدا کر دئے جو اپنی اپنی جگہوں پر کارہائے نمایاں انجام دے رہے ہیں، فجزاه الله عنا وعن جميع طلابه خير الجزاء۔

فضلائے مدارس کی رہنمائی: فراغت کے بعد کا مرحلہ طلبہ کے لئے ان کی زندگی کا بڑا مشکل مرحلہ ہوتا ہے، یہی وہ مرحلہ ہوتا ہے جس میں ان کی زندگی کا نقش راہ طے ہوتا ہے، عام طور پر اس نازک موڑ پر سرگرداں، حیران وپریشان کھڑے رہتے ہیں، انہیں سمجھ میں نہیں آتا کہ اب وہ کیا کریں؟ اسے مشکل موقع پر مولانا ان کے لئے خضرِ راہ بن کر سامنے آتے اور ان کی زندگی کے لئے صحیح سمت متعین کر دیتے، بعض طلبہ کو اپنے رسوخ کے ذریعہ کسی جگہ خدمت کے لئے بھیج دیتے اور بعض کو مزید اعلیٰ تعلیم کے حصول کی نصیحت کرتے اور بعض کو اپنی نگرانی میں رکھ کر اس پر خوب محنت کرتے اور کراتے اور کام کا بنا کر کام میں لگا دیتے، الغرض ہر ایک کو اس کی صلاحیت ولیاقت کے لحاظ سے مشورہ دیتے اور اس کے لئے میدان علم وعمل کا انتخاب کرتے، کسی کو ضائع نہ ہونے دیتے نیز

مولانا کا وہ عظیم کارنامہ ہے جس کی مثال آج کے اس خودغرضی اور خود پرستی کے ماحول میں بہت مشکل سے ملے گی۔

ہائے کیا لوگ تھے جو دام اجل میں آئے ☆ زندگی جن کے تصور سے جلا پاتی تھی

اتباع سنت کا ایک واقعہ: آپؒ کے اندر احیائے سنت کا ایسا جذبہ تھا کہ آپ جیسا شدید متبع سنت دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہیں، اتباع سنت کے بہت سے واقعات میرے ذہن ودماغ میں گردش کررہے ہیں، کن کن واقعات کو رقم کروں اور کن کو نظر انداز کروں، طوالت کے خوف سے، بس ایک واقعہ پر اکتفا کرتا ہوں، ایک مرتبہ جامعہ قاسمیہ دار العلوم زکریا، مرادآباد کے بانی حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی مدظلہ العالی کی دعوت پر آپؒ شہر مرادآباد اس وقت پہنچے کہ نصف رات گزر چکی تھی، تقریباً ۱۲ بج رہے تھے، عشا کی نماز مرادآباد پہنچ کر پڑھنے کا پروگرام تھا، سلام وکلام اور خیر خیریت معلوم کرکے نماز باجماعت شروع ہوئی، امام نے حضرت کے کبرسنی، نیز سفر کا خیال کرکے ہلی پھلکی نماز پڑھانے کے ارادہ سے قراءت مسنونہ کا لحاظ کئے بغیر کہیں سے قراءت شروع کردی، نماز سے فارغ ہوکر آپؒ بگڑ گئے اور فرمایا کہ اتنی جلدی کس بات کی کہ قراءت؛ سنت کے مطابق نہیں کی، اگر مختصر ہی نماز پڑھانی تھی تو ''والضحیٰ'' اور ''الم نشرح'' وغیرہ پڑھا دیتے۔

زیارت حضور پاک ﷺ کا واقعہ: آپؒ کسی کتاب پر تقریظ وتاثر؛ اسے مکمل پڑھے بغیر نہیں لکھتے تھے، ایک مرتبہ ''پیغمبر اعظم'' نامی کتاب مفتی محمد اسلم صاحب (استاذ جامع مسجد امروہہ) سہارنپور حضرتؒ کی خدمت میں تقریظ لکھوانے کی غرض سے لے کر حاضر ہوئے، آپؒ نے اپنا معمول انہیں بتادیا، انھوں نے بہت اصرار کیا تو مسودہ لے کر اتنا کہہ کر اپنے پاس رکھ لیا کہ اچھا دیکھتا ہوں، مگر اپنی عادت سے مجبور کہ مکمل پڑھے بغیر لکھیں کیسے؟ اسی پس وپیش میں تقریظ لکھے بغیر آپ پر کچھ غنودگی طاری ہوئی، جس میں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی اور تقریظ لکھ دینے کا اشارہ ملا، بیدار ہوتے ہی ضرورت سے فارغ ہوکر اس کتاب کے مطالعہ میں لگ گئے اور اچھی خاصی پڑھ کر اس پر تقریظ بھی لکھ دی اور فجر کی نماز کے بعد پیر طلحہ صاحب مدظلہ کی خانقاہ میں اسے لئے گئے، وہاں پر مفتی محمد اسلم صاحب سے ملاقات ہوئی تو اولاً تو انہوں نے سمجھا کہ شاید میرا مسودہ تقریظ لکھے

بغیر واپس کرنے کے لئے ساتھ لے کر آئے ہوں؛ حضرتؒ نے بتایا کہ میں نے رات تقریباً سو صفحات کا مطالعہ کیا، اس پر تقریظ لکھی اس کے بعد لایا ہوں، جب انہوں نے اس پر تعجب کا اظہار کیا تو حضرت نے یہ خواب بیان کیا۔

سادگی اور تواضع کا پیکر: آپ بڑے ہی متواضع اور منکسر المزاج تھے، سادہ زندگی بسر کرنے والے اور سادگی پسند تھے، تمام تر فضل وکمال کے باوجود معمولی انسان کی طرح زندگی گزارتے تھے، مزاج میں بے نفسی کا عنصر غالب تھا، کبر وتعلّی کا احساس دور دور تک نہ تھا، آج بھی وہ پھٹا پرانا بیگ اور وہ ٹوٹی ہوئی اٹیچی موجود ہے جسے اٹھائے ہوئے سفر میں نکل جاتے تھے، انہیں دیکھ کر آنکھیں نم ہوجاتی ہیں کہ اتنا بڑا امردِ خدا، انہیں پھٹے پرانے ساز وسامان سے اپنا کام نکال لے گیا اور دنیا والوں کو عبرت وموعظت اور نصیحت کا درس دے گیا کہ ساز وسامان سے کچھ نہیں ہوتا، عند اللہ محبوبیت دل سنوارنے سے ہوتی ہے۔

تواضع کا ایک واقعہ: آپؒ کی تواضع کا ایک واقعہ زیبِ قرطاس ہے، راقم ۲۰۰۶ء ازہرِ ہند، مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ مزید تحصیلِ علم کا سلسلہ برقرار رکھے یا تدریس میں لگ جائے، اسی دوران آپؒ نے کبرِ سنی کے باوجود پیادہ پا چل کر ہمارے محلہ کی مسجد مسمی بہ ''مسجد فاطمہ'' میں عشا کی نماز پڑھی، پھر میرے والد صاحب سے ملے، سلام کلام اور خیر خیریت کے بعد ''مظاہر علوم سہارنپور'' کے ''شعبۂ تخصص فی الحدیث'' سے منسلک رہ کر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے مجھے میرے والد سے دو سال کے لئے طلب فرمایا، اس بات پر مجھے اس قدر تعجب ہوا کہ وقت کا محدث جلیل مجھ جیسے حقیر وفقیر کے لئے کبرِ سنی کے عالم میں عصا لئے ہوئے پیادہ پا چل کر میرے گھر مجھے لینے آرہا ہے، یہ تواضع، خورد نوازی، توجہات وعنایات اور شفقتوں کی انتہا نہیں تو اور کیا ہے، آپ رحمہ اللہ کو یہ فکر دامن گیر رہا کرتی تھی کہ پورہ معروف میں علمِ حدیث باقی رہ جائے اور آپ سے تحمل وتلقی کیا ہوا، اور آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا ہوا کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ شاگرد جلد از جلد پیدا ہوجائے جو آپ کے علوم کے بقاواشاعت کا ذریعہ ہو؛ اس کے لئے آپؒ نے بہت کوششیں کیں، خوش قسمتی سے یہ نیک فالی بلحاظ پورہ معروف؛ سب سے پہلے راقم کے مقدر میں آئی اور ۲۰۰۸ء میں ''جامعہ

مظاہر علوم“ کے شعبۂ تخصص فی الحدیث سے سند فراغت کی سعادت حاصل ہوئی۔

اسلاف کی روایات کا حد درجہ لحاظ: آپؒ کی پوری زندگی اسلاف کا نمونہ اور ان کی روایات کا آئینہ دار تھی، آپ اکابر علمائے دیوبند و مظاہر علوم کی حد درجہ تعظیم و تکریم کیا کرتے تھے، اگر ان میں سے کسی بزرگ کا اسم گرامی کسی مناسبت سے آجاتا تو بلا اختیار آنکھیں اشکبار ہو جاتیں، دل غمزدہ ہو جاتا، جس کا اثر قریب والے آنکھوں سے اور دور والے آواز میں تغیر سے پوری طرح محسوس کر لیا کرتے تھے، آپؒ کے اندر ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ مختلف فیہ مسائل میں اکابر کے نقش قدم پر مضبوطی کے ساتھ قائم و دائم رہتے اور ہمیشہ انہیں کے نظریہ کی تائید و توثیق کرتے تھے۔ جمعہ کی نماز سے پہلے؛ اذانِ اول کے بعد؛ اب عام طور پر اکثر مساجد میں وعظ و نصیحت کی کچھ باتیں ہوا کرتی ہیں، مولانا مرحوم اس کو اچھا نہیں سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس کے جواز میں کلام نہیں ہے؛ مگر ہمارے اکابر: قاطع رسومات و بدعات حضرت مولانا محمد طاہر صاحب معروفی، حضرت مولانا محمود صاحب معروفی، محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی، حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب اعظمی رحمہم اللہ وغیرہ نمازِ جمعہ کے بعد وعظ و نصیحت کیا کرتے تھے، پھر اگر ہم مسجد میں جاتے ہیں اور تقریر ہوتی رہتی ہے تو ہم تقریر سنیں یا دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھیں؟

استغنا وخود داری: آپ ان علمائے ربانیین میں سے تھے جنہوں نے دنیا کو کبھی نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا، آپ کے تعلقات بڑے بڑے اہل ثروت اور اہل خیر سے تھے جو آپ سے عقیدت مندانہ تعلق رکھتے تھے؛ تاہم مادیت کی چمک دمک آپ کی نگاہوں کو خیرہ نہ کرسکی، ان کی دولت ان کو مبارک؛ دین کی معاملہ میں کسی بھی قسم کی ادنیٰ غلطی کو برداشت نہیں کرتے تھے؛ بلکہ حلم و بردباری کے ساتھ انہیں ان کی غلطیوں پر ضرور تنبیہ فرمادیا کرتے تھے اور حق بات کہنے میں ذرہ برابر ان کی مالداری حائل نہ ہوتی تھی، شریعت کے خلاف عمل میں وہ خاموش نہیں رہتے تھے، ٹوکتے اور غلط بولنے پر اصلاح کرتے، بد سلیقگی اور پھوہڑپن پر اخلاص و محبت کے ساتھ خیر خواہی کے جذبے سے تنبیہ کر دیتے تھے اور اس کا نتیجہ بڑا اچھا برآمد ہوتا تھا۔

حق گوئی وبے باکی: آپ دین کے معاملہ میں بڑے غیور تھے، اس میں ذرہ

برابر مداہنت گوارہ نہ تھی، جب بھی کوئی موقع ہوتا؛ حق کی آواز پوری طاقت وقوت کے ساتھ تقریر و تحریر ہر دو لحاظ سے کسی کی ملامت کی پرواہ کئے بغیر بلند کرتے تھے، سنت کے خلاف عمل کی سخت مخالفت کرکے سنت کو زندہ کرنے کی پوری بے باکی اور دلیری کے ساتھ کوشش کرتے، کتابوں کی علمی کمیوں وکوتاہیوں، تحقیقی فروگزاشتوں پر نشاندہی کرکے صحیح اور غلط کی مدلل وضاحت کے ساتھ بطور خیر خواہی مصنف کتاب کے یہاں ارسال فرمادیتے تھے؛ جس پر بہت سے مصنفین شکریے اور کلمات دعائیہ سے نوازتے تھے اور آپ کی رائے سے جو متفق نہ ہوتا، اس کے پاس حجج قاطعہ اور براہینِ ساطعہ سے مزین مفصل تحریر پوری بے باکی کے ساتھ لکھ کر احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا پرچم لہراتے اور نقطہ اور شوشے کا فرق بھی ظاہر کردیتے تھے۔

عادات واطوار: آپؒ کی زندگی نہایت سادہ، تکلفات سے دور، صحابہ کے اطوار وعادات سے بھرپور، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے فرمان: "مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مُتَأَسِّيًا فَلْيَتَأَسَّ بِأَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صلَّى اللّٰه عليهِ وسلَّم فإنَّهم أَبَرُّ هذه الأمَّةِ قلوبًا وأعْمَقُهَا عِلْمًا وأقَلُّهَا تَكَلُّفًا وأَقْوَمُهَا هَدْيًا وَأَحْسَنُهَا حَالًا"، الخ، کی عملی نمونہ تھی (یعنی جو شخص کسی کے نقش قدم پر چلنا چاہے تو اسے چاہئے کہ محمد ﷺ کے اصحابؓ کے نقش قدم پر چلے؛ کیوں کہ یہ حضرات صحابہؓ ساری امت سے زیادہ اپنے قلوب کے اعتبار سے پاک، اپنے علم کے اعتبار سے گہرے، تکلف وبناوٹ سے الگ تھلگ، عادات واطوار کے اعتبار سے معتدل اور حالات وکردار کے اعتبار سے بہتر ہیں)۔

میں نے حضرت والا کو جیسا دیکھا اور دیکھ کر جو محسوس کیا اپنے اس مضمون میں انہیں حقائق کا اعتراف واظہار کیا ہے۔

ہم نے وہی لکھا ہے تجھے دیکھنے کے بعد ☆ محسوس جو کیا ہے تجھے دیکھنے کے بعد

اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَه وارْحَمْه وعافِه واعْفُ عنهُ وأكْرِمْ نُزُلَه ووَسِّعْ مَدْخَلَه، الحديث.

☆☆☆☆☆

آہ میرے مشفق استاذ

مفتی محمد صادق حبیبی، مظاہری، معروفی، استاذ جامعۃ الکوثر الاسلامیہ، جنداں نگر، غازی آباد

۱۶ر جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ، مطابق ۲۸ر اپریل ۲۰۱۳ء بروز اتوار کا سورج اس حال میں طلوع ہوا کہ حدیث کی نصف صدی سے زائد تک خدمت انجام دینے والا ایک مخلص جاں نثار خادم اور بے شمار فرزندان توحید کا عظیم استاذ دار فانی سے ابدی مفارقت کے لئے رخت سفر باندھنے کی تیاری کرر ہا تھا۔ حاضرین کی توجہات جانے والے کی نبضوں پر مرکوز تھیں، سانس کے ساتھ ساتھ منٹ اور سکنڈ گنے جا رہے تھے، دن کے دو بجتے بجتے کوچ کی گھڑی آ پہنچی، رحمت کے فرشتے پورہ معروف کی سرزمین پر منڈلانے لگے، ملک الموت ایک صاحب ایمان کی روح اعزاز کے ساتھ اپنے ہمراہ لے جانے کے لئے مقررہ جگہ پر تشریف لاکر اپنا کام سرانجام دے گئے، پھر کچھ ہی لمحات کے بعد پورہ معروف کے ہر چہار سو حسرت آمیز، غم واندوہ سے بھر پور اعلان سے گونجنے لگے کہ:

''استاذ الاساتذہ محقق دوراں محدث جلیل، شیخ طریقت، ولی کامل، حضرت محدث اعظم شیخ عبدالجبار صاحبؒ کے سچے اور حقیقی جانشین حضرت مولانا زین العابدین صاحب (نوراللہ مرقدہ کا وصال ہوگیا) اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اعلان کیا تھا، ایک ارتعاش تھا، جس نے سننے والوں کو دم بخود کردیا، کتنی ہی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھایا، کتنے لوگ سن کر بے اختیار ہو گئے، ماضی کے اوراق پلٹنے لگے، جانے والے کے امتیازی اوصاف ایک ایک کر کے سامنے آنے لگے، آج صرف ایک شخص کا انتقال نہیں بلکہ ایک دور کا خاتمہ ہو گیا تھا، جرأت وہمت کا پیکر، بزرگانہ اقدار واصول کا امین، مادر علمی دارالعلوم دیوبند اور جامعہ مظاہر علوم کی عظمت کا پاسبان اور اس سے بڑھ کر محبت دارالعلوم دیوبند و جامعہ مظاہر علوم سے پوری طرح سرشار ایک بے لوث خدمت گار ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گیا تھا۔

حقیقت یہ ہے حضرت مولاناؒ کی وفات ایسا عظیم حادثہ ہے جس پر اظہار کرب والم کے

سارے الفاظ بے معنیٰ معلوم ہوتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ حادثہ صرف مولانا مرحوم کے اعزہ کا نہیں، محض ان کے تلامذہ کا نہیں، تنہا جامعہ مظاہر علوم کا نہیں، تنہا دارالعلوم دیوبند کا نہیں بلکہ پوری دنیائے علم وفن کا حادثہ ہے، مشہور مقولہ: ''موت العالِم موت العالَم'' کی صداقت کا صحیح اور مکمل ادراک اسی جیسے حادثوں کے وقت ہوتا ہے۔

بیعت وسلوک: آپ نے بیعت وارشاد کا تعلق اولاً شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ سے، ثانیاً مجدد عصر قطب الاقطاب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے قائم کیا، آخر میں محدث اعظم قطب عالم ابوالابرار حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالجبار صاحب اعظمیؒ سے ۱۴۰۶ھ میں جامع الہدیٰ مرادآباد کی مسجد میں اجازت وخلافت پائی۔

اپنے پیرو مرشد حضرت محدث اعظمؒ سے قوی تعلق اور حضرت محدث اعظمؒ کا آپ کے علم وتقویٰ پر اعتماد: (حضرت مرحوم کے قلم سے): حضرت فرماتے ہیں کہ میرے مرشد ثانی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ جن کی خدمت میں رمضان شریف گذارنے جاتا تھا ان کے انتقال کے بعد (میں نے حضرت مرشدی مولانا عبدالجبار صاحبؒ کے آستانہ سے تعلق قائم کیا) حضرت نے انتہائی شفقت کے ساتھ مجھ پر نظر عنایت مرکوز فرمائی۔ کلکتہ وغیرہ آتے جاتے مجھے پروگرام کی اطلاع فرماتے کبھی کبھی معمولی خدمت بھی میرے حوالہ کرنے لگے، اور میرا قیام بنارس میں ہو جانے کی وجہ سے بنارس اسٹیشن پر اکثر ملاقات ہونے لگی، آخر رمضان ۱۴۰۶ھ میں حضرت نے جب مدرسہ جامع الھدیٰ مرادآباد کی مسجد میں اعتکاف کیا تو میں بھی شریک ہوگیا۔

اس کے بعد گجرات میں ایک دفعہ شریکِ اعتکاف رہا اور ہر موقع پر حضرت نے میری بے ادبی اور بے جا اعتراض سے چشم پوشی فرمائی۔ پھر جامع الدراری کی تصحیح شدہ کاپیاں نہایت اہتمام سے میرے پاس نظرِ ثانی کے لئے بھیجدیں۔ میں نے بے تکلف اس کی غلطیوں کی نشان دہی کردی جن میں سے اکثر کو حضرتؒ نے ترمیم کردیا۔ اور کچھ ایسی باتیں تھیں جن میں خود مجھ ہی سے غلطی ہوگئی تھی حضرت نے اس کی وضاحت فرماکر مجھے مطمئن کردیا اور اس سلسلہ میں ایک بار مجھ کو مرادآباد بھی طلب فرمایا۔ انھیں وجوہ کی بنیاد پر حضرت کے خلف اکبر مولانا عبد

الباری صاحب” کی رائے پر عزیزان مولانا عبدالرحمن ساجد اور صاحبزادۂ محترم حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمن صاحب نے امداد الباری کی تکمیل کا کام مجھ پر ڈالا۔ اللہ تعالیٰ تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ (امداد الباری: ج ۵ ؍ ب)

عادات وخصائل اور قابل تقلید معمولات: حق گوئی وطریقہ حق پر استقامت میں مولانا مرحوم پختہ کردار کے مالک تھے، نام ونمود کے جذبہ سے بلند ہوکر ہمیشہ سچی بات کہنے کے عادی تھے۔ آپ کا دینی مزاج بزرگان سلف کی طرح۔

ع: زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ ستیز

کا حامل تھا، رائے میں پختہ تھے، کسی شخصیت سے کم ہی مرعوب ہوتے تھے مزاج اصول پسند تھا اس لئے بے اصولی بے حد ناگوار تھی، اپنے کام میں بڑے چست اور چاق وچوبند رہتے اور دوسروں سے بھی اس کی توقع رکھتے تھے۔ سخت گیر تھے مگر سخت دل نہیں تھے چھوٹے بچوں کے ساتھ بڑی شفقت ومحبت اور پیار ودلار کا معاملہ کرتے وقار وسنجیدگی کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا مرحوم علم وعمل کے پیکر، علم شریعت کے بحر بیکراں کے غواص، گوناگوں خوبیوں کے مالک تھے، مزاج میں سادگی اور کسر نفسی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی آپ کو دیکھ کر کوئی یہ اندازہ نہیں کرسکتا تھا کہ یہ شخص اتنے بڑے منصب پر فائز ہے، تصنع اور بناوٹ سے گویا آپ کو طبعی نفرت تھی، قیام، طعام، لباس، گفتگو ہر چیز میں سادگی پسند فرماتے تھے، ہر شخص کے ساتھ بے تکلفی سے پیش آتے، اپنے سے مانوس طلبہ سے نہایت شفقت کا معاملہ فرماتے تھے۔ تقویٰ وطہارت کے مجسم نمونہ تھے۔

شب بیداری اور سحر خیزی کے علاوہ حضرت مولاناؒ خاص کر دو چیزوں کا انتہائی اہتمام فرماتے تھے جن میں کسی حالت میں تخلف نہیں ہوتا تھا:

(۱) اول مسجد میں نماز باجماعت کی پابندی، خواہ کیسی ہی بارش ہو، سردی ہو، یا گرمی کی انتہا ہو۔ جب تک آپ میں طاقت تھی ہر نماز کی ادائیگی کے لئے مسجد میں تشریف لے جاتے۔

(۲) دوسری چیز اسباق میں پابندی۔ شاید ہی سال میں ایک دو سبق کا ناغہ ہوتا ہو وہ بھی کسی عذر کی وجہ سے، ورنہ عموماً وقت ہوتے ہی درسگاہ تشریف لے جاتے اور پورا گھنٹہ ہونے کے بعد واپس

تشریف لاتے اور اپنے شاگردوں کو بھی اس کی بہت زیادہ تاکید کرتے تھے۔

صبر وتحمل اور توکل علی اللہ: حضرت مولانا مرحوم پیکر صبر وتحمل تھے، کئی مختلف بیماریوں نے آپ کو گھیر رکھا تھا، لیکن صبر وتحمل کا یہ حال یہ تھا کہ کم ہی اپنے قریبی لوگوں تک کو اپنی تکلیف سے باخبر ہونے دیتے تھے، توکل کا یہ عالم تھا کہ عام طور پر اپنے علاج کی طرف زیادہ توجہ نہیں دیتے تھے، اکثر یہی فرماتے تھے کہ صحت و بیماری سب مالک حقیقی کی طرف سے ہیں اس کے حکم کے بغیر نہ مرض لاحق ہوتا ہے، اور نہ اس کی مرضی کے بغیر تمام تر کوششوں کے باوجود صحت وشفا کی نعمت میسر ہو سکتی ہے۔ اس لئے راضی برضا رہنا ہی معراج بندگی ہے۔

جنازہ: جنازہ کی نماز بعد نماز عشاء آپ کے خصوصی مرید حضرت مولانا رضوان الرحمن صاحب استاذ جامعہ اسلامیہ بنارس نے پورہ معروف بازار کی قبرستان (جو ٹھیا کے نام سے مشہور ہے) میں تقریباً ۷۰ ہزار سے زیادہ کے مجمع میں پڑھائی، سڑکوں پر انسانی سیلاب، شرکت جنازہ میں لوگوں نے تمام سابقہ ریکارڈ توڑ ڈالے، پورہ معروف کی سرزمین پر چشم فلک نے اس سے پہلے کبھی ایسا منظر نہیں دیکھا تھا، ایسا لگتا تھا کہ ہر چھوٹا بڑا آپ کے جنازہ میں شریک ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کی پوری پوری مغفرت فرمائے، آمین۔

راقم الحروف پر حد درجہ شفقت: راقم الحروف سہارنپور کی طالب علمی کے زمانہ میں جب کوئی حدیث یا کوئی عبارت سمجھ میں نہ آتی تو حضرت مولانا مرحوم کے پاس جاتا، بسا اوقات خلاف وقت پہنچ جاتا۔ اور حضرت آرام کے لئے بستر پر لیٹ چکے ہوتے تھے، فرماتے مولوی صادق کیسے آنا ہوا، میں بتاتا تو فوراً اٹھ کر بیٹھ جاتے، اور کہتے فلاں کتاب اٹھاؤ اس میں فلاں جگہ یہ بات وضاحت سے لکھی ہے۔ کبھی بھی یہ نہیں کہا کہ ابھی نہیں بعد میں آنا۔ اسی طرح ایک مرتبہ راقم الحروف حضرت مرحوم کے پاس شعبۂ تخصص میں مغرب کے بعد "عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ" کی سند سمجھنے کے لئے گیا حضرت اس وقت مطالعہ میں غرق تھے، میں جا کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت مرحوم نے پوچھا کیسے آنا ہوا میں نے کہا کہ یہ سند سمجھ میں نہیں آرہی ہے کہ اس سے آنے والی حدیث متصل کہلائے گی یا منقطع وغیرہ۔ تو حضرت نے صرف دو سطر میں اس سند کو نہایت آسان اور سہل انداز میں سمجھا دیا۔ (حضرت مولانا مرحوم کے ہاتھ کی وہ تحریر آج بھی بندے کے پاس محفوظ

ہے)اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ مولوی صادق یہ میرے مطالعہ کا وقت ہے میں اس وقت کسی کو وقت نہیں دیتا ہوں، صرف تمہیں میں نے دیا، اور فرمایا کہ تمہیں اختیار ہے علمی سلسلہ میں جس وقت چاہو آؤ، تمہارے لئے کوئی وقت معین نہیں ہے۔ اور اس کی وجہ حضرت نے یہ بیان فرمائی کہ میں دیکھتا ہوں کہ ہمارے حضرتؒ علم کے دریا تھے لیکن ان کی اولاد میں کوئی بھی حضرت کے علم کا وارث نہ بنا تو میری تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بنائے۔ (یا اس سے کچھ ملتا جلتا جملہ مولانا نے فرمایا)

حضرت کے اس جملہ کے بعد بندہ کے اندر اور بھی زیادہ شوق پیدا ہوا، حتیٰ کہ بندے نے اپنے بعض ساتھیوں سے بھی اس کا ذکر کیا، تو بعض مخلص دوستوں نے بندے سے کہا کہ جب حضرت مولانا کو تم سے اتنی بڑی امید ہے تو تمہارے گھر والوں کو کتنی بڑی امید ہوگی لہذا تمہیں اس کا لحاظ رکھنا چاہئے۔ پھر اس کے بعد سے بندہ اور بھی زیادہ یکسو ہو کر زندگی گذارنے لگا، اور آج بھی اسی کا اثر ہے کہ بہت سے رفقاء تدریس تفریح میں یا کہیں اور لے جانے کے لئے اصرار کرتے ہیں؛ لیکن بندہ کی طبیعت آمادہ نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ بندے کو بھی ان اکابر کے علم و عمل کا کچھ حصہ عطا فرمائے آمین۔

حضرتؒ کے چند ملفوظات: آئندہ سطور میں حضرت کے بعض اہم ملفوظات کو ذکر کرتا ہوں:

(۱) فرمایا کہ: لوگ اب فن رجال کو کچھ نہیں سمجھتے حالانکہ اس فن کو جاننا اور اس میں مہارت حاصل کرنا بھی نصف علم ہے۔

(۲) ایک مرتبہ ایک شخص نے مولانا سے کہا کہ گجرات میں بہت زبردست زلزلہ آیا تھا، اور کہا کہ فلاں آدمی اس زلزلہ کے بعد کہتے ہیں کہ یہ زلزلہ تو پورہ معروف میں آنا چاہئے اس لئے کہ لوگ دین سے دور ہوتے جارہے ہیں۔ تو مولانا نے فوراً فرمایا: کہ اللہ سے عذاب کی دعا نہیں مانگنا چاہئے، بلکہ رحمت کی دعا کرنا چاہئے۔

(۳) ایک مرتبہ ایک طالب علم کے بارے میں معلوم ہوا کہ بے وقت ٹرین پہنچنے کی وجہ سے اس طالب علم نے پوری رات اسٹیشن پر گذاردی، جب صبح کو مدرسہ کے گیٹ کھلنے کا وقت ہو گیا تب وہ طالب علم مدرسہ گیا، مولانا نے فرمایا کہ ایسا ہی طالب علم کامیاب ہے جو مدرسہ کے اصول

وقوانین کی پابندی کرے۔

(۴) ایک مرتبہ ابن ماجہ شریف کے درس میں مولانا نے فرمایا: کہ لوگ عام طور سے رمضان میں جب کہیں افطار کی دعوت ہوتی ہے تو میزبان کے مکان پر ہی جماعت کر لیتے ہیں، لیکن ہمارے حضرت کا معمول یہ تھا کہ اگر کہیں دعوت ہوتی تھی تو جاتے اور صرف ایک یا دو کھجور لے کر مسجد کی طرف بھاگتے چلے جاتے اور مسجد میں جا کر افطار کرتے، لوگ بہت اصرار کرتے کہ حضرت یہ چیز بھی آپ ہی کے لئے تیار کی گئی ہے ٹھہریے؛ لیکن حضرت نہیں ٹھہرتے اور فرماتے کہ مسجد کی جماعت سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ پھر حضرت مولانا مرحوم نے فرمایا کہ: میرا بھی یہی معمول ہے کہ مسجد ہی میں افطار کرتا ہوں۔ اور مسجد میں جماعت سے نماز پڑھتا ہوں۔

(۵) ایک مرتبہ فرمایا: کہ ہمارے حضرت (شیخ عبد الجبار صاحبؒ) کی (اور حضرت کے ساتھ بہت سے لوگوں کی) کچھ لوگوں نے مراد آباد کے میں دعوت کی، کھانا تیار کرنے میں کچھ تاخیر ہوگئی۔ اسی اثناء میں عشاء کی نماز کا وقت ہوگیا، حضرت نماز کے لئے مسجد چلے گئے، اطمینان سے نماز پڑھ کر جب میزبان کے یہاں کھانے لئے پہنچے تو معلوم ہوا کہ کھانا تیار کرنے والوں نے نماز نہیں پڑھی ہے۔ حضرت وہیں سے واپس ہو گئے اور فرمایا کہ: جس کھانے کی وجہ سے مسجد کی جماعت چھوڑ دی جائے، وہ کھانا میرے لئے حلال نہیں (یا اس سے کچھ ملتا جلتا جملہ فرمایا)۔ پھر کسی نے بھی اس کھانے کو نہیں کھایا۔ وہ تمام کھانا صدقہ کر دیا گیا۔

(۶) متعدد مجلسوں میں متعدد بار حضرت نے فرمایا کہ: اگر دین کی خدمت کرنا ہے تو پیسوں کو نہیں دیکھنا چاہئے۔

(۷) ایک مرتبہ فرمایا کہ: مولوی صادق! اگر شاگرد ہونا چاہئے تو ایسا (اشارہ حضرت مولانا خالد سعید صاحب مبارکپوری کی طرف تھا کہ ایک مرتبہ دوپہر میں مولانا خالد صاحب مبارکپوری سو رہے تھے اسی اثنا میں حضرت کو کوئی کام شعبۂ تخصص میں پیش آگیا، حضرت نے یہ سمجھ کر کہ مولانا خالد صاحب جاگ رہے ہوں گے، ایک بچہ کو بلانے کے لئے بھیجدیا۔ جب بچہ گیا تو مولانا سو رہے تھے؛ لیکن صرف یہ سن کر کہ استاذ محترم بلا رہے ہیں فوراً اٹھ کر حاضر خدمت ہوئے، مولانا اس پر بہت خوش ہوئے اور جب مولانا خالد صاحب تخصص میں چلے گئے تو حضرتؒ نے مجھ

سے یہ بات فرمائی تھی) اور فرمایا کہ ایسے ہی طالب علم کامیاب ہوتے ہیں۔

(۸) ایک مرتبہ مولانا کے سامنے ایک صاحب نے ذکر کیا کہ مولانا یونس پالنپوری صاحب کا بیان بہت اچھا ہوتا ہے، تو فرمایا کہ مولانا یونس صاحب پالنپوری کے اندر میں نے ایک خاص بات یہ دیکھی ہے کہ جب انہیں کہیں سے بھی کوئی نئی بات ملتی ہے وہ اسے فوراً نوٹ کر لیتے ہیں۔

(۹) ایک مرتبہ فرمایا کہ: جب میں نے دعوت کا کام شروع کیا تو میں تقاریر وغیرہ کے لئے حضرت تھانویؒ کی دعوات عبدیت کا مطالعہ کرتا تھا، اور اسی سے تبلیغ کرنا شروع کیا۔

(۱۰) ایک مرتبہ ایک طالب علم مولانا کی خدمت کے لئے حاضر ہوا، وہ پوچھتا رہا کہ حضرت کوئی کام ہو تو بتلائیں میں خدمت کے لئے حاضر ہوں، مولانا منع کرتے رہے لیکن اس نے جب بہت اصرار کیا تو مولانا نے کہا کہ اچھا۔ تم اندر جاؤ اور فلاں جگہ فلاں چیز رکھی ہے اسے لے آؤ۔ خیر وہ لے آیا۔ ضرورت پوری کرنے کے بعد مولانا نے فرمایا: کہ اسے رکھدو۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد مولانا اس چیز کو لینے کے لئے خود گئے تو وہ چیز پرانی جگہ نہ ہونے کی وجہ سے مولانا کو نہیں ملی، خیر کافی تلاش کے بعد مولانا کو جب وہ چیز ملی۔ تو فرمایا کہ: میں نئے لوگوں سے خدمت اسی وجہ سے نہیں لیتا ہوں کہ وہ چیزوں کو اٹھا کر کہیں سے کہیں رکھ دیتے ہیں جس کی وجہ سے تلاش کرنے میں کافی وقت ضائع ہو جاتا ہے۔

نصیحت: اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اگر کسی کی کوئی چیز اٹھائیں تو جہاں سے اٹھائیں وہیں رکھیں تاکہ بعد میں رکھنے والے کو تلاش کرنے میں پریشانی نہ ہو۔ (حضرت تھانویؒ کا بھی بہت سختی کے ساتھ اس پر عمل رہا)۔

(۱۱) ایک مرتبہ ابن ماجہ شریف کے درس میں "کتاب العلم" کے تحت فرمایا: کہ بہت سے لوگ حدیث میں جس علم کی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں، اس میں انگریزی کا علم بھی داخل مانتے ہیں، جب کہ میرے نزدیک انگریزی علوم کو داخل ماننا غلط ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت کی مغفرت فرمائے اور ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلائے۔

☆☆☆☆

حضرت مولانا زین العابدین علیہ الرحمہ کچھ خصوصیات

مولانا ابوہریرہ یوسفی قاسمی، ایڈیٹر انچیف: بچوں کا ماہنامہ "خوشبو" پورہ معروف (مئو)

اسلام ایک سماوی اور ابدی دین ہے، جو قیامت تک اس دنیائے فانی میں رائج رہے گا۔ یہ دنیا دارالاسباب ہے، اس لئے رب کائنات نے اسلام کی نشر واشاعت اور اس کی بقا کے لئے سب سے پہلے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرما کر اسلام کی ترویج کا سبب بنایا، جنھوں نے کفر وشرک کے آسمان پر اسلام کا سورج روشن کیا اور اس کے ذریعہ کائنات کے ذرے ذرے کو ضیا بخشی۔ جب نبیوں کا سلسلہ ختم ہوگیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے صحابہ کرام کی مقدس جماعت کے ذریعہ اسلام کو دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلایا، بعد صحابہ کے تبع تابعین کا دور آیا، پھر اس کے بعد ائمہ مجتہدین کا۔ غرض کہ رب قدوس یکے بعد دیگرے ہر عہد اور ہر دور میں ایسی نابغۂ روزگار ہستی اور محقق وناقد، معلم اور مجتہد کو پیدا فرماتا رہا، جو عہد ساز، مبلغ ومجتہد کی حیثیت سے سارے عالم میں اسلام کے دفاع اور اس کی ترسیل واشاعت میں پیش پیش رہے۔ انہیں عظیم ہستیوں میں سے ایک شخصیت محدث جلیل حضرت مولانا زین العابدین علیہ الرحمہ کی تھی، جنھوں نے مذہب کی نشر واشاعت، درس وتدریس، بالخصوص احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کارہائے نمایاں انجام دیا ہے۔

۲۸/اپریل ۲۰۱۳ء اتوار کا دن، بعد الظہر کا وقت اپنے ساتھ غم واندوہ اور رنج والم کا ایک کوہِ گراں لے کر آیا، چنانچہ حضرت کی وفات کے المناک اور روح فرسا واقعہ کی خبر سن کر ہر شخص دم بخود رہ گیا، سکتہ کی کیفیت طاری ہوگئی۔ ہر شخص کے رخساروں پر آنسوؤں کی لکیر دکھائی دینے لگی، افسردگی وسراسیمگی اور حزن وملال سے ہر ایک کی چشم غم آنسوؤں کے سمندر میں غوطہ لگا رہی تھی۔ حضرت کی رحلت سے ہر طرف خاموشی کا بسیرا چھا گیا تھا اور ہر سو صفِ ماتم بچھ گئی تھی، آپ کی وفات سے ہر ایک کے قلب وجگر مفلوج ہوگئے تھے۔ غم کی آندھیوں نے ہر چہرے کو گرد آلود کر دیا تھا۔ آپ کی جدائیگی سے ہر دل بے چین کیوں نہ ہوتا، اس لئے کہ حضرت کی ذات ہی کچھ ایسی تھی کہ ہر ایک کا دل ان کی محبت سے سرشار تھا، وہ خود ہر چھوٹے بڑے کو اپنی روحانی محبت کا جام پلایا کرتے تھے، جس سے ہزاروں لوگ

سیراب ہوئے ہیں، جس سے متاثر ہوکر ہر شخص یہ کہہ اٹھتا تھا کہ حضرت سب سے زیادہ مجھ سے محبت کرتے تھے۔ سب کا یہ کہنا بجا ہے، اس لئے کہ کوئی بھی شخص ان سے ملنے جاتا تو اس کے سر پر شفقت ومحبت کا ہاتھ ضرور پھیرتے تھے، اس کے دل میں اپنی سچی محبت کا احساس دلاکر نیک مشوروں سے نوازتے اور کامیابی کا راستہ دکھاتے تھے، ان کی ترقی کی دل میں فکر لئے رہتے اور دعائیں بھی دیتے تھے۔ اپنے شاگردوں میں آگے بڑھانے میں حددرجہ معاون تھے۔ احقر کے استاد محترم حضرت مولانا صغیر احمد صاحب پرتاب گڈھی مدظلہ العالی (جو حضرت کے شاگرد رشید تھے) درس کے دوران ان کی قیمتی باتوں اور اخلاق کا حوالہ دیا کرتے۔ محترم فرمایا کرتے تھے کہ "پورہ معروف کی عظیم ہستیاں تصنع سے بالکل پاک ہیں بالخصوص حضرت مولانا زین العابدین صاحبؒ جن کی رہنمائی میں میں نے بہت کچھ سیکھا ہے، ان کی خدمت اور صحبت کا مجھے ہر لمحہ احساس ہوتا رہتا ہے۔ فرماتے کہ حضرت ان علماء میں سے نہیں تھے، جو خوبصورت لباس زیب تن کرکے باہر نکلتے ہیں اور ان کے ساتھ شاگردوں اور لوگوں کا قافلہ رہتا ہے، جو بڑے شان سے ہاتھ پھہرا کر چلتے ہیں۔ ان کے اندر اس قدر سادگی تھی کہ بالکل بھیڑ بھاڑ میں سر جھکا کر ہٹو بچو کے بغیر راہ چلتے تھے، اپنے ساتھ شاگردوں اور معتقدین کا گروہ لے کر نہیں چلتے تھے، اپنا ذاتی کام اور مدرسہ کا بھی اپنے ہاتھوں سے کرلیا کرتے۔ حقیقت میں ان کے سینے میں علم کا سمندر تھا، جب بھی ان کے پاس جاتے تو محض علمی گفتگو ہی کرتے تھے، جو ہماری تعلیم کے لئے ایک تعمیری حیثیت رکھتی تھی"۔

ملک میں آپ کے شاگردوں اور مریدین کی ایک طویل فہرست ہے۔ متعدد مدارس میں آپ نے تدریسی خدمات انجام دی ہیں۔ آپ کی تدریسی جدوجہد ہی آپ کی زندگی کا نمایاں عنوان ہے۔ مظاہر العلوم سہارنپور میں تخصص فی الحدیث کا قیام آپ ہی کی مرہون منت ہے۔ آخری عمر تک آپ نے اس شعبہ سے وابستہ رہ کر کتنوں کو حدیث کا عالم بنایا۔ آپ کی دینی سرگرمیاں یہیں تک محدود نہیں تھیں، بلکہ آپ تبلیغی جماعت سے بھی منسلک رہے۔ جماعت کے اصول کے مطابق ایک سال کا وقت بھی لگایا۔ مدرسۃ الاصلاح میں طویل عرصے تک تعلیمی خدمات انجام دی ہیں۔ جماعت اسلامی کے بہت سے احباب ان کا ذکر خیر کرتے رہتے ہیں اور دوسرے مسلک کے لوگ بھی حضرت کے

عقیدت مند تھے۔اہل تشیع بھی ان کے اعلیٰ اخلاق کے معترف تھےاور غیر مسلم بھی۔

آج آپ ہمارے درمیان نہیں رہے،صرف آپ کی یادیں ہی ہمارے دلوں میں باقی ہیں،اس لئے ہمیں چاہئے کہ ان کی یادوں کو دلوں میں زندہ رکھنے کے ساتھ ساتھ ان کے مشن کو آگے بڑھانے کی بھرپور کوشش کریں،ان کی دینی زندگی کو سب سے پہلے اپنے اندر،اپنے بچوں میں اور طالب علموں، بلکہ پورے معاشرے میں منتقل کرنے کی پیہم کوشش کریں۔مضمون نگار حضرات نہ معلوم آپ کے کن کن اوصاف حمیدہ پر روشنی ڈال کر آپ کو خراج عقیدت پیش کریں گے،میری ناقص سمجھ سے آپ کو سب سے بہتر خراج عقیدت یہی پیش کیا جاسکتا ہے کہ آپ نے جس صالح معاشرہ کی تشکیل کا خواب دیکھا تھا،اس کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لئے ہم خود کو وقف کردیں،یہی ہماری حضرت سے واقعی محبت کی دلیل ہوگی۔اور ہماری ہوشمندی بھی۔

☆☆☆

محدث ہند حضرت مولانا زین العابدین صاحبؒ

مولانا زبیر احمد مظاہری، سابق استاذ مظاہر علوم (وقف) سہارنپور

ألم تر أن اليوم أسرع ذاهب ☆ وأن غدا للناظرين قريب

کیا تجھے یہ احساس نہیں ہوتا کہ آج زمانہ بہت تیزی سے گزر رہا ہے اور کل دیکھنے والوں کے لیے نہایت قریب ہے۔

۱۶ر جمادی الاخری ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۸ر اپریل ۲۰۱۳ء یک شنبہ کو بخاری شریف کے شارح، ہندوستان کے عظیم محقق، درس نظامی پر مکمل عبور کے مالک، ترجمہ نگار، بے شمار احادیث کے حافظ، قراٰتِ سبعہ کے ماہر، اہلِ علم محققین کے استاد و استادگر، علم وحکمت اور اعمال واخلاق کے حسین پیکر، جید عالم دین، متواضع وملنسار، خلیق وبامروت، انسانیت وشرافت کے مرقع اور بے شمار کمالات کے جامع، محدث ہند، الحاج قاری حضرت مولانا زین العابدین صاحبؒ صدر شعبۂ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور کی روح دار فانی سے دار باقی کی طرف پرواز کر گئی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا زین العابدین صاحبؒ کی ذات گرامی جن علمی کمالات اور عظیم خدمات وخصوصیات کا پیکر تھی، اس لحاظ سے آپ کی وفات تنہا آپ کی وفات نہیں؛ بلکہ یہ وفات ایک انجمن، ایک شعبہ، ایک جماعت اور ایک عالم کی وفات ہے، آپ کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے، اس کا احساس بھی آپ کے متعلقین بالخصوص اہل علم محققین اور آپ کے تلامذہ ہی کر سکتے ہیں، بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان میں علم وتحقیق کا عظیم ترین شناور رخصت ہوگیا اور علم وتحقیق کی محفل سے رونق ختم ہوگئی ہے۔

تا سحر وہ بھی نہ چھوڑی تو نے او بادِ صبا
یادگارِ رونقِ محفل تھی پروانے کی خاک

حضرت مولاناؒ نے عمر بھر اپنا مشغلہ تعلیم وتدریس اور تحقیق وتالیف کو بنائے رکھا، قدرت نے آپ رحمہ اللہ کو غیر معمولی قوتِ حفظ اور غیر معمولی قوتِ ادراک عطا فرمائی تھی، آپ کا تعلیمی وقت انتہائی محنت وجانفشانی کے ساتھ تحصیل علم میں گزرا، اساتذہ کے یہاں درس کی پابندی، درس میں حاضری کے علاوہ

مطالعہ وتکرار کا التزام اور کتب بینی آپ کا سب سے عزیز مشغلہ رہا، راتوں کے جاگنے، محنت ومشقت کے ساتھ کتابوں کا مطالعہ اور تکرار میں رفقاء کے سامنے سبق کی افہام وتفہیم جیسی بے پناہ مشغولیت کا نتیجہ تھا کہ آپ اول نمبر سے کامیاب ہوئے، سچ ہے

بقدر الكد تكتسب المعالي

ومن طلب العلىٰ سهر الليالي

تعلیم وتحصیل سے فراغت کے بعد آپ کا تدریسی دور شروع ہوتا ہے، تدریس وتحقیق میں خداوندقدوس نے آپ کو ملکۂ تامہ عطا فرمایا تھا، ان دونوں میں ہر وقت لگے رہنا آپ کا محبوب ترین مشغلہ تھا، ان دونوں محبوب مشغلہ کے لیے آپ نے اپنے دماغ کی رگوں کا لہو نچوڑ دیا تھا، آپ کا خصوصی امتیاز یہ تھا کہ اعلیٰ ترین صلاحیت کے باوجود چھوٹی سے چھوٹی کتابوں کی تدریس کی ذمہ داری بھی قبول فرمالیتے اور چھوٹی کتابوں کی تدریس میں آپ کو کوئی بار محسوس نہیں ہوتا تھا، درس نظامی کی چھوٹی بڑی بہت سی کتابوں کی آپ نے تدریسی خدمت پوری کامیابی کے ساتھ انجام دی، آپ کی تدریسی خدمات میں دیگر کتابوں کے ساتھ اہم ترین خدمات کتب حدیث کی تدریس ہے، آپ نے سالہا سال ابن ماجہ شریف کی تدریسی خدمت نہایت ٹھوس انداز میں انجام دی اور اس کے علاوہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ بخاری شریف کی تدریسی خدمت غایت درجہ انہماک کے ساتھ انجام دی، ایک وقت میں آپ کی توجہ کا سب سے اہم محور ومرکز بخاری شریف رہی ہے، بخاری شریف کی خدمت آپ نے کئی طرح انجام دی ہے، اس کی تدریسی خدمت تو انجام دی ہے اس کے علاوہ تالیفی خدمت بھی بخاری شریف کی نہایت شاندار تحقیق کے ساتھ انجام دی ہے، اہل علم میں کون نہیں جانتا کہ بخاری شریف کی اردو شروحات میں حضرت مولانا شیخ عبدالجبار صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مبسوط شرح امدادالباری کو ایک خاص تحقیقی مقام حاصل ہے، امدادالباری مبسوط اور مفصل ہونے کے باوجود ابھی ابتدائی مراحل میں تھی کہ حضرت مولانا شیخ عبدالجبار صاحب اعظمیؒ کا انتقال ہوگیا اور یہ بیش بہا شرح درمیان میں رہ گئی، اس تحقیقی اور تفصیلی شرح کا تکملہ تالیف کرنے کی سعادت حضرت مولانا زین العابدین صاحبؒ کے حصے میں آئی اور آپ نے دیگر اہم علمی وتحقیقی مصروفیات کے ساتھ ساتھ تکملہ امدادالباری کی کئی جلدیں سپرد قلم فرمائیں، ابھی یہ مبارک ومفصل تالیفی خدمت چل رہی تھی کہ آپ کو

بھی پروردگار عالم نے اپنے یہاں بلالیا، دیکھیے تکملہ کے مکمل کرنے کی سعادت کس کے حصے میں آتی ہے، بخاری شریف کی تدریسی وتالیفی خدمت کے علاوہ تحقیق وتفتیش کے وقیع ترین کاموں میں بھی ہر وقت بخاری شریف آپ کے پاس اور ہاتھوں میں رہتی تھی، بخاری شریف کی خدمت اور اس سے استفادہ کے علاوہ دیگر کتب حدیث کی کوئی متعین تعداد نہیں جن سے ہر وقت آپ استفادہ کر کے دوسروں کو افادہ فرماتے، مظاہر علوم سہارنپور اور اس سے پہلے حیدرآباد و بنارس وغیرہ میں آپ نے حدیث شریف کی خدمت کو اپنی زندگی کا محبوب مشغلہ بنالیا تھا اور اسی مبارک ومسعود مشغلہ میں آخر وقت تک آپ مشغول رہ کر دنیا سے رخصت ہوئے، مظاہر علوم کی مدت قیام اور شعبہ تخصص فی الحدیث کی صدارت کی مدت میں صحاح ستہ کی کتابوں میں ابن ماجہ شریف کی تدریس اس کے ساتھ ساتھ رہی، اس تدریسی خدمت کے ساتھ تخصص فی الحدیث میں خداوند قدوس نے آپ سے جو علمی وتحقیقی خدمت انجام دلائی، وہ پورے ہندوستان کے لیے لائق فخر اور حضرت مولاناؒ اس کے لیے لائق صد افتخار اور قابل صد مبارکباد ہیں، آپ کی صدارت وسرپرستی اور نگرانی میں علم حدیث اور فن حدیث کی جو گرانقدر تحقیقی وتالیفی خدمت انجام دی گئی وہ اس صدی کی مایۂ ناز خدمت اور اہم وبنیادی تاریخی کارنامہ ہے جس کے بغیر ہندوستان کے دینی واسلامی مدارس کی تاریخ مکمل نہیں ہوسکتی، اس شعبہ اور اس علم وفن سے آپ نے دو طرح کی خدمت انجام دی ہے، اولاً آپ نے تخصص کے متعلمین طلبہ سے ہر سال مختلف النوع قیمتی تحقیقی مقالات تالیف کرائے، جو بلاشبہ علم حدیث اور فن حدیث کا تحقیقی کتب خانہ کہا جاسکتا ہے، اس قیمتی اور بیش بہا علمی خدمت کی نگرانی مختلف اساتذہ کے تعاون سے آپ نے خود فرمائی اور ان علمی وتحقیقی مقالات کی سماعت یا ان پر نظر ثانی آپ نے بنفس نفیس کی ہے، جس کے لیے ایک طرف اگر باصلاحیت طلبۂ عزیز نے اپنی تمام تر محنت وجد وجہد خرچ کی اور راتوں کو جاگ کر اس باغ کو سینچا ہے، تو دوسری طرف مولاناؒ نے اپنی زندگی کی تمام تر مطالعاتی صلاحیت اور خون جگر اس خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا اور یہ لکھنے میں کوئی تأمل نہیں کہ اس گرانقدر علمی خدمت انجام دینے اور کتب خانہ کے تیار ہونے میں طلبۂ عزیز سے زیادہ خود مولانا کے افادہ کو دخل ہے، آپ کی صدارت ونگرانی میں لکھے جانے والے یہ علمی مقالات ہندوستان میں علم حدیث کا بہترین اور قیمتی اثاثہ اور علم حدیث کی خدمت میں زبردست اضافہ ہیں اور حضرت مولاناؒ کی خدمت پورے ادارے

ن کے لیے صدقہ جاریہ ہے۔

ثانیاً شعبۂ تخصص فی الحدیث نے آپ کی نگرانی میں باصلاحیت اور تحقیقی خدمت انجام دینے والے طلبہ اور علما کی ایک جماعت تیار فرمادی، آپ کی تدریسی محنت، احادیث کی طلب وتلاش کی تفویض ورہنمائی، رجال اور اسماء رجال کی تفتیش، کتابوں میں ان کے مظان کی ہدایت اور مبہمات کی تخریج اور آخر میں تحقیقی مقالہ لکھا کر طلبۂ عزیز کو محنت ہی نہیں بلکہ تحقیق وتفتیش یا اس سے پڑھ کر تنقید وغیرہ کے قابل بنا کر ان کو اس میدان کا شہسوار اور کندن بنادینا حضرت مولانا کا مشفقانہ اور مربیانہ مزاج اور عادت ثانیہ تھی، دراصل آپ کی ذات میں افراد سازی کا مزاج تھا اور خواہش وتمنا یہ رہتی اور ہوتی تھی کہ امت میں باصلاحیت وباکمال افراد پیدا ہوں، جو علم وتحقیق کے میدان میں بھرپور خدمت انجام دے سکیں، چنانچہ یہ لائق تحسین خدمت آپ نے انجام دیا اور قحط الرجال کے اس دور میں آپ نے باصلاحیت علما اور محققین کی ایک جماعت تیار فرمادی، جو ہند وبیرون ہند علمی، دینی وتحقیقی خدمت انجام دے رہی ہے، ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

ع: این کار از تو آید ومرداں چنیں کنند

تحقیق وتفتیش، کتابوں کی عمیق چھان پھٹک اور کتابوں سے کتابوں کا مقابلہ کر کے علم وتحقیق کے موتی نکالنا اور تاریخ وسیر اور حدیث ورجال کی حقیقت کا پتہ لگا کر صحیح نتیجہ اور بات کی تہ تک پہنچنا یہ ایک مستقل اور بہت مشکل فن اور قابل قدر ولائقِ داد خدمت ہے، اس خدمت کے ماہرین دنیا میں کم ہوتے جارہے ہیں، حضرت مولانا زین العابدین صاحبؒ یقیناً ہندوستان میں عظیم شخصیت کے مالک، اکابر کی یادگار اور اسلاف کا نمونہ تھے، حضرت مولاناؒ کی شخصیت اور علم حدیث میں آپ کے انہماک اور مصروفیت کو دیکھ کر قدیم اساطین علم، حضرات محدثین اور محققین ومؤلفین ومصنفین کی یاد تازہ ہوجاتی تھی، احقر کا عینی مشاہدہ ہے، نماز عصر کے بعد حضرت مولاناؒ کے گھر ان کی خدمت میں حاضر ہوتا، عموماً علما کے یہاں بعد نماز عصر وعظ وغیرہ کی کوئی کتاب پڑھ کر سنائی جاتی ہے، حضرت مولاناؒ کے یہاں یہ مبارک وقت انتہائی تحقیق وتفتیش اور تدریس میں صرف ہوتا تھا، ہلکی پھلکی سی بات چیت کبھی کبھار ہوجاتی، نماز عصر سے فراغت کے بعد علم حدیث کی تحقیق پر مشتمل کوئی مقالہ پڑھا جاتا اور حضرت مولانا اس کو لفظ بہ لفظ سماعت فرماتے، اس کی تصحیح کی نشاندہی فرماتے، جس کے لیے صحاح ستہ

اور حدیث شریف کے دیگر متون، شروح حدیث، لغات وغیرہ کی کتابوں سے مقابلہ و تصحیح کی جاتی، کبھی اردو کا کوئی تحقیقی مضمون سنایا جاتا، کبھی تحقیق کے لیے کسی کا فون آجاتا، تو آپ فون پر ہی رہنمائی فرمادیتے، عصر بعد کی مختصر مجلس میں بھی بڑے بڑے تحقیقی کام انجام پاتے، تحقیق کے لیے کتابوں کی ورق گردانی، کتابوں سے کتابوں کے مقابلے میں لمحہ بھر کی تاخیر نہ ہوتی تھی، محقق کسے کہتے ہیں اور تحقیق کیا ہوتی ہے اور کیسے ہوتی ہے؟ یہ حضرت مولاناؒ کے یہاں دیکھنے اور سیکھنے کو ملتا تھا، آپ کی تحقیق و تفتیش کا نتیجہ تھا کہ آپ نے بعض بڑے نامور صاحب قلم اور مایہ ناز ادیب کی ایک اہم قیمتی کاوش پر شاہکار تنقید فرمائی اور اس کا علمی احتساب فرمایا، جس پر وہ صاحب قلم برافروختہ اور چیں بہ جبیں ہوگئے، اس کے علاوہ بھی آپ نے کئی اہل علم کی کتابوں کا علمی احتساب فرمایا، یہ علمی احتساب شائع بھی ہو چکا ہے، آپ نے جو علمی تحقیقی خدمت انجام دی اور آپ کی نگرانی و سرپرستی میں جو تحقیقی کام انجام دیا گیا ہے، یقیناً لائق تحسین اور قابلِ تقلید ہے اور وہ ایک کتب خانہ سے کم نہیں ہے۔

حضرت مولاناؒ کی شخصیت جامع الکمالات اور منبع الحسنات تھی، قدرت نے جہاں آپ کو علمِ حدیث اور اسماء الرجال میں تبحر عطا فرمایا تھا ساتھ ہی آپ کو قرأتِ قرآن کریم کا بھی ملکہ عطا فرمایا تھا، حدیث و رجال کے ساتھ ساتھ آپ قرأت سبعہ کے بھی غواص و شناور اور اس مبارک و دقیق فن کے بھی ماہر تھے، تجوید و قرأت سے بھی غیر معمولی حصہ آپ کو عطا ہوا تھا، چنانچہ آپ کبھی کبھی مختلف قرأتوں میں قرآن شریف کی تلاوت فرماتے، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ مظاہر علوم دارِ جدید کی مسجد میں ایک قاری صاحب نے خلافِ معمول کسی قرأت میں قرآن شریف کی تلاوت کی، حضرت مولانا مرحومؒ نے بعد نماز فرمایا کہ یہ قرأت صحیح نہیں ہے، قاری صاحب نے کہا کہ فلاں کتاب میں اس طرح ہے، اس پر حضرت مولاناؒ نے ارشاد فرمایا کہ جس کتاب کی عبارت کا حوالہ دیا گیا اس کا مطلب وہ نہیں ہے، جو قاری صاحب موصوف سمجھ رہے ہیں؛ بلکہ اس عبارت کا مطلب یہ اور اس طرح ہے، تب وہ قاری صاحب سمجھ سکے کہ آپؒ قرآن شریف کی قرأت سے اچھی طرح واقف؛ بلکہ قرأت سبعہ کے ماہر ہیں۔

ان علومِ عالیہ اور مبارکہ کے ساتھ آپ فارسی زبان کے بھی ماہر اور درسِ نظامی میں شامل تمام کتابوں کے استادانہ صلاحیت کے مالک تھے، چنانچہ آپ نے رحمٰن علی مرحوم مورخ ہند کی فارسی کتاب

میں تاریخی کتاب کا اردو ترجمہ کیا اور حق یہ ہے کہ بہت شاندار ترجمہ کیا ہے، جس سے آپ کی فارسی زبان میں مہارت کے ساتھ ترجمہ نگاری کی صلاحیت اور مزاج ظاہر ہوتا ہے، یہ کتاب دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ ''تذکرۂ علمائے ہند'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

حضرت مولانا زین العابدین صاحبؒ کی زندگی ان غیر معمولی صلاحیتوں اور اعلیٰ ترین کمالات کے ساتھ متصف ہونے کے باوجود بڑی سادہ تھی، بناوٹ تکلف اور تصنع کسے کہتے ہیں؟ مولاناؒ کے یہاں شاید اس کا گزر بھی نہیں ہوا تھا، عام لباس، عام خوراک، عام نشست گاہ، چھوٹا اور سادہ مکان، عام انداز میں کہیں کا بھی سفر، عام انداز میں سب کے ساتھ ملنا جلنا، کسی کے یہاں جانے میں نہ کوئی تکلف اور نہ کوئی شرط، حسب موقع اور حسب ضرورت کھانا خود بنالینا، مہمانوں کی ضیافت، خود چائے بنا کر دینا، برتن خود دھونا اور کوئی بھی چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا کام خود کر لینا، حضرت مولاناؒ کے مزاج میں داخل تھا، جس کے کرنے اور انجام دینے میں کوئی تکلف نہیں ہوتا تھا، یہ عادت شریفہ حضرت مولاناؒ کی تواضع کے ساتھ آپ کی بڑائی کی علامت ہے۔

نہد شاخ پر میوہ سر بر زمیں

حضرت مولاناؒ کو علمِ دین کا حقیقی ثمرہ اور نتیجہ حاصل تھا، جس کی بنا پر علم کے اس بحر زخار سے تواضع اور منکسر المزاجی ہر وقت ظاہر ہوتی رہتی تھی، اس علمی تبحر کے باوجود تفوق کا اظہار نہیں ہوتا تھا، کسی پر ڈانٹ ڈپٹ، ملامت، پھٹکار، دار و گیر اور تعلّی وغیرہ، تکلفانہ مزاج و انداز سے آپ یکسر خالی تھے، لمثل هذا فليعمل العاملون۔

مذکورہ بالا علمی و فنی کمالات کے ساتھ ساتھ حضرت مولاناؒ کی زندگی کا اہم حصہ صبر آزما حالات سے دوچار ہونا اور ان پر صبر کرنا ہے، حضرت مولاناؒ کی زندگی میں عسرت و تنگی کا بڑا ہی پریشان کن وقت گزرا ہے، مگر آپ نے عسرت اور پریشانی کے سارے اوقات اور مدت کو انتہائی صبر اور رضا بہ قضاء کے ساتھ گزارا ہے، صبر، کفایت شعاری اور قناعت پسندی آپ کا خصوصی وصف تھا، قرآنی کریم کا مژدہ جانفزا ﴿إنما يوفى الصابرون اجرهم بغير حساب﴾ یقیناً آپ کو حاصل ہوگا۔

آپ کی وفات و انتقال سے ایک اہم علمی و تحقیقی خلا پیدا ہو گیا ہے، آپ کے متعلقین بالخصوص آپ کے تیار کردہ تلامذہ آپ کی جدائی سے مغموم اور ارباب علم کا ایک قدرداں طبقہ آپ کے استفادہ

سے محروم ہوگیا ہے، آپ کے بغیر یہ بزم حدیث اداس، یہ محفل آزردہ اور پورا ماحول غمگین ہے، آنکھیں اشک بار اور علم کے شیدائی سوگوار ہیں، رب العالمین سے خصوصی درخواست ہے کہ حضرت مولانا کو جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین، وماذلک علی اللہ بعزیز۔

القلب محترق والدمع مستبق

والکرب مجتمع والصبر مفترق

دل جل رہا ہے اور آنکھیں اشک بار ہیں، درد جمع ہے اور صبر منتشر ہے۔

☆☆☆

محدثِ کبیر

حضرت مولانا زین العابدین صاحبؒ: نقوش وتأثرات

مولانا محمد ادریس گودھروی، استاذ جامعہ کنز العلوم، جمال پور، احمد آباد، گجرات

حضرت مولاناؒ کی ذات گونا گوں صفات کی حامل تھی، رسوخ فی العلم، تواضع، قناعت، انتہائی درجہ کی سادہ مزاجی، اخلاقی بلندی، عقیدہ کی پختگی، افراد سازی، اور اخلاص وللٰہیت وغیرہ جیسی بلند وبالا صفات آپ کی طبیعتِ ثانیہ بن چکے تھے، خود غرضی اور مصلحت پسندی سے آپ کوسوں دور تھے، دیگر علوم وفنون کے علاوہ آپ کو حدیث اور فن اسماء الرجال سے خاص مناسبت اور اس سے غیر معمولی شغف تھا۔

صاحب ''الطیب الذکی'' حضرت مولانا عبد الغفار صاحب بستوی (استاذ حدیث مدرسہ امینیہ، دہلی) آپ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''علمِ حدیث کی خدمت کرنے والوں سے دنیا خالی نہیں، ایک سے بڑھ کر ایک موجود ہیں، سبھی اپنی جگہ قابلِ احترام وتعظیم اور ان کی خدمات مسلم ہیں؛ لیکن حدیث اور صاحبِ حدیث علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام سے غایت درجہ عشق، علمِ اسماء الرجال سے گہری مناسبت اور متونِ حدیث پر نہایت وسیع نگاہ رکھنے والا آپ کے مانند میری نظر میں نہیں ہے''۔

اصلاحی تعلق: حضرت صرف علم وفن کے حامل نہ تھے، بلکہ اصلاح ظاہر وباطن کے جوہر سے آراستہ اور روحانی مزاج کے بھی حامل تھے، بالآخر آپ کا روحانی مزاج آپ کو سب سے پہلے آستانہ مدنی پر کھینچ لے آیا، اور آپ حضرت مدنیؒ کے در سے وابستہ ہوگئے، آخر میں حضرت مولانا عبد الجبار صاحبؒ کے دامنِ عقیدت سے وابستہ ہوکر اجازت وخلافت کی عظیم روحانی سوغات سے مشرف ہوئے۔

حضرت مولاناؒ نے اپنی زندگی کے چند رمضان شمالی گجرات کے ''ایلول'' میں پہلے عشرہ کا اعتکاف فرمایا اور آپ نے قلوب کو عشق ومستی سے گرما کران کو صیقل کرنے کا کام انجام دیا، حضرت

مولانا کے مریدین کی تعداد ہزاروں سے بھی متجاوز ہیں اور کچھ لوگوں نے اپنا تزکیہ کرا کر اجازت وخلافت بھی پائی، ان میں قابلِ ذکر حضرت مولانا قاری عبدالستار صاحب اسلام پوری (استاذ حدیث جامعہ امداد العلوم، وڈالی) ہیں، نیز یوپی کے حضرت حافظ عبداللطیف صاحب مرحوم اور جناب ممتاز احمد صاحب پہلوان بھی مجاز ہیں۔

درسی خصوصیات: (۱) آپ ہمیشہ اس بات کے کوشاں رہتے کہ شاگردوں کا مزاج علمی اور تحقیقی بنے، جس کے لیے آپ طالبِ علم کو حدیث کے متابعات وشواہد تلاش کرنے کا مکلف بناتے، مشکوٰۃ پڑھتے وقت لمبی لمبی شروحات دیکھنے کے بجائے مصنف کے ذکر کردہ حوالوں کو اصل کتاب سے ملانے کا اہتمام فرماتے، جس کے نتیجے میں متنِ حدیث کے بہت سے ''سقطات'' کی نشان دہی ہوجاتی تھی اور حدیث کے مختلف الفاظ سامنے آجانے کی وجہ سے حدیث کی شرح خود بہ خود سمجھ میں آجاتی تھی۔

(۲) ایک خصوصیت یہ تھی کہ حدیث کی سند پر مستقل نظر رکھنے کی طلبہ کو تلقین فرماتے تھے، مسلم شریف میں امام مسلمؒ ایک حدیث کے جمیع طرق اور ان کے مختلف الفاظ ایک ہی جگہ ذکر کردیتے ہیں، اس میں آپ مدارِ سند، متابع اور متابَع اور شاہد پر مستقل نگاہ رکھنے کی ہدایت فرماتے تھے، جس کی وجہ سے طلبہ اصولِ حدیث کی طرف بھی متوجہ رہتے تھے، اور ان کا فنی ذوق بھی پروان چڑھتا تھا۔

(۳) ایک خصوصیت یہ تھی کہ دورۂ حدیث میں دورانِ درس اکثر کنیتوں اور القاب کے اسمائے گرامی ضرور دریافت فرماتے رہتے تھے، جس کی وجہ سے طلبہ کو اسماء الرجال سے دلچسپی پیدا ہونے لگتی تھی۔

(۴) ایک خصوصیت یہ تھی کہ شعبۂ تخصص فی الحدیث میں کوئی کتاب پڑھانے کے دوران اکثر ائمۂ حدیث اور ائمۂ جرح وتعدیل میں سے کسی کا نام آجاتا تو فوراً اس کا سن وفات، دریافت فرماتے، جس کی وجہ سے طلبہ کو مشہور ائمۂ حدیث، اور ائمہ جرح وتعدیل کا سن وفات یاد ہوجاتا، اور طلبہ اگلے سبق کے مطالعہ کے دوران ایسے ائمہ کا سن وفات یاد کرنے کا اہتمام کرتے تھے، اور شاگردوں کو اس فن کی نزاکت اور اس کی باریک بینی کا اندازہ ہوتا رہتا تھا۔

فن تجوید وقراءت سے دل چسپی: حضرت مولاناؒ کو فن قراءت سے بھی خاص

دل چسپی تھی، ۱۳۷۸ھ میں جب احیاء العلوم مبارک پور میں تدریسی خدمات کے لیے آپ کاتقرر ہواتو اس عرصہ میں قاری ظہیر الدین صاحب معروفیؒ سے قراءت سبعہ متواترہ کو حاصل کیا، اور اس فن سے برابر وابستہ رہے، یہاں تک کہ ۱۳۹۹ھ کے آخر میں شمالی گجرات کے علاقہ پالن پور کے مشہور و معروف ادارہ ''جامعہ اسلامیہ دارالعلوم چھاپی'' میں حضرت مولاناؒ کا درس حدیث کے لیے تقرر ہوا، اور اسی سال حضرت مولانا قاری عبدالستار صاحب اسلام پوری کا بھی ابتدائی عربی وشعبۂ تجوید میں تقرر ہوا تھا، حضرت مولاناؒ نے تجوید کا ذوق وشوق دیکھ کر قاری عبدالستار کو قراءت سبعہ کی ابتداء کروادی، اور تقریباً ڈھائی سال کی مدت میں تکمیل فرمائی۔

اللہ تعالی نے حضرت مولاناؒ کے ذریعہ شمالی گجرات میں علم تجوید کے ساتھ قراءت سبعہ کے سلسلہ کو جاری فرمادیا، جس کا فیض ہنوز جاری ہے، دارالعلوم چھاپی کے اس وقت کے مہتمم حضرت مولانا حبیب اللہ فیروز پوریؒ کو جامعہ میں قراءت سبعہ کے شروع ہو جانے سے بے انتہاء مسرت ہوئی، اور آخر سال کے انعامی جلسہ میں جس طرح قاری عبدالستار صاحب کو انعام واکرام سے نوازا گیا، اُسی طرح حضرت مولاناؒ کو بھی ''مجمع بحار الانوار'' کا مکمل سیٹ بطور انعام عطا کیا گیا۔

دارالعلوم چھاپی میں حضرت مولاناؒ سے قراءت سبعہ کی تعلیم حاصل کرنے والوں میں قاری محمود صاحب راجستھانی، (مدرس جامعہ بھوج) قاری سیف الدین صاحب اسلام پوری (سابق مدرس تجوید وقرأت دارالعلوم چھاپی) قاری محمد عباس صاحب سیندھنی (سابق مدرس شعبۂ تجوید کنز مرغوب فیض صفاپٹن) وغیرہ قابل ذکر ہیں، نیز حضرت مولاناؒ کا آخر وقت تک معمول تھا کہ یومیہ قراءت سبعہ میں چند آیات کی تلاوت فرماتے تھے، خواہ سفر ہو یا حضر۔

چند سال قبل شمالی گجرات کے سفر پر تشریف لائے تھے، ساتھ میں قرآن شریف لانا بھول گئے تھے، دارالعلوم چھاپی میں قاری سیف الدین صاحب کا کلام مجید منگوا کر سبعہ کے مطابق قراءت کی ،اس کا نتیجہ تھا کہ آخر عمر تک علم حدیث کے ساتھ بے انتہا شغف کے ساتھ قراءت سبعہ کے اختلافات بھی برابر یاد تھے، بہت سے اہل مدارس اس فن سے بے اعتنائی برتتے ہیں، جس کی وجہ سے حضرت مولاناؒ اس فن کو مظلوم فن سے یاد فرماتے تھے، آپ کی دلی خواہش تھی کہ تمام مدارس عربیہ و مراکز علمیہ میں اس فن کی تعلیم کا باقاعدہ مستقل اور مکمل نظام ہو۔

علمی مجلس: آپ کی علمی مجلس جو بعد العصر ہوا کرتی تھی اس میں اکثر علمی تحقیق کا کام، بہت سی کتابوں پر نظر ثانی فرما کر اغلاط کی نشان دہی فرماتے، تقاریظ تحریر فرماتے، اور اسی طرح کے کام انجام دیتے۔

اب جامعہ مظاہر علوم میں تخصص فی الحدیث کے دوران پیش آمدہ چند واقعات ذکر کرتا ہوں، حضرت مولاناؒ سے میری پہلی ملاقات اس وقت ہوئی جب کہ میں ۱۴۲۷ھ میں جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل میں دورۂ حدیث پڑھ رہا تھا، حضرت مولانا جامعہ میں تشریف لائے، تو بعض طلبہ نے حضرت مفتی محمود صاحب، بارڈولی مدظلہ العالی سے درخواست کی کہ حضرت مولانا سے درخواست کی جائے کہ حدیث کا کوئی ایک درس پڑھادیں، چنانچہ حضرت مولانا نے درخواست قبول فرمالی، اور فوراً تیار ہوگئے، اور بخاری شریف جلد ثانی کا ایک درس دیا، درس کیا تھا، مولانا کی محدثانہ شان کی ایک جھلک تھی، حالاں کہ مولانا کوئی مطالعہ بھی کر کے نہیں آئے تھے، جہاں سبق تھا وہیں سے پڑھانا شروع کردیا، درس کے بعد کچھ طلبہ مدرسہ کے مہمان خانہ میں حضرتؒ سے خصوصی ملاقات کے لیے گئے، جس میں بندہ بھی شریک تھا، فن حدیث کے موضوع پر گفتگو کا سلسلہ جاری تھا، کہ ایک طالب علم نے حضرتؒ سے درخواست کی کہ حدیث کی اجازت موجود طلبہ کو عنایت فرمادیجیے، اس پر مولانا نے فرمایا کہ حدیث کی اجازت اتنی آسانی سے نہیں دی جاسکتی، حدیث کی اجازت لینی ہو تو ایک سفر مظاہر علوم کا کیجیے، غرض اس ملاقات سے میں مولانا کی سادگی، تواضع، اور علمی رسوخ سے بہت متأثر ہوا۔

آپ کی شفقت: دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد میں تخصص فی الحدیث کے ارادے سے سہارن پور گیا، داخلہ کی کارروائی سے کچھ دن پہلے ہی پہنچ گیا تھا، ان فرصت کے ایام کو غنیمت جان کر میں عصر کے بعد مولاناؒ کے گھر چلا جاتا، جہاں دو تین اساتذہ اور دو تین طلبہ کا مجمع ہوتا تھا، عصر کے بعد کی اس مجلس میں حضرت مولانا کے سامنے ماہنامہ مظاہر علوم میں تبصرہ کے لیے ارسال کی ہوئی کوئی کتاب یا تو مولانا خالد سعید صاحب اعظمی مدظلہ العالی، (استاذ شعبۂ تخصص فی الحدیث) یا مولانا خالد عبداللہ صاحب مدظلہ العالی (ایڈیٹر ماہنامہ مظاہر علوم) پڑھ کر سناتے، حضرت مولاناؒ سنتے جاتے، اور تصحیح فرماتے جاتے، اگر کہیں غلطی محسوس فرماتے تو نشان لگاتے اور اصلاح کا حکم فرماتے۔

میں جس وقت پہلی مرتبہ اس مجلس میں شریک ہوا تو تاریخ سے متعلق کوئی کتاب پڑھی جارہی تھی، مولانا خالد عبداللہ صاحب نے کسی واقعہ کا سنہ وقوع ۱۳۵۴ھ پڑھا، حضرت مولاناؒ نے سنتے ہی فوراً فرمایا کہ نہیں، اس واقعہ کا سنہ وقوع ۱۳۴۵ھ ہونا چاہیے، اس پر مولانا خالد صاحب نے عرض کیا جی ہاں! ۱۳۴۵ھ ہی ہے، مجھ سے پڑھنے میں غلطی ہوئی، یہ کوئی اتفاق یا ایک واقعہ نہیں تھا، بلکہ ایسے واقعات تو روزمرہ پیش آتے رہتے تھے، اس واقعہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت مولاناؒ کو تاریخی سنہ کتنے مستحضر تھے، حالاں کہ اس وقت حضرت مولانا اپنی عمر عزیز کے چھہترویں سال میں تھے۔

میری سند میں مطلوبہ نمبرات کے لیے صرف آدھائی صد کم تھا، اس لیے داخلہ امتحان میں شمولیت سے مجھے روک دیا گیا، اس لیے میں بڑوں کے مشورے سے ''سماعت'' کے لیے رک گیا، کچھ دنوں کے بعد باقاعدہ اسباق شروع ہوگئے، میرے ساتھ سماعت کرنے والے اور بھی دو چار طلبہ تھے، داخل طلبہ اور سماعت کرنے والے طلبہ کے درمیان فرق تو کیا جاتا ہی ہے؛ لیکن مولانا یہ تفریق نہیں برتتے تھے، وہ اپنی خصوصی توجہ ان طلبہ کی طرف مبذول فرماتے جو ذوق وشوق کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہتے تھے، مغرب کے بعد مطالعہ کے لیے داخل طلبہ کے لیے دارالمطالعہ میں تنگی کی وجہ سے چار سماعت کرنے والوں میں سے دو کے لیے حضرت مولانا کے دارالمطالعہ میں انتظام کیا گیا۔

خوش قسمتی سے میرے لیے حضرتؒ کے دارالمطالعہ میں انتظام ہوگیا، یہ میرے حق میں بہت مفید ثابت ہوا، ایک طرف حضرت اپنے مطالعہ میں مشغول ہوتے، تو دوسری طرف سامنے والی تپائی پر میں ہوتا تھا، حضرتؒ سے اس طرح قربت اور ان کی خدمت کا موقعہ ملا۔

اس وقت یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک مرتبہ میں ''جمع الفوائد'' میں مذکور موطا امام مالک کی روایت اصل کتاب میں تلاش کررہا تھا، (جمع الفوائد حضرت مولانا ہی پڑھاتے تھے، اور طریقۂ تدریس یہ تھا کہ احادیث کی اصل کتابوں سے تخریج کرنا طلبہ کے ذمہ تھا،) لیکن کافی تلاش کے بعد روایت نہیں مل رہی تھی، حضرت اپنے مطالعہ کے دوران روایت نہ ملنے پر میری بے چینی کا مشاہدہ کررہے تھے، اچانک مولانا نے فرمایا، کہ کیا بات ہے؟ روایت نہیں مل رہی ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! اس پر حضرت نے اپنی جمع الفوائد کھول کر وہ روایت تلاش کی، لیکن سوئے اتفاق کہ وہ روایت نہیں ملی،

نماز کا وقت ہوگیا تھا، کتاب بند کردی اور فرمانے لگے کہ مولوی ادریس! پتہ ہے کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا جی نہیں، پھر حضرت مولانا مسکرا کر فرمانے لگے کہ دراصل بات یہ ہوئی کہ جب آپ کو روایت نہیں مل رہی تھی، تو میرے دل میں آیا کہ میں اسے تلاش کرلوں گا، میرے دل میں اپنی ذات پر بھروسہ کی کیفیت پیدا ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نگاہ ہٹ گئی، تو انجام یہ ہوا کہ مجھے بھی روایت نہیں ملی۔

اللہ پر بھروسہ: اس کے بعد حضرت مولانا زین العابدین صاحب علیہ الرحمۃ نے اسی نوع کا اپنا ایک واقعہ سنایا کہ جب آسام کے ایک مدرسہ میں میرا تقرر ہوا، تو مجھے بذریعۂ خط پہلے ہی مطلع کردیا گیا کہ آپ کے ذمہ فلاں فلاں کتاب ہوگی، ان کتابوں میں ایک کتاب وہ تھی جس کو میں نے زمانۂ طالبِ علمی میں درساً نہیں پڑھا تھا، اب جو کتاب میں نے پڑھ رکھی تھی، اس کے متعلق تو میرے دل میں خیال آیا کہ اس کتاب کو تو میں بہت اچھی طرح پڑھا لوں گا، اور جو کتاب پڑھی نہ تھی اس کے بارے میں اللہ سے دعا کررہا تھا کہ اللہ تعالیٰ مدد و نصرت فرمائیں، اور ہر وقت رجوع کی کیفیت رہتی تھی، جب مدرسہ میں تدریسی سلسلہ شروع ہوا اور دونوں کتابیں پڑھانی شروع کی تو ششماہی کے بعد طلبہ نے درخواست دے کر وہ کتاب میرے ذمہ سے ہٹوادی جس کو میں نے درساً پڑھا تھا، طلباء کی شکایت یہ تھی کہ اطمینان بخش سبق نہیں ہوتا، برخلاف اس کتاب کے جس کو میں نے پڑھا نہ تھا وہ ذمہ میں باقی رہنے دی گئی اور اس کی تدریس پر اطمینان کا اظہار کیا گیا۔

اس واقعہ کو سنانے کے بعد حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ ایسا ہی انجام ہوتا ہے، جب آدمی اپنی ذات پر بھروسہ کرلیتا ہے، اسی دوران حضرت مولاناؒ نے شفقت فرماتے ہوئے ہمارے مطالبہ کے بغیر ''علل الترمذی'' اور مقدمۂ ترمذی کو خارج میں پڑھایا، جس کی وجہ سے بہت فائدہ ہوا۔

دوسرے سال شعبۂ تخصص فی الحدیث کو اپنی پرانی جگہ سے منتقل کرکے زکریا منزل لے جایا گیا، وہاں پہنچ کر شعبہ کی ایک چابی حضرت مولاناؒ کے پاس رہتی تھی، اور ایک چابی حضرت نے مجھے سپرد فرمائی، یہ بھی حضرت مولانا کی ذرہ نوازی تھی کہ داخل طلبہ کو چھوڑ کر مجھ پر اعتماد کرتے ہوئے اتنے بڑے شعبہ کی چابی مجھے عنایت فرمائی، نیز یہاں پہنچ کر اگالدان دھونے اور مولانا کی نشست کی صفائی کی خدمت بھی میرے حوالے فرمائی، تقریباً پورے سال یہ خدمت انجام دینے کی سعادت میرے حصے میں آئی، اسی طرح وہیل چیر کے ذریعے گھر پہنچانے، اور مسجد بہادر ان میں عشاء کی نماز کے لیے

لے جانے کی خدمت بھی کبھی کبھی میرے حصہ میں آتی تھی۔

حضرتؒ کی مجھ پر توجہ: ایک مرتبہ دورانِ درس کسی راوی کا سنہ وفات دریافت فرمایا، لیکن جماعت میں کوئی بھی نہ بتا سکا، آخر میں مجھ سے پوچھا، حسنِ اتفاق سے مجھے یاد تھا، میں نے بتادیا، حضرتؒ بہت خوش ہوئے اور حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے کہنے لگے کہ داخل طلبہ اپنی جگہ رہے اور سماعت والا آگے بڑھ گیا، اس کے بعد اسی راوی کا سنہ وفات ''وفیات'' کی کاپی میں دیکھنے کا حکم فرمایا، حسنِ اتفاق سے میرے علاوہ کسی کی کاپی میں اس راوی کی وفات کے بارے میں سنہ درج نہیں تھا، اس پر بھی حضرت مولاناؒ نے حوصلہ افزائی کے کلمات ارشاد فرمائے۔

علم میں برکت کی دعا: ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ میں فجر کی نماز کے انتظار میں جامعہ کی مسجد میں صفِ اول میں بیٹھا ہوا تھا، حضرت مولاناؒ تشریف لائے، اور میرے قریب بیٹھ گئے، اور آہستگی کے ساتھ فرمانے لگے، شعبہ کی چابی جیب میں ہے؟ میں نے اثبات میں جواب دیا، تو حضرت مولانا نے فرمایا، نماز کے بعد شعبہ میں جا کر ''المعجم الصغیر'' میں فلاں راوی کی حدیث تخریج کر کے میرے گھر کتاب لے کر آنا، چنانچہ میں نماز سے فارغ ہو کر اس راوی کی حدیث تخریج کر کے حضرت کے دولت کدہ پر حاضر ہوا، وہاں حضرت مولاناؒ کے ساتھ مولانا عبد الغفار صاحب دامت برکاتہم بھی تشریف فرما تھے، حضرت مولانا نے وہ حدیث سند کے ساتھ پڑھنے کا حکم فرمایا، میں نے وہ حدیث سند کے ساتھ پڑھی، اس کے بعد حضرت مولانا نے صاحب معجم صغیر امام طبرانی کا نام اور سنہ وفات دریافت فرمایا، میں نے بتادیا، اس کے بعد دوسرا سوال یہ کیا کہ اگر یہ حدیث ''المعجم الاوسط'' میں ہو تو اس کی سند بھی یہی ہوگی، یا کوئی دوسری؟ میں نے عرض کیا کہ یہی سند ہوگی، اس پر حضرت مولاناؒ نے خوشی کا اظہار کیا اور بطور فخر مولانا عبد الغفار صاحب سے فرمایا کہ دیکھا ہمارے طالب علم کو؟ اتنا تو معلوم ہے کہ دونوں کتابوں کی سندیں ایک ہوتی ہیں۔

اس کے بعد مولانا نے مجھے دعا دیتے ہوئے فرمایا کہ مولوی ادریس! جاؤ اللہ تعالیٰ تمہارے علم میں برکت عطا فرمائیں، میں اس بات کو محسوس کر رہا تھا کہ حضرت نے خوش ہو کر دل کی گہرائی سے مجھے یہ دعا دی ہے، اس لیے میں آمین کہتے ہوئے خوشی خوشی وہاں سے اٹھا، اور میری آنکھیں خوشی کی وجہ سے اشک بار ہو چکی تھیں۔

رسالہ الاوائل: ایک اور نوازش کا ذکر پڑھ لیجیے، حضرت مولاناؒ کے یہاں معمول تھا کہ ہر دو سال میں ابن سنبل کی کتاب الاوائل (جو حضرت مولاناؒ کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ شائع ہوئی ہے) کا درس ہوتا تھا، اس کتاب میں تقریباً ۵۵؍ کتابوں کی پہلی حدیث ذکر کیگئی ہے، اوائل کے درس کے بعد حضرت مولاناؒ ان سب کتابوں کی اجازت طلباء کو مرحمت فرماتے، یہ سبق جمعہ کے دن ہوتا تھا، اس درس میں تخصص فی الحدیث کے دونوں سال کے طلباء اور دورۂ حدیث کے چند طلبہ کو شرکت کی اجازت ہوتی تھی، درس کی ابتداء اس طرح ہوتی تھی کہ اولاً ہر طالب علم سے ایک ایک حدیث پڑھواتے، اس طرح ۲۰؍۲۵؍ احادیث مکمل ہوجاتی، پھر باقی احادیث حضرت مولانا کسی ایک طالب علم سے پڑھواتے، جس کی تمنا ہر طالب علم کو ہوتی، خوش قسمتی سے حضرت نے وہ قرعۂ فال میرے نام نکالا، اور وہ سعادت میرے حصے میں آئی۔

فراغت کے بعد تعلق: مدرسہ سے رسمی فراغت کے بعد حضرت سے خط وکتابت کا سلسلہ جاری رہا، نیز کبھی کبھی بساط کے مطابق حقیر سا ہدیہ بھی ارسال کردیتا، حضرت مولانا بخوشی قبول فرما کر ممنون مشکور فرماتے، اِدھر حضرت بھی ہر وارد وصادر سے میرے متعلق دریافت فرماتے، اس دوران حضرت نے نوازش کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے ایک کتاب بھی ہدیہ میں ارسال فرمائی۔

تدریس کے چار سال کے دوران میں نے ''ہم علم حدیث کیسے پڑھیں؟'' کے عنوان سے کچھ منتشر مواد جمع کر کے حضرت مولانا کی خدمت میں نظر ثانی وتقریظ کے لیے ایک مختصر عریضہ کے ساتھ ارسال کیا، حضرت نے عریضہ پڑھتے ہی نظر ثانی شروع فرمادی، اور تقریباً ۶۰؍۷۰؍ صفحات کا مطالعہ فرما کر اغلاط کی نشان دہی فرمائی اور مختصر اپنی گراں قدر رائے گرامی بھی تحریر فرما کر حوصلہ افزائی فرمائی؛ لیکن افسوس صد افسوس! کتاب طبع ہونے کے دو دن کے بعد حضرت مولاناؒ اس دار فانی کو خیر باد کہہ کر خدا کے حضور جا پہنچے اور میں آپ کی جناب میں مطبوعہ نسخہ ارسال نہ کرسکا، جس کا مجھے بہت افسوس ہوا۔

زندگی کے آخری ایام میں شدید بیماری کے باوجود حضرت مولاناؒ ہشاش بشاش نظر آتے تھے، اور اپنے معمولات برابر ادا فرماتے رہے، آخر میں اپنی آپ بیتی ''اپنی باتیں'' کی تکمیل فرمائی، آپ بیتی کے آخر میں ''باب التوبہ'' قائم فرما کر تمام لوگوں سے معافی کی درخواست کی، آخر وقت میں حضرت مولاناؒ نے اپنے سب اہلِ خانہ سے مصافحہ فرمایا، آپ کے صاحب زادہ مولانا عبدالباسط صاحب

مدظلہ نے جب موت کے آثار محسوس کیے تو کلمہ تلقین کرنے لگے، حضرت نے فرمایا کہ کلمہ تو میں نے پڑھ لیا ہے، اور اللہ اللہ کا ذکر کرنے میں مشغول ہو گئے، اللہ اللہ کا ذکر زبان پر جاری تھا کہ جان، جانِ آفریں کے سپرد کر کے ہمیشہ کے لیے اس دارِ فانی کو خیر باد کہہ کے خدا کے حضور جا پہنچے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے، اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرما کران کا نعم البدل نصیب فرمائے، آمین۔

☆☆☆

المعارف دارالمطالعہ پورہ معروف کا اندرونی منظر

تصویر کی روشنی میں
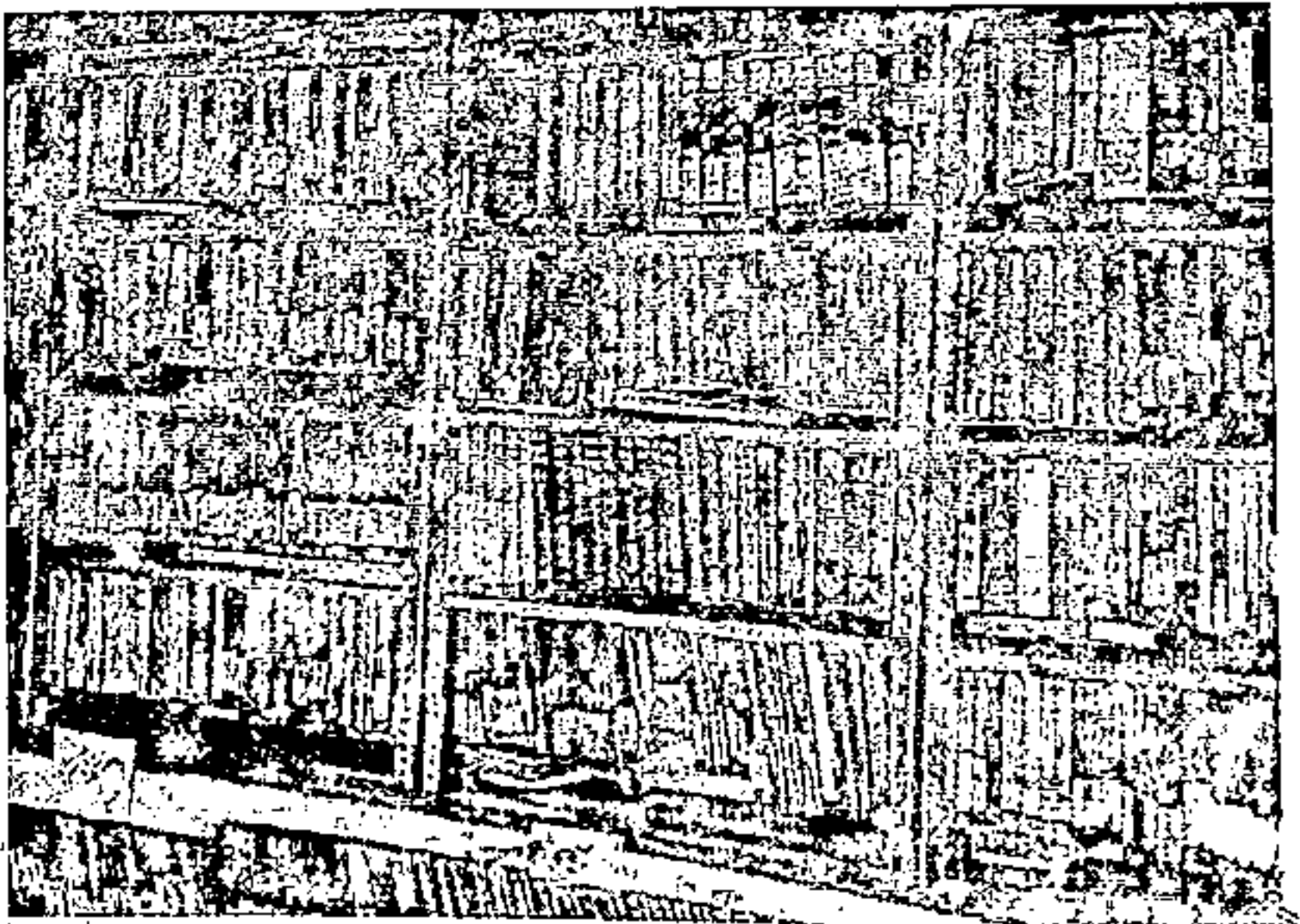
زین المحدثین حضرت مولانا زین العابدین صاحب معروفیؒ

کچھ یادیں، کچھ باتیں

مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی، سابق استاذ مدرسہ مظاہر علوم (وقف) سہارنپور
ومفتی دار الافتاء محکمۂ قضاء محلّہ قاضی، سہارنپور

زین المحدثین حضرت مولانا زین العابدین صاحب معروفیؒ کے انتقال کی خبر حضرت کے جملہ تلامذہ و متعلقین کو؛ بلکہ پورے جامعہ کو سوگوار و غم زدہ کرگئی، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

جامعہ مظاہر علوم کے اندر آپ طلبہ کے درمیان ''بڑے مولانا'' کے نام سے مشہور تھے اور آپ علم وتحقیق، اخلاص وللّٰہیت، سادگی و بے نفسی اور طلبہ پر شفقت و خردنوازی میں واقعۃً بڑے ہی تھے، ملک کے مشہور اہل علم و تحقیق میں آپ کا شمار ہوتا تھا، اللہ تعالیٰ حضرتؒ کے درجات کو بلند فرما کر اپنے جوار رحمت میں خاص جگہ مرحمت فرمائے، آمین۔

جامعہ مظاہر علوم کا شعبۂ تخصص فی الحدیث، جس کے آپ صدر نشین تھے پورے ملک میں آپ ہی کی وجہ سے طلبہ کی توجہات کا مرکز بنا اور ملک کے مختلف مدارس کے فارغین یہاں آکر، نیز آپ سے وابستہ ہوکر اپنی علمی تشنگی کی سیرابی کا سامان فراہم کرتے تھے، مظاہر علوم چوں کہ ایک مرکزی ادارہ ہے اور عالمی شہرت یافتہ؛ اسلئے یہاں کی نسبت سے آپ کی علمی و تحقیقی مہارت کی شہرت بہت جلد پورے ملک میں ہوگئی، اگر چہ اس سے قبل بھی آپ بطور شیخ الحدیث بعض بڑے مدارس میں تدریسی خدمات انجام دے چکے تھے۔

جس وقت آپ جامعہ مظاہر علوم میں بطور صدر شعبۂ تخصص فی الحدیث تشریف لائے اس وقت مدرسہ مظاہر علوم وقف کے ناظم حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحبؒ تھے۔ حضرت مولاناؒ مراجعت کتب کے سلسلہ میں اکثر مدرسہ مظاہر علوم وقف کے کتب خانہ تشریف لاتے رہتے تھے اور حضرت مفتی صاحبؒ سے ملاقات اور علمی گفتگو کی نوبت آتی رہتی تھی۔ حضرت مفتی صاحبؒ آپ کا احترام ولحاظ فرماتے اور بسا اوقات علمی تحقیقی تبادلۂ خیال بھی فرمایا کرتے تھے، جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ

دونوں حضرات ایک دوسرے کے معترف ومداح ہیں، دونوں حضرات کے درمیان علمی معیار مساویانہ محسوس ہوتا تھا۔ایک مرتبہ دونوں حضرات ایک علمی مسئلہ میں گفتگو فرمارہے تھے حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ اگر کسی جگہ کسی کتاب کا حوالہ درج ہوتو اصل ماخذ کو دیکھ لینا اور اس پر مطلع ہونا بیحد ضروری ہے، ورنہ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ اصل ماخذ میں اس حوالہ کا سیاق وسباق کچھ اور ہوتا ہے اور ناقل دوسرے سیاق وسباق میں اس کو نقل کردیا ہوتا ہے، جس کی وجہ سے بات بالکل دوسرے رخ پر چلی جاتی ہے، یہ بات سن کر حضرت مولاناؒ نے فوراً فرمایا کہ فلاں کتاب میں تو ایسا بہت ہے، حضرت مفتی صاحبؒ نے تبسم فرمایا اور فرمایا ہاں! ایسا ہی ہے، مگر میں نے ادباً نام نہیں لیا تھا، آپ نے تو صراحت ہی کردی۔ حضرت مولانا محمد عاقل صاحب دامت برکاتہم صدرالمدرسین جامعہ مظاہر علوم نے جب بذل المجہود شرح ابوداؤد نہایت اہتمام کے ساتھ طبع کرائی اور حضرت مولانا زین العابدین صاحبؒ کو پیش کی تو حضرت مولانا نے مطالعہ کے بعد فرمایا کہ کتاب میں ایک پورے ورق کا مضمون رہ گیا ہے، جو اس کی پہلی اشاعت ہی سے اس میں شامل نہیں ہے، یہ سن کر حضرت مولانا محمد عاقل صاحب کو فکر وحیرت ہوئی کہ اس مسامحت پر اب تک نہ میری نظر گئی اور نہ مجھ سے پہلے حضرات کی نظر جاسکی۔ اور حضرت مولانا کی اس نشاندہی پر بیحد ممنون ومسرور ہوئے، اس کے بعد وہ پورا ورق اصل ماخذ سے لکھوا کر طبع کرایا اور مطبوعہ نسخوں کو کھلوا کر ہر کتاب میں اس ورق کو شامل کرایا، فجزاھما اللہ تعالیٰ۔

فقہی اصول وضوابط پر مبنی کتاب ''قواعد الفقہ'' کے آخر میں اس کے مصنف حضرت مولانا مفتی سید عمیم الاحسان البرکتی (مفتی اعظم ڈھاکہ، بنگلہ دیش) نے اپنی سند ''سلسلۃ الذہب الیٰ ائمۃ المذہب'' کے زیر عنوان درج کی ہے، اس میں شمس الائمہ حلوانیؒ کے شاگرد شمس الائمہ سرخسیؒ کا نام رہ گیا ہے، اس کی نشاندہی حضرت الاستاذ مولانا مفتی مجدالقدوس صاحب دامت برکاتہم مفتی اعظم مدرسہ مظاہر علوم وقف سے حضرت مولانا نے فرمائی، نیز اس سند میں بعض نسبتوں کے ضبط کی تصحیح بھی فرمائی۔

حضرت مولاناؒ کے بعض معاصر اہل علم وافتاء نے فقہ وفتاویٰ کی بعض کتابیں اپنی زیر نگرانی اصلاح تصحیح وتعلیق کے عنوان سے شائع کیں مثلاً الاشباہ والنظائر اور فتاویٰ تاتارخانیہ وغیرہ اور حضرت مولانا سے اپنی طباعت واشاعت کی داد وتحسین چاہی، حضرت مولانا نے کتابوں کے مطالعہ کے بعد ان کی

مسامحات وفروگذاشات کی نشاندہی فرمائی جو ان (محققین وناشرین) کی توقع کے خلاف تھی وہ حضرات یہ دیکھ کر برافروختہ وبرہم ہو گئے اوران اصلاحات کوقبول نہیں فرمایا جس سے حضرت مولانا کو بھی انقباض وتکدر ہوا۔

واقعی علمی وتحقیقی دیانت وامانت کا تقاضا یہی تھا جو حضرت مولانا نے کیا، اپنی مسامحات وفروگذاشتوں کوتسلیم نہ کرنا یقیناً اخلاص وللّٰہیت کے منافی ہےاوراہل علم کی شان کے خلاف بھی۔

جب "نفح المشموم فی مدح مظاهر علوم" وقف کےقصیدہ نگارمولانا اطہر حسین اجراڑوی نے اپنا قصیدہ حضرت مولانا کو دکھایا،تواس میں حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوریؒ کے ذکر کےتحت یہ شعر درج تھا۔

لکنه قدصار صيدسياسة ودسائس الحذاق اهل تصيد

ترجمہ: لیکن مولانا باوجوداہل علم وفضل ہونے کے سیاست کا شکار ہو گئے اوران کا شکار کرنے والے وہ لوگ تھے جو میدان سیاست کے ماہر کھلاڑی تھے۔

اس کو پڑھ کر حضرت مولاناؒ کو کھٹک ہوئی اورقصیدہ نگار سے پوچھا کہ اس شعر سے آپ نے کس کی طرف اشارہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا! شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ کی طرف۔ یہ سن کر حضرت مولانا نے فوراً فرمایا کہ اس شعر کو اپنے قصیدہ سے حذف کردیجئے؛ کیونکہ اس سے قصیدہ مظاہرعلوم میں بےلطفی اور بدمزگی پیدا ہوجائے گی؛ مگر وہ اپنی خاص افتادطبع سے مجبور تھے، کہنے لگے کہ نہیں! یہ شعرتو اس قصیدہ کی جان ہے، میں اسے حذف نہیں کرسکتا! ان کے بارے میں مظاہرعلوم کے شیخ الادب حضرت مولانا محمداللہ صاحبؒ سابق ناظم جامعہ مظاہرعلوم، برابرمحل یہ شعر پڑھا کرتے تھے

بھردیں عجب ادائیں اس شوخ نیم تن میں
اک ٹیڑھ سادگی میں، اک سیدھ بانکپن میں

اللهم اغفرلهم وارحمهم واعف عن زلاتهم۔

حضرت مولانا مفتی مظفرحسین صاحبؒ کی وفات پر کچھ من گھڑت مناجات وبشارات کا ایک مجموعہ "بشارات رحمت" کے نام سے ایک طالب علم (فرضی مصنف) کی طرف نسبت کرتے ہوئے شائع کیا گیا اورمرکزی دینی مدارس کے محققین اہل علم وافتاء کی خدمت میں بغرض استفسار بھیجا گیا، بیشتر

حضرات نے اس کی تردید فرمائی اور علم وتحقیق کی میزان پر اس کو غیر متوازن قرار دیا اور بعض حضرات نے اس کو مجموعۂ لغویت قرار دیا۔

ہمارے حضرت مولاناؒ نے بھی اس کا نہایت جامع مانع رد، بلیغ عربی میں لکھ کر اصل مصنف کتاب کو بھیجا (جو سراپا پس پردہ تھے) مگر مصنف "بشارات رحمت" نے اپنی افتادِ طبع (اذیت واہانت آمیز جبلت) کی بنا پر اس علمی وتحقیقی جواب کا نہایت غیر سنجیدہ جواب "فتح العین لشیخ الزین" کے عنوان سے دیا، جس کے جواب میں حضرت مولانا نے مکمل خاموشی اختیار کی کہ بعض لوگوں کیلئے خاموشی ہی بہتر جواب ہوا کرتا ہے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے شیخ التفسیر اور ناظم تحقیقات شرعیہ حضرت مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی مدظلہ نے جب حضرت مولانا کی خبر وفات سنی، تو استرجاع کے بعد بے ساختہ فرمایا کہ مولانا کے یہاں استعداد بھی تھی اور استحضار بھی تھا اور پھر فرمانے لگے کہ ان کی تواضع اور اعتراف کی بات تھی کہ انہوں نے میرا کوئی فقہی مقالہ ملاحظہ فرمایا، تو بے تکلف مجھے لکھا کہ آپ عمر میں تو مجھ سے چھوٹے ہیں، مگر فقہ میں آپ کو درک مجھ سے زائد حاصل ہے، معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے فقہ میں خوب محنت کی ہے۔ اپنے کسی چھوٹے کی خوبی کا اعتراف اور اس کی تحسین کرنا حد درجہ للّٰہیت اور تواضع کی بات ہے۔ حضرت مولانا اپنے شعبۂ تخصص فی الحدیث جامعہ مظاہر علوم کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنے شعبہ کی آبیاری تواضع اور قدر ردانی سے کی ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ حضرت مولانا مردم شناسی کے ساتھ ساتھ مردم سازی کا وصف بھی اعلیٰ درجہ کا رکھتے تھے۔ احقر کو بھی الحمدللہ حضرت سے شرف تلمذ حاصل ہے احقر نے بارہا دیکھا کہ نہ جانے کتنے طلبہ کو مولانا ترغیب دیتے ان کے اندر امنگ اور ابھار پیدا کرتے اور پھر ان کو فن حدیث کے اصول وفروع، تخریج کا طریقہ اور جرح وتعدیل کا ادب وسلیقہ سمجھاتے اور سکھاتے۔

حضرت مولانا جامعہ مظاہر علوم کے اس وقت ایسے استاذ الاساتذہ تھے کہ آپ تمام علوم وفنون کے جامع، متداول نصاب کی ہر فن کی جملہ کتب پر آپ کو گہری دسترس حاصل تھی، بالخصوص فن حدیث وفقہ، فن تجوید وقرأت فن اسماء الرجال اور تاریخ وتصوف وغیرہ میں، طلبہ ہی نہیں بلکہ یہاں کے اساتذہ بھی آپ سے وقتاً فوقتاً رجوع کرتے تھے۔ آپ سے استفادہ کرنا بھی اتنا آسان تھا کہ درس گاہ

میں، جائے قیام پر، حتی کہ نماز وغیرہ کیلئے جاتے ہوئے راستہ میں بھی اگر کسی نے کوئی بات معلوم کی، تو آپ نے برجستہ اس کا جواب دیا اور سائل کی تشفی فرمائی، کسی سوال کے تفصیلی جواب کا موقع نہ ہوتا، تو دوسرے وقت بلا کر اصل ماخذ و کتاب کھول کر دکھاتے اور مسئلہ کو پوری طرح حل کرنے کی کوشش فرماتے یہی وجہ تھی کہ اس دور قحط الرجال میں دوسرے مدارس و جامعات کے اہل علم حضرات بھی اپنے تحقیقی مقالات حضرت مولاناؒ کی نظر سے گزارتے اور حضرت مولاناؒ جہاں کہیں محسوس فرماتے وہاں علمی و تحقیقی استدراک فرماتے۔ ایسی صلاحیت ولیاقت اور علمی مہارت کی جامع شخصیت مولانا کے بعد دوسری نظر نہیں آتی۔

ممکن نہیں بھلا سکے تم کو کبھی جہاں
تم سے جہاں میں لاکھ سہی تم مگر کہاں

☆☆☆

نہ جا ظاہر پرستی پر اگر کچھ عقل ودانش ہے
چمکتا جو نظر آتا ہے سب سونا نہیں ہوتا

حضرت مولانا زین العابدین علم وعمل کا سنگم

مولانا محمد سلمان قاسمی، استاذ مدرسہ خادم العلوم باغوں والی مظفر نگر

کثیر علمی اشتغال کے ساتھ ذکر واذ کار اور فکر آخرت کی دھن، درس وتدریس کے ساتھ تصنیف وتالیف کا ذوق، دعوت وتبلیغ سے دل چسپی، کارہائے مدرسہ کے ساتھ واردین وصادرین، چھوٹوں اور بڑوں کے ساتھ ان کے حسب حال معاملہ، چھوٹوں کو ابھارنے، بنانے اور سنوارنے کی فکر، یہ اور اس جیسے بہت سے اوصاف وخصائل کا کسی ایک شخصیت میں اجتماع اس دور زوال وانحطاط وعہد قحط الرجال میں نایاب اور عنقا ہوتا جارہا ہے۔ ان سب پر مستزاد: معاملات کی صفائی، تواضع، حق گوئی وبے باکی اور پھر مخاطب کو اپنا گرویدہ بنالینے کا گر بھی اگر نایاب نہیں تو قلیل الوجود ضرور ہے۔

ان صفات جمیلہ کی حامل جس شخصیت پر خامہ فرسائی کرنے جارہا ہوں، اس کا تعلق ہندوستان کے زرخیز خطہ ضلع اعظم گڑھ (حال مئو) کے مشہور ومعروف مردم خیز قصبہ پورہ معروف سے ہے، جو اپنی علمی ودینی معلومات اور خدمات کے لیے اپنی نظیر آپ ہے، جس کے دیگر علما ومشائخ کے علاوہ صرف شیخ الحدیث کے جلیل القدر منصب پر فائز علما کی تعداد ایک درجن سے متجاوز ہے، جس خطے کے صرف ایک گاؤں یا قصبے کا یہ حال ہو، اس کے دیگر قصبات اور شہروں کے علما وخدام دین کی تعداد کا اندازہ لگانا یا وہاں کے علمی ودینی مذاق کو سمجھنا کچھ مشکل نہیں۔

میری مراد حضرت مولانا زین العابدین صاحب سابق صدر شعبۂ تخصص فی الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارن پور سے ہے، جو اپنے گوناگوں اوصاف اور خوبیوں کی وجہ سے نہ صرف جامعہ مظاہر علوم کے طلبہ واساتذہ میں ہر دل عزیز رہے، بل کہ جس بھی ادارے میں تدریسی خدمات انجام دی ہیں، وہاں کے لوگوں نے آپ کو قدر ومنزلت کی نگاہوں سے دیکھا، مولانا بہت بڑے آدمی تھے، اس میں دورائے نہیں، لیکن تواضع کا ایسا حسین پیکر کہ دارالعلوم دیوبند میں سال فضیلت میں امتیازی نمبرات کے ساتھ فرسٹ پوزیشن سے کام یاب ہونے کے باوجود اپنی تدریس کا آغاز قاعدۂ بغدادی سے کر رہے ہیں، من تواضع للہ رفعہ اللہ، اللہ رب العزت نے آپ کو ایسا اونچا مقام ومرتبہ عطا فرمایا کہ قاعدۂ بغدادی سے دورۂ حدیث شریف تک کے تمام علوم وفنون کی جملہ کتابیں پڑھائیں۔ آخری عمر میں شیخ

الحدیث اور پھر تخصص فی الحدیث کے صدر نشین کی حیثیت سے حدیثی خدمات کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا ۔اسی کے ساتھ اپنے شیخ شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریاؒ کے بتائے ہوئے معمولات پر عمل پیرا رہے ،اس طرح ایک طرف قال اللہ وقال الرسول اور دوسری طرف ذکر اللہ کی صدائیں بلند کرتے ہوئے ۱۶ جمادی الاخری ۱۴۳۴ھ ،مطابق ۲۸ ؍اپریل ۲۰۱۳ء کو دو بجے دن میں اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔"اناللہ وانا الیہ راجعون۔"

راقم الحروف کو حضرت مولانا سے بار ہا ملاقات کا شرف حاصل ہوتا رہا ،بعض دفعہ بالقصد استفادہ کے لیے حاضر خدمت ہوا، ہمیشہ آپ کو اپنے معمولات میں مشغول پایا، کبھی درس وتدریس میں، کبھی مطالعہ وکتب بینی میں، کبھی تحقیق وتخریج احادیث میں، کبھی مجلس میں موجود طلبہ کے سوالات کے جوابات دینے یا انھیں نصائح کرنے میں اور صبح کے اوقات میں ذکر واذکار اور تسبیح وتہلیل میں، اسی طرح کھانے پینے اور ناشتہ وغیرہ کے اوقات متعین، الغرض ہر کام اپنے وقت پر معمول کے مطابق انجام پاتا۔آپ کے معمولات وفرمودات سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے تحصیل علم کے لیے انتھک جدوجہد کی ہے، عمر عزیز کا کوئی لمحہ ضائع نہیں ہونے دیا۔اور یہی چیز آدمی کی ترقی کا سب سے بڑا راز ہے (بشرطے کہ دوسرے آداب وشرائط کو ملحوظ رکھا جائے اور موانع سے گریز کیا جائے) ورنہ گھریلو حالات کچھ زیادہ خوش گوار نہ تھے، لیکن علم وہ دولت بے بہا ہے جو اپنے وجود کے لیے کسی بڑے سرمائے کی محتاج نہیں لیکن غیرت مند اتنی ہے جو بڑے بڑوں کے غرور کو خاک میں ملا دیتی ہے۔علم اسی کا حصہ اور نصیبہ ہوتا ہے جو اپنے کو علم کے حوالے کردے، اسی لیے بزرگوں کا مقولہ ہے: العلم لا یعطیک بعضہ حتی تعطیہ کلک کہ علم تم کو اپنا ایک حصہ بھی نہیں دے گا جب تک کہ تم اسکو اپنا پورا نہ سپرد کردو۔

تاریخ میں ایسی کوئی نظیر نہیں ملے گی کہ کوئی عبقری انسان تن آسانیوں اور سیر سپاٹوں کیساتھ عبقریت اور عظیم شخصیت کا مالک بن گیا ہو۔حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا نے اپنے اوقات کو کارآمد بنانے کی حد درجہ سعی کی، اپنی ذکاوت وذہانت کے ساتھ انہماک واشتغال کا ایک نمونہ قائم کردیا، یہی وجہ ہے کہ زمانۂ طالب علمی میں ہمیشہ امتیازی نمبرات کے ساتھ کامیاب ہوتے رہے۔آخری سال جو دورۂ حدیث شریف کا سال کہلاتا ہے، پورے دارالعلوم میں گوئے سبقت لے جاتے ہوئے اعلیٰ امتیازی نمبرات کے ساتھ فرسٹ پوزیشن سے کامیاب ہوئے۔ایک مرتبہ راقم الحروف نے اسی سلسلے

میں آپ کے بعض نمایاں ساتھیوں کے بارے میں سوال کردیا،تو فرمایا: میں اپنے پڑھنے لکھنے کے کام میں مصروف رہتا تھا اور وہ لوگ سیاست اور دوسری چیزوں سے بھی اشتغال رکھتے تھے"۔

حضرت مولانا سے گو مجھے رسمی تلمذ کا شرف حاصل نہیں،لیکن میں ہمیشہ مولانا کو ایک استاذ،مربی اور شیخ سمجھتا رہا،حضرت بھی میرے ساتھ ایک شاگرد اور بیٹے جیسا برتاؤ فرماتے تھے۔جب بھی ملاقات کے لیے حاضر خدمت ہوتا،گھریلو حالات معلوم کرنے کے بعد علمی ہی باتیں کرتے،خصوصاً فن حدیث شریف کے بارے میں،جو آپ کا امتیازی فن تھا اور جس کے تعلق سے آپ کو شہرت دوام حاصل تھی،اس سے متعلق علوم ومباحث کا تذکرہ فرماتے،کوئی سوال کرتا،تو بے تکلف اس کا جواب مرحمت فرماتے،مولانا کے یہاں بہت زیادہ قوانین اور پابندیاں نہیں تھیں،ہر شخص بہ آسانی آپ سے استفادہ کرسکتا تھا۔راقم الحروف کو جب بھی کوئی علمی اشکال پیش آتا،آپ سے رجوع کرکے اشکال دور کرلیتا تھا اور کامل اطمینان ہوجاتا تھا۔اس سلسلے کا صرف ایک واقعہ نقل کرتا ہوں،جس سے حضرت کے علمی استحضار،سادگی وبے تکلفی اور غایتِ احتیاط کا اندازہ کیا جاسکتا ہے:

"مسلم شریف جلد ثانی میں سند سے متعلق ایک جگہ اشکال پیش آیا،کسی کتاب یا شرح سے حل نہ ہوا،اپنے ادارے کے بعض اساتذہ سے رجوع کیا،جب بھی حل نہ ہوا،تو بذریعہ فون آپ سے رابطہ کیا،حدیث شریف کی عبارت پڑھ کر سنائی،حضرت نے ایک لمحے کے توقف کے بغیر جواب عنایت فرمایا،سن کر بالکل تشفی ہوگئی،اور بے انتہا مسرت ہوئی،لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ یہ بات (جواب) ظنی ہے،میں نے گمان سے یہ جواب دیا ہے،رجال کی کتابیں دیکھ کر بتاتا ہوں۔تھوڑی ہی دیر میں خود ہی فون کرکے بتایا: جو جواب دیا وہ صحیح ہے"۔

اسی طرح متعدد بار فون سے رابطہ کرکے اشکالات دور کیے،حضرت نے بغیر کسی ناگواری کے پوری احتیاط کے ساتھ جواب دیا۔ایسے ذی علم لوگوں کے وجود سے آج بھی انکار نہیں کیا جاسکتا،لیکن ہمہ وقت بے تکلف بالمشافہ یا فون سے ان سے رابطہ آسان نہیں۔

مولانا کی پوری زندگی دین اور علم دین کی خدمت کے لیے جہد مسلسل سے عبارت تھی،اوقات کا حسن انضباط اور حسن استعمال قابل رشک تھا،اسی کا نتیجہ ہے کہ آپ نے قابل قدر علمی سرمایہ چھوڑا جو آپ کے لیے ذریعہ نجات اور ذخیرۂ آخرت ہوگا،جس میں التعلیقات السنیۃ علی شرح العقائد النسفیۃ

تکملۃ امداد الباری (شرح بخاری مؤلفہ مولانا عبدالجبار اعظمی معروفی)، اعلام المحدثین، نخب من اسماء رجال الصحاح، دلائل الامور الستہ ویلیہا دلائل الحمیۃ، تذکرۂ علماء ہند (بہ زبان فارسی) کا دل نشیں اردو ترجمہ، وغیرہ کتابیں اہمیت کی حامل ہیں۔ مزاج چوں کہ تحقیقی تھا، خصوصاً فن اسماء الرجال کے بارے میں، اس لیے تحقیق وتالیف کا کام خود بھی انجام دیا اور تخصص فی الحدیث کے طلبہ سے بھی لیا۔ غرض یہ کہ "علمی خدمات" آپ کی علمی زندگی کا ایک نمایاں عنوان ہے، جس پر امید ہے کہ آپ کے صاحب زادۂ محترم مولانا عبدالباسط حفظہ اللہ تفصیل کے ساتھ کلام کریں گے اور پھر ایڈٹ کر کے منظر عام پر لانے کی کوشش کریں گے۔ ناچیز کا منشا آپکی علمی زندگی کی ایک جھلک پیش کرنا اور یہ بتانا ہے حضرت مرحوم نے جہاں متعدد مدارس میں ایک کام یاب مدرس کی حیثیت سے دین متین کی خدمت کی، وہاں ایک کامیاب مصنف کی حیثیت سے بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔

خدمت دین کا یہ جذبہ آپ پر ایسا مستولی اور اسکا ایسا گہرا رنگ چڑھ چکا تھا کہ آپ کا فیضان علمی سفر وحضر، گھر اور مدرسے میں یکساں رہتا تھا، چناں چہ سب سے پہلی میری ملاقات وطن جاتے ہوئے دوران سفر ہوئی تھی، اس وقت تک حضرت کے نام سے بھی ناآشنا تھا، ٹرین میں دیکھا بہت سارے لوگ حضرت کو اس طرح گھیرے ہوئے ہیں جس طرح ہالہ چاند کو یا پروانے چراغ کو۔ ان میں مولانا... نائب ناظم شعبۂ تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند بھی تھے، میں نے ان سے پوچھا: یہ کون مولانا ہیں؟ مولانا گورکھ پوری نے کہا: آپ ان کو نہیں جانتے! یہ حضرت مولانا زین العابدین صاحب صدر تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارن پور ہیں، علم حدیث میں مہارت رکھتے ہیں، ملاقات کر لیجیے۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی، اگر چہ اس وقت تک حدیث شریف کا گھنٹہ متعلق نہ تھا لیکن دورۂ حدیث شریف کے سال سے اس فن کے مطالعہ کا ایک شوق پیدا ہو گیا تھا۔ یہی شوق کبھی کبھی مجھے مظاہر علوم لے جایا کرتا تھا، وہاں کے شعبۂ تخصص فی الحدیث میں فن حدیث کی بے شمار انواع اور ان پر بہت ساری کتابوں کی زیارت اور استفادہ کا موقعہ ملتا تھا، اس وقت تک دارالعلوم دیوبند میں تخصص فی الحدیث کا شعبہ قائم نہ ہوا تھا۔ غرض یہ جان کر خوشی ہوئی، ملاقات کے لیے حاضر ہوا، تعارف ہوا، اس وقت فن حدیث کی ایک نوع المؤتلف والمختلف (جس کا تعلق راویوں کے نام ونسب اور ان کے صحیح ضبط وشناخت سے ہے) کی اہمیت اور امثلہ کے ذریعہ اسکی وضاحت فرمارہے تھے۔ یہی ملاقات میری

دیگر ملاقاتوں کا پیش خیمہ ہے۔

اسی طرح جب گھر پہنچتے ہیں تو وہاں بھی مرجع خلائق ہوتے ہیں، ایک نورانی سماں بنجاتا ہے، عام وخاص مستفیدین کی آمد کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے، خاص طور سے رمضان شریف میں یہ منظر قابل دید ہوتا ہے، عجیب سی چہل پہل ہوتی ہے، آپ کی مسجد میں تراویح میں ہمیشہ سے تین قرآن ختم کا معمول ہے، روزانہ تین پارے تین حافظوں کے ذریعے پڑھے جاتے ہیں، مجھے بارہا شرکت کا اتفاق ہوا ،ایک آدھ بار حضرت مولانا نے خود ہی فون کر کے بلایا، بعض نوجوان جو عادی نہیں ہوتے ،وہ تراویح پڑھنے سے کتراتے، مولانا مجھ سے فرماتے: آپ دور سے تھکے ماندے آئے ہیں ،دوسری مسجد میں (جہاں ایک پارہ پڑھا جاتا ہے) عشا پڑھ لیں ،میں کہتا کہ یہ سعادت تو کبھی کبھی میسر آتی ہے اور اس سے بھی محروم ہوجاؤں۔دوران تراویح ایک یا دو پارے پورے ہونے پر ترویحہ سے نسبتاً ایک لمبا وقفہ ہوتا ہے، جس میں چائے وغیرہ کا نظم ہوتا ہے، اس کے بعد تازہ دم ہوکر پھر تراویح شروع ہوتی ہے۔

تراویح ونوافل سے فارغ ہوکر ایک مختصر سی مجلس ہوتی ہے، جس میں مولانا کوئی کتاب پڑھ کر لوگوں کو سمجھاتے۔اسی طرح دن کا ماحول بھی بارونق رہتا، حضرت کے علمی افادات کے علاوہ، تلاوت ،ذکر اور نوافل کی ایک اچھی فضا بنی رہتی ،خاص طور سے عصر سے مغرب تک کا پورا وقت عجیب سماں پیدا کرتا، نماز کے فوراً بعد ایک صاحب کچھ دیر تک کتاب پڑھتے ،اس کے بعد ختم خواجگان ہوتا، پھر دعا ہوتی ،دعا عموماً حضرت ہی فرماتے، یہ دعا کسی قدر دراز اور پراثر ہوتی ،حاضرین بہت متاثر ہوتے ،بہت سے اشک بار ہوجاتے۔اس مجلس میں گاؤں اور علاقے کے کافی لوگ شریک ہوتے، بعض دفعہ مسجد تنگ پڑجاتی ،اس مجلس کے بعد مسجد ہی میں افطار کا انتظام رہتا۔یہ معمولات بہت حد تک اب بھی باقی ہیں ،وللہ الحمد۔الحاصل احسان وتصوف کی لائن سے بھی آپ کی خدمات اور کارنامے ناقابل فراموش ہیں، اس سلسلے میں آپ کے ترتیب دادہ رسائل اور کتب ہیں اور متعدد خلفا آپ کے مشن پرکار بند نظر آتے ہیں۔

غرض یہ کہ ہر جہت سے آپ نے دین کی خدمت کی، اس سے اندازہ کیجیے کہ تنہا ایک شخص کتنے لوگوں کے لیے خیر کا سرچشمہ اور ہدایت کا ذریعہ بن جاتا ہے اور تنہا ایک شخص ''امت'' کہلانے کا مستحق ہوجاتا ہے۔یہ امت مسلمہ کی ایک روشن تاریخ اور شاندار روایت رہی ہے، اس کے اکابر واسلاف

ایسے ہی ہمہ جہت رہے۔رب کریم کے خزینۂ کرم میں آج بھی کوئی کمی نہیں۔دعا ہے کہ مولائے کریم ایسے افراد پیدا فرماتا رہے،جس سے امت مرحومہ کی صحیح رہنمائی ہو،حضرت مولانا کی بال بال مغفرت فرما کر درجات عالیہ سے نوازے اور اپنے مخصوص بندوں کے ساتھ حشر فرما کر عرش کے سائے میں جگہ نصیب فرمائے،آپ کے مشن کو تابندگی و پائندگی عطا فرمائے اور جملہ اہل خانہ کو فرحاں وشاداں رکھے، آمین یارب العالمین۔

عمِ بزرگوار مرشدنا حضرت مولانا زین العابدین صاحبؒ کی

چند نمایاں خصوصیات

مولانا عبدالرحیم قاسمی، معروفی (نئی بستی پارہ)

سیدی ومولائی، عمِ بزرگوار، زین المحدثین، حضرت مولانا زین العابدین صاحب علیہ الرحمۃ کی ذات مقدس جن کمالات اور خوبیوں کی حامل تھی، ان کا بیان مجھ بے مایہ کے امکان سے باہر نہیں تو مشکل ضرور ہے؛ لیکن اللہ کے کچھ نیک بندوں کے حکم کے بعد جن کے ناچیز پر بے شمار احسانات ہیں، انکار کی گنجائش نہیں، لہذا کچھ باتیں قارئین کی خدمت میں پیش کررہا ہوں۔

تلامذہ کے ساتھ شفقت: ۱۳رجون ۲۰۱۲ء کو حضرت علیہ الرحمۃ کے ساتھ گجرات کا سفر ہوا، یقیناً گجرات کے لوگوں کا تعلق حضرت والا سے قابلِ رشک اور ان کا حسن سلوک قابل دید تھا، حضرت کے فدائی جس والہانہ کیفیت کے ساتھ پروانوں کی طرح نثار ہورہے تھے اور آپ کی راحت رسانی کے لیے جوانتھک کوشش کررہے تھے، اس کو دیکھ کر راقم کو یہ کہنا پڑا کہ اگر آپ لوگ کبھی مہمان ہوئے تو ہم آپ کے اس بے حد وحساب اعزاز واکرام کا بدلہ کیسے چکا پائیں گے؟ اس پر ان لوگوں کا جواب یقیناً دل میں اتر جانے کے قابل ہے، جواب دینے والے نے حضرت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا یہ وہ شخصیت ہے جس کی چھوٹوں پر شفقت ومہربانی کا یہ حال ہے کہ استاذ ہونے کے باوجود اپنے شاگردوں کے لیے درس گاہ سے باہر گھڑے میں خود پانی رکھا کرتے اور اپنے تلامذہ کو اپنے ہاتھوں سے گلاس بھر کر پلایا کرتے ،تاکہ پانی بھرنے اور لانے میں بچوں کا وقت ضائع نہ ہو، جب کہ پانی کافی دور سے لانا پڑتا تھا، آج کی طرح قدم بقدم نل موجود نہیں ہوتے تھے۔

کیا ہمارا موجودہ اکرام حضرت کے گذشتہ اکرام کا بدلہ ہوسکتا ہے؟ جب کہ ہم لوگوں کے طالب علمی کا زمانہ تھا، مجھے لکھنے دیا جائے کہ وہ پانی نہیں ہوتا تھا، بلکہ حضرت کے پاکیزہ دل کی گہرائی میں محبت، شفقت، مروت، ہمدردی وخیرخواہی کا جو چشمہ تھا یہ اسی چشمے سے ابلے ہوئے آبِ حیات کا ایک جام تھا کہ اگر کوئی اس کے چند قطرات پی لے تو بے خودی وسرشاری کی کیفیت سے راہِ

صفا پر گامزن ہو جائے۔

حضرتؒ کی طرف سے بچوں کی قدردانی: حضرتؒ کے ایک شاگرد نے اپنی پہلی تن خواہ سے حضرت کو ۲۰؍روپیہ ہدیہ میں پیش کیا، حضرت نے اس کو اس قدر محبت سے قبول فرمایا کہ اس نوٹ پر ''برائے حج'' لکھ کر ایک لفافہ میں رکھ دیا، حضرت کے کہنے کے مطابق ۱۸؍سال کے بعد حضرت کو جب سفر حج کی سعادت نصیب ہوئی، تو اس روپیہ کو نکال کر راقم کے سامنے گھر کے چند افراد کو دکھایا، حضرت نے فرمایا ۱۸؍سال کے بعد اس لفافہ کو نکال رہا ہوں، ان شاء اللہ اب یہ پیسہ حج کے مبارک سفر میں خرچ ہوگا ساتھ ہی حضرت نے ایک بات اور فرمائی جس کو کہتے ہوئے حضرت کا گلا رندھ گیا، فرمایا کہ والد محترم (راقم الحروف کے دادا) فرماتے تھے کہ جی چاہتا ہے کہ ایک استرا اور ایک پھرلوں اور لوگوں کے بال بناتے بناتے مدینہ پہنچ جاؤں، اسی ذوق وشوق کا اثر حضرت کے خادم خاص پر ظاہر ہوا تھا، جن کو حضرت نے اپنے جگر کا ٹکڑا کہا ہے، یعنی برادر محترم حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب معروفی، آپ سفر حج میں حضرت کے ساتھ تھے، واپسی میں مفتی صاحب کو فرماتے ہوئے میں نے خود سنا ہے کہ دادا جان کے نام پر عمرہ کرتے ہوئے میرے دل کی جو کیفیت ہوئی، پورے حج کے دوران وہ کیفیت پیدا نہ ہو سکی۔

فراست ایمانی: ۱۹۹۱ء میں بندہ جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب، بنارس میں تعلیم حاصل کر رہا تھا، اس وقت حضرت جامعہ مظہر العلوم بنارس، میں تشنگان علوم کو سیراب کر رہے تھے، بندہ جامعہ اسلامیہ سے مظہر العلوم تقریباً ہر جمعرات کو ملنے کے لیے جاتا تھا اور جمعہ کی شام کو واپس مدرسہ چلا جایا کرتا تھا، حسب عادت ایک روز بندہ حضرت کی درس گاہ میں جمعرات کی شام کو سویا ہوا تھا، سوئے اتفاق کہ نماز فجر قضا ہو گئی، نماز سے فارغ ہو کر حضرت درس گاہ میں حاضر ہوئے اور ہم لوگوں کو جگایا، فرمایا کہ ابھی چند منٹ باقی ہیں، جاؤ جلدی سے نماز پڑھ لو، آگے لکھتے ہوئے شرم بھی آتی ہے؛ لیکن واقعہ دلچسپ ہے، چونکہ زمانہ بچپن کا تھا اور شرارت بھی نفس میں کچھ زیادہ ہی تھی، حضرت کے فرمان کے مطابق درس گاہ سے تیزی سے قدم بڑھایا؛ لیکن نفس امارہ اور شیطانی اثر سے میں اس قدر مغلوب ہو رہا تھا کہ بغیر وضو کیے جتنی دیر میں نماز پڑھی جا سکے، مسجد کے قریب ٹھہر کر درس گاہ میں واپس آ گیا، درس گاہ میں داخل ہوتے ہی حضرت نے فرمایا نماز پڑھ لی؟ کہا ہاں، پھر دوبارہ

حضرت نے وہی سوال کیا کہ نماز پڑھ لی؟ کہا ہاں پڑھ لی، تیسری مرتبہ حضرتؒ نے فرمایا: بیٹا! جھوٹ مت بولو، ڈبل جرم کیوں کر رہے ہو؟ ایک تو نماز نہیں پڑھی، دوسرے جھوٹ بھی، سچ بتاؤ، میرا خیال ہے کہ تم نے نماز نہیں پڑھی ہے، میں نے پھر وہی جواب دیا کہ نماز پڑھ لی ہے، حضرتؒ نے برجستہ کہا کہ اگر نماز پڑھی ہے تب بھی جاؤ پڑھ لو، اس وقت بھی جھوٹ ہی کہتے ہوئے اٹھا کہ نماز تو پڑھ لی تھی؛ لیکن آپ کا حکم ہے تو دوبارہ پڑھ لیتا ہوں، اس وقت تو مرغ کی ایک ٹانگ تو ایک ہی رہی؛ لیکن اس وقت میں نے پختہ عزم کرلیا کہ آج سے حضرت سے کبھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔

دوسرا واقعہ: حضرت علیہ الرحمۃ کی دوسری اہلیہ کے انتقال کے چند روز قبل برادر محترم عبدالقدوس کو بلا کر فرمایا ذرا اندازہ کرو، دیکھو، مُردے کی بُو تو نہیں آئی؟ بھائی کے انکار کے باوجود حضرت نے فرمایا: نہیں، میت کے جسم سے جو بُو آتی ہے، وہ آنا شروع ہوگئی ہے، اب تمہاری بڑی اماں چالیس دن سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتیں، تقریباً ۲۶/ دن کے بعد حضرت کی اہلیہ اس دارفانی سے رخصت ہوگئیں۔

حضرت علیہ الرحمہ جس طرح علم وفضل میں ممتاز تھے، اسی طرح اللہ تعالی نے ان کو اپنے خزانۂ غیب سے وہ فراستِ ایمانی عطا کی تھی کہ محض آثار وقرائن کو دیکھ کر پیش آنے والے واقعات وحوادث کو بھانپ لیا کرتے تھے۔

مریدین ومعتکفین کے اکرام کے واقعات: حضرت علیہ الرحمۃ کی ایک خاص عادت یہ تھی کہ اگر کسی کی طرف سے ہدیہ میں کوئی چیز آئی، تو اس کو بڑے اہتمام سے اپنے مریدین اور معتکفین کے لیے رکھتے؛ بلکہ حضرت علیہ الرحمہ کا یہ عمل "الهدايا مشتركة" کی سچی تفسیر ہوا کرتا تھا، راقم کا بار بار کا مشاہدہ ہے کہ جب بھی کوئی چیز آتی خصوصاً کھجور، تو اس کو بڑے اہتمام سے افطار کے لیے رکھتے تھے۔

سہارن پور کے قیام کے دوران ذاکرین کے لیے اکثر بسکٹ بھیج دیا کرتے تھے، حضرت اپنے ذاکرین کے لیے بہت زیادہ فکرمند رہتے تھے، اور ہر جمعہ کو مسجد ربانی میں ذکر کے حلقے میں جڑنے کی تاکید فرماتے، حضرت کی یہ دلی تمنا تھی، خانقاہ ربانی کا نظام ہر جمعے، پھر ہفتے میں دو دن اور پھر اس کے بعد پورے سال اس نظام کے قیام کا ایک سنہرا خواب تھا، جو حضرت کی زندگی میں پورا نہ ہوسکا، دعا ہے

کہ اللہ تعالیٰ اس انتظام کو قائم فرمائیں، جو رمضان المبارک تقریباً ۱۹۹۳ء سے قائم ہے۔

ایک اشکال کا ازالہ: حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "تربیۃ السالکین" میں تحریر فرماتے ہیں کہ جس شیخ کے اکثر مریدین بے نمازی ہوں، ایسے شیخ سے بیعت نہیں ہونا چاہیے، میرے دل میں کافی دنوں تک یہ خلجان رہا کہ مرید کے نماز کی غیر پابندی میں بظاہر شیخ کا تو کوئی قصور نظر نہیں آتا، پھر حضرت نے ایسی باتیں کیوں تحریر فرمائی؛ لیکن کسی سے پوچھنے کی بھی ہمت نہ ہوئی، جب بندے نے حضرت شیخ علیہ الرحمہ کے ہاتھ پر توبہ کی اور حضرت کی توجہات کا اثر ظاہر ہوا، تو میرے دل نے یہ گواہی دی کہ اگر شیخ کامل ہوگا تو اسکا اثر مرید کے اوپر ضروری ہوگا اور جب شیخ کی توجہ کا اثر مرید کے دل پر ہوگا نماز کی پابندی اور عبادت کا شوق لابدی اور ضروری ہے، حضرت نے والدہ محترمہ کو بیعت کے وقت نصیحت کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا کہ بیعت ہونے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے نماز وغیرہ میں جو کبھی کبھی سستی ہوتی ہے، بیعت کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کو دور فرما دیتے ہیں۔

چنانچہ راقم کو حضرت کی توجہات کا ان کے مریدین کے اندر اترنے کا مشاہدہ بار بار ہوا ہے، طوالت کے خوف سے اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعہ پر اکتفا کرتا ہوں، ایک مرتبہ رمضان میں حضرت نے بعد نماز عصر راقم کو معتکفین کے افطار کے واسطے سامان خرید نے بازار بھیج دیا اور فرمایا جاؤ، معتکفین کی برکت سے جو ذکر چھوٹ جائے گا ان شاء اللہ اس کا ثواب تم کو مل کر رہے گا، راقم جلدی سے خریداری کر کے واپس آ گیا اور تیسری صف میں حضرت کے بائیں جانب بیٹھ کر ذکر شروع کر دیا، آواز سنتے ہی حضرت میری جانب گھوم کر بیٹھ گئے، اپنا ذکر جاری رکھتے ہوئے چند بار راقم کی طرف دیکھا اور توجہ ڈالی، اس کی برکت سے جو حلاوت محسوس ہوئی اس سے پہلے کبھی وہ کیفیت پیدا نہیں ہوئی تھی، اس کا تو بار بار مشاہدہ کیا ہے کہ جب حضرت گھر تشریف لاتے، تو مصلیوں میں اضافہ ہو جاتا، حضرت اگر رات کے ایسے وقت میں تشریف لاتے جب کہ لوگوں کو حضرت کے آنے کی بالکل خبر نہ ہوتی، پھر بھی فجر کے وقت نمازیوں کی تعداد کافی بڑھ جایا کرتی، ایسا محسوس ہوتا کہ حضرت نے رات میں گشت کر کے لوگوں کو نماز کی ترغیب دی ہو، یہ اسی قول صادق کی دلیل ہے کہ بعض اللہ کے بندے ایسے ہوتے ہیں جنہیں دیکھ کر خدا یاد آ جاتا ہے، اپنا تو یہ حال تھا کہ جب حضرت مسجد میں تشریف فرما ہوتے، تو نماز کا خشوع بڑھ جاتا، ایک روز میں نے حضرت سے پوچھا، حضرت!

جب آپ مسجد میں ہوتے ہیں تو نماز کی کیفیت کچھ اور ہوتی ہے اور جب آپ نظر سے غائب رہتے ہیں تو وہ کیفیت نہیں ہوتی، حضرتؒ نے کچھ مبہم باتیں فرمائیں کہ ذکر کی مجلس کا اثر ہوتا ہے، جو کام بتائے جاتے ہیں ان کو کرو، اللہ تعالیٰ تم لوگوں کے ذریعے مجھ کو بھی نفع پہنچائیں۔

حضرتؒ کا شوق عبادت: وفات سے چار روز قبل کا واقعہ ہے جب کہ ضعف کافی بڑھ چکا تھا، بغیر کسی کی مدد کے بیٹھنا بھی مشکل تھا، گلوکوز کے ذریعے طاقت پہنچانے کی کوشش جاری تھی، حضرتؒ نے راقم الحروف کو تین بجے شب میں اپنے موبائل سے فون کیا، میں فوراً حاضر خدمت ہوا، تو دیکھتا ہوں کہ حضرت کی آنکھیں اشکبار ہیں، اور بھرائی آواز میں فرمایا، بابو! ۲ ربجے سے گھڑی دیکھ رہا ہوں، تہجد کا وقت نکلا جا رہا ہے، ۳ ربج کر ۱۵ رمنٹ ہوگئے، صرف ۲ رمنٹ باقی ہیں، مجھے لوگوں نے باندھ رکھا ہے، ایک بار گھڑی دیکھتا ہوں، تو ایک بار گلوکوز کا پانی دیکھتا ہوں، کہ اب ختم ہو رہا ہے، میری کبھی سفر میں بھی تہجد ناغہ نہیں ہوئی، آج جب کہ مولائے حقیقی سے ملنے کا وقت قریب ہے، میں دو رکعت نماز نہیں پڑھ سکا، تہجد پڑھ کر تم لوگوں کے لیے دعا کرتا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری خدمت کو قبول فرمائیں، اور اپنے لیے اللہ تعالیٰ سے شفا مانگتا، لاؤ اسی دو منٹ ہی کو غنیمت سمجھ کر دعا کرلوں، ہاتھ اٹھا کر حضرت نے جو دعا فرمائی

وہ سید الاستغفار تھی: اللهم انت ربی لا اله الا انت خلقتنی، الخ حضرت کے ساتھ یہ راقم کی آخری دعا تھی، اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں، اس جگہ پہنچ کر شدتِ حزن وملال سے میرے دل کی جو کیفیت ہو رہی ہے، میرے پاس الفاظ نہیں ہیں، اندر صلاحیت نہیں ہے، نہ اس کے اظہار کے لیے اسلوب اور انداز بیان ہے اور نہ تعبیرات ہیں، جو میں اپنے دل کی کیفیت کو بیان کرسکوں، ایسا نہیں کہ میں صرف بڑے ابا کے سایۂ عاطفت سے محروم ہوں؛ بلکہ ایک ولی کامل، مرشد ومربی، عالم ربانی، پیکر خلوص ومحبت اور "بابو بابو" کے کے لفظ سے پکارنے والے ایک مستجاب الدعوات شیخ کی دعا سے محروم ہوگیا ہوں ؎

میرے دل وارفتہ کو حیرت تو ہے یہ اب تک
اُس نازشِ صدناز کی اک ایک ادا یاد

اللہ مولاناؒ کی مغفرت فرمائے اور ہم سب کو آپ کے نقشِ قدم پر چلائے، آمین۔

استاذ محترم شیخ المحققین وزین المحدثین کی کچھ یادیں کچھ باتیں

مولانا محمد اسرار مظاہری

بندہ ناچیز جس وقت جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ میں زیرِ تعلیم تھا تب ہی سے حضرت کی ذات بابرکت اور نام مبارک سے واقف ہو چکا تھا، پھر جب شوال ۱۴۲۴ھ میں جامعہ مظاہر علوم میں شرح جامی میں داخلہ لیا تو رفیق محترم مولوی محمد تصور نے حضرت کی زیارت کرائی، شرف دیدار کے بعد حضرت کی محبت وعظمت بندہ کے دل میں گھر کرگئی، لیکن سستی اور نااہلی کی وجہ سے حضرت کی خدمت میں (سال ہفتم تک) حاضری کبھی کبھار ہی ہوتی تھی یا پھر کبھی سر راہ سلام ومصافحہ ہو جایا کرتا تھا۔

جب دورہ حدیث شریف کا سال شروع ہوا تو حضرت سے متعلق ابن ماجہ شریف تھی، بندہ کی سیٹ حضرت کی مسند سے متصل سامنے کی تپائی پر تھی، دوران درس حضرتؒ کی مشفقانہ اور خصوصی توجہ رہتی تھی، آپ کا درس بہت گہرائی وگیرائی والا ہوتا تھا، رجال پر سیر حاصل بحث اور محققانہ کلام فرماتے تھے۔

سند میں راوی اگر کنیت کے ساتھ مذکور ہے تو راوی کا نام الٰی مابہ الامتیاز ذکر فرماتے اور لکھنے کی تاکید فرماتے، رواۃ کے ناموں پر صحیح حرکات کی نشاندہی فرماتے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ الاکمال لابن ماکولا کے حافظ ہیں، سند کے آخر میں قاری کو رضی اللہ عنہ اور عنہم پڑھنے کی ہدایت فرماتے اور فرماتے کہ راوی اعلیٰ سے پہلے جو رواۃ آئیں ہیں اُن کا بھی حق ہے، اگر راوی اعلیٰ صحابی ابن الصحابی ہوتے تو صیغہ ترضی تثنیہ کے ساتھ پڑھنے کی ہدایت اہتمام سے فرماتے، متابع وشاہد کی نشاندہی فرمادیتے، غرض یہ کہ حل متن کے ساتھ ساتھ حل سند بھی آپ پورے اہتمام سے فرماتے، رواۃ کی وفیات جب بتلاتے تو ایسا لگتا کہ تقریب کے حافظ ہیں۔

بندہ ناچیز پر بھی حضرت کے احسانات اور کرم فرمائیاں رہی ہیں، جب بھی بندہ حضرت کے حجرۂ شریفہ میں حاضر ہوتا تو حضرت فرماتے کہ مولوی اسرار! فلاں راوی کا ترجمہ دیکھو، ذہبی کی سیر دیکھو، میزان دیکھو، ابن حجر کی لسان دیکھو، فلاں حدیث دیکھو، اعلام دیکھو، تحفۃ الاشراف دیکھو پھر ترمذی شریف دیکھو، سند کے تمام رواۃ کو خوب غور سے علیحدہ سنتے، اور قال ابو عیسیٰ میں جو حدیث کا درجہ بیان

ہوتا اس کو سنتے اور سند کے رواۃ کو اس طرح سنتے کہ ایسا لگتا تھا کہ رواۃ کی زندگی کے تمام پہلو گویا آپ کے سامنے ہیں۔

چنانچہ زندگی اور سہارنپور کے قیام کے آخری ایام میں ایک حجرہ شریفہ میں لیٹے ہوئے تھے، ڈاکٹر انعام صاحب علاج کررہے تھے، حضرت کے گلوکوز لگ رہا تھا، بندہ ناچیز حاضر خدمت ہوا ،حالات ناساز دیکھ کر دل پر پہاڑ سا ٹوٹ پڑا، بندہ نے سلام کیا، حضرتؒ نے مسکراتے ہوئے سلام کا جواب دیا، میں کچھ دیر تک کھڑا حضرت کی حالتِ زار کو دیکھتا رہا، دولڑکوں سے حدیث شفا(عن ابن عباسؓ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم انہ قال مامن عبد مسلم یعود مریضاً لم یحضر اجلہ فیقول سبع مرات: أسأل اللّٰہ العظیم رب العرش العظیم أن یشفیک الاعوفی) تلاش کرارہے تھے، حضرت نے فرمایا مولوی اسرارتم تلاش کرو، پہلے اعلام دیکھو، دیکھو ترمذی میں یہ حدیث شریف کہاں ہے اور امام ترمذی نے اس پر کیا حکم لگایا ہے، بندہ نے اعلام کی مدد سے ترمذی کتاب الطب میں وہ حدیث نکالی اور پڑھنی شروع کی، بندہ نے پڑھا، باب (بدون ترجمہ) حضرت نے فرمایا باب بلاترجمہ ہے؟ میں نے عرض کیا جی، حضرت نے فرمایا اس سے پہلے کیا باب ہے بندہ نے پڑھا ”باب التداوی بالعسل“ حضرت نے فرمایا عَسَل پڑھتے ہو اور بذَل کو بذَل پڑھتے ہو اور قرآن شریف کی آیت وعَسَل مصفی پڑھ کر صحیح ضبط واضح فرمادیا۔

حضرت کا انداز اصلاح عجیب وغریب تھا، ایسے طریقہ سے سمجھادیتے کہ مختصر لفظوں میں دعوی ودلیل بھی آجائے اور دل ودماغ میں اتر جائے۔ حضرت نے حسب عادت اور معمول کے مطابق حدیث سنی اور حضرت کا چہرہ مبارک سرور سے چمک اٹھا اور پھر طریقہ اور قاعدہ کے مطابق کتاب بند کرائی، (حضرت کے یہاں کتاب کھولنے اور بند کرنے کا بڑا ہی باادب طریقہ تھا، جس میں کتاب کی حفاظت بھی تھی اور سلیقہ مندی بھی وہ طریقہ یہ تھا کہ پہلے کتاب کا گتا کھولا جائے پھر گتے کے بعد جو سادہ کاغذ لگا ہوتا ہے اس کو کھولا جائے احتیاطاً تاکہ وہ مڑنے نہ پائے، پھر آگے مزید کتاب کھولی جائے ،بند کرنے کا طریقہ ارشاد فرماتے کہ کتاب کو بند اس طرف سے کیا جائے جس طرف اوراق کم ہوں، اور پہلے کتاب کے اصل اوراق کو بند کیا جائے پھر جلد سے متصل سادہ کاغذ کو پلٹا جائے، پھر گتے کو پلٹا جائے حضرتؒ خود بھی اسی طرح کتاب کو کھولتے اور بند فرماتے اور سامنے والے طلباء کو بھی اس کی

ہدایت فرماتے اور عملی مشق کراتے اور فرماتے کہ اساتذہ بچوں کو آج ایسی چیزیں نہیں سکھاتے، اگر کوئی طالب علم عام مروجہ طریقہ کے مطابق کتاب خصوصاً بڑی کتاب بند کردیتا تو حضرت ناراض ہوتے اور فرماتے دیکھو شروع کا ورق مڑ گیا ہوگا، جب بھی یہ منظر یاد آتا ہے تو دل پر غم کا پہاڑ سا ٹوٹ جاتا ہے اور سوچتا ہوں کہ کاش میرے شب وروز حضرتؒ کی خدمت میں کچھ دن اور گذر جاتے، اور مزید کچھ خدمت کی سعادت میرے حصہ میں آجاتی۔

بندہ کے غریب خانہ (موضع دجھیڑی قصبہ چلکانہ ضلع سہارنپور) کو تین مرتبہ آپ نے اپنی تشریف آوری سے زینت بخشی اور ہمیں سعادت وبرکت حاصل ہوئی، یہ آپ کی ذرہ نوازی اور خورد نوازی کی بات تھی کہ ہم چھوٹوں کی چھوٹی سی اور معمولی سی دعوت کو شرف قبولیت سے نواز دیتے تھے اور بخوشی تمام تر سفر کی صعوبتوں اور ناہموار راستوں کے باوجود حضرت تشریف لے آتے یہ آپ کا بندہ اور بندہ کے اہل خانہ بلکہ پوری بستی پر احسان عظیم تھا اور ہم سبھی کے لئے سعادت کی بات تھی، ان سب تشریف آوری کی قدرے تفصیل اس طرح ہے۔

(۱) ۱۸؍شعبان المعظم ۱۴۲۹ھ بروز جمعرات جب بندہ کی دورۂ حدیث شریف سے فراغت ہوئی، حضرت گڈھی دولت جمنا نگر تشریف لے جارہے تھے آپ کے ساتھ مولانا آفتاب عالم اور قاری عرفان نگلوی تھے، راستہ میں مغرب کی نماز حضرت نے ہمارے گاؤں کی نئی جامع مسجد میں ادا فرمائی، بندہ کی ملاقات حضرت سے مسجد میں ہوئی، بندہ نے حضرت سے غریب خانہ پر تشریف لے جانے کی درخواست کی حضرت نے شرف قبولیت سے نوازا اور مع رفقاء سفر حضرت غریب خانہ پر تشریف لائے، والد محترم، خالو اور دیگر موجود حضرات نے حضرت سے مصافحہ کیا اور دعائے خیر کی درخواست کی، دودھ اور ناشتہ نوش فرمانے کے بعد حضرت نے دعا فرمائی، والد صاحب اس وقت بہت بیمار تھے، بلیڈ پریشر تیزی کے ساتھ بڑھا ہوا تھا، چلنا پھرنا دشوار ہورہا تھا، حضرت نے پانی پر دم کرکے دیا اس کے پینے سے اللہ پاک نے شفا عطا فرمادی، اس پانی میں اللہ پاک نے عجیب تاثیر پیدا فرمائی کہ والدہ محترمہ کو تقریباً تیس (۳۰) سال سے کھانسی کا مرض تھا اس پانی کو والدہ محترمہ نے پیا تو اللہ پاک نے والدہ محترمہ کو اس مرض سے نجات عطا فرمادی اور اللہ کا شکر ہے کہ والدہ محترمہ اس وقت سے ٹھیک ہیں اللہ پاک اُن کو صحت کاملہ دائمہ عطا فرمائے اور خیر وعافیت کے ساتھ اُن کا سایہ تادیر قائم رکھے اور حضرت کو جزائے

خیر عطا فرمائے، غریق رحمت فرمائے۔

(۲) دوسری مرتبہ حضرت کی تشریف آوری ہمارے غریب خانہ پر تعزیت مسنونہ کے لئے ہوئی، جب والد محترم ۱۵ رذی الحجہ ۱۴۳۱ھ/ ۲۲ رنومبر ۲۰۱۰ء بروز پیر بوقت صبح سات بجے دارِ فانی سے دارِ باقی کی طرف روانہ ہوگئے، یہ عید الاضحیٰ کی تعطیل کا موقع تھا حضرت جب سفر سے واپس آگئے تو ۱۹ رذی الحجہ ۱۴۳۱ھ/ ۲۶ رنومبر بروز جمعہ حضرت تعزیت مسنونہ کے لئے تشریف لائے، آپ کے ہمراہ استاذ محترم حضرت مولانا مفتی محمد طاہر صاحب زید مجدہٗ اور استاذ محترم مولانا مفتی نیر اقبال زید مجدہٗ تھے، حضرت نے مفتی طاہر صاحب سے تعزیتی کلمات کہنے کے لئے فرمایا، مفتی صاحب نے فرمایا حضرت آپ ہی کہہ دیجئے، حضرت نے تعزیتی کلمات ارشاد فرمائے اور دعائے مغفرت فرمائی اور فرمایا کہ باپ کا غم ایسا ہے کہ تا حیات تازہ ہوتا رہتا ہے، حضرت تعزیتی کلمات اور دعا میں روتے رہے اور دعا کے بعد بھی سراً کچھ پڑھتے رہے اور روتے رہے۔

اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ قبرستان کہاں ہے؟ چلو قبرستان چلتے ہیں، بندہ نے عرض کیا کہ حضرت قبرستان دور ہے۔ حضرات مفتیان کرام نے عرض کیا آپ یہیں سے ایصال ثواب کر دیجئے ہم قبرستان جاتے ہیں، چنانچہ حضرت نے اسے منظور فرمالیا، رخصت ہوتے ہوئے حضرت نے فرمایا بھائی جلدی ہی مدرسہ آجانا (بندہ اُس وقت تخصص فی الحدیث الشریف سال دوم میں تھا) حضرت سے متعلق جمع الفوائد تھی فرمایا جو سبق رہ جائے اس کو مجھ سے بعد میں پڑھ لینا۔

بندہ کی اگر کوئی حدیث چھوٹ جاتی تو حضرت کی خدمت میں اس کو پڑھنے کے لئے حاضری ہوتی تو حضرت بہت خوش ہوتے اور بخوشی حدیث سنتے اور اچھی طرح سمجھا دیتے، چنانچہ دورۂ کے سال حضرت سے ہم نے نسائی شریف کا بھی کچھ حصہ پڑھا، (حضرت ناظم صاحب نے ایک طویل سفر کے سبب ایام سفر میں نسائی شریف حضرت کو ہی پڑھانے کے لئے فرمایا تھا) ایک دن ایسا ہوا جس وقت بندہ درس میں پہنچا ایک حدیث کی قرأت ہو چکی تھی، شام کو عصر کے بعد کتاب لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت نے بخوشی وہ حدیث شریف پڑھا دی۔

(۳) تیسری مرتبہ حضرت کی مسعود و مبارک آمد بموقع بھائی محمد ارشد کی تقریب ولیمہ مسنونہ میں ہوئی، پورے گاؤں میں حضرت کی آمد کی خبر گرم تھی اور خوشی کا ماحول تھا اور مصافحہ و ملاقات

وزیارت کے لئے لوگ اپنے اہم اہم کام کھیتی باڑی چھوڑ کر قطار بنائے کھڑے تھے، بہت سے لوگ پانی کی بوتلیں تیل وغیرہ دم کرانے کے لئے لئے ہوئے کھڑے تھے۔

سب لوگ آپ کی زیارت، ملاقات ومصافحہ سے محظوظ ہوئے، حضرت نے بخوشی سب سے مصافحہ کیا لوگ آپ کی کسرنفسی اور سادگی وتواضع کو دیکھ کر بہت ہی متاثر ہوئے، اس سفر میں آپ کے ہمراہ استاذ محترم مولانا خالد سعید مبارکپوری استاذ جامعہ مظاہر علوم اور شعبہ تخصص فی الحدیث کے طلباء تھے۔

بھائی محمد ارشد سلمہ کا نکاح مسنون بھی حضرت نے ہی پڑھایا تھا، باشرع حضرات کو گواہ بنایا، نیز وکیل نکاح بھی خود ہی بنے، اور گواہان اور محارم کے ساتھ لڑکیوں کو باپردہ ہونے کی ہدایت فرما کر خود اُن سے تین مرتبہ اجازت لی، بوقت اجازت دولہا کے نام کی صراحت مع ولدیت اور مہر مسمّٰی کی وضاحت فرمائی، نکاح کے بعد رقت آمیز دعا کرائی، اس کے بعد دولہا کو خصوصاً اور دیگر کو عموماً ڈاڑھی رکھنے کی ہدایت فرمائی۔

بوقت رخصت بندہ نے حضرت کو کچھ ہدیہ پیش کیا، حضرت نے فرمایا کہ نکاح خوانی کی اجرت میں نہیں لیتا ہوں، بندہ نے عرض کیا حضرت! بطور اجرت نہیں بلکہ بطور ہدیہ مسنونہ قبول فرمالیجئے، پھر حضرت نے وہ رقم قبول فرمالی۔

غرض یہ ہے کہ بندہ نے اپنے ہر معاملہ میں حضرت کا بڑا ہی مشفقانہ اور ہمدردانہ برتاؤ دیکھا، بندہ کے والد محترم کا جب آپریشن ہوا، حضرت نے بہت تسلی دی اور دعائیں کی، اور کچھ دعائیں بھی پڑھنے کے لئے ارشاد فرمائیں۔

میرے برادر محترم بھائی محمد شہزاد ہوسپٹل میں زیر علاج تھے، حضرت کو جب اطلاع ملی تو بذریعہ رکشہ عیادت کے لئے ہوسپٹل تشریف لائے اور مزاج پُرسی کی اور ہم سب کو ایک مشفق باپ کی طرح تسلی دی۔

حدیث پاک کی عظمت ادب واحترام کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ!

ایک مرتبہ حضرتؒ بندہ کی قیام گاہ پر تشریف لائے، حضرت نے کام کی نوعیت معلوم کی، پھر فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اللہ نے اشتغال بالحدیث نصیب فرمادیا، حضرت جب جانے لگے تو بندہ نے

حضرت کے چپل کمرے کے اندر کی دہلیز پر رکھ دی، فرمایا کہ اسے باہر رکھو یہ حدیث پاک کا کمرہ ہے۔
تخصص فی الحدیث الشریف کے دو سالوں میں سو سے زائد مرتبہ دیکھا کہ حضرتؒ باوجود ضعف اور پیرانہ سالی کے خود ہی الماری سے کتاب سلیقہ وادب کے ساتھ اٹھاتے اور خود ہی رکھتے تھے، اور کبھی چارزانو بیٹھ کر رکھتے ہوئے نہیں دیکھا، ہمیشہ ایک پیر پر بیٹھ کر لکھتے تھے اور گھنٹوں گھنٹوں اسی طرح گذر جاتے تھے، بے مثال ادب اور سلیقہ اللہ رب العزت نے آپ کی ذات میں ودیعت فرمایا تھا، زکریا منزل میں جو وضوخانہ ہے عموماً وہاں لوگ چپل پہن کر وضو کرتے ہیں، حضرت کو بارہا دیکھا کہ چپل نیچے اتار کر وضو فرماتے، اسراف فی الماء سے بالکلیہ گریز فرماتے، جو پانی لوٹے میں بچ جاتا اس کو ڈھانپ کر رکھدیتے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ آپ جیسے اوصاف حمیدہ ہمیں بھی عطا فرمائے اور آپ کو تمام شاگردان کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے، آپ کے درجات کو بلند فرمائے، آمین۔

☆☆☆

شیخِ اعظمی علیہ الرحمۃ

مولانا حمزہ مظاہری، گجرات

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے سانحۂ وفات پر ہر اُس کلمہ گو کا دل و دماغ رنج و غم سے دوچار ہو گیا ہوگا جو حضرت والا کی عظیم شخصیت سے کسی درجہ میں بھی واقف ہو، آپؒ کی ذاتِ گرامی بلاشبہ ظاہری و باطنی کمالات کی جامع تھی، باری تعالیٰ نے بڑی فیاضانہ شان سے آپؒ کی شخصیت کے دامن میں علوم و فنون اور اخلاقِ عالیہ و اوصافِ جمیلہ کے لعل و گوہر جمع کر دیے تھے، اور ایسا کیوں نہ ہوتا؛ جب کہ آپؒ نے حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ جیسی عبقری اور نابغۂ روزگار شخصیت سے کسبِ فیض کی عظیم سعادت حاصل کی، علمِ حدیث کے ساتھ آپؒ کا بے پناہ عشق و تعلق اِسی تلمذ و شاگردی کا پرتو تھا، فنِ حدیث ہی زندگی بھر آپؒ کا اوڑھنا بچھونا رہا، اور اِسی مبارک علم سے آپؒ کے ایام زندہ اور راتیں روشن تھیں، اِس میدان میں آپؒ کی محققانہ شان، وسعتِ مطالعہ، بالغ نظری، نکتہ آفرینی اور دقیقہ سنجی ہمیں قافلۂ محدثین کی یاد دلاتی ہے، خصوصاً فنِ اسماء الرجال اور علمِ تخریج میں آپ رحمہ اللہ کو جو عبور اور ملکہ حاصل تھا اُس کا بولتا ثبوت خود آپؒ کی وہ تحقیقات و تصنیفات ہیں جو تشنگانِ علمِ حدیث کے لیے سرچشمہ ہیں، اور ان شاء اللہ تا قیامت اُن سے استفادہ جاری رہے گا۔ مزید برآں یہ کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے علمی و فنی کمال کو طالبینِ حدیث میں دل کھول کر لٹایا اور اِس بات کی کامیاب کوشش فرمائی کہ زندگی بھر کی بادہ خواری کے بعد اِس جامِ جم سے دوسروں کے کام و دہن کو بھی لذت آشنا کر دیں۔

بلکہ حضرت والا بذاتِ خود ایسے افراد کی تلاش میں رہتے تھے، چنانچہ خود احقر کو حضرت والا سے استفادہ کا جو موقع فراہم ہوا اُس کا قصہ کچھ یوں ہوا کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اپنے گجرات سفر کے موقع پر احقر کے وطنِ مالوف کیسر پورا تشریف لائے، وہاں راقم بطور کے اساتذۂ کرام نے ناچیز کو حضرتؒ کے سامنے پیش کیا، حضرتؒ نے اِس حقیر کو تخصص فی الحدیث کے لیے آمادہ کیا، چنانچہ فراغت کے بعد بندہ مظاہر علوم کے شعبۂ تخصص سے باقاعدہ منسلک ہوا اور دو سال تک آپ کے چشمۂ صافی سے کسبِ فیض کی عظیم سعادت اِس ناچیز کے حصے میں آئی،

اِس پوری مدت میں اِس حقیر پرآں حضرتؒ کی جو خصوصی عنایات رہیں وہ یقیناً ناقابل فراموش اور آں حضرتؒ کی خردنوازی کا اعلیٰ نمونہ ہیں، واقعۂ حضرتؒ نے مجھے بیٹے کا سا پیار دیا اور بندہ کو دو سال تک اپنے دستر خوان پر ساتھ بٹھا کر کھلایا، اور بندہ کی تعلیم وتربیت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں رکھا۔

افسوس کہ یہ شمع اب بجھ چکی ہے اور ہزاروں پروانے اُس کی ضوفشانی سے محروم ہو چکے ہیں، لیکن خدا کا شکر ہے کہ اِس وقت آپؒ کے لائق وفائق شاگردوں کی ایک پوری جماعت تیار ہو چکی ہے، جو اِس قافلۂ علم حدیث کی حدی خوانی کے لیے مستعد اور تیار ہے، شاگردوں کی اِس فوج کو دیکھ کر ایک طرف جہاں حضرتؒ والا کی افراد سازی کی غیر معمولی صلاحیت ولیاقت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے وہیں دوسری طرف اُن کو دیکھ کر حضرت والا کی جدائی اور فراق کا غم بھی ہلکا ہوتا ہے، کہ اگر چہ حضرتؒ تو چلے گئے اور وہاں گئے جہاں سب گئے اور ہمیں بھی جانا ہے، لیکن آپؒ کے پروردہ اور تربیت یافتہ تلامذہ کی یہ جماعت حضرتؒ کے مشن اور کار کو آگے بڑھائے گی، اور اِس طرح حضرتؒ تاقیامت ہمارے درمیان موجود رہیں گے،

ع: جوہرِ انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں

بہر حال! آں حضرتؒ کی وفات حسرت آیات کسی ایک خاندان یا ایک اِدارہ کا خسارہ نہیں؛ بلکہ پوری قوم وملت کا مشترک نقصان ہے اور اِس قحط الرجال کے دور میں آپؒ کے چلے جانے سے ہر بہی خواہِ قوم تصویر رنج وغم بنا ہوا ہے، اور دعاء گو ہے کہ باری تعالیٰ اِس پیکر علم وعمل کو - جو علمِ ظاہری کے ساتھ ورع وتقویٰ، اخلاص وللّٰہیت اور تواضع وبے نفسی میں نمونۂ اسلاف تھا- غریق رحمت ومغفرت کرے، اُن کے درجات کو بلند فرمائے، پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے، اور اُمت کو اُن کا نعم البدل نصیب فرمائے، آمین، یارب العالمین۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
حشر تک شانِ کریمی ناز برداری کرے

حضرت الاستاذ

مولانا زین العابدین صاحبؒ ایک مربی کی حیثیت سے

مولانا منظر کمال متوی، مظاہری

حضرت مولانا زین العابدین صاحب، رحمۃ اللہ علیہ کے زیر تربیت گزارے ہوئے چند سال مجھ ناچیز کے لیے ایک قیمتی سرمایہ ہیں، حضرت ہی کے مشورہ سے جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڈھ، سے فراغت کے بعد میں نے مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور میں دورۂ حدیث شریف میں داخلہ لیا، اور پھر شعبۂ تخصص فی الحدیث کے دوسالہ نصاب کوانہی کی سرپرستی میں مکمل کرنے کی سعادت نصیب ہوئی، فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

آپ وقت کے بڑے قدردان، اور بیحد پابند تھے، ہر کام کے لیے آپ کے یہاں وقت مقرر تھا، اس وقت میں کوئی دوسرا خلل انداز نہیں ہوسکتا تھا، حتیٰ کہ عصر بعد کا وقت بھی آپ نے علمی کام کے لیے ہی متعین کررکھا تھا، اس وقت میں آپ شعبۂ تخصص فی الحدیث کے طلبہ کے مقالات کی اصلاح کا کام سرانجام دیتے، استاذ محترم مولانا خالد سعید صاحب مبارک پوری مدظلہ، آپ کے سامنے مقالات پڑھتے جاتے اوران میں جوکمیاں، اورخامیاں ہوتیں، ان کی اصلاح فرماتے جاتے اورساتھ ہی ساتھ حاضرینِ مجلس کوبھی اپنے علمی افادات سے بہرہ ورکرتے رہتے۔

اللہ تعالیٰ پرتوکل اورتقدیر پرایمان کامل کی آپ جیتی جاگتی تصویر تھے، جس کی نظیر اس دورِانحطاط میں کم ہی ملے گی، ایک دفعہ ناچیز کوایک بیماری لاحق ہوئی تو آپ نے دریافت کیا کہ یہ کیسے ہوئی؟ میں نے کہا شاید فلاں چیز کھانے سے ہوگئی، فرمایا نہیں، کسی چیز سے کچھ نہیں ہوتا، اللہ کا حکم سب کچھ کرتا ہے، ﴿قل کل من عند اللہ﴾ تقدیر پرآپ کا ایمان اس درجہ قوی تھا کہ کبھی بھی کسی چیز کے فوت یاتلف ہوجانے پررنج وافسوس کا اظہار نہیں کیا، اورنہ ہی کسی کوملامت کیا، بلکہ فرماتے کہ اس کا وقت پوراہوچکا تھا، گویا اس آیت کی آپ مجسم تصویر تھے، ﴿

مااصاب من مصیبة فی الارض ولافی انفسکم الافی کتاب من قبل ان نبرأ ھا، ان ذٰلک علی اللہ یسیر، لکیلا تأسوا علیٰ مافاتکم، ولاتفرحوا بما آتاکم﴾ (سورۂ الحدید، آیت نمبر۲۲ر۲۳)۔

ترجمہ: کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے جو زمین میں نازل ہوئی، یا تمہاری جانوں کو لاحق ہوتی ہے، مگر وہ ایک کتاب میں اس وقت سے درج ہے جب ہم نے ان جانوں کو پیدا بھی نہیں کیا تھا، یقین جانو یہ بات اللہ کے لیے بہت آسان ہے، یہ اس لیے تاکہ جو چیز تم سے جاتی رہے، اس پر تم غم میں نہ پڑو، اور جو چیز اللہ تمہیں عطا فرمادے، اس پر تم اتراؤ نہیں۔ ایسا ہم نے بار بار دیکھا کہ آپ کا کوئی سامان کسی طالب علم کی وجہ سے ضائع ہوگیا یا اس میں خرابی در آئی، آپ یہی فرماتے رہے ہوتے کہ کوئی بات نہیں، اس کا وقت پورا ہو چکا تھا، اور اس طالب علم سے ایک لفظ بھی ملامت کا نہ کہتے، آپ کی ان عادات مبارکہ کو دیکھ کر حدیثِ انسؓ یاد آجاتی ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال نبی ﷺ کی خدمت کی مگر آپ ﷺ نے کبھی بھی مجھ سے اف تک نہیں کہا، الخ (متفق علیہ)

آپ کی ڈانٹ ڈپٹ اور تنبیہ کا انداز بھی بڑا نرالا تھا، جب کسی کو کسی غلطی پر ڈانٹتے اور تنبیہ فرماتے تو بس اتنی ہی دیر تک ناراضگی کا اظہار ہوتا، پھر اسی خندہ پیشانی سے پیش آتے، جیسے کوئی غلطی ہی نہ ہوئی ہو۔

آپ کی تواضع اور خدمت نفس کا یہ حال تھا کہ اس پیرانہ سالی اور ضعیفی میں بھی اپنے امور خانہ کو خود ہی انجام دیتے، بسااوقات ہم طلبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو وہ جھاڑو لگا رہے ہوتے، یا برتن صاف کرتے ہوتے، ہم لوگ عرض کرتے کہ ہم یہ کام کردیتے ہیں، مگر آپ سختی سے منع فرمادیتے۔ آپ کی یہ اتباع سنت کی اعلیٰ ترین مثال ہے، شمائل ترمذی صفحہ نمبر۲۳ پر ہے کہ آپ ﷺ اپنا کام خود انجام دے لیتے، حتیٰ کہ بکری کا دودھ نکال لینا، کپڑے سے جوں نکالنا وغیرہ سب کام کرتے تھے، اور عام انسانوں کی طرح سے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کی مغفرت فرمائے اور آپ کے درجات کو بلند فرمائے اور ہمیں بھی اتباع سنت کا ایسا ہی جذبہ عطا فرمائے، آمین۔

آہ وہ ہستی ذی حشم جس سے ہمیں ضیا ملی

مولانا جنید عالم احیائی، مہتمم جامعہ اسلامیہ ضیاء القرآن، سیساماڈھونی (بہار)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے کائنات کے نظام کی ترتیب میں اس بات کو حتمی اور لازمی قرار دیا ہے کہ اس دار فانی میں جو مولود ہوگا وہ اپنے متعینہ ایام زندگی گذار کر دار فانی کو الوداع کہہ کر دار باقی کی طرف کوچ کر جائے گا۔ اسی نظام کے تحت ہر دن بہت سے انسان پیدا ہوتے ہیں اور بہت سے انتقال کرتے ہیں، لیکن بعض شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں، جو اپنی علمی خدمات، ملی جذبات اور اوصاف جمیلہ کی وجہ سے اپنی ایک پہچان چھوڑ جاتے ہیں۔ ایسی ہی ایک شخصیت حضرت مولانا زین العابدین صاحبؒ استاذ تخصص فی الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور یوپی کی تھی۔ حضرت مولانا زین العابدین صاحبؒ اپنی پوری زندگی احادیث نبویؐ کے درس وتدریس میں صرف کردی۔

میں نے مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور اعظم گڑھ یوپی میں داخلہ لیا تھا، اس وقت حضرت مولانا زین العابدین صاحبؒ مدرسہ ھذا میں استاد تھے۔ داخلہ کی کاروائی مکمل ہونے کے بعد تعلیمی سلسلے کا آغاز ہوا، جب نظام الاسباق مرتب ہوکر منظرعام پر آیا تو پتہ چلا کہ ہم لوگوں کو میزان الصرف حضرت مولانا زین العابدین صاحب پڑھائیں گے۔ دوسرے دن کلاس میں تشریف لائے اور سلام کے بعد ہر ایک کو اپنا تعارف کرانے کے لئے فرمایا۔

مجھے آج بھی یاد ہے کہ حضرت کے شفقت بھرے کلمات اور پند ونصائح کو طلباء بغور سماعت فرماتے تھے، میں حضرت مولانا کی شفقت، ہمدردی، محنت، دیانتداری، اوقات نماز کی پابندی، عجز وانکساری سے بے حد متاثر ہوا، اور دل میں شوق ورغبت پیدا ہوا کہ کیوں نہ خارجی اوقات میں حضرت مولانا سے علمی اور روحانی استفادہ کیا جائے، چنانچہ اسی مقصد کے تحت کلاس ختم ہونے کے بعد مولانا کے کمرہ میں گیا اور دلی زبان سے اپنا مقصد بیان کیا، حضرت مولانا کے چہرے پر مسرت وشادمانی کے اثرات ظاہر ہوئے اور بڑی خوش اخلاقی کے ساتھ میری حوصلہ افزائی فرمائی اور نیک دعاؤں سے نوازا۔ اس کے بعد سے حضرت سے استفادہ کا سلسلہ جاری رہا۔

احیاء العلوم سے فراغت کے بعد میں بھی درس وتدریس سے لگ گیا۔لیکن سال بھی نہ گذرا تھا کہ حضرت سے ملاقات کی تڑپ پیدا ہوئی اور مصروفیت کے باوجود ملاقات کی غرض سے روانہ ہوگیا۔جب حضرت کی خدمت میں حاضری دی تو حضرت نے خوش ہوکر مجھے اپنے سینے سے لگایا اور دعاؤں سے نوازا۔

جب میں نے صوبہ بہار کے مدھوبنی کی مردم خیز بستی سیما میں جامعہ اسلامیہ ضیاء القرآن قائم کیا اور چند سالوں کے بعد پھر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر جامعہ میں تشریف لانے کی گذارش کی تو حضرت نے قبول فرمالیا اور جامعہ تشریف لانے کی درخواست کی اور ماشاء اللہ حضرت اکثر اپنے مصروف ترین اوقات میں سے وقت نکال کر جامعہ میں تشریف لاتے رہے،اور یہاں کے قیام کے دوران تعلیمی اور ملی سرگرمیوں کا جائزہ لے کر مفید مشوروں سے رہنمائی فرماتے رہے۔اس سال بھی ۲۷/اپریل ۲۰۱۳ء کے جلسہ دستار بندی میں شرکت کے لئے جامعہ کے ایک مدرس کو حضرت مولینا کی خدمت میں بھیجا گیا،حضرت سے ملاقات ہوئی اور گفت وشنید کے بعد حضرت نے فرمایا کہ طبیعت سازگار رہی تو انشاء اللہ کوشش کروں گا۔بالآخران دنوں طبیعت علیل ہی رہی اور ۲۹/اپریل ۲۰۱۳ء کو بذریعہ فون دل دہلانے دینے والی یہ خبر موصول ہوئی کہ حضرت اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔خبر سننے کے بعد مجھ پر سکتہ طاری ہوگیا۔

بہر حال حضرت مولانا زین العابدین صاحبؒ ہندوستان کے مایہ ناز محدث،بزرگ عالم دین تھے اور حضرت کے اوصاف حمیدہ اور خوش اخلاقی کی وجہ سے حضرت کے ملنے والا ہر شخص ان کا معتقد ہوجاتا تھا۔اخیر میں فخریہ کرسکتا ہوں کہ حضرت مولانا کی دعاؤں کا ہی ثمرہ کہ دین کی خدمت کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہوں۔اللہ رب العزت حضرت کو اپنے سایۂ رحمت میں رکھے اور جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے اور امت محمدیہ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔

حضرت مولانا زین العابدین صاحب جوارِ رحمت میں

مولانا محمد ارشد معروفی (نیاپورہ)

حضرت مولانا کا ہمارے گھر اور خاندان سے گہرا تعلق تھا، چونکہ مولانا کا آبائی گھر ہمارے مکان کے قریب تھا، جس وقت مولانا مدرسہ معروفیہ پورہ معروف میں تعلیم حاصل کررہے تھے، اس وقت والد صاحب کے حقیقی چچا مولانا عبدالستار صاحبؒ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ بھی مدرسہ معروفیہ میں پڑھاتے تھے، اور حضرت مولانا کے خاص اساتذہ میں سے تھے۔

حضرت مولانا نے ایک مرتبہ بتایا کہ ارشد! تم جس مکان میں رہتے ہو، اس میں ہم لوگ بعد نمازِ مغرب محترم استاذ مولانا عبدالستار صاحب کی موجودگی میں کتابوں کا تکرار و مطالعہ کرتے تھے، اور جب تک تمام اسباق کا تکرار و مطالعہ نہ کرلیتے تھے اس وقت تک چھٹی نہ ہوتی تھی، مجھے حضرت مولانا مرحوم، اور حافظ عبداللطیف صاحب مرحوم اور مولانا محمد عثمان صاحب مرحوم مؤلف ایک عالمی تاریخ وغیرہ، اور دوسرے حضرات کی موجودگی میں کئی سال تک مسلسل تراویح میں قرآن پاک سنانے کا شرف حاصل ہوا، مشورہ سے طے ہوجاتا کہ کتنے دن میں قرآن ختم کرنا ہے؟ چنانچہ کبھی دس دن میں، کبھی سات دن میں، اور کبھی تین دن میں قرآن کریم ختم ہوتا رہا، اور دوسرے یا تیسرے ترویحہ پر چائے کا دور چلتا تھا، اِس تھوڑے سے وقت میں حضرت مولانا کوئی واقعہ، کوئی مسئلہ یا علمی لطیفہ بیان فرماتے تھے، اور کبھی مؤرخ اسلام حضرت مولانا محمد عثمان صاحبؒ معروفی کوئی تاریخی واقعہ یا لطیفہ چھیڑ دیتے تھے، جس سے ہر ایک پر سرور و انبساط کی کیفیت طاری ہوجاتی تھی، غرض یہ مجلس بڑی نورانی، اور پُر لطف رہتی تھی، پھر چند سال کے بعد ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۹۰ء میں نورانی مسجد کا قیام عمل میں آیا تو محترم استاذ عارف باللہ حافظ حاجی عبداللطیف صاحبؒ کے حکم سے نورانی مسجد میں نمازِ تراویح کے اندر قرآن پاک سنانے کا سلسلہ شروع ہوا، جو ہنوز جاری ہے، اللہ پاک تا قیامت جاری رکھے، اور نظرِ بد سے حفاظت فرمائے۔ آمین۔

تدریس کے لیے بھیجا: حضرت مولانا کی عنایتوں میں سے یہ بھی ہے کہ راقم جب ماہِ شعبان تقریباً ۱۹۹۱ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت پر وطن مالوف آیا، تو شوال میں مغرب کی

نماز کے بعد حضرت مولانا گھر تشریف لائے، اور والد صاحب سے راقم کے متعلق تدریسی خدمت کے متعلق بات کی، والد صاحب نے کہا کہ آپ جہاں مناسب سمجھیں اس کو لگا دیں، حضرت مولانا نے فرمایا کہ مدرسہ امدادیہ، گوگھرا، چکیا، میں جگہ خالی ہے، اُس کو وہاں بھیج دیں، والد صاحب نے اجازت دے دی، راقم مدرسہ امدادیہ، چکیا، بنارس چلا گیا اور تدریسی خدمت انجام دینے لگا، تین چار سال بعد حضرت مولانا نے والد صاحب کی رضامندی سے حضرت اقدس مولانا کفایت اللہ صاحبؒ خلیفہ حضرت شیخ الحدیثؒ کے مدرسہ خلیلیہ، ماہی میں بھیج دیا، اور راقم کا مدرسہ خلیلیہ، ماہی بناس کانٹھا، گجرات میں تقریباً ۸/۹ سال قیام رہا۔

رسالة الاوائل پڑھاگیا: مدرسہ خلیلیہ کے قیام کے زمانے میں حضرت مولانا ایک مرتبہ دارالعلوم چھاپی تشریف لائے، تو دارالعلوم کے بعض اساتذہ نے اوائل پڑھنے کی درخواست کی، حضرت مولانا نے منظور فرمایا، تو راقم بھی ان کے ساتھ اوائل کی کتاب مسلسل بالاولیت پڑھا اور پوری سند حضرت نے بیان کی، اور اجازت دی، اور چند کتابیں ھدیتاً عنایت بھی فرمائیں۔

مولاناسے گھریلو تعلقات: والد صاحب حضرت مولانا سے بہت محبت فرماتے تھے، سال میں ایک دو دفعہ ضرور دعوتِ طعام کی زحمت دیتے اور اکثر راقم کو حضرت مولانا کے پاس بھیجتے، اور کہتے کہ جاؤ بات کرو، حضرت مولانا جس وقت دعوت منظور کریں، اسی وقت دعوت کا انتظام کیا جائے، اکثر کوشش یہ ہوتی تھی کہ حضرت مولانا خود دعوت کا وقت متعین کریں، تاکہ حضرت کے نظم ونسق میں خلل نہ ہو، اور حضرت بخوشی طے بھی فرمادیتے تھے، یہ حضرت مولانا کی ذرہ نوازی تھی، آخری مرتبہ جب کھانے کے لیے تشریف لائے، دسترخوان پر بیٹھے، کھانا تناول فرمارہے تھے، کہ پہلے سے ایک دانت ہل رہا تھا، وہ گر پڑا، اور ایک کاغذ میں لپیٹ کر راقم کو دفن کرنے کے لیے دیا، جب کھانے وغیرہ سے فراغت پر گاڑی سے پہنچانے لے چلا، جب نورانی مسجد کے پاس پہنچا تو حضرت مولانا نے پوچھا کہ دانت دفن کردو، چنانچہ حضرت وہیں روڈ کے کنارے کھڑے رہے، اور راقم قبرستان جاکر زمین کھود کر دانت دفن کردیا اور حضرت کو گھر تک پہنچایا۔

آخری مرض میں بیان: حضرت مولانا بیماری کے زمانہ میں جب سہارنپور سے گھر آگئے تھے، تو ایک دن جمعہ کی نماز کے لیے محلّہ پرانہ پورہ، نالے والی مسجد میں تشریف لائے اور جمعہ کی

نماز کے بعد بہت ہی پُر مغز اور جامع بیان فرمایا اور والد صاحب کی عیادت کے لیے گھر تشریف لائے، اس وقت والد صاحب علالت پر تھے، حضرت اس وقت صرف انار کا جوس پی سکے، اور کوئی چیز تناول نہیں فرمایا، کیوں کہ مرض کی وجہ سے سیال چیز کے علاوہ کوئی چیز اس وقت حلق کے نیچے نہیں اتر رہی تھی۔

وقت گذرتا گیا، مرض اور ضعف میں اضافہ ہوتا گیا، یہاں تک کہ حضرت بالکل بستر علالت پر ہوگئے، تو ایک دن والد صاحب نے راقم سے کہا کہ مولانا کو دیکھنے چلنا ہے، پھر کیا تھا، احقر والد صاحب کو بذریعہ گاڑی حضرت مولانا کے گھر لے گیا، اور سلام وغیرہ کے بعد کچھ دیر وہاں بیٹھے، زائرین کی آمد ورفت تھی، اسی دن حضرت مولانا محمد ارشد صاحب مدنی بھی مولانا کی عیادت کے لیے تشریف لائے، اور سلام کر کے بیٹھے، کچھ باتیں ہوئیں، اور دعائیں دیں، اور ہر ایک کو سلام ومصافحہ کا شرف حاصل ہوا، اور وہ تھوڑی دیر میں رخصت ہوگئے۔

اسی در سے ملا جو کچھ ملا ہے
مری جھولی میں ورنہ کیا دھرا ہے

اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے اور قبر کو انوار و برکات سے بھر دے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

☆☆☆

مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے

حافظ وقاری ظفر الاسلام ظفر معروفی

یوں تو دنیا میں بہت سے صاحب علم وفضل اور اولوالعزم افراد آئے اور گزر گئے؛ لیکن کچھ ہستیاں ایسی بھی دنیا میں آئیں جو اپنے کارنامے وخدمات تصانیف وتالیفات کے ذریعہ رہتی دنیا تک یاد کی جائیں گی، اور صبح قیامت تک امت مسلمہ ان کے چشمۂ فیض سے سیراب ہوتی رہے گی، انہیں دعاؤں سے نوازتی رہے گی۔

انہیں نابغۂ روزگار ہستیوں میں جامع شریعت وطریقت محدث جلیل حضرت مولانا زین العابدین اعظمی معروفی رحمۃ اللہ علیہ تھے جن کی علمی جلالت وامامت ذکاوت وذہانت تقویٰ وطہارت، قوت حفظ اور سب سے بڑھ کر حدیث رسول کی خدمت اور فن اسماء الرجال میں بے پناہ مہارت وممارست پر ایک زمانہ متفق ہے۔

موت اس کی ہے کرے جس پہ زمانہ افسوس
یوں تو دنیا میں سبھی آتے ہیں مرنے کے لیے

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات سے نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے عالم اسلام کی علمی دنیا میں جو زبردست خلا پیدا ہوا ہے اس کا پر ہونا بظاہر اسباب ممکن نظر نہیں آتا۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی علمی، عملی تدریسی وتصنیفی زندگی پر لوگوں نے بہت کچھ لکھا اور ان شاء اللہ آئندہ بھی لکھا جائے گا، درحقیقت مولانا کی زندگی کے تمام پہلو روشن اور تابناک تھے وہ علم کے شیدائی اور عمل کے رسیا تھے، ان کی زندگی میں علم وعمل کا حسین امتزاج تھا۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا ایک پہلو سماجی اور سیاسی بھی ہے، میں اسی پہلو پر کچھ لکھنا چاہتا ہوں کیونکہ حضرت کی زندگی کا یہ حصہ بھی قابل تقلید نمونہ ہے اور ان حضرات کے لئے اس میں سبق بھی ہے جو باوجود علم وفضل کے بعض سیاسی لوگوں کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہو کر ان کی ہر صحیح اور غلط

بات کی تائید وحمایت کرتے رہتے ہیں اور الیکشن کے زمانے میں انکے لیے لوگوں کو شہادت زور کی ترغیب دیتے ہیں۔

دامانِ باغباں سے کفِ گل فروش تک
بکھرے پڑے ہیں سیکڑوں عنواں مرے لیے

سن غالبًا ۱۹۹۵ء کا ہے ہمارے گاؤں میں پردھانی کا الیکشن تھا ایک گروپ کے کچھ لوگوں نے جلسے کا پروگرام بنایا، مولانا عبدالعلیم فاروقی صاحب سے تاریخ لی گئی اشتہار بھی چھپ گیا اسی دوران الیکشن کے نتیجہ کا اعلان ہوا جو لوگ کمیٹی میں تھے ان کا قریبی اور پسندیدہ امیدوار الیکشن ہار گیا جس سے کمیٹی کے لوگ بہت رنجیدہ ہوئے اور ماحول بھی کشیدہ ہو گیا آپس میں مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ سردست جلسہ ملتوی کر دیا جائے لیکن ایک دو آدمیوں نے اس فیصلے کی مخالفت کی، وہ مخالف گروپ سے جا ملے اور ان سے مقررہ تاریخ ہی پر جلسہ کرانے کی درخواست کی، انھوں نے ان کی اس نیک خواہش کی تکمیل کا وعدہ بھی کر لیا لیکن ہوا یہ کہ کسی شریر نے جلسے کے ایک دن پہلے مولانا فاروقی صاحب کو فون کر کے یہ کہا کہ آپ تشریف نہ لائیں کیونکہ یہاں شیعہ سنی فساد ہو گیا ہے دوسرے دن جلسہ تھا خوب زور وشور سے جلسہ کا اعلان ہوا کیونکہ یہ جلسہ اب مذہبی سے زیادہ سیاسی بن چکا تھا اور اسے فاتح گروپ کی حمایت بھی حاصل تھی۔

مولانا فاروقی صاحب کو جس گاڑی سے آنا تھا وہ گاڑی تو آئی لیکن مولانا نہیں آئے، تو لوگوں کو تشویش ہوئی کہ آخر بات کیا ہے وعدہ تو پکا تھا اور اس کی تجدید بھی کرائی گئی تھی، فون کیا گیا تو یہ بات معلوم ہوئی جو اوپر مذکور ہے، منتظمین جلسہ کافی پریشان ہوئے اتفاقاً مولانا مرحوم اسی دن گھر آئے ہوئے تھے اب یہ نہیں معلوم کہ مولانا کے یہاں لوگ گئے یا از خود مولانا جلسے میں تشریف لائے اور اس جلسہ کو کامیابی سے ہم کنار کیا، موجودہ حالات کے تناظر میں مسلمانوں کے باہمی اتحاد واتفاق پر انتہائی مؤثر تقریر کی، اپنی تقریر میں انھوں نے پیڑ اور کلہاڑی والا مشہور مکالمہ بھی سنایا اور فون پر کی گئی حرکت کو فتنہ انگیزی قرار دیا یہاں یہ بات واضح رہے کہ ہارنے والے امیدوار کوئی غیر نہیں بلکہ مولانا مرحوم کے قرابت داروں میں سے تھے اور یہ دونوں حضرات ایک دوسرے کے غم اور خوشی میں شریک رہا کرتے تھے لیکن مولاناؒ کی یہ خوبی تھی کہ جس بات کو وہ حق سمجھتے بلا کسی لحاظ کے اس کی حمایت کرتے انھوں نے

کبھی کسی کی ہیبت یا ذاتی مصلحت کی بنا پر طریقۂ حق سے انحراف نہیں کیا، ان کی ہر بات ان کے ضمیر کی آواز ہوا کرتی تھی وہ آئینے کی طرح بالکل صاف وشفاف تھے وہ باہر سے جیسے تھے اندر سے بھی ویسے ہی تھے ان کے اندر کسی (غیر اللہ) کی رضا جوئی یا خوشامد کا گذر نہ تھا۔

ابھی چند دن پہلے ہمارے یہاں مدرسہ فاران تحفیظ القرآن حقیقت پور میں دار العلوم ندوۃ العلما لکھنؤ کے شیخ الحدیث مولانا نیاز احمد صاحب ندوی آئے ہوئے تھے، مولانا مرحوم کا ذکر چل پڑا مولانا ندوی نے کہا کہ مولانا مرحوم کا ایک خاص وصف یہ تھا کہ وہ مداہنت سے بالکل دور اور محفوظ تھے۔

ڈاکٹر جلال الدین پردھان نے بتایا کہ جب میں پہلی بار الیکشن لڑ رہا تھا، دعا کے لیے مولانا مرحوم کے پاس پہنچا مولانا نے دیکھتے ہی کہا کہ ڈاکٹر صاحب میں نے دعا کردی ہے کہ اے اللہ! ہمارے گاؤں کا جس سے بھلا ہو اسے کامیاب فرما۔

ایک امید وار صاحب جو پچھلے دس سال سے پردھان تھے مولانا سے ملنے آئے مولانا نے ان سے کہا کہ آپ دس سال سے اس عہدہ پر فائز ہیں، اب دوسروں کو بھی موقع دیجیے، مولانا اپنی صاف گوئی کے لیے بہت مشہور تھے کسی کی جھوٹی تعریف یا بلا تحقیق کسی کو کچھ کہنا ان کے نزدیک جرم عظیم تھا۔

ایک بار ہمارے قصبہ میں فرقہ وارانہ جھگڑا ہوا اپنے لوگوں میں سے بہت سے لوگوں پر مقدمہ چلا مقدمے کی واپسی کے سلسلے میں کچھ لوگوں نے بہت بھاگ دوڑ کی، یوپی حکومت کے بعض منتریوں اور لکھنؤ کے باا ثر علما سے بھی ملے نتیجہ بھی اچھا نکلا چونکہ یہ ساری کارروائی خفیہ اور رازدارانہ طریقہ پر کی گئی تھی اس لیے اخراجات کو قرض لے کر پورا کیا گیا تھا قرض کی ادائیگی کے لیے قصبہ کے کچھ صاحب ثروت لوگوں سے کہا گیا تو ایک کرم فرما کی کرم فرمائی بیچ میں حائل ہوگئی، جس کے سبب وقت پر ادائیگی نہ ہوسکی اور ذمہ داران کو قدرے خفت اور رسوائی کا بھی سامنا کرنا پڑا۔

اس سلسلے میں کچھ لوگ مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے ملے اور ان کے سامنے ساری بات رکھی مولانا نے اپنے اثر ورسوخ کا استعمال کر کے ایک اچھی خاصی رقم کا بندوبست کیا اور بڑی حد تک قرض کی ادائیگی میں سہولت ہوگئی۔

اسی طرح ایک مرتبہ گاؤں کے کچھ خوش حال نوجوانوں نے مشاعرہ کا انعقاد کیا جس میں

شاعرات کو بھی دعوت دی گئی، مولانا مرحوم کو جب معلوم ہوا تو انھوں نے منتظمین مشاعرہ کو سمجھایا اور فہمائش کی نیز آئندہ کسی بھی پروگرام میں عورتوں کو نہ بلانے کا وعدہ کرایا۔

منتظمین مشاعرہ نے بھی ضبط وتحمل سے کام لیا اور حضرت کا احترام کرتے ہوئے ان کی نصیحت پر عمل کیا اس وقت سے آج تک کسی بھی پروگرام میں عورتوں کو زحمتِ سخن نہیں دی گئی۔

اک آسمان تھا کہ جسے کھا گئی زمیں

☆☆☆

مردم ساز شخصیت؛ مولانا زین العابدینؒ

مولانا شاہد فضل قاسمی معروفی

والد محترم نے فون پر اطلاع دی ''دادا' مولانا زین العابدین صاحب' کو کینسر ہو گیا'' سننے میں یہ مختصر سی خبر تھی لیکن ایسا محسوس ہوا جیسے دل و دماغ پر سناٹا چھا گیا ہو۔ بے ساختہ لبوں پر انا للہ وانا الیہ راجعون کی ربانی تسلی جاری ہوئی ذہن و دماغ منجمد ہو گئے۔ حواس باختہ ہو گئے۔ میں جذباتی ہو گیا۔ وہ تمام کینسر جیسے مہلک امراض میں مبتلا افراد جوان امراض کو شکست فاش دے چکے تھے۔ ان کی تصاویر میرے ذہن و دماغ میں کمپیوٹر کی اسکرین کی طرح گھومنے لگی۔ والد محترم کے احترام کو بالائے طاق رکھ کر درجنوں سوالات کر بیٹھا۔ ''علاج کہاں کا ہو رہا ہے، امید کیا ہے، آپریشن کہاں ہوگا، مرض کی کیا پوزیشن ہے، مرض سے صحت یاب ہونے کی کتنی امید ہے، کب یہ انکشاف ہوا، ابتدائی مرحلے میں کہاں کا اعلاج ہوا، اس کو سنجیدگی سے کیوں نہیں لیا گیا؟ اور اس طرح کے نہ جانے کتنے سوالوں کا انبار لگا دیا۔ جب میرے ان سوالوں کا جواب نفی میں ملا تو اپنی باتوں کو دلیل سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہوتے سوچا کہ ''ہندوستانی کرکٹر یوراج سنگھ کو یہی مرض تھا آپریشن سے شفا مل گئی، فلمی اداکار منیشا کوئرالا اور بہت سے سیاسی لیڈروں اور تاجروں نے اس مہلک مرض سے چھٹکارا حاصل کیا۔ والد محترم سنجیدہ اور نرم لہجہ میں سمجھانے کی ناکام کوشش کرتے رہے۔

مولانا زین العابدین طویل علالت کے بعد اس دار فانی کو چھوڑ کر اپنے رب حقیقی سے جا ملے۔ مولانا نے دنیا کو کیا چھوڑا ہر چیز اپنی حقیقت سے جدا ہو گئی۔ ناگہانی صورتِ حال بن گئی۔ کئی لوگوں نے فون پر یہ وحشت ناک خبر دی۔ جب مولانا کی رحلت کی خبر یقین میں بدل گئی نبض دوراں رواں ہوئی تو فکر و خیال یک بیک پیچھے کی طرف مڑ گیا۔ مجھے وہ باتیں اور وہ زمانہ یاد آنے لگا جس نے مولانا زین العابدین صاحب کو ہم طالب علموں کے دل کی دھڑکن بنا دیا۔

میں مدرسہ معروفیہ سے عربی چہارم کے بعد عربی ششم کا امیدوار بن کر دار العلوم دیوبند گیا، اللہ کے فضل و کرم سے داخلہ بھی مل گیا سیٹ مل جانے، کھانا وغیرہ جاری ہو جانے کے بعد اطمینان ہوا تو مولانا سے ملنے اپنے دوست مولوی شاکر کے ساتھ سہارنپور روانہ ہوا۔ مولانا سے سرسری ملاقات تو

ہوئی تھی لیکن تفصیلی ملاقات کا شرف پہلی بار حاصل ہوا۔ مولانا نے خیریت معلوم کی، دارالعلوم کے احوال وکوائف اور داخلہ کے امیدوار دوسرے طالب علموں کے بارے میں دریافت کیا۔ ابھی گفتگو جاری ہی تھی کہ معاً اپنے قریب سے ایک کتاب اٹھا کر سامنے رکھتے ہوئے کہا کہ اس کی عبارت پڑھو دونوں نے ایک ایک دو دو سطر پڑھی اتنے میں مولانا نے ہماری استعداد کے ایک ایک پرزے سے واقفیت حاصل کرلی۔

دارالعلوم میں تعلیمی سلسلہ جاری تھا۔ آبائی وطن سے پہلی بار نکلے تھے۔ کسی مدرسہ میں پہلی بار قیام کرنے کا موقع ملا، ایک چھوٹے سے مدرسہ سے نکل کر مادر علمی دارالعلوم میں بے پناہ صلاحیت کے حامل اساتذہ کے درس میں حاضری اور علمی استفادہ کرنے کا موقع ملا۔ باصلاحیت اور فن کار طالب علموں کا ساتھ ملا۔ دیکھتے ہی دیکھتے پورا سال گذر گیا۔ دوسرے سال مولانا کی خدمت میں پھر حاضری ہوئی میرے رفیق درس مولوی امتیاز مولانا کی سرپرستی میں تھے، بحسن وخوبی ان کی خدمات بھی انجام دے رہے تھے۔ مولانا کے گھر ہی دوپہر کا کھانا تھا۔ میری عجلت پسندی اور ہر کام میں جلد بازی۔ میں وہاں پر بھی اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا۔ اپنے حصہ کی روٹی کو ختم کر کے چاول کی دیگچی کی طرف ہاتھ بڑھادیا۔ مولانا نے اپنے بائیں ہاتھ سے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: ہمارے یہاں جو کھانا بنتا ہے وہی کھانا نکلتا بھی ہے۔ اپنی اس گھٹیا حرکت، گنوار پن اور بداخلاقی پر فوری شرمندگی ہوئی لیکن مولانا کی بے تکلفانہ باتیں اور دوستانہ ماحول نے مجھے مسرور کردیا۔

مولانا سے ملاقاتوں اور ان کی خدمت میں وقت گذار چکے دوستوں سے معلوم ہوا کہ مولانا کا دستور عموماً یہی تھا کہ وہ طالب علموں کی کمزوریوں اور غلطیوں پر زیادہ نظر نہیں رکھتے تھے۔ نہ ان پر بہت زیادہ زجر وتوبیخ کرتے اور نہ ان کی وجہ سے کسی کو حقیر سمجھتے تھے بلکہ بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ اس طرح غلطیوں پر تنبیہ کرتے کہ طالب علم کو شرمندگی کا احساس بھی نہیں ہوتا اور وہ اسے سدھار لیتا۔ وہ اس کی خفیہ صلاحیتوں کو جاننے کی کوشش کرتے۔ اس پر نگاہ رکھتے۔ انہیں بیدار کرنے کی تدبیر کرتے۔ کمزوروں کو ہمت دلاتے اور ہمت والوں کی حوصلہ افزائی کرتے۔ طالب علموں کو بے تکلف کرکے استفادہ کی راہ کشادہ اور آسان کرتے۔ ان کی اسی خوبی کی وجہ سے کئی ایسے طالب علم جو اپنی تعلیم کو ترک کر چکے تھے یا نمبرات کم آنے کی وجہ سے تعلیم کا سلسلہ منقطع کر چکے تھے۔ ان کی خدمت میں رہ کر دو سالہ تخصص کے

کورس کو پورا کیا جن کے نمبرات کم تھے اس نے ساعت کر کے اپنے علمی صلاحیت کو اجاگر کیا۔ مولانا کے پاس جاکر۔ ان سے مل کر طالب علموں میں کام کی لگن، پڑھنے لکھنے کی دھن اور محنت وکوشش کی آگ بھڑک اٹھتی تھی۔ کمزور سے کمزور طالب علم یہ سمجھ کر ان کے پاس سے اٹھتا کہ میں بھی کچھ کر سکتا ہوں۔ مولانا کی اس خوبی نے مولانا کو ہر خاص وعام کے دلوں میں عظمت کے ساتھ ساتھ مقبولیت عطا کی۔

پورے ہندوستان میں ضلع مئو کا شماران اضلاع میں ہے جہاں پر کثیر تعداد میں علما اور ماہرین علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ مدارس اسلامیہ کی بڑی تعداد موجود ہے۔ اور ان میں پورہ معروف ایک درخشاں ستارہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس پر پورہ معروف کے عوام کا فخر کرنا فطری امر ہے اور طبیعت کے عین مطابق بھی۔ لیکن مولانا کی یہ خواہش تھی کہ یہاں کا ایک ایک فرد ٹھوس علمی صلاحیت کا حامل ہو۔ مولانا پورہ معروف کے عوام کی توجہ اس خوش فہمی سے ہٹا کر مزید دینی تعلیم کی طرف کرانا چاہتے تھے۔ محلّہ بلوہ املی باغ میں اپنے ایک پروگرام میں انہوں نے اس خوش فہمی پر سخت تنقید کرتے ہوئے فرمایا کہ آج پورہ معروف کی جو اپنی پہچان ہے وہ ہم جیسے ناکاروں کی وجہ سے نہیں بلکہ ہمارے بزرگوں کی وجہ سے ہے جو ان کی خاص محنت، مجاہدہ، علم کے لئے اپنے آپ کو وقف کرنے، اپنے آرائش وآرام کو ترک کرنے اور صلاحیت کیلئے خود کو قربان کر دینے کا نتیجہ ہے۔ ہم نے کبھی غور کیا ہے کہ ہم نے پورہ معروف کی عزت وعظمت کیلئے کون سا کارنامہ انجام دیا ہے بلکہ ہمارے سیاہ کارناموں کی وجہ سے پورہ معروف کی عزت وناموس داغ دار ہوئی ہے۔

مولانا طالب علموں اور علما کی علمی صلاحیت کو اجاگر کرنے کی کوشش کے ساتھ ساتھ عوام میں دینی سمجھ، نماز کی پابندی، تلاوت پر مداومت، اخلاق وعادات کی درستگی اور نظافت ونفاست پر توجہ دلاتے۔ مولانا ہمارے گھر تشریف لاتے دادی محترمہ اور والدہ محترمہ کو نماز، تلاوت اور تسبیحات وغیرہ کی پابندی کی تلقین فرماتے تھے۔

مولانا کی خوبیاں بیان کرنے کیلئے دفتر درکار ہے۔ لکھنے والوں کی نگاہ قاصر ہے قلم کوتاہ ہے۔ مولانا پر کچھ لوگوں کے اعتراض تھے مگر مولانا دھن کے پکے تھے جس کو صحیح سمجھا برملا اسے کہا اور صرف کہا نہیں بلکہ اسی پر خود کو ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے۔ ان کے درجات کو بلند فرمائے۔ بشری خطاؤں اور غلطیوں سے درگذر فرمائے، آمین۔

ایک عالم دین قصبۂ پورہ معروف کو ویران کر گیا

مولانا لطیف الرحمٰن قاسمی، معروفی، استاذ مدرسہ مصباح العلوم، نور پور، بجنور

حضرت مولانا زین العابدین صاحب کو اب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہوئے کلیجہ منھ کو آرہا ہے، آپ ان علمائے ربانیین میں سے تھے، جنہوں نے اپنی پوری زندگی حدیث کی خدمت کے لئے وقف کردی۔ مولانا صاحب، دین اسلام کے بے لوث خادم تھے، فن حدیث ہی ان کی زندگی کا مرکز د محور تھا، مولانا ایک بہت بڑی شخصیت کے حامل تھے، وہ ایک آفتاب و ماہتاب تھے، جس کے سامنے بے شمار لوگوں نے زانوے تلمذ تہہ کیا اور اپنے قلوب کو علم و عمل کے نور سے معمور کیا۔ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ان کو دین کا مستحکم قلعہ تصور کرتا تھا۔ اس سانحۂ ارتحال سے فرزندان ارجمند حضرت مولانا ابوعبیدہ صاحب اور حضرت مولانا عبدالباسط صاحب دونوں حضرات کے ساتھ ہم سبھی لوگ ان کے فراق اور جدائیگی پر ماتم کناں ہیں، ان کی زندگی مختلف الجہات تھی، تاہم ان پر فن حدیث کا رنگ غالب تھا اور وہ انسانیت کے نقیب و ترجمان تھے، ان کے انتقال پر ملال سے ملت اسلامیہ خاص طور پر سرزمین پورہ معروف اپنے محبوب قائد سے محروم ہوگئی۔ ان کی گونا گوں اور بے مثال خدمات کو ملت کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔ آج امت میں علماء کرام کی کمی نہیں ہے، تاہم ایسے علماء ربانیین کی ضرور کمی ہے، جو فن حدیث کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیتے ہیں، ان کی رحلت سے علمائے کرام کی صفوں میں جو خلا پیدا ہوا اس کا پر ہونا بہت مشکل ہے۔

مولانا زین العابدین صاحبؒ کی شخصیت میانہ روی اور تواضع کا حسین مرکز تھی، اخلاص وللّٰہیت، تقویٰ و طہارت، بصیرت و دور اندیشی، حکمت و دانائی، حلم و بردباری، علمی و فکری گہرائی، تواضع و انکساری کا پیکر تھے، شفقت و محبت، ہمدردی، غم گساری، عدل و انصاف کی صفات سے خوب آراستہ و پیراستہ تھے، وہ اپنے متعلقین اعزا، احباب اور خوردوں کے ساتھ خلوص سے پیش آتے تھے، اس کی مثال دیکھنے کو اب آنکھیں ترسے گی، ان کی وفات کے بعد ان کی زندگی اور کارناموں پر بہت سے لوگ مضامین لکھیں گے، مختلف عنوان سے ان کی گراں قدر خدمات پر روشنی ڈالی جائے گی، محسن و متعلقین، اعزاء اقارب و مسترشدین الگ لگ اسلوب و طرق میں ان کے فضائل و مناقب بیان

کریں گے رسائل ومجلات کے خصوصی نمبرات وکتابچے شائع کیئے جائیں گے، ہماری طرف سے ان کے لئے سب سے عمدہ دادو تحسین یہ ہے کہ ہم ان کے چھوڑے ہوئے کام اور مشن کو آگے بڑھاتے رہیں، یہ ان کے لئے سب سے بڑھ کر نذرانۂ عقیدت ومحبت ہوگا، رب ذوالجلال سے دعا ہے کہ مرحوم کو کروٹ کروٹ آرام وسکون عطا فرمائے، بال بال مغفرت فرمائے ان کی دینی خدمات کا اپنی شایان شان بدلہ عطا فرمائے، اہل خانہ ومتعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین ۔

آرہی ہے یہ صدا اب ہردر ودیوار سے
گلشنِ اسلام کا وہ باغباں جاتا رہا

☆☆☆

اصلاحی باتیں

سلسلہ نمبر: (۱)

معاشرہ اچھا ہو، تو اچھے لوگ تیار ہوتے ہیں اور معاشرہ کے بگاڑ کا اثر اچھوں پر بھی پڑتا ہے، اس لئے معاشرہ کی اصلاح ازحد ضروری ہے، آج ہمارے مسلم معاشرہ میں طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہورہی ہیں، غلط اور ناجائز رسومات وبدعات کا چلن ہورہا ہے، ان کی اصلاح کی کوشش ہر مسلمان کا حتی المقدور اخلاقی فریضہ ہے۔ ہمارے معاشرہ میں منگنی کے بعد نکاح سے قبل لڑکوں اور لڑکیوں کے آپسی تعلقات، بات چیت، اٹھنے بیٹھنے اور تنہائی میں ملنے وغیرہ کا ایسا غلط رواج ہوگیا ہے کہ ان کے ناجائز وحرام ہونے کا تصور تو درکنار، بعض ناعاقبت اندیش ان بری حرکتوں کی ترغیب بھی دیتے ہیں اور اس طرح کی غلط حرکتیں نہ کرنے پر الٹا سیدھا بھی سناتے ہیں۔ اس رسالہ میں انہیں برائیوں اور خرابیوں اور اس کی وعیدوں اور نقصانات کو قرآن واحادیث کی روشنی میں ذکر کرکے ان سے اجتناب پر ابھارا گیا ہے اور ان سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اور اصلاحی باتوں کا یہ پہلا سلسلہ ہے، مزید سلسلہ وار اس طرح کی باتوں پر حسب ضرورت وقتاً فوقتاً ان شاء اللہ مرتب: مولانا محمد شاکر عمیر صاحب معروفی کی طرف سے لکھا جاتا رہے گا۔

ملنے کا پتہ: مولانا محمد شاکر عمیر صاحب معروفی، موبائل نمبر: 09368607172

حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمیؒ

مولانا ریاست علی قاسمی، صدر المدرسین مدرسہ عربیہ مصباح العلوم، احمد نگر، رامپور (دیوزیا)

موصوفؒ بڑی باغ و بہار شخصیت کے مالک تھے، آپ کے مواعظ و خطبات کا اپنا ایک الگ انداز تھا، جسے عوام وخواص میں بڑی مقبولیت حاصل تھی، آپ کی گفتگو دل کی گہرائیوں میں اتر جاتی تھی اور دیر تک اس کے اثرات باقی رہتے تھے، دعوت الی اللہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو آپ نے پوری زندگی اپنا مشن بنائے رکھا، خدمتِ حدیث ایک طویل عرصہ تک بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ ادا کرتے رہے، آپ کی حیات کا بیشتر حصہ درسِ حدیث میں گزرا ہے، اس لئے حدیث اور فن حدیث آپ کا نمایاں عنوان بن گیا تھا۔

دوسری طرف زہد و تقوی کے اعلیٰ پیمانہ پر فائز تھے، احیائے سنت کا جذبہ عشق کے درجہ تک پہنچا ہوا تھا، ہر قول و فعل کہنے اور کرنے سے پہلے شریعت اور سنت کے اوپر پرکھتے، پھر کہتے اور عمل کرتے۔

الغرض آپکی ذات گرامی علم وعمل کی جامع تھی؛ اس لئے آپ کی وفات سے جو خلا پیدا ہو گیا ہے وہ پوری زندگی محسوس کیا جائے گا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالی مولانا مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور ان کی خدمات کو قبول فرمائے، آمین۔

ہمارے بعد اندھیرا رہے گا محفل میں
بہت چراغ جلاؤ گے روشنی کے لیے

☆☆☆

ایک مثالی شخصیت کی رحلت

مولانا امتیاز احمد مظاہری گرہست، عرف گلفام، پورہ معروف محلہ بانسہ

۲۸/اپریل ۲۰۱۳ء بروز اتوار، بوقت دوپہر؛ عظیم محدث وفقیہ، بابصیرت و بافیض عالم، مایۂ ناز اور قابلِ فخر شیخ حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمی معروفی رحمہ اللہ کے انتقال کی خبر سن کر پورہ معروف میں رنج وغم کا ماحول پیدا ہوگیا، ہر چہرے پر اداسی نظر آنے لگی، آپ کے انتقال کا پرملال اثر عمر رسیدہ، ادھیڑ، جوان، بچوں اور عورتوں سبھی پر پڑا، کئی دن تک ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آج ہی کا واقعہ ہے، آپ کی نمازِ جنازہ میں توقع سے کہیں زیادہ تعداد میں قرب وجوار کے لوگ شریک ہوئے اور جو کسی مجبوری کے تحت نہ آسکا؛ اظہارِ افسوس کرتا رہا، یہ سب آپ علیہ الرحمۃ کے عنداللہ محبوب ہونے کی دلیل ہے، ہمارے دیار میں بہت سے تعزیتی اور یادگاری جلسے کیے گئے اور جن لوگوں کا خطاب ہوا سبھوں نے وقت کی تنگی اور آپ علیہ الرحمۃ کی علم وعمل میں جامعیت اور عظیم محدث ہونے کا اعتراف کیا، تقریباً یہاں کے سبھی مدارس ومکاتب میں قرآن خوانی اور آپ علیہ الرحمۃ کی روح کو ایصالِ ثواب کا نظم کیا گیا۔

آپ علیہ الرحمۃ کے ایامِ علالت میں راقم السطور کی کئی بار بغرضِ عیادت حاضری ہوئی، خیر خیریت معلوم کرنے کے بعد دعاؤں کی درخواست کرکے واپس ہوگیا، وفات سے کچھ پہلے ملاقات ہوئی تو احقر نے اِس سال مع اہلیہ حج میں جانے کے ارادہ کا اظہار کیا اور دعا کی درخواست کی، آپ کے یہاں دعاؤں میں کہاں بخل تھا، ڈھیر ساری دعاؤں سے نوازا، وفات سے ایک ہفتہ پہلے مِلا تو آپ علیہ الرحمۃ نے ربانی خانقاہ کا نقشہ دکھایا اور اس پر توجہ رکھنے اور امداد کرنے کی درخوست کی، احقر نے وضاحت چاہی کہ امداد یا زکاۃ؟ آپ نے فرمایا: امداد، میں نے عرض کیا کہ ان شاء اللہ اپنی بساط کے مطابق امداد کرتا رہوں گا۔

وفات کے آخری دن آخری وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، دیکھ کر ایسا اندازہ ہونے لگا کہ اب آپ کا آخری وقت ہے، چوں کہ مجھے اسی دن اسی وقت کلکتہ کے سفر پر جانا تھا، اس لئے دیر تک

آپ کی خدمت میں نہ رہ سکا اور سفر کے لئے نکل پڑا، راستہ ہی میں انتقال کی خبر ملی، بہت صدمہ وافسوس ہوا؛ مگر میری بدنصیبی کہئے کہ واپس نہ آسکا۔

ہمارے دیار خصوصاً پورہ معروف میں علما کی کمی نہیں ہے؛ مگر حضرت علیہ الرحمۃ کی کچھ اور ہی شان تھی جو اوروں سے ان کو نمایاں طور پر ممتاز کردیتی ہے، آپ کے اندر علم پر عمل کرنے کا ایسا جذبہ تھا کہ بہت کم لوگوں میں ایسا ہوتا ہے، آپ شدید متبع سنت تھے، ہر ہر سنت کا اہتمام کرتے تھے، سادہ اور سادگی پسند تھے، متواضع اور تواضع کی ترغیب دینے والے تھے، بڑے خوش اخلاق، ملنسار، نرم گو تھے، والدین جیسی محبت اور پیار سے نوازتے تھے، ہر ایک ان کی محبت کا قائل تھا، پورہ معروف میں ان کے کئی عمدہ کارنامے ہیں جن میں ان کا کوئی شریک وسہیم نہیں، مثال کے طور پر ذکر کی مجلس کا قیام، بچیوں کی تعلیم وتربیت کے لئے جامعہ ام حبیبہ کا قیام، ربانی خانقاہ کی بنیاد وغیرہ۔

آپ ہر وقت پورہ معروف میں تعلیمی واخلاقی ترقی کے فکرمند رہتے تھے، وقتاً فوقتاً اس سلسلہ میں عوام میں خطاب بھی فرمایا کرتے تھے، آپ امامِ عیدین بھی تھے، عیدگاہ میں موقع کی مناسبت سے خطاب بھی فرمایا کرتے تھے اور بڑے پیار بھرے انداز میں جیسے باپ بیٹے کو سمجھاتا ہے نصیحت کیا کرتے تھے، وضع قطع شرعی رکھنے خصوصاً ڈاڑھی، لنگی اور پائجامہ پر تنبیہ کیا کرتے تھے، بسا اوقات ایسے مسائل کی وضاحت کرتے تھے جن کی طرف ذہن شاذ ونادر ہی جاتا ہے۔

اللہ کی ذاتِ عالی سے دعا ہے کہ اللہ آپ کو اپنے یہاں عالی مقام عنایت فرمائے اور ہم سب کو آپ علیہ الرحمۃ کے نقشِ قدم پر چلائے اور آپ کے بعد ہم سب کو فتنوں میں گرفتار ہونے سے بچائے، آمین ثم آمین۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

☆☆☆
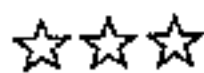
علم وعمل کا آفتاب غروب ہوگیا

مولانا مسعود عالم قاسمی، معروفی، استاذ جامعہ فیض عام دیوگاؤں، اعظم گڈھ

حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمی رحمہ اللہ بڑے ہی ذہین اور قوی الحافظہ تھے، انہیں درسی کتابوں کی عبارتیں، فقہ کے متون اور بہت سی احادیث زبانی یاد تھیں، بوقت ضرورت "بالفاظہ" زبانی پڑھتے جاتے تھے، حضرت کا علم بہت وسیع تھا، فن حدیث واسماء الرجال میں امامت کا درجہ حاصل تھا، دیگر فنون پر بھی پختہ گرفت تھی، فن حدیث کے تعلق سے آپ کے کلام کو علمی حلقوں میں استنادی حیثیت حاصل تھی، بلاشبہ مولانا کا شمار عہد حاضر کے ممتاز ترین اور صف اول کے علما میں ہوتا تھا، دینی علوم میں ان کو بڑا عبور ورسوخ حاصل تھا۔

اس دور کے اکثر علما سے ان کے تعلقات تھے اور وہ بالتزام ان کے یہاں حاضری دیتے تھے، ان کی سبق آموز زندگی کے واقعات وحالات سے خود بھی فائدہ اٹھاتے تھے، اس ضمن میں ان کی یہ خوبی قابل ذکر ہے کہ جن اکابر کا وہ خاص احترام کرتے تھے، ان کی کمزوریوں پر بھی ان کی نظر تھی اور احترام ملحوظ رکھتے ہوئے ان کا کسی نہ کسی پیرائے میں اظہار بھی کردیتے تھے، جس سے ہمیشہ فائدہ ہی ہوتا تھا۔

ہم سب پر نہایت شفیق تھے، ان کے اندر معاشرے کی اصلاح کی بھی کافی حد تک فکر رہا کرتی تھی، یوں تو ہماری نظر میں آپ کا ہر عمل سنت نبویہ سے میل کھاتا تھا؛ لیکن کچھ سنتیں ایسی ہیں جن پر بہت کم ہی لوگ عمل کرپاتے ہیں، مولانا ان کو بھی زندہ کرتے تھے، جیسے مریضوں کی عیادت، رشتہ داروں کے یہاں آنا جانا، ان کی خیر خبر لینا، تقریبات میں سنت پر قائم رہنا، لباس وغیرہ میں سنت کا لحاظ رکھنا وغیرہ، اس لحاظ سے مولانا علم وعمل کا آفتاب تھے، جن کی وجہ سے دینی ماحول سازگار تھا، ذکر وفکر کا حلقہ لگتا تھا، دعاؤں کا اہتمام ہوتا تھا، خدا کرے کہ مولاناؒ کے بعد بھی یہ تمام نیک اعمال علیٰ احسن وجوہ؛ جاری وساری رہیں، جن سے ان کو بھی ثواب ملتا رہے اور ہم سب کا تعلق اللہ سے مضبوط بنا رہے۔ اللہ مولانا مرحوم کی مغفرت فرمائے، آمین۔

حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمیؒ: کچھ محاسن ومحامد

مولانا وحید الزماں معروفی، مظاہری

حدیث شریف میں جہاں مُردوں کی برائیوں کو بیان کرنے سے ممانعت وارد ہوئی ہے، وہیں پر ان کی خوبیوں کو ذکر کرنے کا امر بھی ہے، میری نظر میں محدث جلیل، ناقد بصیر، محی السنہ حضرت ابوالابرار حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمی معروفی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ کے کچھ محاسن ومحامد اور خوبیاں ہیں جن میں سے بعض کا تذکرہ محض اس نیت سے کرتا ہوں کہ انھیں اپنی زندگیوں کے لئے مشعل راہ بنایا جائے گا۔

حضرت مولانا مرحوم کی زندگی نہایت ہی سادہ زندگی تھی، حضرت مولانا ہر شخص سے اس طرح ملتے تھے جیسے اس سے پرانا اور دیرینہ تعلق ہو؛ جب کہ مولانا ان کو پہلے سے جانتے بھی نہ ہوتے تھے کہ کیا نام ہے، کہاں کے رہنے والے ہیں وغیرہ۔

حضرت مولانا وقت کے بڑے پابند تھے، تعطیل کے بعد مدرسہ کھلنے کا جو وقت ہوتا اس سے کچھ پہلے ہی مدرسہ پہنچنے کی پوری کوشش کرتے تھے اور پہنچتے بھی تھے، شاید ہی کبھی اس میں تخلف ہوا ہو۔

اپنے شاگردوں کے ساتھ بڑے ہی پیار ومحبت اور شفقت ومروت سے پیش آتے تھے، کتابوں کی عبارت ہر ایک سے دن متعین کرکے پڑھواتے تھے۔

حضرت مولانا جمعہ کی نماز کے لئے ہمیشہ دور کی جامع مسجد میں جانا پسند کرتے تھے، جب اپنے وطن پورہ معروف میں ہوتے تو محلہ بلوہ کی قدیم جامع مسجد میں نمازِ جمعہ ادا فرماتے اور ہمیشہ وضو گھر سے ہی کرکے جایا کرتے تھے اور بسا اوقات نمازِ جمعہ اور سنتوں سے فراغت کے بعد لوگوں میں چند منٹ وعظ ونصیحت کی باتیں بھی کرتے تھے، ان کے وعظ ونصیحت کا بڑا انوکھا انداز ہوا کرتا تھا، بعض بعض باتوں پر آپ پر گریہ طاری ہو جاتا تھا جس کی وجہ سے سامعین کا دل بھی تھرا جاتا تھا۔

حضرت مولانا کا سونے سے پہلے تک کا تمام وقت تعلیم وتعلم اور ذکر واذکار میں گزرتا تھا، حضرت مولانا جب سہارنپور میں ہوتے تو فجر کے بعد صاحب زادہ محترم پیر طلحہ صاحب دامت فیوضہم وبرکاتہم کی خانقاہ میں تشریف لے جاکر وہاں کی رونق دوبالا فرماتے اور جمعرات کو مغرب کے

بعد اپنا خانقاہی نظام: ذکرواذکار اور دعا سہارنپور کے ایک صاحب خیر شخص کے مکان میں چلاتے تھے، حضرت مولانا کی اس ذکر کی مجلس میں مجھے بھی جانے کا اتفاق ہوا ہے، واقعی میں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس سے پرسکون جگہ ہمیں اب تک میسر نہیں ہوئی، ذکر اور آپ کی دعا کی برکت سے دلوں میں نورِ ایمانی کی لہر دوڑنے لگتی تھی، قلب؛ اللہ کی طرف متوجہ ہوجاتا اور سکینہ نازل ہوتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔

حضرت مولانا کے پاس جب ہدایہ وتحائف آتے تو حضرت اس کو خود تناول فرماتے اور دوسروں کو بھی کھلاتے اور فرماتے کہ ''جمع کر کے نہیں رکھنا چاہئے، اللہ بھیج رہا ہے تو اس کو ذخیرہ نہ کرو، جب تک یہ رہے گا دوسرا نہیں آئے گا'' اور بھائی! ہمارا تو مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ اکثر ایک کے ختم ہوتے ہی دوسرا آجاتا اور اگر ایک پڑا رہا تو شاید ہی اس کی موجودگی میں دوسرا ہدیہ کبھی آیا ہو۔

حضرت مولانا کے ہاتھوں میں بڑی برکت تھی، جب آپ نے حج کا ارادہ کیا تو آپ کے پاس پیسوں کا پورا انتظام نہ تھا پھر بھی آپ نے حج کا عزم کرلیا اور حج کا فارم بھر دیا، پھر وقت آنے پر اللہ نے سارا انتظام کرادیا۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آپ کا پرانا کچا مکان نہایت بوسیدہ اور کمزور ہوگیا تھا، اس کو از سر نو تعمیر کی اشد ضرورت تھی؛ مگر اس وقت آپ کے پاس بارہ ہزار روپئے کے علاوہ اور کچھ نہ تھا؛ لیکن ضرورت شدید تھی؛ اس لئے آپ نے توکلاً علی اللہ تعمیری کام شروع کرادیا اور پھر اللہ نے وہ کام بھی بحسن وخوبی پورا کرادیا؛ جب کہ اندازہ ہے کہ اس مکان کی تعمیر میں لاکھ کے قریب روپئے خرچ ہوئے ہوں گے، آیتِ کریمہ ﴿وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهُ﴾ پر آپ کا کیسا ایمان تھا اور اللہ کی طرف سے آپ پر کیسا انعام تھا کہ آپ اللہ کے ہوئے تو اللہ آپ کا ہوگیا۔

حضرت مولانا نے اپنی بچیوں کی شادی سنت کے مطابق کی، جیسے ہمارے علاقہ میں آج کل کا ماحول ہے کہ رخصتی سے اگلے دن کچھ عورتیں پانی پلانے کے نام پر دلہے کے گھر جاتی ہیں؛ لیکن مولانا کے یہاں ایسا نہیں ہوا؛ بلکہ مولانا بذات خود اپنے داماد کے گھر گئے اور سنت کے مطابق گلاس میں پانی لے کر مسنون دعا پڑھی اور پانی دولہا اور دلہن کو پلایا اور اس کا چھینٹا ان کے بدن پر مارا اور واپس چلے آئے۔

افسوس کہ ان اعلیٰ صفات اور خوبیوں کا حامل آج ہمارے بیچ نہیں رہا، حضرت مولانا کی وفات

سے پورہ معروف اوراس کے اطراف وجوانب میں رنج وغم کا ایک عجیب منظر تھا، جنازہ کے وقت لوگوں کے کثیر مجمع کو دیکھنے والوں نے دیکھا، سننے والوں نے سنا، سبق حاصل کرنے والوں نے سبق حاصل کیا، درس وعبرت پکڑنے والوں نے خوب خوب فنافی اللہ کا درس حاصل کیا، حضرت کی وفات سے ایک بہت بڑی کمی محسوس ہورہی ہے، اللہ اس کمی کو پر کردے اور حضرت کی مغفرت فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے نیک اعمال اور شاگردوں کو صدقۂ جاریہ بنائے، آمین یارب العالمین۔

☆☆☆

آہ، علم وعمل کا چراغ گل ہوگیا

مولانا زین البشر بن حافظ سعید الرحمٰن معروفی

ترا حادثہ اک بڑا حادثہ ہے
کہ ہر حادثہ بھول جانا پڑے ہے

۲۸؍اپریل ۲۰۱۳ء بروزِ اتوار بعد نمازِ ظہر تقریباً ڈھائی بجے یہ اطلاع موصول ہوئی کہ اسم بامسمی عابد، زین المحدثین، استاذ المحققین، علوم وفنون کے ماہر، عالم باعمل حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمیؒ اس دارِ فانی سے دارِ بقا کی طرف رحلت فرما گئے، ﴿انا للہ وانا الیہ راجعون﴾۔

بلاشبہہ حضرت کی ذاتِ گرامی مذکورہ صفات کی آئینہ دار تھی، خواص کے ساتھ عوام سے بھی آپ کا گہرا تعلق تھا، آپ سب کے ساتھ گھل مل کر رہتے تھے، آپ کو تواضع وخاکساری کا وافر حصہ من جانب اللہ عطا ہوا تھا، جس کے نتیجے میں ہر کوئی آپ سے بلا تکلف کسبِ فیض کرتا تھا اور بھرپور فائدہ اٹھاتا تھا، آپ کو علم کے ہر میدان میں مکمل درک حاصل تھا، خواہ وہ فنِ حدیث ہو، یا تفسیر وفقہ، منطق ہو یا فلسفہ، نحو وصرف ہو یا علمِ معانی وبدیع، عربی ادب ہو یا اردو وفارسی، الغرض آپ کو ہر میدان میں مہارتِ تامہ حاصل تھی، خصوصاً فن اسماء الرجال میں آپ بے نظیر تھے، اسی کے ساتھ قراءتِ سبعہ کے بھی ماہر قاری تھے، ہر روز قرآن کا ایک معتدبہ حصہ بلحاظِ قراءتِ سبعہ؛ تلاوت کا معمول تھا۔

آپ صرف عالم ہی نہیں بلکہ عالم باعمل تھے، تقویٰ وطہارت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، آپ کی نمازِ جنازہ میں اتنا بڑا جمِ غفیر تھا کہ ایسا لگتا تھا کہ انسانوں کا سیلاب امڈ آیا ہے، جن کو دیکھ کر غیر مسلم بھی حیران رہ گئے، مجمع کی کثرت ہی اس بات کی منجانب اللہ ندا تھی کہ آپ عندالناس محبوب تھے اور ان شاء اللہ عنداللہ بھی محبوبیت نصیب ہوگی، ان سب کے باوجود آپ کے اندر تواضع وانکساری بے حد تھی، تعلّی اور کبر کا گزر بھی نہ تھا، معمولی معمولی بات پر آنکھوں سے آنسو جاری ہوجانا آپ کے لئے معمولی بات تھی، ہر ایک سے تواضع اور خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے تھے اور بڑے ہونے کے باوجود کسی پر بڑائی کا سکہ نہیں بٹھاتے تھے، سچ ہے۔

جو اہلِ وصف ہوتے ہیں ہمیشہ جھک کے ملتے ہیں

صراحی سرنگوں ہوکر بھرا کرتی ہے پیمانہ
تواضع کا طریقہ سیکھ لو لوگو صراحی سے
کہ جاری فیض بھی ہے اور جھکی جاتی ہے گردن بھی

بہرحال علم وعمل کا یہ روشن چراغ تراسی (۸۳) سال کی عمر میں، طویل علالت کے بعد آخر گل ہوگیا، اللہ تعالیٰ حضرتؒ کی قبر کو منور فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے، آمین۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

☆☆☆

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خط کا عکس جو مولانا رضوان الرحمٰن صاحب معروفی کے نام آپ نے تحریر فرمایا۔
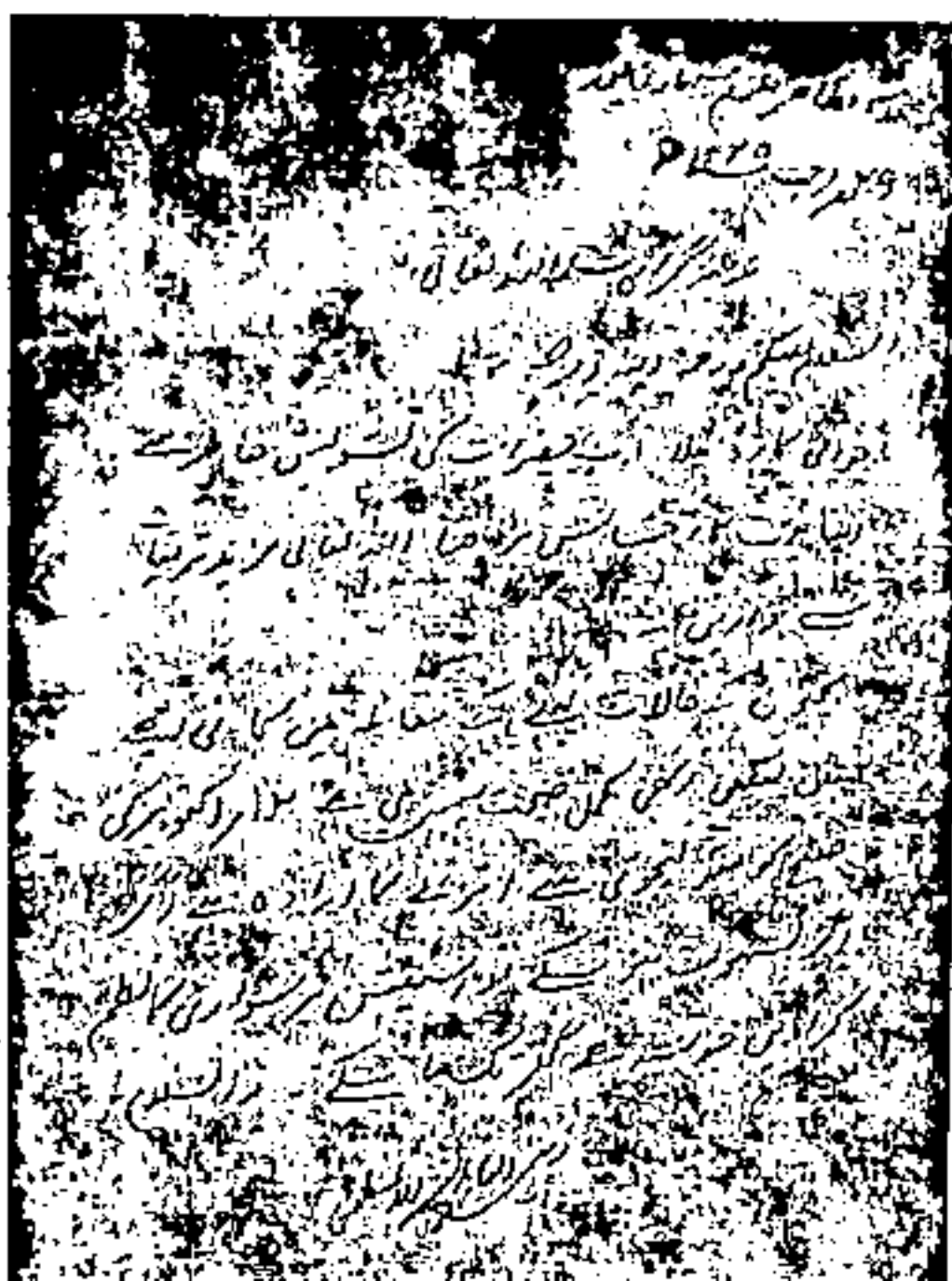
ایک عالمِ ربانی کا سفرِ آخرت

مولانا شفیق الرحمٰن صدیقی، معروفی

حضرت مولانا زین العابدین صاحبؒ مختلف علوم وفنون کے ماہر سمجھے جاتے تھے اور ان تمام پر انہیں مکمل دسترس حاصل تھی، خصوصاً علمِ حدیث کے سلسلے میں تو آپ کو یدِ طولیٰ حاصل تھا، آپ کو طالبانِ علومِ نبویہ کے ساتھ عوام الناس کی بھی بڑی فکر رہا کرتی تھی، ان کی اصلاح کے لیے سعی وکوشش کرتے تھے، اس کے لیے انھوں نے "ربانی خانقاہ" قائم کی، جہاں رمضان المبارک میں آپ کے زیرِ سایہ رہ کر سالکینِ راہِ طریقت؛ ذکر جہری کی مشق اور اصلاحِ باطن کی کوشش کرتے تھے۔

آپ کو تعویذ سے بھی لگاؤ تھا، آپ کے بنائے ہوئے تعویذ میں بڑا اثر ہوتا تھا، میں نے اپنی والدہ محترمہ کی زبانی بارہا سنا ہے کہ میرے برادرِ خورد عتیق الرحمٰن سلمہ بچپن میں اکثر وبیشتر بیمار رہا کرتے تھے اور ہر طرح سے دوا علاج کیا گیا؛ مگر افاقہ نہیں ہوا، میرے والد حضرتؒ کی خدمت میں گئے اور سارے احوال سنائے، بعدہ تعویذ کی فرمائش کی، حضرت نے پوچھا اس کا کیا نام ہے؟ والد صاحب نے جواب دیا: عتیق الرحمٰن، حضرت نے فرمایا نام بدل دو اور خود ہی "معین الدین احمد" نام تجویز فرمایا، اس کے بعد ایک تعویز لکھ کر دیا اور گلے میں ڈالنے کا ایک طریقہ بتادیا، والد صاحب نے حکم کے مطابق تعمیل کی بجا آوری کی، اسے فضلِ الٰہی کہیے، یا حضرت کی کرامت؛ کہ تعویذ گلے میں ڈالتے ہی طبیعت سنبھلنی شروع ہوگئی اور چند ہی دنوں میں بھائی صحت یاب ہوگیا اور آج اس کو صحت منداور توانا دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ کبھی بیمار ہی نہیں ہوا تھا۔

آپ بے حد محنتی اور جفاکش بھی تھے، معمولی سے معمولی کام کرنے میں بھی عار محسوس نہیں کرتے تھے، اس طرح کا مشاہدہ ایک بار مجھے بھی ہوا، جب میں ایک بار بغرض زیارت حضرت کے دولت کدے پر حاضر ہوا، وہاں چند مہمان بھی تھے، مہمان کی تواضع شیرینی اور نمکین سے کی گئی، فراغت کے بعد دسترخوان اٹھادیا گیا، نمکین کے کچھ ٹکڑے بے خیالی میں گر گئے تھے، حضرت گھٹنوں کے بل ہوکر انہیں چننے لگے اور ایک ایک کرکے انہیں منہ میں ڈالنے لگے۔

ادھر بڑھتی عمر کے ساتھ حضرت کو دیگر عوارض بھی لاحق ہوگئے تھے اور گلے کا کینسر

ہوگیا تھا، بالآخر وہی مرض؛ دنیا سے جانے کا سبب بھی بنا ﴿انا للہ وانا الیہ راجعون﴾، اللہ حضرت کی مغفرت فرمائے، آمین۔

☆☆☆☆☆

مولانا زین العابدین صاحب اعظمیؒ

جناب ماسٹر شکیل احمد، مدرس ''الجامعۃ المحمودیہ للبنات'' پورہ معروف (مئو)

۲۸/اپریل بروز اتوار بعد نماز ظہر احقر اپنی عادت کے مطابق کھانا کھا رہا تھا کہ خبر ملی حضرت مولانا زین العابدین صاحب کا دو بج کر پندرہ منٹ پر ابھی ابھی انتقال ہوگیا ہے، نماز جنازہ ساڑھے نو بجے ادا کی جائے گی، اتنا سننا تھا کہ کفِ افسوس ملنے لگا؛ کیوں کہ آج ہی صبح حضرت مولانا سے ملنے کا عزمِ مصمم تھا، فجر کے بعد ایک نہایت اہم کام کے پیش نظر حضرت والا کے یہاں نہیں پہنچ سکا، جس کا مجھے بے حد افسوس ہے، آخری ملاقات نہ کرسکا، بہر کیف کھانے سے فارغ ہوکر حضرت والا کی زیارت کے لئے نکل پڑا، تقریباً ساڑھے تین بجے دروازہ پر پہنچ گیا، گھر کے اندر حضرت کے خاندان کی عورتوں کی بھیڑ کی وجہ سے تقریباً چار بجے حضرت مولانا و مفتی عبداللہ صاحب مدظلہ کی کوشش سے حضرت رحمہ اللہ کی زیارت ہوئی، اگر چہ میں غم سے نڈھال تھا؛ مگر حضرت کے چہرے کی نورانیت دیکھ کر دل باغ باغ ہوگیا، انتقال کے غم و دکھ میں قدرے کمی ہوئی اور بہت حد تک دل مطمئن ہوگیا کہ حضرت والا کا خاتمہ بالخیر ہوا ہے، انشاء اللہ، حضرت کی قبر جنت کا باغ بنے گی۔

ہم سب کے ساتھ حضرت کی پدرانہ شفقتیں: پیر طریقت حضرت مولانا زین العابدین صاحب مرحوم و مغفور کے ساتھ احقر کے والد حضرت مولانا حکیم مشتاق احمد صاحب اور میرے برادران مولانا شبیر احمد، حکیم نذیر احمد، مولوی ظفر احمد سے بہت گہرے تعلقات تھے، اسی بنا پر حضرت والا جب کبھی وطن میں رہتے تھے، تو والد صاحب مدظلہ العالی سے ملاقات کے لئے گھر تشریف لایا کرتے اور احقر کے گھر، دوکان اور مدرسہ میں اکثر کسی نہ کسی موقع پر تشریف لایا کرتے تھے، احقر بھی ربانی مسجد کے پرگراموں میں موقع بہ موقع شرکت کرتا رہتا تھا اور حضرت مرحوم کے اپنے دولت خانہ پر تشریف رکھنے کی صورت میں ملاقات کے لئے جاتا رہتا تھا، حضرت بڑے پیار بھرے انداز سے مخاطب فرماتے اور کہتے بابو! مولوی شکیل آگئے، پھر فرماتے کہ آگے آکر بیٹھو۔

حضرت مولانا علمی میدان میں اعلی مقام رکھتے تھے، پھر بھی غرور و تکبر سے کوسوں دور تھے، احقر جیسے عاصی اور کم علم کے یہاں آنے اور جانے میں کوئی عار نہیں سمجھتے تھے، حضرت اقدس ہمارے مکان و دوکان

اور مولوی ظفر احمد کی دوکان پر خود بخود ملاقات کے لئے تشریف لاتے تھے، ہم لوگ بھی آپ کی تشریف آوری کو غنیمت سمجھ کر خدمت کرنے سے ذرا بھی تامل نہیں کرتے تھے، چوں اخیر میں حضرت کو پاؤں کا عارضہ ہوگیا تھا جس کی وجہ سے چلنے پھرنے میں دقت ہوتی تھی، چنانچہ ہم لوگ آپ کی خواہش ومنشاء کے مطابق واپسی میں گاڑی سے ان کو ان کے دولت خانے اور کبھی کسی اور مطلوبہ جگہ پہنچانے کو اپنا شرف سمجھتے تھے۔

احقر کے بیعت کا تمسخر بھرا دلچسپ واقعہ: احقر عاصی بھی حضرت والا سے بیعت کے لئے خواہش ظاہر کرتا اور عاجزی کرتا رہا؛ مگر حضرت والا ہر مرتبہ ہنس کر ٹال دیتے اور برائے تمسخر کہتے کہ مولوی شکیل میں تم کو کیسے بیعت کرسکتا ہوں، میں خود آپ سے بیعت ہوں، حضرت والا پیار میں مجھے مولوی شکیل ہی کہہ کر مخاطب کرتے تھے، پھر بعد میں کہتے کہ تم نے تو تیسری جماعت تک پڑھ کر چھوڑ دیا تھا؛ مگر بے ساختہ مولوی کہہ کر پکارتا ہوں، برا مت ماننا۔

۲۰۰۸ء کا واقعہ ہے ایک روز مولوی ظفر احمد کی نئی دوکان میں حضرت والا کی مجلس جمی ہوئی تھی، اس دن احقر نے مولانا سے بیعت ہونے کے لئے پھر اصرار کیا، تو حضرت نے فرمایا کہ ایک روز آپ نے فرض نماز تکبیر اولی کے ساتھ پڑھنے کا طریقہ بیان کیا، جو مجھے بے حد پسند آیا، اسی دن سے میں آپ سے بیعت ہوگیا، واقعہ اس طرح ہے کہ نماز سے متعلق بات چیت چل رہی تھی، اسی مجلس میں احقر نے اپنا تجزیہ بیان کیا کہ اذان سنتے ہی نماز کی تیاری میں لگ جاتا ہوں، تو تکبیر اولی کے ساتھ جماعت میں شامل ہوجاتا ہوں۔ اذان سننے کے بعد جب کسی کام میں لگا رہتا ہوں کہ پورا کرلوں تو چلوں گا، ابھی جماعت میں تو پندرہ منٹ باقی ہے، تو اس روز ایک رکعت یا دو رکعت چھوٹ جاتی ہے اور کبھی کبھار پوری جماعت ہی نکل جاتی ہے؛ کیوں کہ آدمی سوچتا ہے کہ ابھی پندرہ منٹ باقی ہے، جب کہ اذان ختم ہوتے ہوتے ۵ رمنٹ گزر جاتا ہے، اسی جوڑنے، گھٹانے میں رکعت نکل جاتی ہے، یا جماعت ہی سے محروم ہوجاتے ہیں۔ بہرکیف اس روز مولانا بیعت کے لئے رضامند ہوگئے اور فرمایا کہ دیکھو بابو شکیل میں رمضان میں ہی صرف بیعت کرتا ہوں، اس لئے رمضان میں ربانی مسجد میں آؤ، انشاء اللہ بیعت ہوجاؤ گے، اسی سال رمضان المبارک میں، ربانی مسجد میں جا کر بیعت ہوگیا۔

ہمیں غم لاحق ہے کہ اب ہمارے حضرت نہ رہے، ہم سب کے شیخ نہ رہے، اللہ مرحوم کو جزائے خیر دے اور ان کی مغفرت فرمائے۔

جدامجد کی امتیازی شان

حافظ محمد حسان معروفی، متعلم دارالعلوم دیوبند

داداجان حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمیؒ کو مختلف علوم وفنون میں کمال وگہرائی حاصل تھی، بہت کم ایسے اشخاص ہوتے ہیں جنہیں یہ دولت حاصل ہوتی ہے، بلا مبالغہ دادا مرحوم کو اللہ نے خصوصی مقام سے نوازا تھا: علم حدیث خصوصاً فن اسماء الرجال میں انہیں مہارت اور درک حاصل تھا، فقہ وفتاوی سے بھی کافی مناسبت تھی، چنانچہ اگر آپ کے سامنے فقہ کا کوئی مسئلہ لایا جاتا تو سائل تشفی بخش جواب لیکر لوٹتا، شعروادب سے کافی دلچسپی تھی، ان سے متعلق کوئی اشکال وغیرہ داداجان کے روبرو پیش ہوتا تو سائل کے اشکال کو بخوبی حل فرمادیتے یا کم ازکم رہنمائی فرمادیتے تھے، منطق وفلسفہ بھی خوب سمجھے ہوئے تھے، چنانچہ اس سلسلہ کا کوئی مسئلہ داداجان کی خدمت میں لایا جاتا تو اس کو بھی چٹکی بجاتے سمجھادیتے، حتیٰ کہ قراءت سبعہ کی کتابوں تک کے اشکال کو حل کرکے سائل کو بامراد واپس کرتے تھے، اس طرح حضرت داداجان کو مختلف علوم وفنون پر بصیرت اللہ کے فضل سے حاصل تھی۔

سنت کا اہتمام: آپؒ سنت کے پابند اور اس کے مبلغ تھے، سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے اور تناول طعام وغیرہ میں بھی سنت کا مکمل پاس ولحاظ رکھتے، خلاف سنت عمل پر فوراً آگاہ کردیتے اور اس سلسلہ کی جو حدیث ہوتی اسے بطور دلیل پیش کردیتے، راقم کے سامنے پیش آمدہ بہت سے واقعات میں سے ایک واقعہ ذکر ہے: ایک بار بندہ ایام تعطیل میں دیوبند سے گھر پہنچا، داداجان اس وقت کھانا تناول فرمارہے تھے، کم علمی کی وجہ سے بیٹھک میں پہنچتے ہی میں نے سلام کردیا، بطور نصیحت داداجان نے فرمایا کہ ”کھانے کے دوران سلام کرنا مناسب نہیں، پھر فرمایا کہ بیٹے! جب انسان کسی کو سلام کرتا ہے، تو سننے والے پر اس کا جواب واجب ہوجاتا ہے، اگر تم کسی ایسے شخص کو سلام کرو جو کھانا کھارہا ہو اور جواب دیتے وقت لقمہ حلق میں پھنس جائے تو یہ پریشانی کا سبب بن سکتا ہے۔

مرض الوفات: ۱۷ستمبر ۲۰۱۲ء کو پہلی بار کھانا کھاتے وقت حلق میں پھنسا اور بڑی مشقت کے بعد نیچے اترا، اس کے بعد کچھ دنوں تک تناول طعام کا سلسلہ چلتا رہا، پھر اس کے بعد دوبارہ حلق میں پھنسنا شروع ہوگیا، یہاں تک کہ نومبر ۲۰۱۲ء میں ڈاکٹر نے ایکسرے کے بعد بتایا کہ غذا کی نالی بھرگئی

ہے، انڈوزکاپی کی جانچ تجویز کی گئی، مگر دادا نے انکار کر دیا، نومبر کے آخر میں مظہر العلوم بنارس کے جلسہ میں تشریف لائے، تو وہاں کے ڈاکٹروں سے بھی چیک اپ کرانے کا پروگرام بنا، لیکن داداجان کے خلیفہ ومجاز ممتاز پہلوان کی اہلیہ محترمہ کا انتقال ہو گیا تو اپنی جانچ چھوڑ کر ان کی نماز جنازہ میں شرکت کے لیے تشریف لے آئے، پھر سہارنپور گئے ہومیو پیتھک علاج شروع کیا، اس سے کچھ افاقہ ہوا، لیکن جنوری میں پھر غذا اندر جانی بند ہو گئی، اس لیے ممبئی گئے، وہاں کے ڈاکٹروں نے پوری توجہ سے جانچ کی اور مرض کو لاعلاج بتایا، ڈاکٹروں نے معدہ میں سوراخ اور نلکی کے ذریعہ غذا پیٹ میں پہنچانے کا مشورہ دیا، مگر آپؒ کی غیرت ایمانی نے اس کو گوارا نہ کیا اور فرمایا کہ ”جو خدا بیاسی (۸۲) سال تک کھلاتا پلاتا رہا، وہ بغیر کھلائے پلائے بھی زندہ رکھنے پر قادر ہے، اس نے عیب چھپا دیا ہے، ہم اس کو کھول کر لوگوں کو دکھاتے پھریں؟ اس لیے اب چلے چلو، کوئی علاج نہیں کیا جائے گا“ اس کے بعد سہارن پور تشریف لے آئے، ناچیز سہارن پور عیادت کے لیے پہنچا، اسی دوران یہ واقعہ پیش آیا کہ برما کا ایک طالب علم کافی دیر سے داداجان کی خدمت میں بیٹھا تھا، داداجان نے فرمایا آپ بہت دیر سے بیٹھے ہیں، اب جائیے، اس طالب علم نے کہا کہ میں نے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا، آپ کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ ان کی طبیعت کافی ناساز چل رہی ہے، ان کی خدمت میں جاؤ؛ اس لیے میں یہاں ہوں، یہ سن کر وہاں بیٹھے سب کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں، حتیٰ کہ داداجان بھی رو پڑے۔

پھر سہارن پور سے پورہ معروف تشریف لے آئے، تا کہ سب لوگوں سے ملاقات ہو جائے، کچھ دنوں کے بعد سہارنپور تشریف لے گئے اور نصف مارچ تک وہاں رہے، پھر گھر آ گئے، چالیس روز ہو گیا تھا حلق کے راستے کوئی غذا پیٹ میں پہنچے ہوئے، دھیرے دھیرے مرض بڑھتا گیا، ۲۴ر اپریل کو فرمایا کہ حلق اور پیٹ میں ہلکا ہلکا درد شروع ہو گیا ہے، یہاں تک کہ ۲۷ر اپریل کو درد میں بے انتہا شدت ہو گئی، ڈاکٹروں کے مشورہ سے انجکشن دیا گیا، اس دن ظہر، عصر اور مغرب کی نماز اشارہ سے پڑھی، عشا کی نماز اشارہ سے بھی پڑھنے کی سکت نہ رہی، ۲۸ر کی صبح کو گھر کے ہر چھوٹے بڑے کو بلایا، سر پر ہاتھ پھیرا اور دعاؤں سے نوازا، اسی دن دوپہر کو تقریباً تراسی سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

حضرت مولانا زین العابدین اعظمیؒ
تصنیفات وتالیفات کے آئینہ میں

مولانا محمد شاکر عمیر معروفی

واضح رہے کہ تصنیفات وتالیفات کے سلسلہ میں مولانا محمد شاکر عمیر معروفی اور مولانا عبدالباسط قاسمی دونوں نے اپنے گراں قدر مضامین ارسال فرمائے ہیں، ہم تکرار سے بچنے کے لئے پہلے مولانا شاکر عمیر کے مضمون سے مطبوعہ کتابوں کا تعارف پیش کرتے ہیں، پھر غیر مطبوعہ وغیرہ کا تعارف مولانا عبدالباسط کے مضمون سے ذکر کیا جائے گا۔ (مرتب)

(۱) **جزء القراءة المسنونة** (نماز سے متعلق مسنون قراءت): حضرت الاستاذؒ نے یہ کتاب جناب حافظ محمد ایوب سرائمیری، استاذ مدرسۃ الاصلاح وامام مسجد سرائمیر کی فرمائش پر تصنیف فرمائی ہے، اس میں ایسی چالیس احادیث کا باحوالہ انتخاب ہے، جن میں حضور ﷺ کی قراءت مسنونہ کا بیان ہے کہ کن کن نمازوں میں آپ ﷺ نے کن کن سورتوں کی قراءت فرمائی ہے اور فقہائے امت نے اس کو معمول بہا بنایا ہے، جابجا فقہائے کرام رحمہم اللہ کی عربی عبارات کا باحوالہ اقتباس ہے، کہیں کہیں بظاہر متعارض احادیث کا شاندار حل پیش کیا گیا ہے، یہ کتاب دیکھ کر آپ کے عظیم محدث اور بابصیرت فقیہ اور علمائے متقدمین کے کلام پر عبور حاصل ہونے کا خوب پتہ چلتا ہے، اس کتاب کے ابواب اور فصول سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاً یہ عربی زبان میں تھی، بعد میں عربی کو باقی رکھتے ہوئے مزید وضاحت کے ساتھ اردو میں اس کا ترجمہ کر دیا گیا، یہ کتاب علما، عوام خاص طور پر ائمۂ مساجد کے لئے نہایت ضروری ہے، آج ضرورت ہے کہ ائمۂ مساجد نماز میں قراءت مسنونہ کا لحاظ کریں؛ تاکہ احیائے سنت کا بھی ثواب حاصل ہو سکے۔

(۲) **عرشِ الٰہی کا سایہ**: یہ کتاب جامعہ مظاہر علوم سہارنپور سے نکلنے والے ''ماہنامہ مظاہر علوم'' میں انوارِ حدیث کے عنوان کے تحت آٹھ قسطوں میں شائع ہونے والے مضامین کا مجموعہ ہے، ساتھ ہی ساتھ دو اور طویل مضمون ''خیر وشر کی کنجیاں'' اور ''اللہ کی نظرِ کرم سے محرومی کے اسباب'' بھی شاملِ اشاعت ہیں، یہ دونوں مضمون بھی ''ماہنامہ مظاہر علوم'' میں قسط وار شائع ہو چکے

ہیں، ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اس کتاب میں "سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظِلِّهٖ يَوْمَ لَاظِلَّ إِلَّا ظِلُّهٗ" الحدیث، کو اصل و بنیاد بنا کر اس حدیث کی نہایت عمدہ تشریح و توضیح کی ہے اور ساتوں اشخاص کی الگ الگ وضاحت کی ہے جو کسی کتاب میں یکجا ملنی مشکل ہے، اس کے بعد بڑے مدلل و محقق انداز میں اس بات کو ثابت کیا ہے کہ حدیث شریف میں قیامت کے دن جو سات آدمیوں کو عرش کے سایہ میں ہونے کا ذکر آتا ہے یہ انہیں سات لوگوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے؛ بلکہ بہت سی روایتوں میں ان کے علاوہ دوسرے صالحین بندوں کو بھی رحمتِ الٰہی کے سایہ میں ہونے کی خوشخبری دی گئی ہے، اس کے بعد حافظ ابن حجر، علامہ سکاوی، امام سیوطی، علامہ عبد الرؤف المناوی اور علامہ قسطلانی رحمہم اللہ وغیرہ کے حوالہ سے ان کا تفصیلی ذکر کیا ہے، کتاب اردو میں ہے اور عام فہم انداز میں علمی اور تذکیری پہلو کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے جو عوام وخواص ہر ایک کی ضرورت ہے، اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ پڑھ کر ہی کیا جاسکتا ہے، از ہر ہند "دار العلوم دیوبند" کے مایۂ ناز محدث وفقیہ و شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہ دورانِ درس اس کتاب کا وقتاً فوقتاً حوالہ دیتے رہتے ہیں، راقم نے اس کتاب کو عربی زبان میں منتقل کر کے اس کی تلخیص بھی عربی زبان ہی میں کی ہے جو حضرت نور اللہ مرقدہ کی نظر سے گزر چکی ہے، مگر اب تک کسی رسالہ وغیرہ میں اس کی اشاعت نہیں ہوسکی، اللہ رب العزت ہم سب کو اس کتاب کے پڑھنے اور اس سے مستفید ہونے کی توفیق مرحمت فرمائیں، آمین۔

(۳) **تذکرۂ علمائے ہند:** اس کتاب میں جناب مولانا محمد عبد الشکور معروف بہ رحمٰن علی نور اللہ مرقدہ نے فارسی زبان میں ان تاریخی شخصیتوں کا نام زندہ کیا ہے جن کا تعلق غیر منقسم ہندوستان سے رہا، خواہ وہ یہاں پیدا ہوکر یہیں رہے یا کسی دوسری سرزمین میں جا کر بس گئے، یا کہیں باہر سے آکر یہاں قیام کر لئے ہوں، الغرض یہ کتاب اختصار کے باوجود جامع ہے، دار العلوم حیدرآباد والوں کی فرمائش پر ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہ نے اردو ترجمانی کا بڑا اہم فریضہ انجام دیا ہے، ساتھ ہی ساتھ بعض مادہ ہائے تاریخ کی بھی اصلاح کی ہے، مزید برآں ہجری سنین کو عیسوی سنین سے تطبیق کا بھی مشکل کام انجام دے دیا ہے، ترجمہ کا اسلوب بڑا عمدہ و دلنشیں ہے۔

(۴) **المرتضیٰ کا علمی احتساب:** یہ کتاب (المرتضیٰ) مشہور ادیب، ماہر قلم کار، مشہور

عالم بزرگ حضرت مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمہ اللہ کی ہے، جو سیرتِ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ پر ایک مبسوط کتاب کہی جاسکتی ہے، اس کے مضامین بہت عمدہ ہیں؛ مگر اس میں بعض مقامات پر مرجوح روایتیں آگئی ہیں، جس کی وجہ سے کتاب کے مضامین ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں، کہیں کہیں تضاد بیانیاں اور تاریخی غلطیاں، علم الانساب کی بہت ساری چوکیں بھی ہیں، بعض مضامین اہلِ تشیع سے مخاصمہ کے وقت سنیوں کے لئے مضر اور شیعوں کے لئے مفید نظر آتے ہیں، کہیں کہیں ادبی اور ترجمہ کی غلطیاں بھی ہوگئی ہیں، مزید برآں کتابت کی غلطیوں نے کریلا نیم چڑھا کا کام کیا، کتاب ''المرتضیٰ'' کا سب سے بڑا المیہ وہ ریمارک ہے جو امیرِ عادل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات پر کیا گیا ہے، بہر حال حضرت الاستاذؒ نے اس کتاب کا نہایت باریکی کے ساتھ از اول تا آخر مطالعہ کر کے اس کے ہر طرح کے اغلاط واخطا حضرت مصنف رحمہ اللہ کی خدمت میں بذریعہ رجسٹری از راہِ خیر خواہی ارسال کردیا، مگر مصنف کی طرف سے ایک ماہ سے زیادہ انتظار کرنے کے بعد کوئی جواب نہیں آیا؛ بلکہ ایک روایت کے مطابق ہمارے شیخ رحمہ اللہ کی تنقیدات کو مصنف رحمہ اللہ نے بہت تھوڑا سا ہی پڑھ کر کوڑے کی ٹوکری میں ڈال دیا، واللہ اعلم بالصواب۔

بالآخر حضرت الاستاذؒ نے پوری تحریر کی فوٹو کاپی لے کر مختلف ماہناموں کے ذمہ داران کو بذریعہ رجسٹری بھیج دیا اور ان کو بھی دعوت دی کہ اگر آپ کے نزدیک ہماری گرفت صحیح نہ ہو تو ہم کو مطمئن کردیں؛ ورنہ اس تنقید کو رسالہ کی قریبی اشاعت میں شائع کردیں؛ مگر ان رسالوں میں سے کسی میں آپ کا یہ مضمون شائع نہ ہوسکا، تو آپ نے اس کو مستقل کتاب کی شکل میں بنام ''المرتضیٰ کا علمی احتساب'' شائع کردیا اور ساتھ ہی ساتھ اس کتاب میں دو تنقیدی و تحقیقی مضامین اور ملحق کردئے:

﴿۱﴾ ''حدیث افک پر اعتراضات کے جوابات''، یہ اعتراضات جناب مولانا شبیر احمد صاحب ازہر میرٹھی، سابق استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی طرف سے حدیثِ افک پر کئے گئے تھے، انہوں نے صحیحین کی متفق علیہ حدیث؛ حدیثِ افک کو جعلی اور شیعی عقیدہ والوں کی اختراع قرار دینے کی کوشش کی، ہمارے حضرت رحمہ اللہ نے اس مضمون میں انھیں اعتراضات کے تحقیقی واصولی جوابات دئے ہیں، یہ مضمون نہایت محققانہ ومحدثانہ ہے اور علمی معلومات سے بھرپور بھی، اس کو پڑھ کر ہر منصف مزاج کے لئے آپ علیہ الرحمۃ کی نسبت عظمت واعتقاد یقینی ہے۔

﴿۲﴾ مولانا ومفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری کی کتاب ''امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، حالاتِ زندگی، قانون سازی اور فقہ'' پر تبصرہ کی شکل میں یہ مضمون ہے، حضرت مفتی صاحب کی یہ کتاب مجموعی اعتبار سے قابلِ قدر اور لائقِ مطالعہ ہے؛ مگر فاضل مؤلف سے اس میں اسماء الرجال کی ڈھیر ساری فروگذاشتیں ہوگئی تھیں، اس مضمون میں انہیں غلطیوں کی دلائل کے ساتھ نشاندہی کی گئی ہے۔

(۵) **التعليقات السنية على شرح العقائد النسفية**: یہ کتاب علامہ سعدالدین تفتازانی رحمہ اللہ کی کتاب ''شرح العقائد النسفیۃ'' کی عربی زبان میں بہت مفید شرح ہے، عربی آسان، لہجہ سہل اور ضروری مسائل کا النبراس، رمضان آفندی، شرح عقائد خیالی اور عبد الحکیم علی العقائد العضد یہ وغیرہ کی روشنی میں تشفی بخش حل ہے، کتاب حشو وزوائد سے پاک اپنے اندر جامعیت لئے ہوئے ہے، جنہوں نے اس کتاب کو ''شرح عقائد'' کے حل کے لئے مطالعہ میں رکھا ہے انہی کو اس کی افادیت، جامعیت اور عربیت کا علم ہے، اس کتاب کی بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کا ہر مضمون باحوالہ ہے اور اگر اپنی طرف سے مولاناؒ نے کوئی بات لکھی ہے، تو اس کے ختم پر اپنا نام یا رمز ''زین'' لکھ دیا ہے، تاکہ التباس نہ رہے۔

(۶) **عقیدہ نما**: اس کتاب میں علامہ سعدالدین تفتازانی رحمہ اللہ کی کتاب ''شرح العقائد النسفیۃ'' کے مغلق مقامات کا سوال وجواب کے انداز میں مختصر اور بہترین حل پیش کیا گیا ہے، جو مدرسہ تعلیمی بورڈ اتر پردیش کے پرچوں کو پیشِ نظر رکھ کر تیار کیا گیا ہے۔

(۷) **تكملۂ امداد الباری شرح بخاری**: حضرت مولانا عبدالجبار صاحب اعظمی معروفی سابق شیخ الحدیث مدرسہ شاہی مرادآباد کی تحریر کردہ بخاری شریف کی اردو شرح ''امداد الباری'' کو کون نہیں جانتا، یہ شرح نہایت جامع اور بہت مفید ہے؛ مگر ابھی اس کی چار جلدیں ہی منظرِ عام پر آئیں تھیں کہ حضرت مصنفؒ اللہ کو پیارے ہوگئے، پھر اس عظیم علمی کام کی تکمیل کی ذمہ داری آپ کے شاگرد رشید ومجاز بیعت حضرت مولانا زین العابدین اعظمیؒ کے حوالہ کردی گئی، مولانا نے سعادت سمجھ کر اس کام کو آگے بڑھایا اور آپ کی محنت وکوشش سے پانچویں، چھٹیں اور ساتویں جلدیں منظرِ عام پر آگئیں، آٹھویں اور نویں جلدیں بھی مکمل کر کے مولاناؒ نے اس کام کی طباعت کا بیڑا اٹھانے والوں کے حوالہ کردیا ہے، اس طرح بخاری ''کتاب الجنائز'' تک کی شرح کا کام مکمل ہو چکا ہے،

اگر اس کام کی تکمیل ہوجائے تو شرح احادیث کا بڑا اچھا کام ہوجائے گا۔

(۸) **اسماء حسنیٰ سے بندوں کی سرخ روئی:** یہ سولہ صفحات پر مشتمل ایک کتابچہ ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں کی اختصار کے ساتھ آسان زبان میں تشریح کی گئی ہے۔

(۹) **دلائل الأمور الستة ويليها دلائل الحمية:** تبلیغی جماعت کی افادیت سے کس کو انکار؛ حضرت نور اللہ ضریحہ کا اس جماعت سے بہت گہرا تعلق تھا؛ چنانچہ ۱۳۸۹ھ-۱۳۹۰ھ میں آپ نے سال لگایا اور واپسی پر حضرت مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی رحمہ اللہ کی درخواست پر آپ نے چھ نمبرات کے دلائل قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں عربی زبان میں لکھے، اس کتاب کی ایک بہت بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کسی ضعیف روایت سے استناد نہیں کیا گیا ہے، اس کتاب میں ہر ہر نمبر کی مناسبت سے آیاتِ قرآنیہ واحادیثِ نبویہ سے دلائل کا انتخاب کیا گیا ہے، راقم السطور نے ان آیات واحادیث کی عربی زبان ہی میں شرح کرنی شروع کی تھی اور ایک معتد بہ حصہ کر بھی لیا تھا؛ مگر مشاغل کی کثرت اور بیماری کے ساتھ نہ چھوڑنے کے سبب یہ کام نامکمل ہے، اللہ تعالیٰ تکمیل کی توفیق عنایت فرمائے، آمین، یہ کتاب عرب ممالک میں بھی بہت مقبول ہوچکی ہے۔

(۱۰) **تحقيق وتعليق على "كتاب المغني في ضبط الأسماء لرواة الأنباء":**
یہ کتاب ملک المحدثین مولانا محمد بن طاہر بن علی پٹنی (متوفی ۹۸۶ھ) رحمہ اللہ کی عربی زبان میں ہے جو اسماء، انساب اور القاب وغیرہ کے ضبط کے سلسلہ میں بے نظیر ہے، یہ کتاب مطبع فاروقی، مطبع مجتبائی اور بیروت سے متعدد مرتبہ طبع ہوچکی تھی؛ مگر اغلاط سے بھری ہوئی تھی، بعض غلطیوں پر ایسا پردہ پڑا تھا کہ صحیح تک رسائی نہایت دشوار امر تھا اور دن بدن اغلاط کا اضافہ ہوتا چلا جارہا تھا، ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہ نے بڑے ہی اہتمام اور عرق ریزی کے ساتھ اس کی تحقیق وتعلیق کا فریضہ انجام دیا ہے، یہ کتاب مشکوٰۃ الآثار، الفیۃ الحدیث اور مشکاۃ المصابیح اور صحاح ستہ وغیرہ پڑھنے پڑھانے والوں کے لئے ناگزیر ہے، تنقیص وتحقیر سے کلیۃً اجتناب کرتے ہوئے یہ عرض ہے کہ بڑی بڑی درسگاہوں میں، بڑے بڑے لوگوں سے رجال واماکن کے تلفظ میں غلطیاں سننے کو ملتی ہیں اور چھوٹے انہیں سے سن کر ان غلطیوں کا سلسلہ آگے بڑھاتے ہیں، جب کہ تحقیق کے بعد تلفظ کچھ اور نکلتا ہے، حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کشمیری خلیفہ حضرت مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہی کے ایماء پر یہ تحقیقی کام شروع ہوا

تھا، مکمل ہونے کے بعد پہلے پہل انہیں کی کوشش اور معاونت سے شائع ہوا، کتاب ہاتھوں ہاتھ لی گئی، پہلا ایڈیشن ختم ہونے کے بعد دوسرا ایڈیشن مزید تنقیح کے ساتھ بھی طبع ہو چکا ہے، اللہ ہمارے شیخ رحمہ اللہ کی طرح ہم سب کا مزاج بھی تحقیقی بنائے اور اس کتاب کو مطالعہ کی میز پر رکھنے اور اس سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

(۱۱) **تحقیق وتعلیق علی "رسالة الأوائل"**: محمد سعید بن محمد سنبل (متوفی: ۱۱۷۵ھ) رحمہ اللہ کے "رسالۃ الاوائل" کو ہر مولوی اور ہر عالم جانتا ہے، اس میں تینتالیس (۴۳) کتب احادیث کے اوائل مذکور ہیں جنھیں پڑھا کر اجازتِ حدیث دی جاتی ہے، یہ رسالہ شیخ الدلائل محدث جلیل محمد عبد الحق الہ آبادی (متوفی: ۱۳۳۳ھ) اور محدثِ اعظمی ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمہم اللہ کی تعلیقات کے ساتھ شائع ہوا تھا، پھر دوبارہ اس کی طباعت حضرت مولانا عبد الحق صاحب اعظمی مدظلہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کے زیرِ اہتمام ہوئی تھی؛ مگر حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف منسوب یہ قول: "أبی اللّٰہ ان یصح إلا کتابہ" سچ ہے کہ قرآن کے علاوہ کسی میں علی کل الوجوہ صحت؛ اللہ کو منظور نہیں ہے، اس رسالہ میں بھی اخطا واغلاط ابھی رہ گئے تھے، ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے فنِ اسماء الرجال اور میدانِ تحقیق میں اپنی خاص بصیرت کی بنا پر اس کی تحقیق وتعلیق اس طرح فرمائی کہ اس کوتاہ نظر کی نظر میں بظاہر کتابت اور طباعت کی اکا دکا غلطیوں کے علاوہ مزید غلطیاں نظر نہیں آتیں، اس رسالہ میں سابق الذکر دونوں محققین کی تعلیقات کو باقی رکھ کر ان کی طرف عزو کر کے مزید اس قدر تعلیقات ہمارے شیخ رحمہ اللہ کی طرف سے کی گئی ہیں کہ آپ کی تعلیقات ان دونوں محققین کی مجموعی تعلیقات سے متجاوز ہیں، ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے جو تعلیقات کی ہیں ان کو بین المعکوفین [] نمبر وار تحریر فرمایا ہے اور قدیم تعلیقات کے نمبر کو بین الہلالین () تحریر فرمایا ہے؛ تاکہ التباس کا خطرہ نہ رہ جائے۔

(۱۲) **اصول ورش عن نافع مدنی**: امام نافع مدنی کے راویِ دوم عثمان ورش جن کی قراءت کو سب سے زیادہ خوش نما کہا گیا ہے، ان کے مخصوص قواعد (مدوز) امالہ، لامات اور راآت کی تفخیم وترقیق وغیرہ امتیازی حیثیت رکھتے ہیں، یہ قواعد بہت مشکل سمجھے جاتے ہیں، ان میں آسانی پیدا کرنے کی غرض سے استاذ القراء حضرت قاری ظہیر الدین صاحب معروفی رحمہ اللہ نے سوال وجواب

کی شکل میں یہ رسالہ مرتب کیا تھا، ہمارے شیخ نوراللہ مرقدہ نے رسالہ کو سہل سے سہل تر بنانے کی غرض سے مثالوں اور کچھ توضیحات کو بڑھا کر اس کی اشاعت فرمائی، ان مثالوں اور توضیحات کے اضافہ میں ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہ کے پیش نظر یہ بات بھی تھی کہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی مشہور تصنیف ''تنشیط الطبع'' میں مذکور ورش کی وجوہاتِ کثیرہ کا سمجھنا اور ان کا حفظ واجرا کرنا آسان ہوجائے۔

(۱۳) **وفيات من يعتمد قوله في الجرح والتعديل**: اس کتاب میں امام شعبہ کے زمانہ سے لے کر امام ذہبی رحمہ اللہ کے دور تک کے ان سات سو پندرہ محدثین کا ذکر ہے جن کی جرح وتعدیل کے قابلِ اعتماد ہونے پر اتفاق ہے، امام ذہبیؒ کی کتاب ''من يعتمد قوله في الجرح والتعديل'' پر مولاناؒ نے وفیات کا اضافہ کیا ہے۔

(۱۴) **نخب من أسماء رجال الصحاح**: اس کتاب میں صحاح ستہ میں مذکور مہمل، یا مبہم اسمائے رواۃ ومحدثین کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے۔

(۱۵) **أعلام المحدثين**: اس کتاب میں ہر دور اور ہر زمانہ کے محدثین عظام جنہوں نے حدیث اور علم حدیث کے کسی بھی فن میں محنت وکاوش فرمائی ہو، ان کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے۔

☆☆☆☆☆
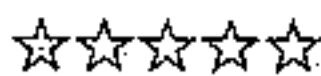
ابا جان کے کچھ غیر مطبوعہ اور ادھورے کام

مولانا عبدالباسط قاسمی معروفی

ذیل کی سطور میں کچھ ایسے تصنیفی کاموں کو ذکر کیا جاتا ہے جو ادھورے رہ گئے یا مکمل تو ہوئے لیکن زمانے کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکے، البتہ کچھ کام ایسے ہیں جن کے مسودے محفوظ ہیں۔

(۱) عدد أحاديث جامع الترمذي مع حكم الترمذي عليها من حسن، صحيح، حسن صحيح وغيرها: اس کتاب میں ترمذی شریف کی احادیث کو شمار کیا گیا ہے اور امام ترمذیؒ نے جتنی حدیثوں پر صحیح، حسن صحیح، حسن، منکر، غریب وغیرہ کا جو حکم لگایا ہے اسے بھی الگ الگ شمار کردیا گیا ہے، اور یہ مسند روایات کن کن صحابہ کرام سے مروی ہیں، اسماء گرامی بھی قلمبند فرمادیے ہیں، کتاب تو ابھی

تک نہ چھپ سکی البتہ اس کا ایک نقشہ والد صاحب نے تیار کرایا تھا بہت سارے اہل علم نے اس سے فائدہ اٹھایا ہے۔ برادر محترم مولانا مفتی عبداللہ معروفی صاحب نے بھی اپنی کتاب ''حسن صحیح'' میں اسے بطور نقش اول سامنے رکھ کر استفادہ کیا ہے اور تخصص فی الحدیث کے طلبہ کے پاس بھی اس کا چارٹ موجود رہتا ہے۔

(۲) انجمن حمایت اسلام لاہور والی پہلی و دوسری کتاب کا بہ زبان فارسی ترجمہ: والد صاحب کے استاذ محترم مولانا شبلی صاحب شیدا خیرآبادی طلبہ سے انجمن حمایت اسلام لاہور والی پہلی اور دوسری کتاب کا ترجمہ بزبان فارسی کرایا کرتے تھے، والد صاحب نے بھی دونوں کتابوں کا فارسی ترجمہ کیا تھا، لیکن ان کی حفاظت کی طرف کوئی خاص توجہ نہ ہو سکی، وہ دونوں کاپیاں ضائع ہو گئیں۔

(۳) شرح تہذیب المنطق: والد صاحب اور مولانا محمد یونس معروفی اپنے استاذ محترم مولانا عبدالستار صاحب معروفی کے درسی افادات بعد نماز عصر اپنی یادداشتوں سے مذاکرہ و تکرار کے بعد محفوظ کرلیا کرتے تھے اس طرح پوری تہذیب المنطق کی شرح تیار ہوگئی تھی، یہ بھی ضائع ہوگئی۔

(۴) شرح مقدمہ جزریہ: والد صاحب نے مقدمہ جزریہ اپنے ہاتھ سے لکھ کر پڑھی تھی، اس زمانے میں یہ کتاب عام طور سے دور افتادہ علاقوں میں دستیاب نہ تھی، ساتھ ساتھ اس کا مختصر ترجمہ و تشریح بھی لکھ لیا کرتے تھے، دیوبند طالب علمی کے زمانے میں ضائع ہوگئی۔

(۵) پانچ نمازوں میں دو سرّی اور تین جہری کیوں ہیں؟ دیوبند طالب علمی کے زمانے میں ایک استفتاء کے جواب میں یہ رسالہ تحریر فرمایا تھا جو آٹھ صفحات پر مشتمل اور مولانا قاسم نانوتوی کی تالیفات ''اسرار قرآنی'' اور ''انتباہ المومنین'' سے ماخوذ تھا، ضائع ہوگیا۔

(۶) ترتیب القاموس المحیط: علامہ فیروزآبادی کا شاہکار لغت جو صرف مادوں کی الٹی ترتیب کی وجہ سے علماء کے تساہل کا شکار ہے اس کو المنجد کے طرز پر ترتیب دینا شروع کیا تھا اور باب الہمزہ مکمل ہوگیا تھا، ان کے استاذ محترم مولانا اشتیاق احمد صاحب نے جب اسے دیکھا تو کہا کہ ابتدائی عمر میں اتنا لمبا کام چھیڑنا مناسب نہیں جو پوری زندگی کو محیط ہو جائے اس طرح یہ علمی کام رُک گیا۔ جو کچھ کام ہو چکا تھا وہ بھی زمانے کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکا، بعد میں چند علماء کی مشترکہ محنت سے یہ

کام وجود میں آیا اور اسے ترتیب القاموس المحیط کے نام سے قبول عام حاصل ہوا۔

(۷) ترجمہ و تشریح قصائد عمرو بن الفارض: یہ رسالہ آسام مدرسہ بورڈ کے فاضل کے نصاب میں داخل تھا، مشکل غریب الفاظ، نادر تشبیہات، لفظی صنعتیں اور دقیق مضامین تصوف کی وجہ سے یہ کتاب گنجینہ معارف تھی، مولانا ایوب ضمیر صاحب بارہ بنکوی کے کہنے پر اس کا ترجمہ وتشریح کرکے والد صاحب نے اہل مدرسہ کے حوالہ کردیا تھا، اب حال معلوم نہیں کہ محفوظ ہے یا ضائع ہوگیا۔

(۸) ترجمہ نهج البلاغت: مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں کسی طالب علم کی فرمائش پر بعض خطبات کا ترجمہ کیا تھا نہ جانے وہاں پر محفوظ ہے یا نہیں۔

(۹) تخریج "قويم في أحاديث النبي الكريم" مصنفہ مولانا سخاوت علی جونپوری: والد صاحب نے اس کی تخریج کا کام شروع کیا تھا اور تقریباً ایک چوتھائی کام مکمل ہو چکا تھا ،ایک مرتبہ سفر میں اٹیچی گم ہوگئی اور یہ علمی کام بھی ضائع ہوگیا، والد صاحب کی شدید خواہش تھی کہ اسے ہمارے عربی مدارس کے درجہ عربی سوم یا چہارم میں داخل نصاب کردیا جائے تاکہ طلبہ کے سامنے احناف کے مستدلات شروع ہی سے رہیں۔ مسودہ ضائع ہونے کے بعد والد صاحب دوبارہ اس کام کے لئے کمربستہ ہوئے اور تخصص کے طلبہ سے یہ کام کرایا، انشاء اللہ جلد ہی یہ اہم علمی کام زیور طبع سے آراستہ ہوکر منصہ شہود پر آئے گا۔

(۱۰) امام بخاریؒ کے قال بعض الناس کی حقیقت: امام بخاریؒ نے ۲۵؍مقامات پر احناف کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ احناف کے ساتھ دوسرے اہل علم کو بھی یہ تنقیدات شامل ہیں، علامہ عینی کی عمدۃ القاری، مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کا رسالہ، غیر مقلد عالم مولانا شمس الحق عظیم آبادی مرحوم، اور عزیز سلفی کی تحقیق کو سامنے رکھ کر اس کا جواب لکھا گیا ہے لیکن ابھی پانچ قال بعض الناس تک ہی والد صاحب پہنچے تھے کہ میری والدہ مرحومہ کی اس دار فانی سے رحلت اور کچھ دیگر عوارض اور علمی مشغولیات کی وجہ سے یہ کام ادھورا رہ گیا، والد صاحب مرض الوفات میں اسے پورا کرنا چاہتے تھے، مسودہ بیماری میں یہاں وہاں منتقل ہوتا رہا، علالت کی شدت نے اس کی مہلت نہ دی، البتہ والد صاحب نے مولانا رضوان الرحمٰن صاحب معروفی استاذ فقہ وحدیث

جامعہ اسلامیہ بنارس کو مکلف بنایا کہ وہ اس کام کو پورا کریں، مولانا نے کہا حضرت آپ دعا فرمادیجئے، میرے لیے یہ کام باعث سعادت ہے، خدا کرے کہ جلد یہ کام پایۂ تکمیل تک پہنچ کر شائقین علم کے ذوق مطالعہ کی تسکین کا سامان فراہم کرے، قال بعض الناس کا مسودہ اور کچھ معاون کتب ان کے حوالہ کردی گئی ہیں۔

(۱۱) اپنی باتیں: والدصاحب کی زندگی کی مکمل خودنوشت سوانح حیات ہے۔ پہلے اپ ۱۳۹۴ھ کے ایام علالت میں تحریر فرمایا تھا پھر برسہابرس تک اس کام کی طرف توجہ نہ ہوسکی، البتہ ۱۴۳۳ھ میں دوبارہ جب علالت شروع ہوئی تو میں نے پھر اس کام کی طرف توجہ دلائی، یہ کام مرض الوفات میں مکمل ہوگیا، اس کتاب میں کل دس ابواب ہیں، جو تعلیمی زندگی سے شروع ہوکر تدریس، تبلیغ، تصنیف، معاصر علماء، اساتذہ اور تلامذہ کے اردگرد گھومتے ہیں، خودنوشت مختصر ہے لیکن قابل مطالعہ ایک عہد کا تذکرہ ہے۔

(۱۲) جمع الفوائد کی تخریج: والدصاحب کے مطالعہ میں جمع الفوائد کا مکتبہ رحیمیہ والانسخہ ہوا کرتا تھا، جمع الفوائد اول اور کبھی ثانی زیر درس رہا کرتی تھی، تخصص سال اول اور سال دوم کے طلبہ سے اس کی تخریج کا کام کرایا کرتے تھے، حافظہ انتہائی مضبوط تھا، تمام ذخیرہ احادیث پر عمیق نگاہ تھی، جب طلبہ کسی حدیث کو تلاش نہ کرپاتے والدصاحب چند منٹوں میں اسے تلاش کردیا کرتے تھے، بسااوقات بقید صفحات بتلادیا کرتے تھے جہاں انگلی رکھ دیتے ایک آدھ سطر آگے پیچھے حدیث ضرور مل جایا کرتی تھی، اس کے علاوہ اس کتاب یا احادیث کی دیگر کتب میں یہ حدیث کہاں کہاں ہے، خوب استحضار تھا، پڑھاتے وقت بھی تمام جگہوں کو کھول کھول کر دکھلاتے، جس کی وجہ سے تعدد طرق اور اختلاف متون سامنے آجانے پر بعض تعارض اور اعتراضات خود بخود رفع ہوجایا کرتے تھے، متون اور اسناد حدیث کا اختلاف سب کے سامنے رہتا۔

حضرت علیہ الرحمہ نے ڈھائی تین برس پہلے مجھ سے فرمایا کہ میری جمع الفوائد کی جلد توڑ کر ہر دو صفحہ کے درمیان ایک سادہ صفحہ لگوادو، میں ان سادہ صفحات پر حدیث کی تخریج کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے عرض کیا کہ غیر مسلم بائنڈر سے یہ کام کروانا مناسب نہیں، کہیں کتاب کے کچھ صفحات غائب کردیں، یا ضرورت سے زیادہ تاخیر کردیں، تو آپ پریشانی میں مبتلا ہوجائیں گے، چنانچہ مولانا ارشاد احمد معروفی

نے بڑی ذمہ داری کے ساتھ اس کی جلد سازی کردی اور ہر دو صفحہ کے بیچ ایک سادہ صفحہ لگادیا۔ اب حضرت والا نے تدریس کے ساتھ اس کی تخریج کا کام بھی شروع کیا اور ڈیڑھ دو سال میں تقریباً یہ کام مکمل ہوگیا، والد صاحب نے روایتی انداز تخریج اختیار کیا وہ کمپیوٹر کی مدد سے تخریج کے قائل نہ تھے، بلکہ علمی اور تحقیقی کام کے لیے اسے بڑا عیب اور خسارہ گردانتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے کہ اس سے علم نہیں آتا بلکہ فن آتا ہے۔ اور اس وقت ضرورت رسوخ فی العلم کی ہے، کمپیوٹر کی ہارڈسک کے بجائے دل و دماغ کے نہاں خانوں میں علوم کو محفوظ کرنے کی ضرورت ہے، چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ کمپیوٹر پر تخریج کرنے والوں کو اگر اسی کتاب میں حدیث تلاش کرنا پڑے تو بغلیں جھانکنے لگتے ہیں۔

والد صاحب کی زیر نگرانی جو علمی کام انجام پائے اس کی وضاحت

(۱) جمع الفوائد کی احادیث کی تخریج: اس کتاب کا پورا نام جمع الفوائد من جامع الاصول و مجمع الزوائد ہے، مکررات اور سند کو حذف کر کے یہ حدیث کی چودہ کتابوں کا مجموعہ گویا دریا بہ کوزہ ہے۔ مولانا محمد معاویہ سعدی اور مولانا محمد طارق سہارنپوری مدظلہما کی مشترکہ کوشش سے طلبہ تخصص فی الحدیث کا یہ کام تعدیل و تحقیق اور تحشیہ کے بعد سامنے آیا، جیسا کہ ذکر کیا جاچکا ہے کہ ہر سال طلبہ تخریج کا کام کیا کرتے تھے، ان تمام کو سامنے رکھ کر جن طلبہ کا کام معیاری تھا اسے ان دونوں حضرات نے سامنے رکھ کر از سر نو تخریج کا کام کیا، جہاں تعلیقات کی ضرورت محسوس ہوئی مفید تعلیقات کا اضافہ کیا، الحمد للہ یہ کام آٹھ جلدوں میں مکمل ہو کر شیخ محمد عوامہ کے قیمتی پیش لفظ کے ساتھ طبع ہو چکا ہے، شائقین علم اس کی طرف توجہ فرمائیں۔

(۲) مجموعہ مقالات فی علم الحدیث: طلبہ تخصص فی الحدیث کے مقالہ جات کو مولانا خالد سعید مبارکپوری نے والد صاحب کی زیر نگرانی قابل اشاعت بنادیا تھا اسے حضرت مولانا سید محمد سلمان صاحب ناظم اعلی مظاہر علوم و حضرت مولانا سید محمد شاہد صاحب سکریٹری جامعہ مظاہر علوم نے جامعہ مظاہر علوم کے شعبۂ نشر و اشاعت سے شائع کرادیا ہے، معلوم ہونا چاہئے کہ تخصص سال دوم کے طلبہ کو کسی اہم علمی موضوع پر بزبان عربی مبسوط مقالہ لکھنا ہوتا ہے۔ تب جاکر انہیں سند فراغ (تخصص فی الحدیث کی سند) ملتی ہے۔

(۳) مجموعہ مقالات فی علم الحدیث جلد اول: اس کتاب کے اندر کل تین

مقالات ہیں: پہلا مقالہ مولانا امان اللہ ابن عبدالرشید سری لنکادی کا ہے جس کا عنوان ''ظاہرۃ تحکیم العقل فی قبول الحدیث وردہ'' ہے، مقالہ نگار نے اس میں فتنہ انکار حدیث کی سرکوبی کے لیے قلم اٹھایا ہے، جو لوگ حدیث کے رد و قبول میں صرف عقل کو معیار اور کسوٹی سمجھتے ہیں، پرزور دلائل سے انکار کیا گیا ہے۔

دوسرا مقالہ مولانا خالد سعید مبارکپوری استاذ تخصص فی الحدیث کی طالب علمی کے زمانے کا ہے اس کا عنوان ''اصول نقد متون السنۃ عند الحنفیۃ'' ہے اس میں مقالہ نگار نے حدیث کے ردو قبول میں احناف کے اصول اور ان کے معیار کو سامنے رکھا ہے۔ اور جو لوگ احناف پر حدیث کے مقابلہ میں قیاس کو ترجیح دینے کا الزام لگاتے ہیں ان کا دلائل سے رد کیا ہے، اور یہ بتلایا ہے کہ احناف کے یہاں رد وقبول کے کچھ اصول ہیں انہیں کے مطابق وہ احادیث کو پرکھتے ہیں اور تعارض کی صورت میں وہ ایسی راہ اعتدال اختیار کرتے ہیں جس میں دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے، بصورت دیگر الگ الگ محمل متعین کرتے ہیں۔

تیسرا مقالہ : ''دراسۃ الاحادیث المنکرۃ من جامع الترمذی ومجتبی النسائی'' اسے مولانا محمد رضوان گجراتی نے قلم بند کیا ہے، ترمذی اور نسائی شریف میں احادیث منکرہ پر پہلے اصولی گفتگو کی گئی ہے پھر مذکورہ دونوں کتابوں کی جن احادیث پر ان کے مؤلفین نے منکر کا حکم لگایا ہے ان کا تفصیلی دراسہ کیا ہے۔

(۴) **مجموعہ مقالات فی علم الحدیث جلد ثانی** :اس مجموعہ میں کل تین مقالات ہیں: **پہلا مقالہ:** مولوی عابد الرحمن حیدرآبادی کا ہے جس کا عنوان ''مقاییس النقد عند المحدثین'' ہے محدثین کے نزدیک اصول جرح وتعدیل کیا ہیں، کس کی جرح کا اعتبار ہے کس کا نہیں؟ پر تفصیلی بحث ہے۔

دوسرا مقالہ: مولانا محمد حسین بردوانی نے بعنوان ''العمل بالحدیث الضعیف'' تحریر فرمایا ہے، محدثین کے نزدیک ضعیف احادیث بالکلیہ مردود نہیں ہیں، بلکہ بعض مواقع پر وہ قابل قبول ہوتی ہیں، اس پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

تیسرا مقالہ: مولانا محمد خبیب کا سنگجی کا بعنوان ''زیادات جامع الترمذی وسنن ابی داؤد علی النسخ المطبوعۃ فی الہند'' ہے۔ جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد کے ہندوستانی نسخوں میں بعض احادیث موجود

نہیں ہیں، جو غیر ملکی نسخوں میں موجود ہیں، والد صاحب نے اسے تلاش کروا کر جمع کرادیا ہے، وہ کل ۴۵ ،احادیث ہیں، جو ہندوستانی نسخوں میں نہیں ہیں، ایک زمانے سے ہندوستان میں حدیث پڑھی پڑھائی جاتی ہے لیکن عامۂ علماء کا ذہن اس کی طرف منتقل نہیں ہوا تھا۔

(۵)**مجموعہ مقالات فی علم الحدیث جلد ثالث** ''تخریج ودراسۃ باب المبہمات من تقریب التہذیب'' کے عنوان سے جلد ثالث مقالہ کی شکل میں موجود ہے، اسے مولانا محمد جریر مدراسی نے تحریر کیا ہے، والد صاحب ہر سال تخصص کے طلبہ سے تقریب التہذیب کے مبہم اسماء کی تخریج اور تعیین کرایا کرتے تھے پھر انہیں طلبہ میں سے مولوی جریر مدارسی کے کام کو نظر ثانی و اضافہ کے بعد طبع کرادیا ہے۔

(۶)**مجموعہ مقالات فی علم الحدیث جلد رابع:** مولانا محمد شاکر عمیر معروفی کا یہ مقالہ حضرت شیخ زکریا علیہ الرحمہ کی حیات اور ان کی خدمات حدیث پر مشتمل ہے جس کا عنوان ''شیخ الحدیث محمد زکریا الکاندھلوي حیاته وخدماته في علم الحدیث'' اسے مولانا سید محمد شاہد صاحب مد ظلہ العالی (جو حضرت شیخ کی خدمات پر اتھارٹی کا درجہ رکھتے ہیں) کی معاونت سے تحریر کیا گیا ہے، کل چار جلدیں طبع ہو چکی ہیں، اس میں آٹھ مقالات شامل ہیں، والد صاحب کی زیر نگرانی اور مولانا خالد سعید کی معاونت سے یہ علمی کام منصۂ شہود پر آسکا۔ اللہ تعالیٰ قبولیت سے نوازے، آمین۔

اس کے علاوہ اور بھی مقالات ہیں، جو ابھی طبع نہیں ہو سکے ہیں، امید ہے کہ عنقریب طباعت کی منزلوں سے گذر کر اہل علم کے سامنے آئیں گے، ان سب کی مجموعی تعداد تیس سے متجاوز ہے۔

کچھ انفرادی کام

الطیب الذکی (ترجمہ وتشریح ''الکوکب الدری''): حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے درسی افادات جسے حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نے بزبان عربی قلم بند کیا تھا، مختصر عبارت اور جامع نوٹ ہونے کی وجہ سے قابل تشریح وتوضیح تھا، مولانا عبد الغفار صاحب بستوی شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ دہلی نے اس کام کی تعدیل وتخریج حضرت مولانا اعظمیؒ اور مولانا سعید احمد صاحب پالنپوری کے زیر نگرانی شروع کیا، اخیر کی چند حدیثوں کو چھوڑ کر یہ کام مکمل ہو چکا ہے۔ کل چار جلدیں چھپ چکی ہیں، پانچویں جلد طباعت کے مرحلہ میں ہے، جس میں کتاب التفسیر تک کام ہو چکا ہے، تین جلدوں کا ترجمہ وتشریح مولانا عبد الغفار صاحب

نے کی ہے، البتہ والد صاحب نے سیکڑوں مشکل عبارات کا ترجمہ کرایا ہے، جلد رابع اور جلد خامس کا ترجمہ اور تشریح والد صاحب کے قلم سے ہے، اور تمام جلدوں میں رواۃ حدیث پر گفتگو تو حضرت والد صاحب علیہ الرحمہ کی ہی ہے، جلد چہارم کے اخیر میں جو علل الحدیث للترمذی کی تشریح ہے وہ تمام کی تمام والد صاحب نے املا کرایا ہے، اور اسے اخیر عمر میں والد صاحب اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے۔

حیات ابن مریم ترجمہ عقیدۃ الاسلام مصنفہ علامہ انور شاہ کشمیری: معہد انور دیوبند میں مولانا صغیر احمد پرتاپگڈھی کے تقرر کے بعد ذمہ داران جامعہ نے (خصوصاً مولانا انظر شاہ کشمیری) نے انہیں عقیدۃ الاسلام کی تشریح وترجمانی کا مکلّف بنایا اور خواہش ظاہر کی کہ مولانا زین العابدین صاحب اعظمی کی زیر نگرانی یہ کام انجام پائے، چنانچہ کئی برس کی محنت شاقہ کے بعد حیات ابن مریم کے نام سے تشریح وترجمانی سامنے آئی، پیچیدہ مسائل کی علمی گتھیوں کو سلجھانے میں اور مشکل عبارات کی اردو میں ترجمانی کے لیے قدم قدم پر والد صاحب نے رہنمائی فرمائی، علامہ انور شاہ صاحب دریا بہ کوزہ کے قائل تھے، ان کی کتابوں کو دیکھ کر جلالت علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ بہر حال کام مکمل ہوا۔ اور مکمل نگرانی اور نظر ثانی کے بعد منظر عام پر آیا۔

حضرت مولانا انظر شاہ صاحب کشمیریؒ والد صاحبؒ کے رفیق درس تھے اور آپ کے علم وفضل کا ہمیشہ اعتراف کیا کرتے تھے۔

تخریج أحادیث المبسوط للسرخسی: فقہ حنفی کی شاہ کار کتاب ہے، غالباً ۲۰۰۱ء میں والد صاحب اور مفتی عبداللہ معروفی صاحب نے مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ تخصص کے طلبہ سے اس کی تخریج کرادی جائے، تاکہ اس کی علمی حیثیت میں مزید اضافہ ہو جائے چنانچہ طلبۂ تخصص (مولانا عبدالعظیم بلیاوی، مولانا محمد معاویہ سعدی گورکھپوری، مولانا محمد خالد سعید مبارکپوری وغیرہ) کے ذریعہ یہ کام شروع ہوا، بعد میں شعبہ تخصص فی الحدیث کے استاذ مولانا عبدالعظیم صاحب کی زیر نگرانی اس کی احادیث کی تخریج مکمل ہو چکی ہے، اگر ان تخریجات کے ساتھ کتاب شائع ہو جائے تو ایک مفید علمی کام لوگوں کے سامنے آئے گا۔

وجے جویلرس

درة من درر الهند شيخنا زين العابدين الأعظمي

مولانا محمد امين الدين بن محمد زاهر السري لانكي

يحب الناس رجلا لتواضعه ولينه، وحسن خلقه وعذوبة منطقه، اوسبقه في النبوغ والعبقرية، أو صلاحه، وورعه وتقواه، أو بلائه الحسن في مجال الخير، أوزهده في الدنيا، ورغبته في الآخرة، فما بالک برجل قد أجمع الله تعالى فيه جل ذلک أو كلها؟!!

كان ومازال ـ بحمد الله تعالى ـ النموذج الرفيع للتذكير باولئک الأسلاف الذين آتاهم الله تعالى حبه في قلوبهم، وحب الناس لهم بما أحبوا الله ورسوله صلى الله عليه وسلم.

كان محبوبا عند الجميع؛ لاعتقادهم بصدقه وإخلاصه، وتجرده لله تعالى، وبعده عن الأغراض الشخصية والمصالح الذاتية.

كان ـ والله ـ يعيش في الخلف عيشة السلف، لايهتم بما يهتم به أمثالنا من متاع الدنيا وزينتها، تحسبه إذا رأيته سلمان الفارسي أوأباذر الغفاري أوأبا الدرداء الأنصاري رضي الله تعالى عنهم وإياه.

كان قدوة في حركته وسكونه، وقدوة في كلامه وصمته؛ لأنه جعل الرسول صلى الله عليه وسلم أسوته في هديه وسلوكه وحياته كلها، واتخذ سيرته نبراسا له في تعبده وتزهده وتقشفه وماعدا ذلک.

وجَدْتُه ـ والله العظيم ـ عالما ربانيا، ومحدثا عظيما، وناقدا بصيرا، ومحققا جليلا، ومقرئا ماهرا، وخطاطا جيدا، وطبيبا حاذقا جسمانيا وروحانيا، وشاعرا مُجِيْدا، وأديبا أريبا، مرة كنت معه في دار العلوم الهاشمية، جاء طالب في غرفته وأهدى له العسل الخالص، فقبله منه ودعاله، ثم جعل ينشأ بأبيات في العسل، منها:

إن البطالة والكسل　　أحلى مذاقا من عسل
إن لم تصدقني فسل　　ممن مضى ممن كسل

والحاصل أن شيخنا كان مجمع الكمالات والمحامد والمحاسن، حقيقة الحال أني لا أقدر على بيان جميع أوصافه وخصائله، فأختم مقالي هذا بأبيات قالها ابن التدمري في رثاء العلامة ابن الكيال رحمه الله تعالى؛ لانطباق ماقيل فيها على شيخنا الأعظمي رحمه الله تعالى، إذ قال كما في الكواكب السائرة بأعيان المأة العاشرة: ١/ ١٠٣-١٠٤:

مات من كان للنواظر قره　　ولأهل الصلاح كان مسره
مات من كان خادم العلم دهرا　　فلهذا في العلم حصل عمره
سهر الليل في العلوم وسيما　　في حديث النبي أشغل فكره
كم له في الحديث قول صحيح　　شرح الله للأحاديث صدره

إلى أن قال:

بلغ الله روحه ماتمنى　　في جنان الرضى بأعلى الأسره
وجزاه الإله خيرا دواما　　ثم أعلى في جنة الخلد قصره
وحباه بكل روح وريحـ　　ـان ونعمى وغبطه ومسرة

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆

ہند کے گوہر تابدار شیخ زین العابدین اعظمیؒ

سابق عربی مضمون کی ترجمانی، مولانا شاکر عمیر معروفی کے قلم سے

تواضع، نرمی، حسن اخلاق، گفتار کی شیرینی، علمی پختگی ومہارت، صلاح ونیکی، ورع وتقوی، خیر کی لائن سے دلچسپی اور اس میں غیر معمولی کوشش ومحنت، دنیا سے بے رغبتی، آخرت میں کام آنے والے امور سے رغبت یہ ایسے اوصاف وکردار ہیں، جن کی وجہ سے لوگوں سے محبت کی جاتی ہے، اب جس شخص کے اندر مذکورہ بالا اکثر، یا کل کے کل اوصاف وکردار موجود ہوں اس کی محبوبیت کا کیا پوچھنا۔

بحمد اللہ ہمارے شیخ مولانا زین العابدین اعظمی رحمہ اللہ تعالی ان اسلافؒ کی یادگار کے اعلی نمونہ تھے، جنہیں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرنے کی وجہ سے محبوبیت ومقبولیت عطا ہوئی تھی۔ صداقت وسچائی، اخلاص وللہیت، زاہدانہ زندگی، مفاد پرستی سے دوری اور ذاتی اغراض سے کنارہ کشی کی وجہ سے آپؒ تمام ہی لوگوں میں محبوب تھے۔ واللہ وہ اس دور میں نمونۂ سلف تھے، دنیا کی زیب وزینت اور اس کی چمک دمک میں جس طرح ہم لوگ کھو جاتے ہیں آپؒ اس سے بیزار تھے۔ آپ کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کہ آپؒ حضرت سلمان فارسی، حضرت ابوذر غفاری اور حضرت ابوالدرداء انصاری رضی اللہ عنہم کا چلتا پھرتا نمونہ ہیں۔ آپ اپنی نشست وبرخواست، خاموشی وگویائی میں بہترین نمونہ تھے؛ کیوں کہ آپؒ کی پوری زندگی حضور پاک ﷺ کے طرز وطریقہ کے مطابق تھی، آپ نے حضور پاک ﷺ کی سیرت طیبہ کو اپنی عبادت اور زہد وتقوی وغیرہ میں منارۂ نور بنالیا تھا۔

واللہ! میں نے آپ کو عالم ربانی، زبردست محدث، ناقد بصیر، محقق جلیل، ماہر قاری، خوش نویس، جسمانی وروحانی طبیب حاذق، عمدہ شاعر اور ادیب اریب پایا، ایک مرتبہ کی بات ہے، میں ''دار العلوم ہاشمیہ'' میں موجود تھا، ایک طالب علم ان کے کمرے میں آیا اور خالص شہد ہدیہ میں پیش کیا، آپ نے قبول فرمایا اور دعائیں دیں، پھر شہد سے متعلق درج ذیل اشعار پڑھے۔

إن البطالة والكسل   أحلى مذاقا من عسل

یقیناً بے کاری اور کاہلی کا مزا شہد سے بھی زیادہ شیریں ہے۔

إن لم تصدقني فسل   ممن مضى ممن كسل

اگر میری بات کا یقین نہ ہو، تو کاہلوں سے پوچھ لو۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ہمارے شیخ رحمہ اللہ محامد ومحاسن کے جامع اور مجموعۂ کمالات تھے، حقیقت یہ ہے کہ میں آپؒ کے تمام اوصاف وخصائل کو بیان کرنے پر قادر نہیں، بس میں اپنی بات ان چند ابیات واشعار پر ختم کرتا ہوں جو ابن التدمری نے علامہ ابن الکیال کے مرثیہ میں کہا ہے؛ کیوں کہ وہ ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ پر صادق آتے ہیں۔ ؎

مات من كان للنواظر قره ولأهل الصلاح كان مسره

مات من كان خادم العلم دهرا فلهذا في العلم حصل عمره

سهر الليل في العلوم وسيما في حديث النبي أشغل فكره

كم له في الحديث قول صحيح شرح الله للأحاديث صدره

یہاں تک کہ کہا: ؎

بلغ الله روحه ماتمنى في جنان الرضى بأعلى الأسره

وجزاه الإله خيرا دواما ثم أعلى في جنة الخلد قصره

وحباه بكل روح وريحا ان وتنعمي وغبطة ومسره

(الكواكب السائرة بأعيان المأة العاشرة: ۱/ ۱۰۳-۱۰۴)

یعنی وہ شخص رحلت کر گیا جو آنکھوں کی ٹھنڈک اور اہلِ صلاح وتقوی کے لئے باعث مسرت تھا۔

وہ شخص وفات پا گیا جس نے پوری زندگی علمی خدمت کی اور اسی میں اپنی عمر کھپائی۔

تعلیم وتعلم میں انہوں نے شب بیداری کی، بالخصوص حدیث نبوی میں اپنے فکر کو مشغول رکھا۔

حدیث میں کتنے ہی ان کے صحیح اقوال ہیں، اللہ نے احادیث کی خدمت کے لئے انہیں شرح صدر عطا کر دیا تھا۔

اللہ ان کی روح کو ان کی تمنا کے مطابق خوشنودی کی جنت میں بلند مقام پانے والوں تک پہنچا دے۔

اور اللہ برابر انہیں جزائے خیر دیتا رہے، پھر ہمیشہ ہمیش کی جنت میں ان کو عالی شان محل عطا کرے۔

اللہ تعالیٰ انہیں ہر طرح کی راحت، روزی، نعمتیں اور خوشی ومسرت سے مالا مال کرے۔

زينُنا وزينتُنا مولانا زينُ العابدين

محمدعاشق السعدي السرى لانكي
الباحث في قسم الحديث الشريف بجامعة مظاهر علوم

اللسانُ يتلذّذ بذِكره، والآذانُ تَسْتَمْتِعُ بسَماع فضله، والقلبُ يحزن بفِراقه، والعين تدمع بحزنه. وأنا حديثُ عهدٍ به، لم تكمُلْ سنةٌ في صُحبته، فمعرفتي عن سَعة عِلمِه قليلٌ، ولكن عن خُلُقه وسُلوكه كثيرٌ، ولله الحمد والمنة.

عرفتُه قبل أن رأيتُه، سمعتُ عنه قبل أن سمعتُ منه، يمدَحُه مَن لم يَتَلْمِذْ عليه، فضلاً عمّن تَلْمَذَ عليه، فكثرةُ السّماع عنه حثّني على السماع منه، فالحمدلله على مَنّه وكرمه، لِمَا أتاح لي فرصةً لِمَا أردتُه، ورزقني قرّةَ عينٍ بلقائه ولزامه، وجعلني آخرَ من سمع منه من أهل سريلانكا بفضله، فانتفعت به، واستمتعت به بعونه.

وكان رحمه الله أوسَعَ الناس علماً وحلماً، وأدأهم لُطفاً ورِفقاً، آيةً في الزهد، رايةً في التواضع، تصغُر نفسه في عينه، وتعظُم عند غيره،لايعرف لنفسه منصباً، ولايريد في الدنيا شُهرةً، ولا يسأل أحداً حاجةً، ولا يُعلِي نفسَه على نفسٍ ذرّةً.

ويستوحش من الدنيا وزَهرتها، ويستأنس باللّيالي ووحشتها، وكان غزيرَ العِبْرَة، طويل الفكرَة، يُعجبه من اللباس مارَخُصَ، ومن الطعام ماخَشُنَ، وكان فينا كأحدنا، يجيبنا إذا سألناه، وينبئنا إذا استنبأناه، يُعظّم أهلَ الدين ويقرّبهم، وينفّر أهل البدع ويبعّدهم. وكأنَّ القرآنَ طعامُه، والذكرَ شرابُه، يُصبِحُ ذاكراً،ويُمسي قارئاً، رأيناه يدعو لنا يرفع اليدين، ويبكي بُكاء الحزين. لم يكن معلّماً فحسب، بل مربّياً أيضاً، غلبتْ عليه الشَّفَقَة، وبعُدت عنه النَّفْرَة، يزجُرُنا حين يزجر،وقد يَشْفَقُ أيضاً حين يزجر. نحن أهلَ سريلانكا أهلون لمدحه، مستفيدون بعلمه، متأثّرون بخلقه، مسرورون بلقائه، مقصّرون في أداءِ شكره، فما إحسانه فينا خاصّةً، وفي غيرنا عامةً، لاجزاء له عليه إلا عند ربه.

جاء إلينا–أهل سريلانكا– الحديثُ علمُه وأهلُه، من جانب الهند وأهلها، ومن باكستان وطرفها، خاصةً من مثل زينِنَا هذا وزينتِنا، مولانا زينِ العابدين، مثلٍ للصالحين في اتّباع سنن سيّدالعالمين.

أُصِيبَ رحمه الله بمرض شديد في آخر عمره، وتحمَّل به مشقّةً عظيمةً في حياته، ولم يزل رَضِيَ اللهَ ورَضِيَ عنه، متمنّياً من الله أن يرضى عنه، فوجد به عندالله أجراً عظيماً لاشكَّ فيه، فإن الله راضٍ عنه لارَيْبَ فيه.

كنت أغدُو إليه وأروح، خصوصاً فيأيام مرضه وألمه، يأكل الطعامَ ويَقِيْءُ، يحمَد الله عليه ويشكر، وأنا أمسح ظهره وأحزن، يَتَقَلْقَلُ الدمعُ في عيني، ويعظُم الغمُّ فيقلبي، يذكّرني في الوقت مَن مضى حَاله أشدَّ منه، ومن أصِيبَ ببلاء أعظمَ منه، فيأسف ويبكي، لاعلى صعبه ووجعه،بل على تقصيره في أداء شكر ربه، فيا لّلّه! مأاحسنَ حَالَه، ومأاصفى قلبَه، يَذكره مع أنه كان شَكوراً لربه، حميداً على نِعَمِه.

ولَمَّا اشتدَّ المرض غادرعنَّا إلى بلدته، فمرَّتِ الأيام على حاله، حتى وصلنا إليه في مرض وفاته، وكُشِفَ له مافي قلبي، فاستقبلني أولاً بإجازة الحديث لي، ثم بَعْدَ ساعاتٍ بالليلِ، دعاني وزميلي، محمد معاذ البرطانوي، فاستَقْرأ منه سورة "الرعد"قَبْلُ، واستقرأ منّي سورة"الواقعة"بعدُ، رأيته حينئذ يسيل الدمع في وجهه، أراه رغبةً وخشيةً من ربه.

اللهَ أحمد وأشكر، على ما وفَّقَنا لِلقاء شيخِنا، في آخر وقتٍ يُفارقُنا ويوادعنا،حتى ندعوَله ونصلي عليه، ونقومَ بحمله ودفنه، وزيارته وتعزيته، كما وفَّقَ أهلَ سريلانكا خصوصاً، وغيرهم عموماً، من داخل الوطن وخارجه للصلاة عليه، –صلاةَ الجنازةِ الغائبة، على مذهب الشافعية–، والدعاء له والاستغفار.

اللهم اغفرله وارحمه، وعافه واعْفُ عنه، واجعل أُخراه خيراً من أُولاه.

تاجدارِ علم، استاذ گرامی حضرت مولانا زین العابدین اعظمیؒ

سابق عربی مضمون کی ترجمانی، از: مولانا عبدالباسط قاسمی

حضرت الاستاذؒ کے ذکر سے زبان کو چاشنی اور سامعہ کو حلاوت محسوس ہوتی ہے اور آپ کی فرقت وجدائی سے دل مجروح اور آنکھیں اشکبار ہیں۔ میری حیثیت آپ کے حلقۂ درس میں ایک نو وارد طالب علم کی سی تھی، آپ کی خدمت میں پورے ایک سال بھی رہنے کا شرف حاصل نہ ہو سکا؛ اس لیے آپ کے علم وفضل کے بارے میں (اپنی کم مائیگی کی وجہ سے) مجھے واقفیت بھی زیادہ نہ ہو سکی؛ مگر اللہ کے فضل وکرم سے آپ کے اخلاق فاضلہ اور اوصاف حمیدہ سے خوب واسطہ رہا۔

میں زیارت سے پہلے ہی آپ کی شہرت سن چکا تھا اور خدمت میں حاضری سے پہلے ہی آپ کی (تھوڑی بہت) معرفت حاصل کر چکا تھا، آپ کے تلامذہ تو آپ کے ثنا خواں تھے ہی، دوسرے ملنے والوں کو بھی آپ کے بارے میں رطب اللسان پایا، آپ کے علم وفضل اور خورد نوازی کی شہرت نے مجھے آپ سے حصول علم پر اکسایا اور اللہ کا کرم ہے کہ اس نے مجھے اپنے ارادہ میں کامیاب فرمادیا اور حضرت الاستاذ کی زیارت وملاقات اور آپ کی صحبت وملازمت سے میری آنکھوں کو نور اور دل کو سرور بخشا اور یہ بھی اللہ ہی کا فضل ہے کہ سری لنکا سے آکر استفادہ کرنے والوں کی آخری جماعت میں اس نے مجھے بھی شامل فرمادیا۔

آپ علم اور حلم کے جامع تھے، شفقت ومحبت کا پیکر تھے، زہد وورع کی نشانی اور تواضع وانکساری کا نمونہ تھے، آپ خود اپنی نگاہ میں تو بے حیثیت، مگر اہلِ زمانہ کی نگاہوں میں عظیم الشان حیثیت کے مالک تھے، (گویا "اللّٰهم اجعلني في عيني صغيراً، وفي أعين الناس كبيراً". کی سراپا تصویر تھے) آپ کے اندر جاہ ومنصب کی طلب اور نام ونمود کی خواہش نہیں تھی، خوددار اور غیور تھے، اپنی حاجات وضروریات کا کسی سے ذکر نہ فرماتے، دوسروں کی تحقیر یا اپنی تعلّی کا اظہار نہ فرماتے، آپ کو دنیا اور اس کی دل فریبیوں سے وحشت ہوتی، لمبی اور تاریک راتوں میں اپنے پروردگار کے سامنے دعا ومناجات میں مشغول رہتے، معمولی لباس اور سادہ کھانا پینا پسند فرماتے، طلبہ کے ساتھ طلبہ ہی کی طرح رہتے، جب ہم کوئی بات پوچھتے فوراً جواب ملتا، جب ہم کچھ معلوم کرتے فوراً بتادیا کرتے، دینداروں اور صلحا کو اپنے سے قریب رکھتے، بے دینوں اور اہلِ بدعت سے وحشت تھی۔

قرآن کریم آپ کی غذا تھا اور ذکر واذکار سے آپ کی تشنگی دور ہوتی، آپ کی صبح وشام ذکر وتلاوت میں صرف ہوتی، ہم نے بارہا دیکھا کہ جب کبھی آپ ہمارے لیے دست دعا دراز کرتے تو رنجیدہ اور غمگین آدمی کی طرح پھوٹ پھوٹ کر روتے۔ آپ نرے معلم ہی نہیں تھے؛ بلکہ مربی بھی تھے، مزاج میں سختی اور تنفر نہیں تھا، بلکہ شفقت غالب تھی، کسی کو جھڑکتے اور دھتکارتے نہیں تھے، بلکہ اُنس ومحبت کا معاملہ فرماتے، ہاں کبھی کبھار ڈانٹ ڈپٹ بھی ہوتی، مگر آپ کی ناراضگی میں بھی ایک لطف ہوتا، غصہ میں بھی کرم ہوتا، ہم اہلِ وطن (سری لنکا) کی طرف سے تو آپ خصوصی مدح سرائی کے مستحق ہیں، ہم نے آپ سے اکتسابِ علم بھی کیا ہے اور آپ کے اخلاق

کریمانہ سے بھی فیض یاب ہوئے ہیں، آپ جیسے بزرگ کی ملاقات ہماری سعادت وخوش بختی ہے، البتہ اس نعمت کی کما حقہ قدر نہ کر پانے کا ہمیں اعتراف بھی ہے اور آپ کے احسانات سے عہدہ برآنہ ہوسکنے کا اقرار بھی، دوسروں پر بھی آپ کے احسانات اگر چہ کچھ کم نہیں؛ لیکن ہم اہلِ وطن (سری لنکا) کے ساتھ تو آپ کا معاملہ ہی کچھ اور رہا، ہم صدقِ دل سے آپ کے حق میں دعا گو ہیں، اللہ تعالیٰ ہی آپ کے احسانات کا بدلہ عنایت فرمانے والا ہے۔ سرزمینِ سری لنکا تک علم حدیث کے پہنچنے کا سہرا علمائے ہندوپاک کے سر بندھتا ہے اور ان میں ایک نمایاں نام نمونہ سلف، متبع سنت بزرگ شیخنا ومولانا زین العابدین صاحب اعظمی معروفی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

حضرت الاستاذ اپنی آخری عمر میں ایک شدید بیماری اور نہایت کڑی آزمائش میں مبتلا ہوئے اور اس کی وجہ سے آپ نے زندگی کے آخری ایام میں بڑی مشقتیں اٹھائیں، مگر صبر ورضا کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا، اور آخر آخر تک اللہ کی خوشنودی اور رضائے الٰہی کی طلب میں لگے رہے، اب ہمیں بھی اللہ سے یہی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہوجائے گا اور جنت کے ٹھکانے سے آپ کو سرفراز فرمائے گا۔

بیماری کے زمانہ میں میری اکثر حاضری رہتی، کیفیت یہ تھی کہ آپ کچھ بھی کھاتے یا پیتے، فوراً واپس آجاتا، مگر اس حال میں بھی خدا کا شکر ادا کرتے، میں قئے اور متلی کی شدت میں حضرت کی پیٹھ اور کمر سہلاتا، اور آپ کے کرب وبے چینی کو دیکھ کر غم سے نڈھال ہوجاتا، آنکھوں میں آنسو آجاتے اور دل کے زخموں سے آبلے پھوٹ پڑتے، حضرت الاستاذ میری اس کیفیت سے متاثر ہوتے، آپ پر گریہ طاری ہوجاتا اور ان بزرگوں کے واقعات کا تذکرہ فرمانے لگتے جنہوں نے اس سے بھی زیادہ سخت حالات کا سامنا (پوری خندہ پیشانی کے ساتھ) کیا ہے۔

آپ روتے اور خوب روتے، مگر شدتِ مرض سے نہیں، بلکہ پروردگار کے شکر میں احساسِ تقصیر اور کوتاہی کی وجہ سے، اللہ اللہ! مقام بھی کتنا بلند اور حال بھی کتنا رفیع؟ قابلِ صد رشک، لائقِ صد آفریں!!

بہر کیف! آپ کی بیماری جب شدت اختیار کرگئی تو ہم سے رخصت ہوکر آپ اپنے وطن تشریف لے گئے، کچھ ہی دنوں میں مرض کے اضافہ کی خبر سن کر ہم بھی حاضرِ خدمت ہوگئے، راستے میں میرے دل میں "اجازتِ حدیث" لینے کا خیال آیا، اللہ تعالیٰ نے آپ پر منکشف فرمادیا، حاضرِ خدمت ہوتے ہی سب سے پہلے مجھے اجازتِ حدیث مرحمت فرمائی، پھر رات گئے آپ نے مجھے اور میرے رفیق درس مولوی معاذ برطانوی کو یاد فرمایا، ان سے سورۂ رعد پڑھنے کی فرمائش کی، مجھ سے سورۂ واقعہ سنی، میں نے دیکھا کہ شوقِ لقاء اور خوف ورجاء کے جذبات سے آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور داڑھی تر ہے۔

اللہ رب العزت کا شکر ہے کہ اُس نے مجھے اِس عظیم شیخ اور محدث کی زندگی کے آخری ایام، بلکہ آخری لمحات میں ملاقات اور شرفِ حضوری کی سعادت بخشی، آخری دیدار سے مشرف فرمایا اور نمازِ جنازہ وتدفین میں شرکت کی توفیق دی، شافعی مذہب کے مطابق سری لنکا میں اور مختلف جگہوں میں آپ کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی گئی اور دعا واستغفار کا اہتمام کیا گیا۔

اے اللہ ہمارے حضرت الاستاذ کی مغفرت فرما، اُن کے ساتھ لطف وکرم اور عافیت ومعافات کا معاملہ فرما اور اُن کی آخرت کا ٹھکانہ اُن کی دنیا کے مقابلہ میں بہتر سے بہتر بنادے، آمین۔

مصنفین کے اعزاز میں ''المعارف دار المطالعہ'' میں تہنیتی نشست

۱۱ر نومبر ۲۰۱۱ء ۱۴ر ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ، بروز جمعہ المعارف دار المطالعہ، پورہ معروف میں پیر طریقت، جلیل القدر محدث حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمی کی زیر صدارت، نوجوان مصنفین کے اعزاز میں ایک تہنیتی تقریب کا اہتمام ہوا، تلاوت کلام پاک سے پروگرام کا آغاز ہوا، مولانا انصار احمد نے نعت پیش کی اور نظامت کے فرائض بھی انجام دیے۔

مصنفین کے اعزاز میں ہونے والی اس تقریب میں مولانا محمد ارشد الاعظمی، مظہر العلوم بنارس، مولانا خورشید احمد صاحب اعظمی مئوی، صاحبِ اعزاز، استاذ دار العلوم زکریا، مراد آباد، دیگر صاحب اعزاز مولانا محمد شاکر نثیر معروفی محقق سراج القاری، شرح بخاری واستاذ جامعہ قاسمیہ دار العلوم زکریا مراد آباد، ومولانا مفتی محمد صادق صاحب معروفی مظاہری استاذِ حدیث جامعہ الکوثر جندل نگر، غازی آباد، مصنف تحفہ عیدین، وتحفۂ زکوٰۃ، مولانا محمد ارشد اور حضرت مولانا زین العابدین صاحب وغیرہ نے تقریریں کیں، مولانا انصار احمد نے تہنیتی نظم پیش کی، یہاں اختصار کی وجہ سے ہم صرف شیخ صاحب کی تقریر کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں، تفصیل کے لیے دیکھیں: (ماہنامہ پیغام پورہ معروف ماہ محرم ۱۴۳۳ھ)

صدرِ پروگرام صدر شعبۂ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارن پور، حضرت مولانا زین العابدین صاحب معروفی مدظلہ العالی نے اپنے تعلیمی وتدریسی تجربات کا نچوڑ بیان کیا، جس میں علماء کرام کو محنت سے کام کرنے پر زور دیتے ہوئے کہا کہ جہاں علمی مشکلات پیش آئیں، اسے ایک کاپی پر نوٹ کرلیا کریں اور پھر اپنے بڑوں کے سامنے رکھیں، ان شاء اللہ وہ حل ہوجائے گی اور زیادہ اشکالات جو پیش آتے ہیں، وہ پڑھانے کے دوران آتے ہیں، پڑھنے کے زمانے میں ایسا کم ہوتا ہے، یہ دار المطالعہ بھی تعلیمی مشکلات کے حل کے لیے بہت مناسب جگہ ہے، یہاں بہت سے علما رہتے ہیں اور مراجع کی کتابیں بھی مہیا ہیں، اس دار المطالعہ کے قائم ہونے سے پہلے علما بازار میں یہاں وہاں ہوٹلوں میں بیٹھے رہتے تھے، جب اس کا قیام ہوا، تو لوگ یہاں آکر بیٹھنے لگے، اور مطالعہ میں مشغول ہونے کی وجہ سے بہت سی بلاؤں سے بھی محفوظ ہوگئے، یہ اللہ پاک کا احسان ہے۔

تحقیق میں ثبات: تحقیق بہت مشکل چیز ہے، اور چیونٹیوں کے منہ میں سے شکر لے کر جمع

کرنے کے مترادف ہے، جیسے چائے بنانی ہو، مگر چینی کم ہو، دیکھا کہ چیونٹیاں چینی لے کر اپنے منھ میں، بھاگ رہی ہیں، اب ان کے منھ سے تھوڑا تھوڑا دانہ لے کر جمع کرنے لگے، جب چائے بنانے کے قابل ایک دو چمچہ چینی ہوگئی، تب چائے تیار ہوئی، یہی حال تحقیق کا ہے، ایک ایک لفظ کے ڈھونڈھنے میں عرصہ لگ جاتا ہے، مگر اللہ کی پھر توفیق ہوتی ہے اور ذہن میں وہ بات ڈال دیتا ہے، کہ یہ بات فلاں جگہ ملے گی، اگر چہ اب کمپیوٹر کا دور ہے اور صرف بٹن دبانے سے وہ چیز سامنے آجاتی ہے، مگر اس سے علم میں ترقی نہیں ہوتی، ترقی تو اصل کتاب سے براہِ راست مطالعہ سے ہوتی ہے ہمیں تحقیق کے میدان میں گھبرانا اور ہمت ہارنا نہیں چاہیے، ورنہ پھر مسئلہ حل نہیں ہوگا۔

ہمت نہ ہاریں: جیسے حافظ ہوتے ہیں، حافظوں کے لئے ۲۵واں پارہ اور سورۂ رحمٰن مشکل مقاموں میں سے ہے، اور اس میں تشابہ بہت لگتا ہے اب جب تراویح سنانے کا موقع آیا، اور وہ جگہ آگئی اور ہمت باندھ کر اسے سنا دیا تو خوف دور ہو جائے گا، لیکن اگر اس وقت ہمت نہ کیا اور ڈر کی وجہ سے کسی اور حافظ سے وہ جگہ پڑھ دینے کو کہہ دیا کہ اس میں تشابہ لگتا ہے تو پھر وہ حافظ اس کو پڑھ نہیں پائیں گے، تحقیق میں بھی ثبات چاہیے، مشکل حل نہ ہو تو اسے نوٹ کرکے بڑوں سے سمجھ لیا کریں۔

حضرت مولانا زین العابدین صاحب نے مزید فرمایا کہ میں ۱۳۷۲ھ، مطابق ۱۹۵۲ء میں دارالعلوم دیوبند سے اول نمبر سے الحمد للہ کام یاب ہوا، غربت میں پڑھا تھا، اس لیے اس کی قدر کی، اور کل نمبر میں نے پانچ سو پندرہ حاصل کیا، پھر آسام پڑھانے چلا گیا، ھدایہ اخیرین مشکل کتاب پڑھانے کو ملی، یہ زمانہ ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء کا تھا، میں اس مدرسہ میں سب سے نیا اور چھوٹا تھا، وہاں سارے اساتذہ سب مجھ سے بڑے بڑے اور پرانے تھے، مگر جو مشکل پیش آتی تھی ان کی طرف رجوع کرنے سے حل نہ ہوتی تھی، بلکہ ان میں سے بعض تو خود میری طرف رجوع کرتے تھے، میں نو عمر تھا، ہدایہ اخیرین میں ایک جگہ عبارت حل نہ ہوئی، حاشیہ دیکھا، وہاں بھی کچھ نہ ملا، مفتیٰ بہ قول کیا ہے؟ اس کا بھی علم نہیں ہوا، شامی اُس وقت اس مدرسہ میں کیا؟ پورے ملک میں موجود نہ تھی، ایک صاحب نے بتایا کہ "سورت" گجرات میں مکتبہ غلام رسول واہناوہ، کے یہاں وہ کتاب ہے، اس وقت میری تن خواہ ستاون روپئے تھی، میں نے مکتبہ میں اس کے خریدنے سے متعلق ایک خط لکھا، وہاں سے جواب آیا کہ کتاب موجود ہے اور اس کی قیمت ایک سو اسی روپئے ہے۔

اب آپ سوچیے کہ میں وہ کتاب کیسے خرید سکتا تھا؟ کتنی بار ستاون کا پہاڑہ پڑھیں گے، تب وہ مل سکتی تھی، اس لیے میں نے مدرسہ کے سکریٹری مولانا انیس الرحمٰن صاحب سے اس کا تذکرہ کیا، ان کے دل میں اللہ نے رحم ڈال دیا، کہ جب یہ کتاب مدرسہ کی ضرورت کی ہے تب آپ آرڈر دیجیے، پارسل آئے گا تو اس کو چھڑا لیا جائے گا، اس طرح الحمدللہ وہ کتاب آئی۔

کتابوں کی خریداری: یہی صورتِ حال سہارن پور میں پیش آئی، میں حیدرآباد میں پڑھاتا تھا، مولانا محمد سلمان صاحب ناظم مدرسہ نے مجھے شعبۂ تخصص فی الحدیث کھولنے کے لیے بلایا، میں نے وہاں کتابیں دیکھی، یہ شعبہ قائم کرنے کے لیے جن جن کتابوں کی ضرورت تھی وہ وہاں نہیں تھی، جو تھی وہ مظاہر علوم قدیم میں تھی، میں نے کہا کہ کتابیں نہ ہونے کی وجہ سے یہ شعبہ یہاں نہیں قائم ہوسکتا، اللہ تعالی نے ناظم صاحب کے دل میں بات ڈالی، انھوں نے کہا کہ آپ فہرستِ کتب بنایئے، وہ کتابیں منگالی جائیں گی۔

نصاب کی بعض کتابیں ۱۳۲۶ھ میں چھپی تھیں، وہ دوبارہ نہیں چھپی، جیسے امام دار قطنیؒ کے شاگرد عبدالغنی مصری (وفات ۴۰۹ھ) کی تصنیف کتاب ''مشتبہ النسبۃ''، حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ نے دس ہزار ریال کی حدیث کی کتابیں مدرسہ کو دیدی تھیں، اس شعبہ کو قائم کرنے کے لیے میں نے نایاب کتابوں کو زیراکس کرایا اور لڑکوں سے اس کی تخریج کرائی۔

بڑوں سے مسئلہ حل کرانا: بہرحال آسام میں جو مجھ کو مشکلات پیش آتی تھیں، اور وہ حل نہ ہوتیں، مَیں ان کو ایک کاپی پر نوٹ کر لیتا، مفتی محمود صاحب نے بتایا کہ ''البحر الرائق'' سے مشکلات حل ہوں گی، میں جو نوٹ تیار کرتا اس کو اس وجہ سے رکھ لیتا کہ گھر جاکر حضرت مفتی یاسین صاحبؒ سے پوچھ کر سمجھ لوں گا، چنانچہ آسام سے آتے ہوئے مئو میں، مَیں مدرسہ مفتاح العلوم میں گیا اور ڈاکٹر فیضی صاحب جو اس وقت دورہ میں وہاں پڑھتے تھے، وہیں ٹھہرا، ان کے یہاں سامان رکھا اور گھر آنے کے بجائے میں سیدھے مبارک پور گیا، راستہ میں حضرت قاری ظہیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سلام و مصافحہ ہوا، وہ گھر آرہے تھے، ان سے ہماری رشتہ داری ہے، انھوں نے ہماری والدہ سے میرے بارے میں کہا کہ وہ آئے ہیں نا؟ انھوں نے کہا کہ نہیں، ابھی نہیں آئے ہیں، تب انھوں نے کہا کہ مجھ سے تو مبارک پور میں ملاقات ہوئی ہے، اس پر والدہ کو تھوڑا ملال ہوا؛

مگر جب حقیقتِ واقعہ کا علم انہیں ہوا تو خوشی ہوئی۔

ہدایہ کے بہت سے مسائل ''فتح القدیر'' سے حل ہوئے اور جب وہاں بھی حل نہیں ہوئے تو میں نے مولانا عبدالباطن صاحب، جون پوریؒ سے عرض کیا، انھوں نے کہا کہ یہ کتابیں امت کو فیض پہنچانے کے لیے لکھی گئی ہیں، اور فیض مصنف کی طرف سے ہوتا ہے، اس لیے ان کی روح کو ایصالِ ثواب کر کے حل کراؤ، چنانچہ میں نے ایصالِ ثواب کیا، رات کو سویا، صبح کو جب بیدار ہوا تو مسئلہ حل تھا، اُس وقت نفس اِترانے لگا کہ مجھ سے یہ مسئلہ حل ہوگیا، میں نے اپنے شیخ حضرت مولانا زکریا صاحبؒ کے یہاں اس کو لکھا کہ نفس عُجب میں مبتلا ہوگیا ہے۔

حضرت شیخ الحدیثؒ نے جواب میں لکھا کہ اس میں عجب کی کیا بات ہے؟ یہ تو اللہ کی طرف سے ہوا ہے، ہم سے کچھ نہیں ہوا۔

صدرِ مجلس نے مزید فرمایا کہ: میں آسام پڑھا رہا تھا، ہمارا پرانا گھر پرانا پورہ ہے، ہم نے غربت میں پڑھا ہے، رات کو نیم کے تیل کے دیئے سے پڑھتے تھے، چھٹیوں میں گھر آیا تھا اور عصر بعد بازار کی طرف جا رہا تھا، استاذ الاساتذہ حضرت حافظ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوگئی، سلام ومصافحہ ہوا، بہت خوش ہوئے، سب ان کا احترام کرتے تھے، پوچھا کب جانا ہے؟ میں نے بتادیا، حافظ صاحبؒ نے نصیحت کے طور پر کہا کہ دو بات یاد رکھو، ایک یہ کہ کتنے بھی بڑے ہو جاؤ مگر ہم ہی لوگوں کی اولاد رہوگے، دوسرے یہ کہ گھر آنے پر گھر کی چیزیں اپنی طرف کھینچتی ہیں، اس لیے مدرسہ کھلنے سے ایک دو دن پہلے تو چلے جانا، ایک دو گھنٹہ لیٹ مت پہنچنا۔

ان دونوں نصیحتوں پر ان کی دعا سے ۳۳ رسال تک عمل کیا، اور مدرسہ حاضری میں تخلف نہیں ہوا، ۳۴ رویں سال اہلیہ کے انتقال کی وجہ سے تخلف ہوگیا، اور اس بار (۱۴۳۲ھ میں) ٹکٹ نہ ملنے کی وجہ سے تاخیر ہو رہی ہے، جس سے دل بے چین ہے، اس لیے تقویٰ والی ملازمت کرنی چاہیے، دوسرے علاقوں کی بہ نسبت ہمارے یہاں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہاں کے علماء دور دراز کے علاقے میں پڑھانے چلے جاتے ہیں، آپ ہی کی دعا پر اس جلسہ خصوصی کا اختتام ہوا۔

(مرتب انصار احمد معروفی، از: ماہنامہ پیغام پورہ معروف، محرم ۱۴۳۳ھ، مطابق دسمبر ۲۰۱۱ء)

ربانی خانقاہ میں حضرت مرحوم کی ایک نصیحت

حضرت شیخ مولانا زین العابدین صاحب مدظلہ العالی نے امسال رمضان ۱۴۳۲ھ کی ۲۹ر تاریخ کو افطار سے پہلے ذکر جہری کے بعد قرآن پاک کے ادب واحترام کے سلسلے میں فرمایا: ”قرآن کریم میں اللہ نے بڑی کشش رکھی ہے، مکہ کے مشرکین باوجود اس کے کہ وہ آپ ﷺ کے بڑے مخالف اور آپ کی دعوت کے معاند تھے، مگر وہ بھی چوری چھپے جب آپ ﷺ اس کی تلاوت فرماتے تھے، تو اس کو سنتے تھے، حضرت جب حرم شریف میں رات کو نمازوں میں قرآن شریف پڑھتے تھے تو وہ بڑے شوق سے سنتے تھے۔

قرآن کی مخالفت: ایک دفعہ سرداران مکہ عتبہ، ابوجہل، وغیرہ نے باہم مشورہ کیا کہ اس قرآن کو سن کر ہمارے لڑکے بگڑ رہے ہیں، وہ لوگ بننے کو بگڑنا کہتے تھے، انھوں نے فیصلہ کیا کہ اس کو روکنا چاہیے، طے ہوگیا کہ اس کو کوئی سننے نہ جائے، اور اگر کہیں قرآن سنایا جائے تو اس کو سننے کے بجائے خوب شور مچایا جائے، تاکہ اس شوروشغب کی وجہ سے قرآن کی آواز دب جائے، اور ہم لوگوں کا غلبہ ہوجائے، یہ فیصلہ سب کو اعلان کر کے سنا دیا گیا۔

دوسرے دن چپکے چپکے سننے والوں نے سوچا کہ اس اعلان کا اثر سب پر ہوا ہوگا، اس لیے اب کوئی نہ جائے گا، اس لیے کیوں نہ میں اندھیرے میں چلوں، اور قرآن سنتا آؤں، آپ ﷺ قراءت قرآن میں مشغول تھے، صبح کو جب کچھ اجالا پھیلا، تو معلوم ہوا کہ ہماری طرح اور لوگ بھی اسے سننے کے لیے آئے ہوئے ہیں اور گویا سب نے یہی سوچا تھا کہ میں اکیلا ہی سننے آیا ہوں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب گھر کے چبوترے پر قرآن کریم کی تلاوت فرماتے تھے تو اسی طرح لوگ سننے کے لیے جمع ہوجاتے اور چلتے ہوئے بھی رک کر سننے لگتے، چوں کہ صدیق اکبرؓ امتوں میں سب سے افضل تھے، اس لیے آپ کا پڑھنا بھی بہت متاثر کرنے والا، اور سب سے افضل تھا، اس لیے لوگ کھنچے چلے آتے، بقول کوثر معروفی:

اجی کفار مکہ بھی اسے سنتے تھے چھپ چھپ کر
اسی سے تم سمجھ جاؤ کہ کیا قرآن ہوتا ہے (مرتب)

قرآن کریم کی کشش سے اتنا متاثر ہونے کے باوجود لوگوں کواس سے متنفر کرنے کی خاطر خوب شور مچانے کے لیے اکساتے، اوراس کی دعوت کو اپنے شور شرابے میں دبادینے کے لیے بے چین رہتے، اس کے برخلاف ایمان والوں سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: جب قرآن شریف پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو، اور خاموش ہوجایا کرو، تا کہ تم پر رحم کیا جائے"۔

معلوم ہوا کہ قرآن کریم کو سن کر شور مچانا کافروں کا طریقہ اوران کا شیوہ ہے، اور ایمان والوں کا شیوہ قرآن کریم کو سن کر اس کے احترام میں خاموش ہوجانا ہے۔

مسلمان اور یہ حرکت: مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ بہت سی جگہ تراویح میں قرآن کریم پڑھتے وقت کچھ بچے اور نوجوان مسجد کے باہر شور مچاتے رہتے ہیں، اور دانستہ طور پر مسجد کے قریب آکر اس قدر ہنسی مذاق کرتے، اور آواز بلند کرتے ہیں کہ تراویح میں قرآن سنانے والوں کو خلل ہوجاتا، اوران کو تشابہ لگ جاتا، ایسا ہماری مسجد ربانی کے باہر بھی ہوا، اور پورے مہینے ہوا، اس کے علاوہ دوسری جگہوں سے بھی ایسی خبر ملی ہے، ایک جگہ کے بارے میں علم ہوا کہ وہاں کچھ لوگ ایک گھر میں تراویح پڑھتے تھے، کرکٹ کا شیڈ تھا، اس پر پتھر پھینکے جاتے تھے۔

عجیب ماحول ہوگیا ہے، ایک تو وہ شریر نمازِ تراویح نہیں پڑھتے، دوسرے یہ کہ پڑھنے والوں کو بھی اپنی شرارتوں سے پریشان کرتے ہیں، اور قرآن کریم کو سننے کے بجائے کافروں کی طرح شور مچاتے ہیں اور خلل ڈالتے ہیں۔

آخر وہ نوجوان ہمارے ہی آپ کے تو بچے ہیں، کسی دوسری جگہ سے نہیں آئے ہیں، مگر یہ سب ہماری غفلت اور کوتاہی کی وجہ سے ہورہا ہے، کہ بچے اس قدر رنڈر، شریر، اور بدتمیز ہوگئے ہیں، وہ لڑکے ہمارے ہی آپ کے جگر کے ٹکڑے ہوں گے، جو گھر والوں سے نظر بچا کر اس طرح کی گستاخی کرتے ہیں!۔

ہماری گذارش ہے کہ ان پر سخت محنت کی جائے، ان کی صحیح تربیت کی ضرورت ہے، اپنے اپنے گھر کے بچوں کو جمع کر کے انہیں اس طرح کی حرکتوں کے ارتکاب سے بچانا چاہیے، اوران کو اللہ کے عذاب سے ڈرانا چاہیے۔

(مرتب: انصار احمد معروفی، از: ماہ نامہ پیغام، پورہ معروف، ستمبر ۲۰۱۱ء/ شوال ۱۴۳۲ھ)

”المعارف دارالمطالعہ“ میں حضرت مرحوم کی قیمتی نصیحتیں

اور شعرائے کرام کے حمدیہ ونعتیہ کلام

۲۸/نومبر ۲۰۰۹ء، یوم شنبہ، مطابق ۱۰/ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ، المعارف دارالمطالعہ میں، خوشی کے دن، اظہارِ مسرت کے لیے اچانک کئی شعراء، اور علماء کے اجتماع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لوگوں کے اصرار پر وہ ملاقات ایک شعری نشست میں تبدیل ہوگئی۔

پہلے حسب دستورِ سابق مرجع علماء وخلائق حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمی مدظلہ، دارالمطالعہ میں تشریف لائے اور اس کے بعد استاذ شاعر محترم کوثر معروفی صاحب اپنے تلامذہ ڈاکٹر رشید ابیضاء پوری، وزبیر آرزو کے ہمراہ آ گئے، اور عید کے پُرمسرت موقعہ پر لوگوں کی خواہش اور اصرار پر جناب زبیر بیضاء پوری نے حمد ونعت کے چند اشعار ترنم سے سنائے:

موت دے یا عطا حیات کرے
جو بھی چاہے خدا کی ذات کرے
عرش پر وہ بلالے چاہے جسے
طور پر جس سے چاہے بات کرے

حضرت محدث اعظمی مدظلہ باذوق اور شعر وادب کا صاف ستھرا ذوق رکھتے ہیں، حضرت مرشدی کی خواہش کے احترام میں محترم کوثر معروفی صاحب نے ایک مصرعہ طرح: ”صحنِ قرطاس میں پھیلی ہے قلم کی خوشبو“ پر تازہ نعتیہ کلام سنایا ؎

ہو گلستانِ عرب کی یا عجم کی خوشبو
ہے محمد کے ہی گلہائے کرم کی خوشبو
چودہ سو سال گئے ہو گئے آں حضرت کے
بزمِ ہستی میں ابھی تک ہے قدم کی خوشبو

تو پسینے میں بھی رہتی ہے شہِ بطحا کے
اس لیے رہتی ہے ہردم تیری چمکی خوشبو
جب پڑھی آیتِ اقرأ تو یہ احساس ہوا
"صحنِ قرطاس میں پھیلی ہے قلم کی خوشبو"
ذکر سے زلفِ پیمبر کے معطر ہے دماغ
مجھ کو بھاتی نہیں گیسوئے صنم کی خوشبو
عید کا دن ہے لگانا بھی ہے سنت اس کا
لے لو بازار سے دو چار درم کی خوشبو
نعت ہر حال میں بہتر ہے غزل سے کوثرؔ
کوچۂ یار کی یہ ہے، یہ ارم کی خوشبو

ڈاکٹر رشید ابیضاپوری کا منتخب کلام:

میں چھوڑ چھاڑ کے ساری فضول کی باتیں
کروں گا آج خدا اور رسول کی باتیں
وہاں چلاؤں میں پتھر یہ ہو نہیں سکتا
جہاں پہ کرتے ہوں سب لوگ پھول کی باتیں

پھر مولانا ارشاد احمد صاحب (صدر المعارف دار المطالعہ) کی فرمائش پر حضرت مولانا زین العابدین صاحب مدظلہ نے کچھ قیمتی نصیحتیں فرمائیں، آپ نے فرمایا کہ پورہ معروف کا نام ہمارے بزرگانِ دین کی وجہ سے روشن ہے، اور ہم اس پر آج فخر کرتے ہیں، قابلِ فخر بات تو اُس وقت ہوگی کہ جب ہم خود اس لائق ہوں، اور ہمارے کارہائے نمایاں کی وجہ سے اس نیک نامی میں اضافہ ہو، یا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ہم ان کے روشن کارناموں کو باقی رکھ سکیں، ایک عربی شاعر نے کہا ہے کہ ؎

لیس الفتیٰ من قال کان أبي
إن الفتیٰ من قال ھا أنا ذا

وہ جوان نہیں جو بولے کہ میرے ابا ایسے تھے؛ بلکہ جوان وہ ہے جو کہے کہ خود مجھ کو دیکھ لو۔

گلوں کا ماحول: یعنی "پدرم سلطان بود" والی بات نہ ہو، حضرت والا نے فرمایا کہ ہمارے ماحول میں بچے گالیاں بہت دیتے ہیں، ہم سب کو اس پر ٹوکنا چاہیے، اور انہیں اس سے روکنا چاہیے، معاشرے سے اب ادب تمیز ثقافت، وتہذیب رخصت ہوتی جارہی ہے، ہمیں گھر پہ اپنے بچوں کو اچھا سلیقہ سکھانا چاہیے، جہاں ملکی اور اونچی برادریاں رہتی ہیں، وہ جس علاقہ اور ماحول میں رہتے ہوں، مگر وہ اپنے بچوں کو ادب، تہذیب اور حسنِ اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں، انہیں ادب وتمیز سے رہنے اور سلیقہ سے بات کرنے کا طریقہ سکھاتے ہیں، اگر وہ اپنے کسی وفات پاجانے والے بزرگ کو یاد کرتے ہیں، تو ابا مرحوم، چچا مرحوم، اور دادی مرحومہ جیسے دعائیہ کلمات سے یاد کرتے ہیں، لفظِ مرحوم تو ایک دعائیہ کلمہ ہے، یعنی اللہ اُن کو اپنی رحمت سے نوازے، لیکن ہمارے یہاں ان چیزوں کا فقدان ہے، ادب سلیقہ سے نام لینا بھی گویا ہم نہیں سکھاتے۔

بہت سے گھرانوں میں تو خود لوگ اپنے بچوں کا نام بگاڑ کر بلاتے ہیں، پھر وہ بچے رفتہ رفتہ یہ سمجھ جاتے ہیں کہ یہی بگڑا ہوا ہمارا نام ہے، حضرت نے محلّہ بلوہ کے ایک گھرانہ کا نام اِس سلسلے میں لیا کہ مولانا حکیم محمود صاحبؒ نے ایک گھرانہ کے لڑکے سے اس کا نام پوچھا؟ اس نے اپنا نام اِس طرح بتایا "شوکت علیا" (علی) حکیم صاحب نے کہا کہ بیٹا! تم پورا نام نہیں بتارہے ہو! اس میں "سرا" بھی لگا ہوگا! یعنی تمہارا نام "سرا شوکت علیا" ہوگا۔

مرشدنا حضرت مولانا زین العابدین صاحب نے فرمایا کہ مولانا رضوان القاسمی، صاحب حیدرآباد سے ایک موقعہ پر پورہ معروف تشریف لائے، یہاں کا ماحول، اسلامی لباس، اور علما و مدارس کو دیکھ کر بہت خوش اور متاثر ہوئے، اور اپنی تقریر میں اس کو بہت سراہا، پروگرام میں استاذ العلماء حضرت مولانا امانت اللہ صاحبؒ بھی موجود تھے، انہوں نے مولانا کی تقریر کے بعد کہا کہ: لوگو! مولانا نے جو تعریف یہاں کی کی ہے، اس سے ہم لوگوں کو بہت خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ اس تعریف کے مستحق حقیقت میں ہمارے بزرگانِ دین تھے جو گذر گئے، ان کی وجہ سے پورہ معروف کا نام روشن ہے اور اگر ان کی خوبیاں اور صفات ہمارے اندر نہ ہوں تو ہمیں خوش ہونے کی نہیں؛ بلکہ رونے کی ضرورت ہے۔

ڈاڑھی: حضرت والا نے دوسری بات ڈاڑھی کے بارے میں فرمائی کہ ڈاڑھی رکھنا تمام انبیائے

کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی سنت اور ہمارے مذہب میں واجب ہے، یہ مردوں کی، اور مردانگی کی بھی علامت ہے، یہ چہرے کی رونق ہے، اگر سارے مسلمان اس سنت پر عمل کرنے لگیں، تو ہندستان میں ہر طرف مسلمان نظر آنے لگیں، ٹرین میں بھی اسٹیشنوں پر بھی، بازاروں میں بھی اور راستوں پر بھی اور جن کو فطری طور پر ڈاڑھی نہیں ہوتی، ان میں مردانگی اور رجولیت بہ نسبت ریش والوں کے کم ہوتی ہے اور ان کو اولاد بھی عام طور سے نہیں ہوتی۔ اس سلسلہ میں حضرت نے بہ طور پر مثال قاضی مجاہد الاسلام قاسمی مرحوم اور منشی عبد القدوس صاحب کا نام لیا۔

خوف کی وجہ: عام طور پر لوگ ٹرین میں سفر کرتے وقت ڈاڑھی ہونے کی وجہ سے خوف محسوس کرتے ہیں اور کبھی کبھی ان سے لوگ بدسلوکی کا معاملہ بھی کر دیتے ہیں اور ایسا بھی سننے میں آیا ہے کہ ڈاڑھی کی وجہ سے سرکاری محکمے میں بھرتی نہیں کی جاتی یا ترقی روک دی جاتی ہے یا ایذا رسانی کا معاملہ کیا جاتا ہے ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ ہم مسلمان ڈاڑھی نہیں رکھتے اس کو اہم نہیں سمجھتے اس کو اسلام کا شعار اور مومن کا نور نہیں سمجھتے۔

اس لئے ان میں احساس کمتری آجاتا ہے اور تعداد کم ہونے اور حکم خدا پر کامیابی کے پختہ یقین نہ ہونے کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے۔

سکھ اور ریش: ہمارے ملک میں سکھ کتنے کم ہیں؟ لیکن ان میں کا ہر مرد ڈاڑھی رکھتا ہے اس لئے کہیں بھی وہ اگر دو چار ہوتے ہیں تو زیادہ معلوم ہوتے ہیں، اور اپنے مذہب سے لگاؤ اور مضبوط تعلق کی وجہ ہوتی سے انکی ایک شان ہوتی ہے، ان کی ریش کسی بھی سرکاری محکمہ میں ملازمت یا بھرتی اور ترقی کے لئے رکاوٹ نہیں بنتی کیوں کہ وہ کسی قیمت پر اسکو چھوڑ نہیں سکتے اور ان کا ہر فرد اس کا پابند ہوتا ہے۔

تبدیلی: حضرت والا نے مزید فرمایا کہ حضرت مولانا عبد الحمید صاحب اعظمی نظام آبادی رحمۃ اللہ علیہ، مئو میں جب پڑھتے تھے تو پورہ معروف کے ساتھیوں کے ہمراہ پورہ معروف بھی آتے، انھوں نے ایک بار تقریر میں کہا کہ: میں نے دیکھا کہ وہاں کے ہر شخص کے چہرے پہ ڈاڑھی ہے، اور ریش تراش بہت کم نظر آئے، پھر کچھ سال کے بعد وہاں جانا ہوا، تو اتنی تبدیلی آگئی تھی کہ ڈاڑھی والے کم نظر آئے اور تراشنے والے زیادہ۔

(از: ماہنامہ پیغام پورہ معروف، محرم ۱۴۳۱ھ/ دسمبر ۲۰۰۹ء، مرتب انصار احمد معروفی)

حضرت مولانا زین العابدینؒ کا تبلیغ میں حصہ

ماخوذاز: ''اپنی باتیں'' خودنوشت حضرت شیخ

یوں تو طالب علمی کے زمانے میں کچھ نہ کچھ تبلیغ میں شرکت کا موقعہ ملتا رہا، مگر اس جماعت سے پوری واقفیت مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور میں مدرسی کے زمانے میں ہوئی، اور کبھی کبھی تین دن، دس دن کے لیے نکلنا یہیں سے شروع ہوا اور تعطیل رمضان میں چالیس دن کے لیے نکلنا بھی مبارک پور سے شروع ہوا، اور ۱۳۸۹ھ کے شعبان میں چالیس دن کی جماعت میں ضلع بستی چلا گیا، نصف رمضان کے بعد ''دھن گھٹا'' کے علاقہ میں جماعت چل رہی تھی کہ ایک دن مولانا مستقیم بستوی آئے، اور بھائی امین سے کچھ باتیں ہوئیں، اس کے بعد بھائی امین نے رجسٹری خط دیا جو دفتر مدرسہ احیاء العلوم کی طرف سے چلا تھا، اس میں یہ تھا کہ آپ کا رویہ مدرسہ کی مصلحتوں کے خلاف ہے اس لیے آپ کو مدرسہ سے الگ کیا جاتا ہے، اس زمانہ میں علما سے سات چلہ وقت لگانے کو کہا جاتا تھا، میں نے خط پڑھ کر فوراً دو رکعت صلوۃ الحاجہ پڑھی، اور یہ دعا کی کہ الٰہی! سات چلہ جماعت میں لگانے کے لیے یہی مدرسہ رکاوٹ تھا، اب یہ رکاوٹ دور ہوگئی، تو کسی نئی رکاوٹ میں مت ڈال، اور سات چلہ کی توفیق عنایت فرما، چنانچہ اللہ تعالی نے قبول فرمایا، یہ غالباً ۱۹۷۰ء کی بات ہے، پھر مولانا مستقیم کے ساتھ بکھرا ضلع اعظم گڈھ کے اجتماع میں شریک ہوا اور وہاں سے سات چلہ لکھوادیا، پھر مشورہ سے احیاء العلوم پہنچا، اور وہاں کا حساب صاف کرنے کے بعد ۹۰؍روپئے ملے اس میں سے ۴۵؍روپیہ بیوی کو دیا، اور ۴۵؍روپیہ لیکر لکھنؤ کے لیے روانہ ہوا، لکھنؤ سے کان پور محنت کے لیے بھیج دیا گیا، پھر چار مہینہ کی جماعت اجتماع لکھنؤ سے لیکر دلی کو پیدل براہ سیتاپور، لکھیم پور روانہ ہوا،۔۔۔۔۔۔ اس طرح خیرآباد، بریلی، شاہ جہاں پور، رام پور، مرادآباد وغیرہ ہوکر ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ میں دہلی مرکز پہنچے، اس وقت امیر مولانا انعام الحسن صاحب ہو چکے تھے، مولانا نے مجھ کو دلی کے مدارس میں جماعت کے ساتھ کام کرنے کو بھیج دیا، پھر امروہہ کے اجتماع کی محنت کرنے کو بھیجا گیا بعدہٗ عربوں اور ہندوستانیوں کی مشترک جماعت کے ساتھ بھوپال جانا ہوا، پھر دہلی واپسی ہوئی تو گجرات کا سفر ہوا، مرکز سے سیدھے بمبئی گئے، جامع مسجد میں تین دن کا اجتماع تھا اس سے فارغ ہوکر سورت واپس ہوئے، پھر دو مہینہ کے بعد اکابر دہلی کے ساتھ دوبارہ گجرات کا سفر ہوا، ہماری جماعت احمدآباد میں تھی، وہاں پر مولانا مستقیم صاحب نے حضرت مولانا انعام

الحسن، مولانا عبید اللہ اور مولانا محمد عمر پالن پوری کے سامنے مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کا تقاضہ رکھا، کہ وہاں پر حدیث پڑھانے کے لیے ایک اچھے استاذ کی ضرورت ہے، اور میں نے مولانا زین العابدین صاحب کا نام رکھ دیا ہے اور کہہ دیا ہے کہ مرکز کے لوگوں کے مشورہ سے بات طے ہوگئی، حضرت مولانا انعام الحسن صاحب نے فرمایا کہ میرا تو خیال یہ تھا کہ اس کو مرکز ہی میں تعلیم کے لیے رکھ دیا جائے لیکن آخر میں فیصلہ سرائے میر ہی جانے کا طے ہوا، مدرسۃ الاصلاح میں بھی جماعت نکالتا تھا، اور اس میں مدرسۃ الاصلاح کے ساتھ مدرسہ بیت العلوم کے طلبہ کو بھی جوڑ لیا کرتا تھا، جس کی وجہ سے دونوں مدرسوں کی دوری میں بھی بہت فرق پڑ چکا تھا، اور یہ بات مدرسۃ الاصلاح کے خاص خاص لوگوں کو پسند نہ تھی، کیوں کہ دونوں مدرسے نظریاتی طور سے الگ الگ تھے، آخر میں یہی سبب مدرسۃ الاصلاح چھوڑنے کا سبب بنا۔

اس زمانہ کی کاپیاں تو محفوظ نہیں رہیں، مگر چند ایک پروگرام اس کاپی میں محفوظ ہے، اور وہ ۱۹۷۶ء اور ۱۹۷۷ء سے متعلق ہے، وہ ہے حضرت مولانا مستقیم صاحب بستوی امیر کارواں کا نظام الاوقات، جو ۲۹؍اکتوبر ۱۹۷۶ء سے لے کر ۳۰؍نومبر ۱۹۷۶ء تک کا دورہ ہے، ۳۳ دن مسلسل ہے، ۲۹؍اکتوبر جمعہ کو رسڑا سے شروع ہوا، آٹھ دن کے بعد ۶؍نومبر ۱۹۷۶ء سنیچر کو بلتھر اروڈ پہنچے، پھر ۱۳؍نومبر کو اعظم گڈھ پہنچے، ان دونوں جگہوں پر بندہ بھی آپ کے ساتھ رہا، پھر ۲۲؍نومبر سے ضلع جونپور پھر ۲۵/۲۶؍نومبر کو مئو، ان تمام جگہوں میں میں بھی مولانا مستقیم کے ساتھ رہا۔ پھر یکم دسمبر ۷۶ء کو (پرانے ساتھیوں) کے ساتھ مئو جڑا، مشورہ کے بعد سرائے میر چلا گیا، وہاں سے دس دن کی جماعت بنا کر الہ آباد پہنچا، الہ آباد میں مشرقی یوپی کے اضلاع کا اجتماع ۲۵/۲۶/۲۷؍دسمبر ۱۹۷۷ء کو طے ہوا تھا وہاں جماعت لے کر گیا، ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء بعض دوسرے مواقع میں بھی مولانا مستقیم کے ساتھ وقت لگا، مثلاً ۸؍مارچ ۱۹۷۷ء بلتھر اروڈ، ۹؍مارچ ۱۹۷۷ء پورہ معروف، ۱۰؍مارچ ۱۹۷۷ء، ۱۱؍مارچ، بمہور، ۱۲؍مارچ اعظم گڈھ ۱۳؍مارچ بلریا گنج، ۱۵؍مارچ سجنی، ۲۰؍مارچ تبلیغی اجتماع منڈھیاؤں، ضلع جون پور، سرائے میر قیام کے زمانہ میں ایک تبلیغی مرکز ضلع اعظم گڈھ میں اور بڑھ گیا، وہ تھا ہاٹل، ہر جمعرات کو وہاں کا پنج کوسی قیام اور شب گزاری ہوتی، اس مرکز کی نگرانی بھی میرے ذمہ تھی، اس طرح تبلیغ میں بھی اللہ تعالیٰ نے حصہ مقرر فرمایا تھا، کاش یہ سب عند اللہ تعالیٰ مقبول ہو جائیں۔

(بشکریہ مجلہ سراج الاسلام، سہ ماہی، چھپرہ ضلع مئو نومبر ۲۰۱۳ء)

Printed by: Maktaba Al-Faheem Mau,988912312